مثالی مسلمان عورت

کامیاب مثالی مسلمان
عورت کی دلکش تصویر
کتاب و سنّت کی روشنی میں

مؤلّف
ڈاکٹر محمد علی الہاشمی

ترجمہ
سلیم اللہ زمان حفظہ اللہ تعالیٰ

DARULIBLAGH

کتاب و سنت کی اشاعت کا مثالی ادارہ

مثالی مسلمان عورت

کامیاب مثالی مسلمان عورت کی دلکش تصویر کتاب و سنت کی روشنی میں

تالیف .... ڈاکٹر محمد علی الہاشمی

ترجمہ .... سلیم اللہ زمان

نظر ثانی .... ابو الحسن مبشر احمد ربانی

پہلا ایڈیشن .... جون 2008ء

پاکستان میں ہماری کتب مندرجہ ذیل اداروں سے مل سکتی ہیں

- لاہور: دار التدبیر - مرکز القادسیہ 7230549 - دارالسلام شوروم 7232400 - مکتبہ قدوسیہ 7230585 - مکتبہ سلفیہ 7237184 - کتب سرائے 7320318 - اسلامی اکیڈمی 7357587 - نعمانی کتب خانہ 7321865 - مکتبہ رحمانیہ 7224228 - مکتبہ دارالھدیٰ 7639557 - ابلاغ 042-5717842 -
- راولپنڈی: تحریکات طیبہ کشمیری بازار 5535168 - اسلام آباد: اسلامک سنٹر 2261356 - ابلاغ 051-2281420 -
- کراچی: دی بک ڈسٹری بیوٹرز 7767137 - مکتبہ دارالقرآن 021-2211998 علمی کتب خانہ اردو بازار -
- فیصل آباد: کتب اسلامیہ بیرون امین پور بازار 631204 - مکتبہ اہلحدیث امین پور بازار 041-2629292 0300-6628021
- پشاور: معراج کتب خانہ 214730 - بہاولپور: مکتبہ ... السلفیہ 0333-2007264
- سیالکوٹ: مکتبہ رحمانیہ ... روڈ سیالکوٹ 052-4591911

دارالابلاغ پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز

رحمٰن مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور فون: 00300-4453358, 042-703877

تالیف
ڈاکٹر محمد علی الہاشمی حفظہ اللہ

ترجمہ
سلیم اللہ زمان حفظہ اللہ

نظر ثانی
مولانا ابو الحسن مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ

دار الابلاغ پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز لاہور پاکستان
فون: 4453358-0300
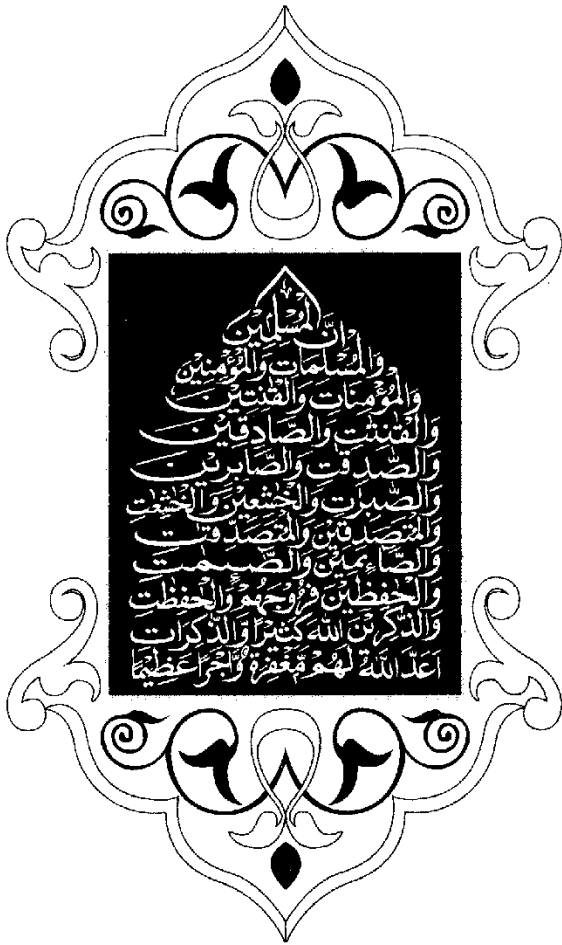
''یقیناً جو مرد اور عورتیں مسلم ہیں، مومن ہیں، مطیع فرمان ہیں، راست باز ہیں، صابر ہیں، اللہ کے آگے جھکنے والے ہیں، صدقہ دینے والے ہیں، روزہ رکھنے والے ہیں، اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔''

(الاحزاب:35/33)

آئینہ
مثالی مسلمان عورت

باب: ۱

مثالی مُسلمان عورت کا تعلق
اپنے رب کے ساتھ

باب:۲

مثالی مُسلمان عورت کا تعلق

اپنی ذات کے ساتھ

باب:۳

مثالی مُسلمان عورت کا تعلق
اپنے والدین کے ساتھ

باب:۴

مثالی مُسلمان عورت کا تعلق
اپنے خاوند کے ساتھ

باب: ۵

مثالی مسلمان عورت کا تعلق
اپنی اولاد کے ساتھ

باب:٦

مثالی مُسلمان عورت کا تعلق
اپنی بہو اور داماد کیساتھ

باب: ۷

مثالی مسلمان عورت کا تعلق
اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کیساتھ

باب: ۸

مثالی مسلمان عورت کا تعلق
اپنی پڑوسنوں کے ساتھ

باب: ۹

مثالی مُسلمان عورت کا تعلق
اپنی بہنوں اور سہیلیوں کیساتھ

باب: ۱۰

مثالی مُسلمان عورت کا تعلق
اپنے مُعاشرہ کے ساتھ

❀❀❀

ہم اپنی اس کتاب کا انتساب وفا کی پتلی، صلیبی مذہب کو چھوڑ کر اسلام کے سر سبز وشاداب گلشن میں آباد وشاد ہونے والی، نمازِ پنجگانہ کے علاوہ تہجد کی عادی اور اشراق جن کا معمول ہے...... اپنے بے مثال شوہر پر جانثار وقربان ہو جانے کے جذبات رکھنے والی، اور اپنے آپ کو اپنی ذات وہستی کو اپنے جیون ساتھی کی محبت میں فنا کر دینے والی بہن:

ہینی خان زوجہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان

کے نام

کرتے ہیں، کہ جن کو بہت ڈرایا دھمکایا گیا کہ وہ اپنے شوہر کو چھوڑ کر پاکستان سے یورپ چلی جائیں، یوں ڈاکٹر صاحب تک رسائی کے راستے میں آخری کانٹا بھی صاف ہو جائے، لیکن وہ اپنی جان داؤ پر لگا کر اپنے شوہر پر شجر سایہ دار بنی رہیں، انھوں نے بیماری کے طویل عرصہ میں اپنے شوہر کی بے مثال و بے لوث خدمت کر کے مشرقی عورت کی وفا اور جانثاری کو پیچھے چھوڑ دیا۔ ہر مصیبت، آزمائش، پریشانی اور دھمکی کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور اپنے شوہر کا مردانہ وار دفاع کیا۔

جو آج بھی دین اسلام کے سایہ میں پناہ تلاش کرنے والی یہ بہن، محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر کی دن رات جاگ کر خدمت و مدارت اور نگرانی کر کے پاکستانی قوم پر ایک عظیم احسان اور کافروں کے ڈاکٹر صاحب کے خلاف منصوبوں کو خاک میں ملا رہی ہیں۔ اللہ کریم ان کو اس عمل پر صلہ واجر سے نوازے۔ آمین

حرفِ تمنا

دھڑکتے دلوں کا آئیڈیل یا ناسور

چند سال قبل عمرہ پر گیا تو اپنی سابقہ عادت کے مطابق کہ میں دنیا کے جس خطے یا حصے میں جاؤں وہاں کوئی مکتبہ'' لائبریری یا کتب کا کسی قسم کا ذخیرہ ڈھونڈنا میری مجبوری ہوتا ہے، لہٰذا میں یہاں بھی حرم کعبہ کے باب المدینہ کے باہر مکتبہ انس بن مالک پر جا کھڑا ہوا۔ میں نے وہاں سے چند کتابیں پسند کیں اور کاؤنٹر پر ایک انڈین نژاد مینجر سے بل بنوانے لگا۔ اس کے پوچھنے پر جب میں نے اپنا نام بتایا تو اس کا بل بناتا ہوا قلم رک گیا۔ وہ حیرت و استعجاب سے کہنے لگا: آپ پاکستان سے آئے ہیں؟ میں نے کہا: بالکل۔ پھر کہنے لگا: آپ وہی طاہر نقاش تو نہیں جو متعدد کتب کے مؤلف بھی ہیں؟ میں نے جواب دیا: بالکل ایسے ہی ہے لیکن آپ مجھے کیسے جانتے ہیں؟ تو کہنے لگا: میں نے پچھلے ہی دنوں آپ کی نئی کتاب '' سپنوں کا شہزادہ'' پڑھی ہے۔ پھر اس نے ہوٹل میں دعوت بھی دی اور مجھے لقمان سلفی ﷾ کی چند کتب بھی تحفہ میں دیں۔

یہ انڈین سلفی بھائی مجھے محبت بھرے انداز میں نئی آنے والی کتب دکھا رہا تھا، کہ اچانک میری نظر وہاں پڑی ڈاکٹر محمد علی الہاشمی ﷾ کی کتاب "شخصية المرأة المسلمة كما يصوغها الاسلام" پر پڑی۔ اسے دیکھتے ہی میرا ماتھا ٹھنکا، میں نے اسے فوری اٹھایا، ورق گردانی کے بعد نہایت خوشگوار حیرت ہوئی۔ یہ کتاب مسلمان عورتوں کو کامیاب زندگی گزارنے کے راز بتاتی ہے اور ان پر مسلم معاشرے کا آئیڈیل بننے کا سنہری لائحہ عمل واضح کرتی ہے۔ میں اس سے قبل پاکستان میں ڈاکٹر محمد علی الہاشمی کی کتاب "شخصية المرأ المسلم كما يصوغها الاسلام" کو پہلی مرتبہ حافظ صلاح الدین یوسف اور مولانا مبشر احمد ربانی ﷾ کے تعاون سے متعارف کروا چکا تھا۔ اس مکتبہ پر یہ کتاب دیکھ کر مجھے علم ہوا کہ ڈاکٹر صاحب کی وہ کتاب جو میں پاکستان میں متعارف کروا چکا ہوں، مردوں کے لیے ہے اور یہ اس کا دوسرا حصہ ہے، جو عورتوں کے لیے مخصوص ہے، کہ جس کا مجھے آج سے پہلے علم نہ تھا، یوں ڈاکٹر صاحب نے ان دونوں کتابوں کے ذریعہ مسلمان مرد اور مسلمان عورت کی شخصیت کو اسلام کی دلآویز تعلیمات کے سانچے میں ڈھالنے اور نکھارنے کی یکساں راہنمائی فراہم کی ہے۔ میں نے اسے فوری خرید لیا اور پختہ ارادہ کیا کہ جس طرح ڈاکٹر صاحب کی پہلی کتاب کو پاکستان میں '' اسلامی طرزِ زندگی'' کے نام سے متعارف کروا چکا ہوں، اس کتاب کو بھی صنف نازک کی بہترین رہنمائی کے لیے متعارف کرواؤں گا۔ تاکہ کامیاب زندگی گزارنے کی خواہش مند ماری

ماری پھرنے والی تشنۂ آرزو مومنات، مسلمات، عابدات وزاہدات کیلئے کامیابی وکامرانی بھرا سرمایۂ زیست اور توشۂ آخرت مہیا کرسکوں۔

میں نے یہ کتاب پاکستان واپسی پر فوری طور پر مولانا سلیم اللہ زمان صاحب کہ جن کی ترجمہ شدہ متعدد کتب دارالابلاغ کے پلیٹ فارم سے منظر عام پر آ چکی ہیں، کے سپرد کر دی، تا کہ وہ پہلی فرصت میں اسے اردو کے قالب میں ڈھال دیں۔ یہ کام مختلف وقفوں سے دو سال تک ہوتا رہا۔ پھر اس پر تحقیق، تخریج اور تسہیل کے مراحل طے ہوتے رہے۔ ایک عرصہ کی محنت شاقہ اور عرق ریزی کے بعد یہ کتاب کمپیوٹر میں کتابت و ڈیزائننگ کے بعد تیار ہوگئی۔ اب میں نے ڈاکٹر محمد علی الہاشمی ﷾ کی پہلی کتاب جو مردوں کے لیے اور یہ کتاب عورتوں کے لیے تھی کو ایک خوبصورت سیٹ کی شکل میں پیش کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ لہٰذا اب یہ دونوں کتابیں اللہ کریم کے فضل وکرم سے ایک دیدہ زیب سیٹ کی شکل میں بنام:

① مثالی مسلمان مرد ② مثالی مسلمان عورت

کے نام سے آپ کے سامنے پیش کی جا رہی ہیں۔ امید ہے یہ کتابیں معاشرے کے مسلمان مرد و عورت دونوں کو کامیاب زندگی گزارنے کا سلیقہ سکھا کر دنیا و آخرت میں اس کی مقبول و پسند اور آئیڈیل شخصیت کی تعمیر میں بنیادی کردار ادا کریں گی۔ ان شاء اللہ۔

یہ کتاب دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو کر مسلمان خواتین کی راہنمائی کا فریضہ سرانجام دے رہی ہے۔ یہ اعزاز بھی اللہ کریم نے دارالابلاغ کو بخشا کہ دنیا میں اس کا سب سے پہلا اردو ترجمہ اس کے پلیٹ فارم سے کئی سال قبل مولانا سلیم اللہ زمان نے کیا۔ فللہ الحمد

اس کے بعد اس کا ترجمہ سعودیہ کے ادارہ عالمیہ نے بھی کیا۔ یہ کتاب ایک مثالی مسلمان عورت کی زندگی کو دس پہلوؤں میں تقسیم کر کے اس کو کامل راہنمائی فراہم کرتی ہے، کہ جس کو اپنا کر وہ اس دنیا میں بھی دنیا والوں کی آنکھ کا تارا بن سکے اور مرنے کے بعد بھی فضیلت کے روشن آسمان میں چمکتے تاروں میں چاند بن سکے۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہر گم کردہ راہ خاتون اسلام کو زندگی کے تمام میدانوں میں کامیاب و کامران کرے اور دارالابلاغ کو مزید دین کی خدمت کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ اور بندہ کے والد صاحب کو جنتوں میں کروٹ کروٹ اللہ الرحمٰن کی رحمتوں برکتوں اور بخششوں سے نوازے۔ آمین! اور اس کتاب پر کام کرنے والی ٹیم کے لیے اس کتاب کو توشہ آخرت بنا دے۔ آمین!

خادم کتاب و سنت

محمد طاہر نقاش

۱۶ اکتوبر ۲۰۰۸ء لاہور

مسلمان خاتون کو سب سے زیادہ نمایاں اور اجاگر کرنے والی خوبی اس کا اللہ تعالیٰ پر گہرا ایمان اور یقین ہے کہ کائنات میں رونما ہونے والے تازہ ترین واقعات' حادثات اور لوگوں پر اثر انداز ہونے والے ان کے نتائج' سبھی کے سبھی اللہ تعالیٰ کے قضاوقدر کے باعث ہیں۔ وہ یہ بھی یقین رکھتی ہے کہ انسان کو جو کچھ غم والم پہنچ رہا ہے وہ اس سے خطا ہونے والا نہیں اور جو اس سے خطا ہو رہا ہے وہ اسے لاحق ہونے والا نہیں۔ اور اس حیات مستعار میں انسان کے ذمے صرف یہی کام ہے کہ وہ اپنی دنیا اور دین کے بارے میں نیکی کے راستے پر گامزن رہے اور عمل صالح کے اسباب کو اختیار کرے، اللہ تعالیٰ پر ایسا توکل رکھتے ہوئے جیسا کہ توکل رکھنے کا حق ہے' اپنے معاملے کو ذات باری تعالیٰ کے سپرد کرے اور اس بات پر یقین رکھے کہ وہ بلا توقف اور ہر دم اس کی مدد' تائید اور رضامندی کا فقیر ومحتاج ہے۔

سیدہ ہاجرہ علیہا السلام کا قصہ ایک مسلمان خاتون کے سامنے اللہ تعالیٰ پر گہرے ایمان' اس پر صدق توکل رکھنے کی اعلیٰ و نفیس ترین مثال پیش کرتا ہے کہ جب انہیں سیدنا ابراہیم علیہ السلام مکہ مکرمہ میں بیت اللہ کے پاس' بئر زمزم کی بالائی جانب' ایک بڑے پھیلے ہوئے درخت کے پاس چھوڑ کر چلے گئے تھے' جبکہ اس وقت مکہ کی وادی میں کوئی انسان تھا' اور نہ وہاں پانی کا نام و نشان نہ تھا۔ سیدہ ہاجرہ علیہا السلام کے ہمراہ ان کے شیر خوار بچے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے علاوہ کوئی دوسرا نہ تھا۔ جب سیدہ ہاجرہ علیہا السلام نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے مکمل خود اعتمادی' پورے وثوق' اور کامل اطمینان سے یہ استفسار کیا تھا: ''اے ابراہیم! کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہی حکم کیا ہے؟'' (کہ ہمیں بے آسرا و مدد گار اس بیابان پہاڑوں کی وادی میں تن تنہا چھوڑ جائیں) تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے یہ جواب دیا تھا: ''جی ہاں۔'' تو اس پر سیدہ ہاجرہ علیہا السلام کا رضا و تسلیم سے معمور اور امن و نوید سے بھرپور جواب کچھ اس طرح تھا: ''تب وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔''[1]

بلاشبہ یہ بڑا ہی کٹھن اور سخت ترین مرحلہ تھا کہ خاوند اپنی رفیقۂ حیات اور اپنے طفل شیر خوار کو ویرانے میں چھوڑ کر جا رہا ہے' جہاں آب و گیاہ تھا اور نہ ہی کوئی انسان' اور خود ان سے قدرے فاصلے پر ملک شام کی جانب رخ کیے ہوئے ہے' اور ان دونوں کے پاس ایک چمڑے کے تھیلے جس میں کچھ کھجوریں تھیں اور ایک مشکیزے جس میں پانی تھا، کے علاوہ کچھ بھی چھوڑ کر نہ گیا تھا۔ اگر گہرا ایمان نہ ہوتا کہ جس نے سیدہ ہاجرہ کے نفس کو بھرپور طور پر طاقتور و توانا کر رکھا تھا اور اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر ایسا صادق توکل نہ ہوتا کہ جس نے اس کے احساسات اور جذبات کو ایک آس و امید سے لبریز کر رکھا تھا تو وہ اس خوفناک مرحلے کو برداشت کرنے کی ہمت نہ پاتیں' بلکہ ابتدائے معاملہ ہی میں اس کی رو میں بہہ جاتی اور وہ ایسی زندۂ جاوید خاتون نہ بنتیں کہ جسے بیت اللہ کا حج و عمرہ کرنے والے لیل و نہار کی گھڑیوں میں یاد کرتے ہیں جب بھی وہ پاکیزہ آب زمزم نوش جان فرماتے اور صفا و مروہ کے درمیان بالکل ویسی ہی سعی کرتے ہیں جیسی اس نے اس مشکل ترین وقت اور دن میں کی تھی۔

اس ایمانی بیداری نے مسلمان مردوں اور خواتین کی زندگی میں عجیب و غریب نتائج پیدا کیے

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الاحادیث الانبیاء، باب (یزفون) : ۳۳۶٤۔

ہیں ان کے ضمیروں کو بیدار' جذبات کو تیز اور دلوں کو خبردار کر دیا کہ اللہ تعالیٰ تمام اسرار اور بھیدوں کی اطلاع رکھنے والا ہے اور وہ انسان کے احوال کا بخوبی علم رکھنے والا ہے خواہ وہ جہاں کہیں بھی ہو۔ ضمیر کی بیداری اور ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ کے ڈر کو حاضر رکھنے پر اس مسلمان خاتون کے واقعے سے بڑھ کر کوئی بھی واقعہ دلالت کرنے والا نہیں ہے جو ''صفة الصفوة'' اور ''وفیات الوعیان'' میں وارد ہے اور جسے امام ابن الجوزی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''احکام النساء'' میں نقل فرمایا ہے۔[1]

کہتے ہیں: عبداللہ بن زید بن اسلم اپنے باپ سے' اپنے دادے سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں: درآں حالیکہ میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھا جبکہ وہ مدینہ منورہ میں رات کو گشت کر رہے تھے' آپ تھک کر ایک دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے' اچانک آواز آنے لگی کہ کوئی خاتون اپنی بیٹی سے کہہ رہی ہے: ارے بیٹی! اس دودھ کے پاس جا اور اس میں پانی ملا دے۔ وہ جواب میں بولی: اری اماں! کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ آج امیر المومنین نے کتنی سختی سے منادی کروائی ہے؟ ماں بولی: ارے بیٹی! اتنی سختی سے کونسی منادی ہے؟ بیٹی بولتی ہے: آپ نے ایک منادی کو بھیجا تھا جو ندا دیتا رہا ہے کہ کوئی شخص بھی دودھ میں پانی کی ملاوٹ نہ کرے' ماں پھر سے بولی: اری صاحبزادی! کھڑی ہو اور جا کر اس دودھ میں پانی ملا دے' کیونکہ تو ایسی جگہ میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تجھے دیکھ تو نہیں رہے۔ تب بیٹی نے اپنی ماں سے کہا: میں ایسی نہیں ہوں کہ جلوت میں تو اس کی اطاعت گزاری کروں اور خلوت میں اس کی نافرمانی کروں۔ ادھر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس ساری گفتگو کو سن رہے تھے' تب بولے: اے اسلم! اس جگہ پر جا کر دیکھو' یہ بات کون کر رہی ہے؟ اور جسے کہہ رہی ہے وہ کون ہے؟ اور کیا ان کے پاس کوئی مرد ہے؟ راوی کہتا ہے: میں اس مقام تک گیا، تو میں نے دیکھا کہ ایک کنواری لڑکی ہے' اور دوسری اس کی ماں ہے' اور ان کے پاس کوئی مرد نہیں ہے' میں نے واپس آ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ساری تفصیل سے آگاہ کیا۔

چنانچہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام لڑکوں کو جمع فرمایا اور پوچھا: کیا تم میں سے کوئی بیوی کا حاجت مند ہے کہ میں اس کی شادی کر دوں؟ اگر تمہارے باپ کو عورتوں کی طرف کوئی

---

[1] ص ٤٤١' ٤٤٢۔

میلان ہوتا تو اس کنواری دوشیزہ کی جانب تم میں سے کوئی بھی اس سے سبقت نہ کر پاتا' عبداللہ بولا: میرے پاس تو بیوی ہے' اور عبدالرحمٰن نے بھی جواب دیا کہ میرے پاس بھی جورو موجود ہے' اور پھر عاصم بولا: میرے پاس بیوی نہیں ہے لہٰذا میری شادی کر دیں' سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے عاصم سے اس دوشیزہ کی شادی کر دی، تب اس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس سے سیدنا عمر بن عبدالعزیز (رحمہ اللہ) تولد ہوئے۔

بلاشبہ یہی وہ ضمیر کی بیداری ہے جسے اسلام نے اس نوجوان دوشیزہ کے دل میں مستحکم کر دیا ہے' اسی بنا پر وہ پرہیزگار، اپنے ظاہر و باطن اور اپنی جلوت و خلوت میں کردار کی پکی ہے اور اس کا کامل یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلسل اس کے ساتھ ہے جو اسے دیکھ رہا اور اس کی باتیں سن رہا ہے' اور یہی سچا ایمان اور اس کا قیمتی ترین ثمرہ ہے جس نے اپنی اختیار کرنے والی کو ''مرتبہ احسان'' پر فائز کر دیا ہے' اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسے جلد یہ ثواب عطا فرمایا کہ اس کا یہ مبارک اور نیک بخت نکاح کر دیا کہ اس کی نسل و ذریت سے خلفاء راشدین میں سے پانچویں خلیفہ راشد سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ پیدا ہوئے ہیں۔

صاحب ہوش اور سمجھدار مسلمان:

مومنہ خاتون کا عقیدہ بھی انتہائی صاف شفاف ہوتا ہے، جس میں جہالت کے کسی شائبہ کی آمیزش ہوتی ہے اور نہ ہی خرافات کی کوئی ملاوٹ اور نہ ہی اس کی چمک دمک کو وہم وگمان کا کوئی سایہ ہی مدھم بناتا ہے۔

بلاشبہ اس کا یہ عقیدہ اس اللہ تعالیٰ پر قائم و دائم ہے جو واحد' احد' بلند اور صمد ہے جو ہر چیز پر کامل قدرت رکھنے والا ہے' جس کے ہاتھ میں تمام امور کی چابیاں ہیں' اور اسی کی طرف تمام معاملات لوٹنے والے ہیں، ارشاد ربانی ہے:

﴿ قُلْ مَنْ بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ○ سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ قُلْ فَأَنّٰى تُسْحَرُونَ ﴾ (المؤمنون : ۲۳/۸۸، ۸۹)

''پوچھئے کہ تمام چیزوں کا اختیار کس کے ہاتھ میں ہے؟ جو پناہ دیتا ہے اور جس کے

مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دیا جاتا' اگر تم جانتے ہو تو بتلا دو؟ وہ یہی جواب دیں گے کہ اللہ ہی ہے' کہہ دیجیے پھر تم کدھر جادو کر دیے جاتے ہو؟''

اور یہی گہرا' واضح اور صاف شفاف ایمان ہی مسلمان خاتون کی شخصیت کو قوت و طاقت' سمجھداری' صحت اور مضبوطی میں مزید پختہ کرتا ہے' پھر وہ اس زندگانی کی حقیقت کو دیکھتی ہے کہ یہ دار آزمائش اور امتحان گاہ ہے جس کے نتائج ایک ایسے دن میں اس کے روبرو پیش کیے جائیں گے جس کے آنے میں کچھ بھی شک وشبہ نہیں ہے:

﴿ قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ (الجاثية: ٤٥/٢٦)

''آپ کہہ دیجیے کہ اللہ ہی تمہیں زندہ کرتا ہے پھر تمہیں مار ڈالتا ہے پھر تمہیں قیامت کے دن جمع کرے گا، جس میں کوئی شک نہیں لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔''

﴿ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴾

(المؤمنون: ٢٣/١١٥)

''کیا تم یہ گمان کیے ہوئے ہو کہ ہم نے تمہیں یونہی بیکار پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹائے ہی نہ جاؤ گے۔''

﴿ تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۝ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَّهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ﴾

(الملك: ٦٧/١-٢)

''بہت بابرکت ہے وہ اللہ جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے اور جو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ جس نے موت اور حیات کو اس لیے پیدا کیا کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے اچھے کام کون کرتا ہے اور وہ غالب اور بخشنے والا ہے۔''

اور اس روز انسان کو اس کے عمل کی بنیاد پر بدلہ دیا جائے گا اگر اچھا ہوا تو اچھا بدلہ اور اگر برا ہوا تو برا بدلہ' اسے کسی طرح کا ظلم بالکل نہیں چھوئے گا:

﴿ اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ

الْحِسَابِ ﴾ (المؤمن: ۱۷/۴۰)

''آج (قیامت کے دن) ہر نفس کو اس کی کرنی کا پھل دیا جائے گا۔ آج کسی قسم کا ظلم نہیں ہوگا، یقیناً اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب کرنے والا ہے۔''

اور حساب کا ترازو قائم ہو جائے گا انسان کے حق میں یا برخلاف:

﴿ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ○ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ﴾ (الزلزال: ۹۹/ ۷-۸)

''پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔''

اور اس روز اللہ عزت وجلالت والے رب سے ایک رائی کے دانے کے برابر بھی ہرگز کوئی چیز پوشیدہ اور اوجھل نہ رہے گی:

﴿ وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَ اِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَ كَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴾ (الأنبياء: ۲۱/ ۴۷)

''قیامت کے دن ہم درمیان میں لا کر رکھیں گے ٹھیک ٹھیک تولنے والی ترازو کو پھر کسی پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا' اور اگر ایک رائی کے دانے کے برابر بھی عمل ہوگا ہم اسے لا حاضر کریں گے' اور ہم کافی ہیں حساب کرنے والے۔''

اس امر میں کوئی شک نہیں کہ جب ہدایت یافتہ سمجھدار مسلمان خاتون ان واضح آیات کریمات کے معانی پر تدبر کرتی اور اس سخت ترین دن پر اپنی چشم بصیرت سے غور وفکر کرتی ہے' تو وہ فرماں بردار رجوع کرنے والی اور شکر بجالانے والی خواتین کی طرح اپنے پروردگار کی طرف لپکتی ہے اور پھر حتی المقدور اس عارضی زندگی میں اپنی آخرت کے لیے صالح اعمال کرنے میں لگ جاتی ہے۔

اپنے رب کی عبادت گزار رہتی ہے:

یہ کوئی انوکھا امر نہیں ہے کہ راست باز اور سچی مسلمان خاتون بڑی بلند ہمتی کے ساتھ اپنے پروردگار کی عبادت کی طرف متوجہ ہوتی ہے کیونکہ وہ جانتی ہے کہ وہ ان شرعی اعمال کی مکلف ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض فرمایا ہے' یہی وجہ ہے کہ وہ اسلام کے فرائض

اور ارکان کو باحسن طریق سرانجام دیتی ہے جن میں کسی طرح کی بہانہ بازی، بے جا غفلت اور دانستہ کوتاہی کا ارتکاب بھی نہیں کرتی۔

نماز پنج گانہ کو قائم رکھتی ہے:

وہ نماز پنج گانہ کو ان کے اوقات پر قائم رکھتی ہے، ان نمازوں کو ان کے اوقات میں ادا کرنے سے گھریلو مصروفیات اور مادرانہ اور ازدواجی ذمہ داریاں اسے غافل نہیں کرتیں، کیونکہ نماز تو دین کا ستون ہے، جو اسے قائم رکھتا ہے وہ اپنے دین کو قائم رکھتا ہے، اور جو اسے ترک کر دیتا ہے وہ دین کو گرا دیتا ہے۔ [1]

بلکہ یہ تو تمام اعمال میں سے افضل اور اعلیٰ ترین عمل ہے۔ جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں اسے بیان فرمایا ہے جسے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بایں الفاظ روایت کیا ہے:

"میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: سب اعمال میں سے افضل عمل کون سا ہے؟
آپ نے فرمایا: ((اَلصَّلَاةُ عَلٰی وَقْتِهَا))
"نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنا۔" میں نے عرض کی: پھر کونسا؟ فرمایا: ((بِرُّ الْوَالِدَيْنِ))
"والدین سے نیک سلوک کرنا۔" میں نے عرض کی: پھر کونسا؟ فرمایا: ((اَلْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ)) [2] "اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔"

یہ اس لیے کہ نماز بندے اور اس کے رب کے درمیان ایک تعلق ہے اور یہی وہ وافر بہنے والا چشمہ لاثانی ہے جس سے انسان قوت، ثابت قدمی، رحمت اور رضا مندی پاتا ہے اور اس سے اس کی خطائیں اور کوتاہیاں دھو دی جاتی ہیں۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

"تمہارا کیا خیال ہے اگر تم میں سے کسی کے دروازے کے سامنے ایک نہر بہتی ہو اور وہ اس میں روزانہ پانچ بار نہاتا ہو، کیا اس کی کوئی میل کچیل باقی رہ جائے گی؟ صحابہ

---

1. دیکھئے احیاء علوم الدین: ۱/۱۴۷۔
2. صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب فضل الصلاۃ لوقتہا: ۵۲۷۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان کون الایمان باللّٰہ تعالیٰ: ۸۵۔

کرام نے جواب دیا: اس کی کچھ بھی میل کچیل باقی نہیں رہے گی' تو آپ ﷺ نے فرمایا: پانچوں نمازوں کی بالکل یہی مثال ہے' اللہ تعالیٰ ان کے باعث خطائیں اور غلطیاں مٹاڈالتا ہے۔''[1]

اور سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''نماز پنج گانہ کی مثال تمہارے ایک کے دروازے کے سامنے اس رواں دواں خوب خوب بہنے والی نہر کی مثل ہے' جس میں وہ روزانہ پانچ بار غسل کرتا ہو۔''[2]

نماز تو بندوں کے لیے ایسی رحمت ایزدی ہے' جس کے سائے میں پانچ بار آ کر وہ سایہ حاصل کرتے ہیں' اس میں وہ اپنے پروردگار کی حمد و ثنا بیان کرتے' اس کی تسبیح و تقدیس بیان کرتے' اس سے مدد کی فریادیں کرتے اور اس سے رحمت' ہدایت اور مغفرت مانگتے ہیں' یہی وجہ ہے کہ نماز تو نمازی مردوں اور عورتوں کو پاک کرنے والی بہترین چیز ہے' جو ان سے خطائیں مٹاتی اور گناہوں اور لغزشوں کو ختم کرتی ہے۔ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے خود سنا ہے:

''کوئی بھی مسلمان مرد ایسا نہیں ہے جسے کسی فرض نماز کا وقت آ جائے تو وہ اس کے لیے بہترین وضو کرے' اس کے خشوع اور رکوع کو بہترین بنائے مگر وہ نماز اس کے گزشتہ گناہوں کے لیے کفارہ بن جاتی ہے' جب تک کہ کسی گناہ کبیرہ کا ارتکاب نہ کیا جائے اور یہ وعدہ زمانہ بھر کے لیے ہے۔''[3]

نماز کی فضیلت' اہمیت' خیر اور برکت پر مبنی احادیث نمازی مردوں اور عورتوں کے حق میں تو بکثرت اور مشہور و معروف ہیں جو اس عمومی خیر کثیر کو پر زور طریقے سے بیان کرتی ہیں، جسے نمازی حضرات مرد ہوں یا عورتیں حاصل کرتے ہیں جب وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے فرمانبرداری اور عاجزی کرتے ہوئے کھڑے ہوتے ہیں۔

---

1. صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب الصلوات الخمس ...... الخ : ٥٢٨۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب المشی الی الصلاۃ...... الخ : ٦٦٧۔ شرح السنہ : ١٧٥/٢۔
2. صحیح مسلم، کتاب المساجد' باب المشی الی الصلاۃ : ٦٦٨۔
3. صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ: باب فضل الوضوء والصلاۃ عقبہ، حدیث : ٢٢٨۔

کبھی کبھار وہ مسجد میں نماز باجماعت کے لیے بھی حاضر ہوتی ہے:

بلاشبہ اسلام نے عورت کو مسجد میں باجماعت نماز کے لیے لازماً حاضر ہونے سے تو معاف کیا ہے لیکن عین اسی وقت اس کے لیے یہ اجازت بھی رکھی ہے کہ وہ باجماعت نماز کی ادائیگی کے لیے مسجد کی طرف جا سکتی ہے' یقیناً عورت عملاً مسجد کی جانب نکلی بھی ہے اور اس نے رسول اکرم ﷺ کی اقتدا و امامت میں نمازیں بھی پڑھی ہیں۔

سیدہ عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے:

((لَقَدْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي الْفَجْرَ' فَيَشْهَدُ مَعَهٗ نِسَآءٌ مِّنَ الْمُؤْمِنَاتِ مُتَلَفِّعَاتٍ فِيْ مُرُوْطِهِنَّ ثُمَّ يَرْجِعْنَ اِلٰى بُيُوْتِهِنَّ مَا يَعْرِفُهُنَّ اَحَدٌ)) ①

''بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نماز فجر ادا فرمایا کرتے' تو آپ کے ساتھ کچھ اہل ایمان خواتین بھی اپنی بڑی بڑی چادروں میں لپٹی ہوئی حاضر ہوا کرتی تھیں' پھر وہ اپنے گھروں کو لوٹتی تھیں کہ کوئی بھی انہیں پہچانتا نہ ہوتا۔''

آپ (رضی اللہ عنہا) ہی سے یوں بھی مروی ہے:

((كُنَّ نِسَآءُ الْمُؤْمِنَاتِ يَشْهَدْنَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ صَلَاةَ الْفَجْرِ مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوْطِهِنَّ' ثُمَّ يَنْقَلِبْنَ اِلٰى بُيُوْتِهِنَّ حِيْنَ يَقْضِيْنَ الصَّلَاةَ' لَا يَعْرِفُهُنَّ اَحَدٌ مِّنَ الْغَلَسِ)) ②

''ایماندار عورتیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنی بڑی چادروں کو لپیٹے ہوئے نماز فجر میں حاضر ہوا کرتی تھیں' پھر وہ نماز پوری کرنے پر اپنے اپنے گھروں کو پلٹا کرتیں کہ اندھیرے کے باعث کوئی انہیں پہچانتا نہ تھا۔''

رسول اکرم ﷺ اپنی نماز کو اس وقت مختصر فرما لیا کرتے تھے جب کسی بچے کے رونے کی

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الصلوۃ: باب فی کم تصلی المراۃ فی الثیاب: ۳۷۲۔ صحیح مسلم: کتاب المساجد، باب استحباب التبکیر بالصبح، حدیث: ٦٤٥

❷ صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب وقت الفجر، حدیث: ۵۷۸۔ مسلم، کتاب المساجد، باب استحباب التبکیر بالصبح، حدیث: ٦٤٥۔ شرح السنہ: ۲/۱۹۵ کتاب الصلاۃ: باب تعجیل صلاۃ الفجر

آواز سن لیتے، صرف اس امر کا خیال رکھتے ہوئے کہ اس کی والدہ اس کی وجہ سے مشغول ہو جائے گی' آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

《 اِنِّیْ لَاَدْخُلُ فِی الصَّلَاةِ وَاَنَا اُرِیْدُ اِطَالَتَهَا فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَأَتَجَوَّزُ فِیْ صَلَاتِیْ مِمَّا اَعْلَمُ مِنْ شِدَّةِ وَجْدِ اُمِّهٖ مِنْ بُكَائِهٖ 》[1]

''میں نماز میں داخل ہوتا ہوں اور میرا نماز کو لمبا رکھنے کا ارادہ ہوتا ہے کہ میں بچے کسی کے رونے کی آواز سن لیتا ہوں' تو میں اس وجہ سے نماز کو مختصر کر دیتا ہوں، میں جانتا ہوں کہ اس بچے کے رونے کے باعث اس کی ماں کو کتنا زیادہ غم لاحق ہوگا۔''

تو معلوم ہوا کہ عورت پر اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی مہربانی ہے کہ اس نے پانچوں نمازوں کے لیے اس پر مسجد میں باجماعت نمازوں کی ادائیگی کو لازم قرار نہیں دیا' اگر اللہ تعالیٰ اسے باجماعت فرضی نماز کا مکلف ٹھہراتا تو بلاشبہ اس کے معاملے میں مشقت وکلفت پیدا کر دیتا اور یقیناً اس کا کندھا اس بوجھ کو مشکل ہی سے اٹھاتا اور یہ نمازوں کو مسجد میں ادا کرنے سے عاجز ہی رہتی' جس طرح کہ ہم مردوں کی کثیر تعداد کو مسجدوں میں باجماعت نماز کی مکمل نگہداشت کرنے پر مداومت کرنے سے عاجز وقاصر دیکھتے ہیں' وہ نمازوں کو ادھر ہی پڑھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں جہاں کہیں ہوتے ہیں' اپنے اپنے کاروباری ٹھکانوں میں' یا اپنے اپنے گھروں میں، اور یہ بکثرت دیکھنے میں آ رہا ہے۔ اور اس عورت کی گھریلو ذمہ داریاں اور اس کے خانگی امور کی بہتات اور خاوند اور اولاد کی دیکھ بھال کی ذمہ داریاں بھی اس کے روزانہ پانچ مرتبہ گھر چھوڑنے میں آڑے آتیں' بلکہ اس کے لیے اس حکم کی بجا آوری محال ہی ہو جاتی۔

تو مذکورہ صورت حال سے یہ عظیم ترین حکمت کھل کر سامنے آ رہی ہے کہ باجماعت نمازوں کی فرضیت عورتوں کے بجائے صرف مردوں پر رکھی گئی ہے اور عورت کی مسجد میں ادا کردہ نماز کی نسبت گھر میں پڑھی گئی نماز کو بہتر قرار دیا گیا ہے' اور اس کے لیے اس اختیار کی آزادی رکھی گئی ہے اگر چاہے تو اپنے گھر میں نماز ادا کرے اور اگر چاہے تو نماز کے لیے مسجد کی طرف چلی جائے'

[1] صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب من اخف الصلاة عند بکاء الصبی، حدیث: ۷۰۹۔ ۷۱۰۔ صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب الامر الائمة بتخفیف الصلاة، حدیث: ۴۷۰۔ شرح السنه: ۳/ ۴۱۰۔

تو جب وہ مسجد میں جانے کے لیے اجازت طلب کرے تو اس کے خاوند کو روکنے کا حق نہیں ہے جس طرح کہ متعدد احادیث مبارکہ میں سے ایک یہ ہے:

((لَا تَمْنَعُوا نِسَاءَكُمُ الْمَسَاجِدَ، وَبُيُوتُهُنَّ خَيْرٌ لَّهُنَّ)) [1]

''تم اپنی عورتوں کو مسجدوں (میں جانے) سے مت روکو اور ان کے گھر ان کے لیے بہتر ہیں۔''

اور ایک فرمان یہ ہے:

((إِذَا اسْتَأْذَنَتْ أَحَدَكُمُ امْرَأَتُهُ إِلَى الْمَسْجِدِ فَلَا يَمْنَعْهَا)) [2]

''جب تم میں سے کسی کی بیوی مسجد میں جانے کی اجازت طلب کرے تو وہ اسے منع نہ کرے۔''

تو یقیناً مردوں نے حکم پیغمبر الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور انہوں نے عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت عطا کر دی' اگرچہ گھروں سے یہ نکلنا ان کے مزاج اور ان کی مرضی کے برخلاف ہی تھا۔ اس پر سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے بڑھ کر اور کونسی بات دلیل ہوگی، فرماتے ہیں:

''سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ایک بیوی تھی جو نماز فجر اور نماز عشاء میں حاضر ہوا کرتی تھی' اس خاتون سے عرض کی گئی: آپ باہر کیوں نکلتی ہیں حالانکہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اسے ناپسند بھی کرتے ہیں اور غیرت بھی کھاتے ہیں؟ تو اس نے یوں جواب دیا: بھلا، آپ کو مجھے منع کرنے سے کونسی چیز مانع ہے؟ بولا: آپ کو بس یہی فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مانع ہے:

((لَا تَمْنَعُوا إِمَاءَ اللّٰهِ مَسَاجِدَ اللّٰهِ)) [3]

''اللہ تعالیٰ کی بندیوں کو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں سے مت روکو۔''

---

1. سنن أبی ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، باب ما جاء فی خروج النساء الی المسجد' حدیث: ٥٦٧۔ واحمد: ٢/٧٦ وھو حدیث حسن لغیرہ۔
2. صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب استئذان المراۃ زوجھا بالخروج الی المسجد' حدیث: ١٣۔ وصحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، کتاب خروج النساء الی المسجد، حدیث: ٨٧٣۔
3. صحیح بخاری، کتاب الجمعۃ، باب الاذن للنساء بالخروج الی المساجد، حدیث: ٩٠٠۔ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب الامر الائمۃ بتخفیف الصلاۃ، حدیث: ١٣٦/٤٤٢۔

یہ تو بالکل اس نبوی سیرت کو اپنانا ہے جو عورت کو مسجد میں آنے جانے کی اجازت دیتی اور اسے مسجد سے منع کرنے کی نہی پر کاربند ہے' مسجدیں تو عہد نبوی میں اور اس کے بعد والے دور میں جب تک بھی اسے حالات کی سازگاری میسر رہی' اس امر کی شہادت دے رہی ہیں کہ عورت مسجدوں میں بکثرت آتی جاتی تھی' وہ نماز ادا کرتی' دعوت خیر میں حاضر ہوتی' وعظ و نصیحت کی مجالس کو سماعت کرتی اور مسلمانوں کی عام زندگانی میں مشارکت کرتی تھی اور یہ سلسلہ تب سے چل رہا ہے جب سے مسلمانوں کی زندگی میں باجماعت نماز مشروع ہوئی ہے اور مسلمان کعبہ مشرفہ کی طرف اپنا قبلہ تحویل ہونے سے قبل بیت المقدس کی جانب رخ کر کے نمازیں پڑھا کرتے تھے' اور جب اللہ تعالیٰ نے کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم نازل فرمایا تب نمازی مردوں اور نمازی عورتوں کے چہرے ملک شام کی طرف تھے' حکم ملنے پر وہ سبھی کعبۃ اللہ کی طرف گھوم گئے تھے' اور اس گھومنے کا یہ بھی لازمی تقاضا تھا کہ عورتیں مردوں کی جگہ پر اور مرد عورتوں کی جگہ پر پہنچ جائیں۔[1]

بلاشبہ مسجد ازل ہی سے مسلمانوں کی ہدایت' حصول روشنی اور نورانیت کو پھیلانے کے لیے مرکز رہی ہے' اس کے پاکیزہ کشادہ صحن میں عبادت ادا کی جاتی ہے اور اس کے منبروں سے وعظ' نصیحت' ہدایت اور رہنمائی عام کی جاتی ہے' تو اس میں عورت کی مشارکت اور حاضری اسی وقت سے ہے جب سے اسلام کی آمد ہوئی ہے۔

ایسی صحیح ترین نصوص جو اس مشارکت اور حاضری کی پرزور تائید کر رہی ہیں وہ بکثرت ہیں' جو بیان کر رہی ہیں کہ عورت نماز جمعہ' نماز کسوف' نماز عیدین میں اور مؤذن کی اس عمومی دعوت کہ لوگو! "اَلصَّلَاةُ جَامِعَةٌ" پر لبیک کہنے میں حاضر مسجد ہوا کرتی تھی۔

صحیح مسلم میں ہے کہ سیدہ ام ہشام بنت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"میں نے "قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ" کو یاد نہیں کیا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے (سن سن کر) آپ اسے ہر جمعہ میں منبر پر تلاوت فرمایا کرتے تھے جب بھی

[1] صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ باب التوجه نحو القبلة : حدیث : ۳۹۹۔ وصحیح مسلم، کتاب الصلاۃ: باب تحویل القبلة من القدس الی الکعبة، حدیث : ۵۲۵۔

لوگوں سے خطاب فرماتے۔''[1]

اسی میں روایت ہے کہ عمرہ بنت عبدالرحمن رحمہا اللہ کی ہمشیرہ فرماتی ہیں:

''میں نے سورت ''قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ'' جمعہ کے روز رسول اللہ ﷺ کے منہ مبارک سے حاصل کی ہے' آپ ہر جمعہ کے روز اسے منبر پر تلاوت فرمایا کرتے تھے۔''[2]

مزید نماز جمعہ کے لیے بہترین انداز سے تیاری کرنے کے ضمن میں نظافت اختیار کرنے اور مردوں عورتوں کے لیے نہانے کو مستحب قرار دینے میں بھی سیرت نبوی میں حکم موجود ہے:

((مَنْ اَتَى الْجُمُعَةَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ فَلْيَغْتَسِلْ))[3]

''مردوں اور عورتوں میں سے جو بھی نماز جمعہ کے لیے آئے اسے چاہیے کہ نہالے۔''

یہ نصوص ہمیں یہ بھی بیان کرتی ہیں کہ سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز کسوف کے لیے حاضر ہوئی تھیں' اس وقت انہیں رسول اکرم ﷺ کی گفتگو پوری طرح سمجھ میں نہ آئی' تو انہوں نے اپنے قریب والے مرد سے دریافت کیا' اور یہ اس حدیث میں موجود ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے آپ سے روایت کیا ہے' فرماتی ہیں:

''رسول اللہ ﷺ (نماز کسوف کی ادائیگی کے بعد) خطبہ دینے کے لیے کھڑے تھے' تو آپ نے اس فتنہ قبر کا تذکرہ فرمایا جس میں آدمی مبتلا ہو جائے گا' تو جونہی آپ ﷺ نے اس کا بیان کیا تو مسلمانوں نے زوردار چیخ و پکار کی...... جو میرے درمیان اور رسول اکرم ﷺ کی آخری گفتگو کو سمجھنے کے درمیان حائل ہوگئی تو جونہی ان کا ہنگامۂ شور مدھم پڑا تو میں نے اپنے قریب والے مرد سے یوں عرض کی: اے شخص! اللہ تعالیٰ تجھے برکت دے' رسول اکرم ﷺ نے اپنی گفتگو کے آخر میں کیا ارشاد فرمایا ہے؟ وہ بولا: آپ نے فرمایا ہے: میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ تم قبروں

---

1. صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب تخفیف الصلاة و الخطبة: ۵۲/۸۷۳۔
2. صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب تخفیف الصلاة و الخطبة، حدیث: ۸۷۲۔
3. سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث صحیح ابوعوانہ صحیح ابن خزیمہ (۱۷۵۲) اور صحیح ابن حبان (۱۲۲۳) میں ہے۔ اس اضافے ''والنساء'' کے ساتھ یہ روایت ضعیف ہے۔ دیکھیے الضعیفة: ۳۹۵۸۔

میں مسیح الدجال کے فتنے کے قریب قریب فتنوں سے آزمائے جاؤ گے......''[1]

شیخین کی سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا ہی سے ایک دوسری روایت یوں بھی ہے:

''عہد نبوی ﷺ میں سورج گرہن ہو گیا تھا..... میں نے اپنی ضرورت کو پورا کیا' پھر میں بھی مسجد میں آ گئی' اور میں نے رسول اکرم ﷺ کو حالت قیام میں دیکھا' تو میں بھی آپ کے ساتھ قیام میں شامل ہو گئی' آپ ﷺ نے خوب لمبا قیام فرمایا' حتیٰ کہ میرے دل میں آنے لگا کہ میں بیٹھ ہی جاؤں' پھر میرا دھیان ایک ضعیف معمر بڑھیا کی جانب چلا جاتا اور میں یوں کہتی: ''یہ تو مجھ سے بھی زیادہ کمزور ہے'' لہٰذا میں کھڑی ہی رہی۔ بالآخر نبی اکرم ﷺ نے رکوع فرمایا تو آپ نے خوب لمبا رکوع کیا' پھر آپ نے اپنا سر مبارک اوپر اٹھایا' تو خوب لمبا قومہ فرمایا' حتیٰ کہ اگر کوئی آدمی آ جائے تو اسے یہی خیال آئے کہ آپ نے رکوع کیا ہی نہیں۔ پھر آپ نماز سے پھرے تو سورج صاف ہو چکا تھا' تب آپ نے لوگوں سے خطاب فرمایا' اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان فرمائی' پھر فرمایا: اما بعد......''[2]

نبوت کے سنہری دور میں مسلمان خاتون اپنے دینی معاملے کو سمجھنے والی تھی' اور مسلمانوں کے عام دنیوی اور اخروی معاملات میں رونما ہونے والے واقعات و حادثات کو سمجھنے کی بڑی حریص تھی' وہ جونہی منادی کو یہ اعلان کرتے ہوئے سنتی تھی کہ ''اَلصَّلَاۃُ جَامِعَۃٌ'' تو وہ بھی مسجد کو چلی آتی تھی تاکہ اس رہنمائی کو سن سکے جو منبر رسول ﷺ سے صادر ہونے والی ہے۔

سیدہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے' جو پہلے پہل ہجرت کرنے والیوں میں سے ایک ہیں' مروی ہے' فرماتی ہیں: ''لوگوں میں اس بات کا اعلان کیا گیا ''اَلصَّلَاۃُ جَامِعَۃٌ'' تو مسجد میں آنے

---

1. سنن نسائی، کتاب الجنائز، باب التعوذ من عذاب القبر، حدیث: ۲۰۶۴۔ واللفظ لہ۔ صحیح بخاری، کتاب الجمعۃ، باب من قال فی الخطبۃ بعد الثناء، حدیث: ۹۲۲۔ لیکن اس میں ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا تھا۔ واللہ اعلم (کاشف)
2. صحیح مسلم، کتاب الکسوف: باب ما عرض علی النبی ﷺ فی صلاۃ الکسوف من الجنۃ والنار، حدیث: ۹۰۶/۱۶ باختلاف۔

والے لوگوں کے ساتھ میں بھی چلی آئی' میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی' اور میں عورتوں کی صف اول میں تھی جو کہ مردوں کی آخری صف کے بالکل قریب تھی۔"[1]

سابقہ صحیح ترین دلائل سے یہ حقیقت نمایاں ہو رہی ہے کہ مسلمان خاتون مختلف مواقع پر مسجد میں آتی رہتی تھی اور یہ آنا جانا عہد نبوی میں ایک معروف اور پسندیدہ امر بن چکا تھا۔ حالانکہ عورت پر ظلم و زیادتی کا ایک سانحہ بھی رونما ہو گیا تھا جبکہ وہ مسجد کی طرف جانے والے راستے پر گامزن تھی' لیکن اس سانحے نے بھی نبی کریم ﷺ کو عورت کو مسجد کی طرف جانے والے حکم پر نظر ثانی کرنے پر آمادہ تک نہ کیا' بلکہ آپ کا یہ "اجازت نامہ" اور اسے مسجد سے روکنے والا "نہی نامہ" بدستور نافذ العمل رہا' کیونکہ عورت کے گاہے گاہے حاضر مسجد ہونے میں نمایاں فوائد موجود ہیں جن کے اس کی روح، عقل اور شخصیت پر براہ راست نتائج و اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

سیدنا وائل الکندی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ علی الصبح (منہ اندھیرے) کوئی مرد ایک عورت پر دست انداز ہو گیا' جبکہ وہ مسجد کی طرف جا رہی تھی' تو اس نے پاس سے گزرنے والے دوسرے مرد سے مدد کی درخواست کی' تو دست اندازی کرنے والا شخص بھاگ اٹھا، پھر بہت سے افراد کی ایک جماعت اس کے پاس سے گزری' تو اس نے ان سے فریاد رسی کی' چنانچہ انہوں نے اس شخص کو پکڑ لیا جس سے خاتون نے مدد مانگی تھی، جبکہ دوسرا شخص ان سے بھاگنے میں کامیاب ہو گیا' چنانچہ وہ لوگ اسے کھینچتے ہوئے اس عورت کے پاس لے آئے' تو وہ بولا: میں تو وہی ہوں جس نے تیری مدد کرنے کی کوشش کی ہے جبکہ وہ دوسرا بھاگ گیا ہے۔ لوگ اسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے اور آپ کو بتایا گیا کہ یہ شخص اس عورت پر حملہ آور ہوا ہے اور لوگوں نے بھی آپ ﷺ کو یہ بتایا کہ انہوں نے اسے بھاگتے ہوا پکڑا ہے۔ بالآخر وہ بولا: "میں تو اس کی مدد کرتے ہوئے' اس پر حملہ آور ہونے والے شخص کو پکڑنے کے لیے بھاگ رہا تھا کہ ان لوگوں نے مجھے ہی پکڑ لیا ہے" وہ عورت بولی: "یہ جھوٹا ہے' یہی ہے جو مجھ پر حملہ آور ہوا ہے۔" تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اِذْهَبُوْا بِهِ فَارْجُمُوْهُ))

"اسے لے جاؤ اور سنگسار کر دو۔"

---

[1] صحيح مسلم، كتاب الفتن، باب قصة الجساسة، حديث: ٢٩٤٢۔

تب لوگوں میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور یوں بولا: ''اسے سنگسار نہ کرو' بلکہ مجھے سنگسار کرو کیونکہ یہ کام تو میں نے کیا ہے۔'' اس نے اقبال جرم کر لیا' اب رسول اکرم ﷺ کے پاس تین اشخاص جمع ہو چکے ہیں: وہ شخص جو اس عورت پر حملہ آور ہوا تھا' دوسرا وہ جس نے عورت کی مدد کی درخواست قبول کی تھی اور تیسری عورت' تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رہا تو' تو تجھے اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا ہے۔ اور جس نے عورت کی مدد کرنے کی درخواست قبول کی تھی اس سے آپ نے ''اچھی بات'' کہی۔ تب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بولے: ''جس نے اعتراف زنا کر لیا ہے اسے تو رجم کروائیں۔'' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں' کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے حضور ایسی توبہ کر لی ہے کہ اگر یہ توبہ سب اہل مدینہ کر لیتے تو ان سے بھی قبول ہو جاتی۔'' [1]

اور رسول اللہ ﷺ اس عورت کے حالات و کیفیات کا اندازہ بھی لگایا کرتے اور اس کے حال پر مہربانی بھی فرمایا کرتے تھے جو نماز باجماعت کے لیے حاضر ہوتی تھی' آپ تو اپنی نماز کو مختصر بھی فرما دیا کرتے تھے جب آپ کسی بچے کے رونے کی آواز سن لیتے تاکہ اس کی والدہ اسی پر توجہ مبذول نہ کر دے، جس طرح کہ ہم نے گزشتہ حدیث مبارکہ میں دیکھا ہے۔ ایک مرتبہ تو نبی اکرم ﷺ نے نماز عشاء کو اس قدر لیٹ فرما دیا تھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی پکار اٹھے تھے: عورتیں اور بچے تو سو گئے ہیں' تب نبی اکرم ﷺ گھر سے تشریف لائے تو فرمایا:

((مَا يَنْتَظِرُهَا اَحَدٌ غَيْرُكُمْ مِّنْ اَهْلِ الْاَرْضِ)) [2]

''تمام زمین والوں میں سے تمہارے علاوہ کوئی بھی اس کا انتظار نہیں کر رہا۔''

اور بلاشبہ نماز باجماعت میں عورتوں کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ کی تنظیم و ترتیب کو بہت سی صحیح احادیث بیان کر رہی ہیں' ان میں سے ایک فرمان گرامی بایں الفاظ ہے جسے امام مسلم نے روایت کیا ہے:

((خَيْرُ صُفُوْفِ الرِّجَالِ أَوَّلُهَا' وَشَرُّهَا آخِرُهَا' وَخَيْرُ صُفُوْفِ النِّسَآءِ

---

1. مسند أحمد (٦/ ٣٩٩) باختلاف۔ سلسلة الاحاديث الصحيحة: ٢/ ٦٠١، ح ٩٠٠۔
2. صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب خروج النساء الى المساجد' حديث: ٨٦٤۔ وصحيح مسلم، كتاب المساجد، باب وقت العشاء وتاخيرها، حديث: ٦٣٨۔

اٰخِرُهَا' وَشَرُّهَا اَوَّلُهَا)) [1]

''مردوں کی صفوں میں سے بہترین پہلی صف ہے اور ان کی بری صف آخری ہے جبکہ عورتوں کی صفوں میں سے سب سے بہتر آخری ہے اور ان کی بری صف پہلی صف ہے۔''

ان میں سے ایک حدیث جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے وہ ہے نماز پوری ہونے کے بعد عورتوں کے لیے میدان کھلا چھوڑ دینا تاکہ وہ مردوں سے قبل مسجد سے باہر چلی جائیں' ہند بنت الحارث سے مروی ہے کہ سیدہ ام سلمہ زوجۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے خبر دی ہے کہ زمانۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مستورات جب فرضی نماز سے سلام پھیر لیتیں تو کھڑی ہو جاتیں' جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جن مردوں نے آپ کے ہمراہ نماز پڑھی ہوتی وہ جب تک اللہ تعالیٰ چاہتے اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے رہتے۔ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوتے تب مرد حضرات کھڑے ہوتے۔ [2]

ان میں سے ایک اور حدیث مبارکہ جسے شیخین نے عورتوں کے تالی بجا کر امام صاحب کو آگاہ کرنے کے ضمن میں روایت کیا ہے' سیدنا سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

((مَالِيْ رَأَيْتُكُمْ اَكْثَرْتُمُ التَّصْفِيْقَ؟ مَنْ نَّابَهُ شَيْءٌ فِيْ صَلَاتِهِ فَلْيُسَبِّحْ فَاِنَّهُ اِذَا سَبَّحَ اِلْتُفِتَ اِلَيْهِ' وَاِنَّمَا التَّصْفِيْقُ لِلنِّسَآءِ)) [3]

''مجھے کیا ہو گیا ہے کہ میں تمہیں بکثرت تالیاں بجاتے ہوئے دیکھتا ہوں؟ جسے بھی اپنی نماز میں کوئی امر لاحق ہو (یعنی کمی بیشی کا احساس ہو) تو اسے ''سُبْحَانَ اللّٰہِ'' کہنا چاہیے' کیونکہ جب وہ ''سُبْحَانَ اللّٰہِ'' کہے گا تو میں اس کی طرف التفات کر لوں گا' اور تالی تو صرف خواتین کے لیے ہے۔''

اور دنوں کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ان خواتین کی تعداد میں اضافہ ہی ہوتا رہا جو مسجدوں میں آنے والی تھیں' حتیٰ کہ دور عباسی میں وہ مسجد کے کشادہ صحن کو بھی بھر دیا کرتی تھیں کہ

---

1. صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب تسویۃ الصفوف واقامتها، حدیث: ٤٤٠۔
2. صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب انتظار الناس قیام الامام العالم، حدیث: ٨٦٦۔
3. صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب من دخل لیؤم الناس فجاء الامام الاول، حدیث: ٦٨٤۔ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب تقدم الجماعۃ من یصلی بهم، حدیث: ٤٢١۔

مردان کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے پر مجبور ہو جاتے۔ اور یہی وہ فتویٰ ہے جو امام مالک رحمہ اللہ نے دیا تھا۔ جس طرح کہ "المدونة الکبریٰ" میں ہے: ابن القاسم نے کہا ہے: میں نے امام مالک رحمہ اللہ سے ان لوگوں کے بارے میں دریافت کیا جو اس وقت مسجد میں آتے ہیں جب مسجد کا صحن عورتوں سے بھر چکا ہو' اور مسجد بھی مردوں سے بھرپور ہو' تو کیا مرد حضرات امام کی اقتداء میں عورتوں کے پیچھے کھڑے ہو کر نمازیں ادا کر لیں؟ فرمایا: ان کی نماز مکمل ہے' وہ اس کا اعادہ نہ کریں گے۔[1]

یہ بات مدنظر رہے کہ مسلمان خاتون کا ادائیگی نماز کے لیے مسجد کی طرف نکلنا کسی فتنہ کو کھڑا کرنے کا باعث نہ بنے' بلکہ اسلامی معاشرے میں جذبات' کردار اور شعائر کی نظافت کا اہتمام رکھتے ہوئے اسلام کی عظیم ہدایات سے ہم آہنگ بھی رہنا ہے۔ اگر عورت کا گھر سے نکلنا کسی بھی وجہ سے فتنہ کا پیش خیمہ ہو' تو ایسی صورت حال میں اس کی نماز گھر ہی میں بہتر اور لازم ہو گی اور یہی وہ بات ہے جس کی طرف سابق حدیث پاک میں اشارہ موجود ہے' جسے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے، فرمان گرامی ہے:

« لَا تَمْنَعُوا نِسَاءَ كُمُ الْمَسَاجِدَ وَبُيُوتُهُنَّ خَيْرٌ لَّهُنَّ »[2]

"تم اپنی عورتوں کو مسجدوں (میں جانے سے) سے مت روکو' البتہ ان کے گھر ان کے لیے بہتر ہیں۔"

یہ بات تو ظاہر ہی ہے کہ کوئی شخص فتنے کے سرایت کرنے اور رینگنے سے اندیشہ پائے اور پھر اس اندیشے کا بہانہ بنائے اور اپنی عورتوں کو مسجدوں کی جانب سے منع کرنے لگ جائے۔ اسی لیے تو نبوی ممانعت ارشاد ہو رہی ہے کہ عورتوں کے گاہے گاہے مسجدوں میں باجماعت نماز کی حاضری کے سامنے رکاوٹ نہ بننا۔ اور یہی مذکورہ حدیث مبارکہ کے جزو اول کا مقصود ہے۔ اس کے علاوہ دیگر بھی کئی احادیث شریفہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خواہش اور حرص کی پرزور تائید کر رہی ہیں کہ عورت کو مسجدوں میں مسلمانوں کی دعاؤں اور نیکی کے مواقع میں حاضر ہونا چاہیے۔ ان میں سے ایک فرمان گرامی وہ ہے جسے مجاہد نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے:

---

1. المدونة: ١/١٠٦۔
2. سنن أبي داوٗد، کتاب الصلاۃ، باب ماجاء في خروج النساء إلى المسجد، حدیث: ٥٦٧۔

((لَا تَمْنَعُوا النِّسَآءَ مِنَ الْخُرُوجِ إِلَى الْمَسَاجِدِ بِاللَّيْلِ))[1]

''عورتوں کو رات کے اوقات میں مسجدوں کی طرف نکلنے سے مت روکو۔''

تو سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ایک صاحبزادہ بولنے لگا: ''ہم تو انہیں باہر نہ نکلنے دیں گے' وہ اس کو فتنہ وفساد کا ذریعہ بنا لیں گی۔''

راوی کہتا ہے: تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اسے ڈانٹ پلاتے ہوئے کہا: میں تو کہہ رہا ہوں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، اور تو کہہ رہا ہے: ہم انہیں اجازت نہ دیں گے!!''

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان اقدس جسے بلال بن عبداللہ بن عمر نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے:

((لَا تَمْنَعُوا النِّسَآءَ حُظُوظَهُنَّ مِنَ الْمَسَاجِدِ إِذَا اسْتَأْذَنَكُمْ))

''تم عورتوں کو ان کے مسجدوں کے حصے سے مت منع کرو جب وہ تم سے اجازت طلب کریں۔''

تو بلال کہنے لگے: اللہ کی قسم! ہم تو انہیں ضرور روکیں گے۔

تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یوں فرمایا: ''میں تو کہہ رہا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، اور تو کہہ رہا ہے کہ ہم ضرور روکیں گے۔''[2]

اور آپ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان گرامی ہے:

((لَا تَمْنَعُوا نِسَاءَ كُمُ الْمَسَاجِدَ إِذَا اسْتَأْذَنَّكُمْ إِلَيْهَا))[3]

''تم خواتین کو مسجدوں سے نہ روکو' جب وہ تم سے ان میں جانے کی اجازت مانگیں۔''

اور یہ فرمان مبارک ہے:

((لَا تَمْنَعُوا إِمَآءَ اللّٰهِ مَسَاجِدَ اللّٰهِ))[4]

---

1. صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب خروج النساء الی المساجد، حدیث: ۱۳۸/ ۴۴۲۔
2. صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب خروج النساء الی المساجد، حدیث: ۱۴۰/ ۴۴۲۔
3. صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب خروج النساء الی المساجد، حدیث: ۱۳۵/ ۴۴۲۔
4. صحیح بخاری، کتاب الجمعۃ، باب(۱۳)، حدیث: ۹۰۰۔ وصحیح مسلم، کتاب الصلاۃ: باب خروج النساء الی المساجد، حدیث: ۱۳۶/ ۴۴۲۔

''تم اللہ تعالیٰ کی بندیوں کو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں سے مت روکو۔''

اور ایک فرمان اقدس بایں الفاظ ہے:

((اِذَا اسْتَأْذَنَكُمْ نِسَاءُ كُمْ اِلَى الْمَسَاجِدِ فَأْذَنُوْا لَهُنَّ)) ①

''جب تم سے تمہاری عورتیں مسجدوں کی طرف جانے کی اجازت مانگیں تو انہیں اجازت دے دو۔''

بلاشبہ مسلمان خاتون کا مسلمانوں کی جماعت میں حاضر ہونا مباح ہے اور اس میں خیر بھی ہے' لیکن یہ چند شروط کے ساتھ مشروط ہے، ان میں سے سب سے اہم ترین شرط یہ ہے کہ وہ خاتون عطر لگائے ہوئے نہ ہو' اور وہ زیب و زینت کا اظہار کرنے والی بھی نہ ہو۔ سیدہ زینب ثقفیہ نے رسول اللہ ﷺ کا فرمان گرامی اس طرح بیان کیا ہے:

((اِذَا شَهِدَتْ اِحْدَاكُنَّ الْعِشَآءَ فَلَا تَطَيَّبْ تِلْكَ اللَّيْلَةَ)) ②

''جب تم میں سے کسی ایک نے نماز عشاء کے لیے حاضر ہونا ہو تو وہ اس شب خوشبو کا استعمال نہ کرے۔''

اور ایسی بہت سی احادیث شریفہ ہیں جو عورت کو مسجد کے لیے نکلتے وقت خوشبو استعمال کرنے سے روک رہی ہیں' ان میں سے ایک فرمان پیغمبر ﷺ اس طرح ہے:

((اِذَا شَهِدَتْ اِحْدَاكُنَّ الْمَسْجِدَ فَلَا تَمَسَّ طِيْبًا)) ③

''جب تم میں سے کوئی مسجد حاضر ہو تو وہ خوشبو نہ لگائے۔''

اور ایک فرمان اقدس یوں ہے:

((اَيُّمَا امْرَأَةٍ اَصَابَتْ بُخُوْرًا فَلَا تَشْهَدْ مَعَنَا الْعِشَآءَ الْآخِرَةَ)) ④

''جس خاتون نے خوشبو لگائی ہوئی ہو وہ ہمارے ساتھ نماز عشاء کے لیے حاضر نہ ہو۔''

---

① صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب خروج النسا إلى المساجد بالليل، حديث : ٨٦٥۔
صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب خروج النساء الى المساجد، حديث : ٤٤٢/١٣٧۔

②.③ صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب خروج النساء الى المساجد، حديث : ٤٤٣۔

④ صحيح مسلم، حديث : ٤٤٤۔ عن ابي هريرة رضي الله عنه۔

نماز عیدین میں بھی حاضر ہوتی ہے:

بلاشبہ اسلام نے عورت کو عزت بخشی ہے اور اسے بھی اپنے پروردگار کی عبادت کرنے میں مرد کی طرح ہی مکلّف ٹھیرایا ہے' اور عید الفطر اور عید الاضحیٰ جیسے عام اجتماعات میں اسے حاضر ہونے کی ترغیب دی ہے' وہ نیکی اور مسلمانوں کی دعاؤں میں شریک ہوتی ہے' یہ باتیں ہم بخاری اور مسلم کی کئی صحیح احادیث میں پاتے ہیں' ان میں یہ بات بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تمام خواتین کو ان اجتماع گاہوں میں شرکت کرنے کا حکم دیا ہے خواہ وہ نوجوان دوشیزائیں ہوں یا پردہ دار مستورات ہوں' پردہ نشین ہو یا کنواری ہو' حتیٰ کہ ایام ماہواری والیوں کو بھی عیدگاہوں میں جانے کا حکم دیا ہے' وہ نماز سے الگ تھلگ رہیں مگر خیر اور مسلمانوں کی دعا میں ضرور شریک ہوں۔ آپ ﷺ کی انہیں عید کی نمازوں کے لیے نکالنے کی حرص اس قدر بڑھی ہوئی ہے کہ آپ ﷺ نے اس خاتون کو حکم دیا جس کے پاس ایک سے زائد بڑی چادریں ہیں کہ وہ اپنی اس بہن کو چادر پہنا دے جس کے پاس نہیں ہے۔ اس میں تمام عورتوں کو نماز عید میں حاضر ہونے کی رغبت موجود ہے' اس کے علاوہ ایک دوسرے کی خیر خواہی کرنے' ایک دوسرے کی کفالت کرنے اور نیکی اور پرہیزگاری کے امور میں باہم تعاون کی ترغیب بھی موجود ہے۔ سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں:

«أَمَرَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نُّخْرِجَ فِي الْعِيْدَيْنِ الْعَوَاتِقَ وَذَوَاتِ الْخُدُوْرِ، وَأَمَرَ الْحُيَّضَ أَنْ يَّعْتَزِلْنَ مُصَلَّى الْمُسْلِمِيْنَ»[1]

"رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم کنواری دوشیزاؤں اور پردہ نشین خواتین کو بھی عیدین میں باہر لایا کریں' اور آپ ﷺ نے حائضہ عورتوں کو حکم دیا ہے کہ وہ مسلمانوں کی جائے نماز سے الگ رہیں۔"

اور ان ہی سے روایت ہے:

«كُنَّا نُؤْمَرُ بِالْخُرُوْجِ فِي الْعِيْدَيْنِ وَالْمُخَبَّأَةُ وَالْبِكْرُ قَالَتْ: اَلْحُيَّضُ

---

[1] صحيح مسلم، كتاب صلاة العيدين، باب اباحة خروج النساء في العيدين الى المصلى، حديث: ۱۰/ ۸۹۰، و صحيح بخاری، كتاب العيدين، باب خروج النساء والحيض الى المصلى، حديث: ۹۷٤۔

يَخْرُجْنَ، فَيَكُنَّ خَلْفَ النَّاسِ، يُكَبِّرْنَ مَعَ النَّاسِ)[1]

''ہمیں عیدین میں باہر نکلنے کا حکم دیا جاتا تھا اسی طرح پردہ نشین اور کنواری بچیوں کو بھی، فرماتی ہیں: حیض والیاں بھی نکلا کرتی تھیں، مگر وہ لوگوں کے پیچھے ہی رہتیں اور لوگوں کے ساتھ تکبیرات عید پڑھا کرتی تھیں۔''

اور ان ہی سے روایت ہے:

''ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ ہم عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ میں قریب البلوغ بچیوں کو، حائضہ عورتوں کو اور پردہ نشین خواتین کو نکالیں، البتہ حیض والیاں نماز سے الگ رہیں اور وہ خیر و بھلائی میں اور مسلمانوں کی دعا میں حاضر رہیں میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! ہم میں سے کسی کے پاس بڑی چادر نہ ہوتو؟ فرمایا: اسے اس کی بہن اپنی چادر میں سے کچھ اوڑھا دے۔''[2]

صحیح بخاری میں ہے: ہمیں محمد بن سلام نے حدیث بیان کی، فرمایا: ہمیں عبدالوہاب نے ایوب سے، حفصہ بنت سیرین سے خبر دی، انہوں نے کہا: ''ہم اپنی قریب البلوغ بچیوں کو نماز عیدین کے لیے باہر نکلنے سے روکا کرتی تھیں، چنانچہ ایک خاتون آئی، جو بنو خلف کے محل میں ٹھیری، اس نے اپنی بہن سے یہ روایت بیان کی، اور اس کی بہن کے خاوند نے نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ بارہ غزوات میں شمولیت کی تھی جبکہ اس کی بہن چھ غزوات میں اپنے خاوند کی معیت میں رہی تھی، وہ فرماتی ہیں: ''ہم زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں اور بیماروں کا خیال رکھتی تھیں'' میری بہن نے نبی اکرم ﷺ سے یہ پوچھا: کیا ہماری کسی ایک پر گناہ لازم آئے گا جب وہ بڑی چادر کی عدم دستیابی کی صورت میں نہ نکلے گی؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا، وَلْتَشْهَدِ الْخَيْرَ وَدَعْوَةَ الْمُسْلِمِينَ))

''چاہیے کہ اس کی بہن اسے اپنی بڑی چادر میں سے کچھ حصہ اوڑھا دے، اور یہ بھی چاہیے کہ وہ کار خیر میں اور مسلمانوں کی دعا میں شمولیت کرے۔''

---

1. صحيح مسلم، حديث: ١١/ ٨٩٠۔ صحيح بخاري، حديث: ٩٧١۔
2. صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب خروج النساء الى المساجد، حديث: ١٢/ ٨٩٠۔

حفصہ کہتی ہیں: جب ام عطیہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں تو میں ان کے پاس حاضرِ خدمت ہوئی اور یوں پوچھا: کیا آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے؟ وہ فرمانے لگیں: میرا باپ آپ پر قربان ہو جائے، جی ہاں!...... اور یہ صحابیہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جب بھی ذکر خیر کرتیں تو ضرور یوں فرمایا کرتی تھیں: آپ پر میرا باپ قربان ہو جائے...... میں نے بذات خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

« لِيَخْرُجِ الْعَوَاتِقُ ذَوَاتُ الْخُدُوْرِ أَوِ الْعَوَاتِقُ وَذَوَاتُ الْخُدُوْرِ، وَالْحُيَّضُ، وَلْيَشْهَدْنَ الْخَيْرَ وَدَعْوَةَ الْمُؤْمِنِيْنَ، وَيَعْتَزِلُ الْحُيَّضُ الْمُصَلّٰى »

"چاہیے کہ قریب البلوغ پردہ نشین بچیاں نکلیں، یا فرمایا: قریب البلوغ بچیاں اور پردہ نشین مستورات نکلیں اور حیض والیاں بھی، اور چاہیے کہ وہ عمل خیر میں اور اہل ایمان کی دعا میں شریک ہوں البتہ حیض والیاں جائے نماز سے الگ رہیں۔"

حفصہ کہتی ہیں: میں نے ان سے عرض کی: کیا حیض والیاں بھی؟ انہوں نے جواب دیا: جی ہاں! کیا حیض والی عرفات میں حاضر نہیں ہوتی اور وہ فلاں فلاں جگہ بھی حاضر نہیں ہوتی؟" [1]

صحیح بخاری ہی میں سیدہ ام عطیہ سے دوسری روایت اس طرح ہے:

«كُنَّا نُؤْمَرُ أَنْ نَخْرُجَ يَوْمَ الْعِيْدِ، حَتّٰى نُخْرِجَ الْبِكْرَ مِنْ خِدْرِهَا، حَتّٰى نُخْرِجَ الْحُيَّضَ، فَيَكُنَّ خَلْفَ النَّاسِ، فَيُكَبِّرْنَ بِتَكْبِيْرِهِمْ، وَيَدْعُوْنَ بِدُعَائِهِمْ، يَرْجُوْنَ بَرَكَةَ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَطُهْرَتَهُ» [2]

"ہمیں حکم دیا جاتا تھا کہ ہم روز عید خود بھی (عیدگاہ کی طرف) نکلیں، حتیٰ کہ ہم کنواری دوشیزہ کو اس کی خلوت گاہ سے نکالیں، حتیٰ کہ حیض والیوں کو بھی نکالیں، لیکن وہ لوگوں کے پیچھے رہیں، وہ ان کی تکبیرات کے ساتھ تکبیریں پڑھیں اور ان کی دعاؤں کے ساتھ دعائیں مانگیں وہ بھی اس دن کی برکت اور گناہوں سے طہارت کی امید رکھیں۔"

بلاشبہ ان صحیح احادیث مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مسلمان خاتون کی فکری اور شعوری

---

1. صحیح بخاری، کتاب الحیض باب شہود الحائض العیدین، حدیث: ٣٢٤۔
2. صحیح بخاری، کتاب العیدین: باب التکبیر ایام منی، حدیث: ٩٧١۔

بیداری اور تربیت کا اہتمام کرنے کی واضح دلیل موجود ہے‘ اس لیے تو آپ ﷺ نے سبھی خواتین کو باہر آنے کا حکم دیا ہے‘ حتیٰ کہ ان میں سے ایام مخصوصہ والیوں کو بھی‘ حالانکہ حائضہ کو تو نماز کی بھی کھلی چھٹی اور معافی ہے‘ اس کے لیے جائز ہی نہیں ہے کہ وہ جائے نماز پر آئے‘ لیکن آپ ﷺ نے تو اپنے پیغام اور اعلان میں سب عورتوں کو شامل فرمایا ہے‘ بس یہی آپ کی حرص اور خواہش نظر آتی ہے کہ سب خواتین ان دونوں مواقع میں ضرور بالضرور شرکت کریں‘ اور عمل خیر میں اور مسلمانوں کی دعاؤں میں شمولیت اختیار کر کے خزانے سمیٹیں‘ تکبیرات کہنے والوں کے ساتھ تکبیرات عید کہیں اور دعائیں مانگنے والوں کے ساتھ مل کر دعائیں مانگیں‘ اور نماز عید کے بعد منبروں سے بیان کیے جانے والے امت اسلامیہ کے اہم ترین امور پر توجہ دیں۔

بلاشبہ نبی اکرم ﷺ مسلم معاشرے کی تعمیر میں ایک مسلمان خاتون کی ذمہ داری اور اس کی شراکت کو بخوبی جاننے والے ہیں‘ آپ ﷺ نے تو اپنے خطبہ عید میں اس کے لیے کچھ وقت بھی مخصوص فرمایا ہے‘ آپ ﷺ بذات خود اس جگہ بھی تشریف لے گئے تھے جہاں عورتیں اکٹھی تھیں‘ وہاں آپ ﷺ نے انہیں وعظ و نصیحت بھی فرمائی‘ یہ وعظ و نصیحت کرنا امام کا بھی حق ہے۔

یہ باتیں ہم اس حدیث مبارکہ میں پاتے ہیں جسے شیخین نے ابن جریج سے روایت کیا ہے: فرماتے ہیں: مجھے عطا نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے خبر دی ہے وہ فرماتے ہیں: میں نے انہیں یوں فرماتے ہوئے سنا تھا:

> ”نبی کریم ﷺ عیدالفطر کے روز کھڑے ہوئے‘ آپ نے نماز پڑھی‘ آپ نے خطبہ سے قبل نماز سے ابتدا فرمائی‘ پھر لوگوں کو خطاب فرمایا۔ جونہی نبی کریم ﷺ خطبے سے فارغ ہوئے تو منبر سے نیچے تشریف لے آئے‘ پھر آپ عورتوں کے پاس آئے اور انہیں نصیحت فرمائی‘ جب کہ آپ ﷺ بلال رضی اللہ عنہ کے بازو پر ٹیک لگائے ہوئے تھے اور بلال رضی اللہ عنہ اپنے کپڑے کو پھیلائے ہوئے تھے‘ عورتیں اس کپڑے میں صدقات و خیرات ڈال رہی تھیں۔

میں نے عطا سے دریافت کیا: کیا وہ فطرانہ تھا؟ فرمانے لگے: نہیں‘ لیکن وہ صدقہ تھا جو وہ اس وقت کر رہی تھیں‘ ایک عورت اپنی بڑی انگوٹھی ڈال رہی تھی اور وہ سبھی اس کی

پیروی کر رہی تھیں۔ میں نے عطا سے عرض کی: کیا اب بھی امام پر حق بنتا ہے کہ وہ عورتوں کے پاس آئے اور انہیں وعظ و نصیحت کرے؟ فرماتے ہیں: جی ہاں! مجھے اپنی عمر کی قسم! بلاشبہ یہ ان پر حق بنتا ہے' انہیں کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایسا نہیں کر رہے!!'' [1]

اس حدیث مبارکہ کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو وعظ و نصیحت فرمائی ہے اور ان سے وہ صدقہ بھی قبول کیا ہے جو انہوں نے برضا و رغبت دیا ہے۔ دوسری حدیث مبارکہ میں ہے جسے شیخین ہی نے ابن طاؤس سے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے' جس میں یہ اضافہ بھی موجود ہے کہ آپ ﷺ نے خواتین سے بیعت لی اور پھر اس پر ثابت قدمی اختیار کرنے کی تاکید بھی فرمائی۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

''میں نبی اکرم ﷺ' سیدنا ابوبکر' سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز عید الفطر کے لیے حاضر ہوا ہوں' سبھی نماز عید کو خطبہ عید سے قبل ادا فرمایا کرتے تھے۔''

فرماتے ہیں: نبی معظم ﷺ منبر سے نیچے اترے گویا کہ میں اب بھی آپ کو دیکھ رہا ہوں کہ آپ ہاتھ کے اشارے سے لوگوں کو بٹھا رہے ہیں' پھر آپ ان کو چیرتے ہوئے آگے بڑھے، اور عورتوں کے پاس آن پہنچے اور آپ ﷺ کے ہمراہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ بھی تھے، آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿ يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا ﴾ (الممتحنة : ٦٠ / ١٢)

''اے پیغمبر! جب مسلمان عورتیں آپ سے (ان باتوں پر) بیعت کرنے آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے۔''

پوری آیت مبارکہ تلاوت فرمائی، پھر پوچھا: تم سب اسی بیعت پر کاربند ہو؟ تو ایک عورت بولی' اس کے علاوہ ان میں سے کسی اور نے کوئی جواب نہ دیا: جی ہاں! اے اللہ کے نبی (ﷺ)! آپ اس وقت نہ جانتے تھے کہ وہ کون ہے۔ [2] ......تب آپ ﷺ نے فرمایا: صدقہ کرو' تو سیدنا

---

1. صحيح بخاري، كتاب العيدين، باب موعظة الامام النساء يوم العيد، حديث : ٩٧٨۔ وصحيح مسلم، كتاب صلاة العيدين، باب صلاة العيدين، حديث : ٨٨٥۔
2. ابن حجر نے فتح الباري : ٢ / ٤٦٨ میں اس بات کا اظہار کیا ہے کہ وہ اسماء بنت یزید بن السکن تھیں جو ''خطيبة النساء'' کے نام سے معروف و مشہور تھیں اور وہ واقعی بڑی جرأت مند تھیں۔

بلال رضی اللہ عنہ نے اپنے کپڑے کو پھیلا لیا' پھر فرمایا (سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے) فدا ہو جائیں ان پر میرے ماں باپ! پھر وہ اپنی انگوٹھیاں اور چھلے وغیرہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے کپڑے میں ڈال رہی تھیں۔ ①

اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عیدگاہ میں عورتوں کو وعظ و نصیحت کرنا' ان سے صدقہ قبول کرنا' اور انہیں بیعت پر ثابت قدمی اختیار کرنے کی تلقین کرنا اس دین حنیف کے شعائر پر کاربند رہنے کا مکلّف ٹھیرانا ہے اور انہیں اعمال صالحہ کی طرف مزید پیش رفت کرنے کی دعوت دینا ہے اور یہ سارا عمل فقط عیدگاہ میں بلانے کی برکت کے باعث ہے۔ مزید اس میں اسلامی معاشرے میں انفرادی اور اجتماعی زندگی میں نماز باجماعت کی اہمیت بھی عیاں ہو رہی ہے۔

جب اسلام نے عورت پر مسجدوں میں باجماعت نمازوں کی ادائیگی کو لازم قرار نہیں دیا تو اس کے لیے یہ مستحب رکھا ہے کہ جب کسی جگہ عورتیں جمع ہوں تو وہ اپنی فرضی نماز باجماعت ادا کر سکتی ہیں اور جو ان کی امامت کروائے وہ ان کے وسط میں کھڑی ہو' ان سے آگے بڑھ کر کھڑی نہ ہو' اور ان کے ذمہ اذان ہے اور نہ ہی اقامت۔ یہ وہ طریقہ ہے جسے ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اختیار فرمایا تھا کہ جب آپ نے عورتوں کی امامت کروائی تھی۔ ②

وہ سنن مؤکدہ اور نوافل بھی ادا کرتی ہے:

سمجھ دار اور باہوش مسلمان خاتون پنج گانہ فرض نمازیں ادا کرنے پر ہی اکتفا نہیں کرتی' بلکہ وہ تو سنن مؤکدہ بھی ادا کرتی ہے اور مزید اپنے وقت اور اپنی ہمت کے مطابق نوافل بھی پڑھتی ہے' مثلاً نماز چاشت (اشراق) اور نماز مغرب کے بعد اور رات کو بھی' کیونکہ نفلی نماز بندے کو رب کے قریب لاتی' اسے محبت ایزدی اور رضائے الٰہی عطا کرتی ہے بلکہ مزید اسے صالح' طاعت گزار اور کامیاب ہونے والے لوگوں میں سے بنا دیتی ہے' اور اس عظیم مرتبے کو بیان کرنے کے لیے اس حدیث قدسی سے بڑھ کر کوئی اور دلیل نہیں ہو سکتی جو بندۂ مومن کو کثرت نوافل کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے قریب بہترین مقام دینے کو بیان کرتی ہے:

---

❶ صحیح بخاری، کتاب العیدین، باب موعظة الامام النساء یوم العید، حدیث : ۹۷۹۔ و صحیح مسلم، کتاب صلاة العیدین، حدیث : ۸۸۴۔

❷ دیکھئے احکام النساء (ابن الجوزی) : ۲۰۴'۱۸۶ ط' بیروت و المغنی (ابن قدامة) : ۲۰۲/۲ ط' الریاض۔

«مَا زَالَ عَبْدِی یَتَقَرَّبُ إِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی أُحِبَّهُ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِی یَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِی یُبْصِرُ بِهِ، وَیَدَهُ الَّتِی یَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِی یَمْشِی بِهَا، وَلَئِنْ سَأَلَنِی لَأُعْطِیَنَّهُ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِی لَأُعِیذَنَّهُ» ①

''میرا بندہ لگاتار نوافل کے ذریعے سے میرا قرب پاتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، تو جس وقت میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اس کا وہ کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اور اس کی وہ آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اور اس کا وہ ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا وہ پاؤں بن جاتا ہوں، جس سے وہ چلتا ہے، اور اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں ضرور اسے عطا کرتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے پناہ کا خواستگار ہو تو ضرور میں اسے پناہ بھی دیتا ہوں۔''

اللہ تعالیٰ کی بندے سے محبت کرنے پر زمین و آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، اس کی تصدیق اس روایت سے ہوتی ہے جسے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے، کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

''اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل کو بلاتا ہے اور فرماتا ہے: ''میں فلاں سے محبت کرتا ہوں لہٰذا تو بھی اس سے محبت کر۔'' فرمایا: اس سے جبریل بھی محبت کرنے لگتے ہیں، وہ آسمان میں یہ کہتے ہوئے منادی کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ فلاں سے محبت کرتا ہے لہٰذا تم بھی اس سے محبت کرو، تو تمام آسمانوں والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، فرمایا: پھر زمین میں اس کے لیے قبولیت پھیلا دی جاتی ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بغض رکھتے ہیں تو جبریل کو بلا کر کہتے ہیں: ''میں تو فلاں سے بغض رکھتا ہوں لہٰذا تو بھی اس سے بغض رکھ، فرمایا: پھر جبریل اس سے بغض رکھنا شروع کر دیتے ہیں، پھر وہ اہل آسمان میں اعلان کرتے ہیں: بلاشبہ اللہ تعالیٰ فلاں سے بغض رکھتا ہے لہٰذا تم بھی اس سے بغض رکھو، فرمایا: وہ بھی اس سے بغض رکھنا شروع کر

① صحیح بخاری، کتاب الرقاق: باب التواضع، حدیث: ٦٥٠٢۔

دیتے ہیں' پھر زمین میں اس کے لیے بغض پھیلا دیا جاتا ہے۔" ①

اس لیے رسول اللہ ﷺ رات کو نماز پڑھا کرتے تھے حتیٰ کہ آپ کے قدم مبارک متورم ہو جاتے' تو ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ سے استفسار کرتیں: یارسول اللہ! آپ اتنا عمل کیوں کرتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف فرما دیے ہیں؟ تو آپ انہیں یوں جواب دیا کرتے تھے:

《 اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا》 ②

"کیا پھر میں شکرگزار (بندہ نہ بنوں؟)۔"

اور ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نفلی نماز پڑھا کرتیں تو نماز کو طول دیا کرتی تھیں' انہوں نے دو ستونوں کے درمیان میں ایک رسی باندھ لی تھی' جونہی انہیں تھکاوٹ یا سستی کا ادراک ہوتا تو اس کو تھام لیتیں' تاکہ اپنی حاضر دماغی اور چستی کو واپس لا سکیں' رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لائے تو اس رسی کو دیکھا' دریافت فرمایا: یہ کیا ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بتایا: یہ زینب کے لیے ہے' وہ نماز پڑھتی ہیں جب انہیں سستی یا کمزوری لاحق ہوتی ہے تو اسے تھام لیتی ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اسے کھول دو' تم میں سے ہر کسی کو اپنی چستی تک نماز پڑھنا چاہیے' جونہی اسے سستی یا کمزوری کا احساس ہو تو اسے چاہیے کہ بیٹھ جائے۔" ③

حولا بنت تُوَیت بنو اسد قبیلے کی ایک خاتون تھی کہا جاتا تھا کہ وہ ساری رات ہی نماز پڑھا کرتی ہے اور بالکل نہیں سوتی۔ ایک روز وہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے گزریں۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ بھی آپ کے پاس موجود تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو بتایا: یہ ہے حولا بنت تویت' جس کے متعلق لوگ گمان کرتے ہیں کہ یہ رات بھر سوتی نہیں ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

❶ صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب اذا احب الله عبدا، حدیث: ٢٦٣٧۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائكة، حدیث: ٣٢٠٩ مختصرًا۔

❷ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورة الفتح، حدیث: ٤٨٣٧۔ صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب اکثار الاعمال والاجتهاد فی العبادة، حدیث: ٢٨٢٠۔

❸ صحیح بخاری، کتاب التهجد، باب مایکره من التشدید فی العبادة، حدیث: ١١٥٠۔ صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین، باب فضيلة العمل الدائم، حدیث: ٧٨٤۔

« لَا تَنَامُ اللَّيْلَ : خُذُوا مِنَ الْعَمَلِ مَا تُطِيقُونَ، فَوَاللّٰهِ لَا يَسْأَمُ اللّٰهُ حَتّٰى تَسْأَمُوا » ①

''رات بھر نہیں سوتی!! اتنا عمل ہی اپناؤ جتنی تم طاقت پاتے ہو، اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ (ثواب دینے سے) نہیں اکتاتے حتیٰ کہ تم خود ہی (عمل سے) اکتا جاتے ہو۔''

سیرت نبوی نے مسلمان مردوں اور عورتوں کو نوافل کی ادائیگی پر رغبت دلائی ہے، لیکن اس میں عین اسی وقت عبادت میں راہِ اعتدال اختیار کرنے کی دعوت بھی موجود ہے، اور عبادت گزاری میں غلو پسندی کو ناپسند بھی کیا گیا ہے، صرف ایک مسلمان آدمی کی شخصیت میں حکیمانہ توازن پیدا کرنے کے لیے اور اطاعت گزاری میں آسانی، رغبت اور چستی کے اوصاف کو مسلسل برقرار رکھنے کے لیے اور اس پہلو سے بچتے ہوئے کہ کہیں اس کا کندھا بوجھ سے دب نہ جائے، اس کی کمر ٹوٹ نہ جائے اور اسے اس عمل کو جاری و ساری رکھنے سے کم ہمت ہی نہ بنا دے، سیرتِ نبوی میں یہ بات بھی موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ کو وہی عمل زیادہ محبوب ہے جو پیہم اور مسلسل ہو، اگرچہ قلیل مقدار ہی میں ہو۔ ہم یہ بات اس حدیث مبارکہ میں پاتے ہیں جسے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

« أَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى أَدْوَمُهَا، وَإِنْ قَلَّ »

''اللہ تعالیٰ کو تمام اعمال میں بس وہی عمل محبوب و پسندیدہ ہے جو ہمیشگی والا ہو اگرچہ قلیل المقدار ہی ہو۔''

راوی کہتا ہے: ''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جب کوئی عمل اختیار فرماتیں تو اس پر مداومت اختیار کرتیں۔'' ②

صالح اعمال پر یہ لزوم و دوام صرف سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کی حالت نہ تھی، بلکہ یہ حالت تو اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خواص یعنی ازواج مطہرات اور دیگر عزیز و اقارب سبھی کی تھی۔ اس امر کی شہادت اس حدیث مبارک سے ہوتی ہے جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

---

❶ صحیح بخاری، کتاب التهجد، باب مایکره من التشدید فی العبادة، حدیث: ۱۱۵۱۔ صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین، باب فضیلة العمل الدائم، حدیث: ۷۸۵۔

❷ صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین باب فضیلة العمل الدائم، حدیث: ۷۸۳/۲۱۸۔

سے روایت کیا ہے' فرماتی ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کی ایک کھجور کی شاخوں سے بنی ہوئی چٹائی تھی، آپ رات کو اس کی آڑ بنا کر اس کے اندر نماز پڑھا کرتے تھے' اور لوگوں نے بھی آپ کی نماز کے ساتھ نماز پڑھنا شروع کر دی' اور آپ ﷺ اس چٹائی کو دن کے وقت بچھا لیا کرتے تھے' ایک رات لوگ لگا تار آتے ہی گئے' تب آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے لوگو! تم اپنی طاقت کے مطابق اعمال اختیار کرو' کیونکہ اللہ تعالیٰ تو نہیں اکتائے گا حتیٰ کہ تم ہی اکتا جاؤ گے' اور یقیناً اللہ تعالیٰ کو سب عملوں میں سے وہی عمل زیادہ محبوب ہوتا ہے جس پر ہمیشگی اختیار کی جائے خواہ تھوڑا ہی ہو'' اور آل محمد ﷺ جب بھی کوئی عمل اختیار کیا کرتے تھے تو اس پر لزوم و دوام فرمایا کرتے تھے۔''[1]

نماز کی ادائیگی کو اچھا بناتی ہے:

متقی سمجھدار مسلمان خاتون اس بات کی حریص رہتی ہے کہ اس کی نماز بہترین ادائیگی والی اور حاضر قلبی و اعضائے جسمانی کے خشوع سے معمور و لبریز ہو' وہ نماز میں تلاوت کردہ مقام قرآن کے معانی کو دل و دماغ میں حاضر کرتی اور زبان سے نکلنے والی دعاؤں اور تسبیحات کے معانی پر مکمل توجہ دیتی ہے' جس سے اس کا نفس اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی و انکساری سے جھکا رہتا اور اس کا دل ہدایت' شکر گزاری اور اس کی عبادت گزاری سے دھڑکتا رہتا ہے' تو جب بھی اس پر حالت نماز میں کوئی شیطانی خیال حملہ آور ہوتا ہے کہ اسے حضور قلبی اور صفائے ذہنی سے پھیر لے جائے' تو وہ کلام اللہ کی زیر تلاوت آیات پر سوچ بچار کرنے سے اور زبان سے ادا ہونے والی تسبیح و تحمید اور تقدیس و تمجید کے الفاظ پر تدبر و تفکر کرنے سے اس آنے والے خیال کو دور کر لیتی ہے۔

مسلمان خاتون اپنی نماز سے اس لیے فارغ نہیں ہوتی تاکہ فوراً امور خانہ داری اور مصروفیات زندگی میں مستغرق ہو جائے بلکہ وہ تو تین مرتبہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتی ہے جس طرح رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے اور وہ سنت نبوی کے مطابق یہ دعائیہ الفاظ بھی پڑھتی ہے:

[1] صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب فضیلۃ العمل الدائم، حدیث: ۲۱۵/۷۸۲۔

《 اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَالْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ 》[1]

''اے اللہ! تو سلامتی والا ہے' اور سب سلامتی تیری طرف ہی سے ہے' اے عظمت و جلال والے اور شان والے! تو بڑی ہی برکت والا ہے۔''

پھر وہ سنت مطہرہ میں وارد تسبیحات واذکار کا ورد بھی کرتی ہے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ ان کا ورد فرمایا کرتے تھے جو متنوع اور متعدد ہیں۔[2] جن میں سے اہم یہ ہیں:

وہ تینتیس بار ''سبحان اللہ'' تینتیس بار ''الحمد للہ'' اور تینتیس دفعہ ''اللہ اکبر'' پڑھے اور پھر سو کی گنتی پوری کرنے کے لیے یوں کہے:

《 لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ 》

''اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں' وہ تن تنہا ہے اس کا کوئی شریک و ساجھی نہیں ہے' اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کے لیے تعریف و ستائش ہے اور وہ ہر چیز پر قادر بھی ہے۔''

کیونکہ نبی کریم ﷺ سے صحیح سند سے یہ فرمان اقدس مروی ہے:

''جس نے نماز کے بعد تینتیس بار تسبیح الٰہی کہی' تینتیس مرتبہ حمد باری تعالیٰ بیان کی اور تینتیس دفعہ اللہ تعالیٰ کی کبریائی کہی' تو یہ ننانوے کی تعداد بن گئی اور اس نے سو کی گنتی پوری کرتے ہوئے یہ پڑھا: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ تو اس کے گناہ معاف کر دیے جائیں گے اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ کی مثل ہی کیوں نہ ہوں۔''[3]

پھر وہ بارگاہ صمدیت میں انکساری سے دعائیں کرنے کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دنیا و آخرت کے تمام امور کو صلاح و فلاح سے ہمکنار فرما دے۔ اور وہ اپنی ظاہری و باطنی نعمتوں کو اس پر مکمل فرما دے اور اسے اس کے کاموں میں رشد و ہدایت سے بہرہ ور فرما دے۔

---

1. صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ، حدیث: ۵۹۱۔
2. ملاحظہ فرمائیں امام النووی رحمہ اللہ کی کتاب ''ریاض الصالحین'' ص ۶۲۱ کتاب الاذکار: باب فضل الذکر والحث، وصحیح مسلم، کتاب المساجد، باب الذکر بعد حدیث: ۵۹۱-۵۹۷۔
3. صحیح مسلم، کتاب المساجد۔ باب الذکر بعد الصلاۃ، حدیث: ۵۹۷۔

تو اس طرح مسلمان خاتون اپنی نماز سے فراغت پاتی ہے کہ اس نے اپنے نفس کا تزکیہ کر لیا ہوتا ہے' اس کا دل ڈر رہا ہوتا ہے' اس کی روح پاک وصاف بن چکی ہوتی ہے اور اس کا پورا وجود روحانی طاقت سے بھرپور و معمور ہو چکا ہوتا ہے' جس سے وہ زندگی کی کلفتوں' گھریلو پریشانیوں اور مادرانہ ذمہ داریوں میں مدد حاصل کرتی ہے' اور اپنے امن دینے والے پروردگار کی پناہ میں چلی آتی ہے جب اسے کوئی شر اور آفت آ لیتی ہے تو جزع وفزع نہیں کرتی اور جب اسے کوئی خیر و عافیت ڈھانپ لیتی ہے تو وہ کنجوسی نہیں کرتی' کیونکہ نماز پڑھنے والیوں' راست بازی پر کاربند رہنے والیوں اور ڈرتے رہنے والیوں کی یہی شان ہوتی ہے:

﴿ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًاO اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًاO وَاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًاO اِلَّا الْمُصَلِّيْنَO الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَائِمُوْنَO وَالَّذِيْنَ فِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌO لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴾ [المعارج: ۷۰/۱۹-۲۵]

''بے شک انسان بڑے کچے دل والا بنایا گیا ہے' جب اسے مصیبت پہنچتی ہے تو ہڑبڑا اٹھتا ہے اور جب راحت ملتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے مگر وہ نمازی جو اپنی نماز پر ہمیشگی کرنے والے ہیں' اور جن کے مالوں میں مقررہ حصہ ہے' مانگنے والوں کا بھی اور سوال سے بچنے والوں کا بھی۔''

اپنے مال کی زکوٰۃ بھی دیتی ہے:

مسلمان خاتون اپنے مال کی زکوٰۃ بھی نکالتی ہے' اگر وہ صاحب مال اور صاحب نصاب ہو وہ اپنے مال کو ہر سال بڑی باریک بینی سے شمار کرتی ہے اگر اس مال پر زکوٰۃ واجب بنتی ہو تو وہ مکمل امانت داری سے اس فریضے کو ادا کرتی ہے' کیونکہ زکوٰۃ تو ارکان اسلام میں سے ایک رکن ہے' اس لیے کسی سال اسے نکالنے میں کسی طرح کی سستی اور حیلہ بازی جائز نہیں ہے' خواہ رقم ہزاروں یا لاکھوں تک پہنچی ہوئی ہو اور پرہیزگار سمجھدار مسلمان خاتون کے دل و دماغ میں یہ خیال تک نہیں آتا کہ وہ اپنے اوپر واجب ہونے والی زکوٰۃ کو ادا کرنے سے کوئی راہِ فرار تلاش کرے۔

یہ اس لیے کہ زکوٰۃ ایک مالی فریضہ اور مقرر شدہ عبادت ہے' جسے اللہ تعالیٰ نے ہر صاحب نصاب مسلمان پر فرض فرمایا ہے' برابر ہے کہ وہ مرد ہو یا عورت' اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے

اسے ادا نہ کرنے اور اس کی مشروعیت کا انکار کرنے کو ارتداد اور واضح کفر شمار فرمایا ہے' ایسے شخص سے قتال کیا جائے گا اور اس کا خون رائیگاں قرار دیا جائے گا حتیٰ کہ وہ اسے اس طریقے پر ادا کرنے والا بن جائے جس طرح دینی احکامات نے اس کی توضیح کی ہے۔ مانعین زکوٰۃ کے مرتدین کے بارے میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا شاندار موقف اور ان کے فرمودہ الفاظ زمانے کے کانوں میں گونجتے رہیں گے:

((وَاللّٰهِ لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ)) [1]

''اللہ کی قسم! میں بالضرور اس شخص سے قتال کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ کو الگ الگ کرے گا۔''

یقیناً یہ وہ ہمیشہ رہنے والے الفاظ ہیں جو اس دین کی عظمت کا اعلان کرتے رہیں گے جو دین اور دنیا کا باہمی رابطہ قائم رکھیں گے اور اس دین کامل واکمل کی طبیعت کو سمجھنے میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فہم وفراست کی گہرائی کی غمازی کرتے رہیں گے اور شعوری عقیدے اور اس کے تقاضے کے مطابق عملی تعمیل وتنفیذ کے درمیان تعلق کی پختگی کو نمایاں کرتے رہیں گے۔ اس کے علاوہ قرآن کریم کی ایسی آیات بھی بکثرت موجود ہیں جو نماز اور زکوٰۃ کو ایک دوسرے سے باہم ملا کر بیان کر رہی ہیں، جو مومنین کے دلوں میں اس دین کی مضبوط ترین عمارت کی تعمیر کر رہی ہیں:

﴿ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ ﴾ (المائدہ: ٥/٥٥)

''جو نمازوں کی پابندی کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔''

﴿ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ﴾ (البقرہ: ٢/٤٣)

''اور نمازوں کو قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔''

﴿ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ ﴾ (البقرہ: ٢/٢٧٧)

''نمازوں کو قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔''

ایک سمجھدار پرہیزگار مسلمان خاتون پر یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ جس اسلام نے اسے مالی

[1] صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب وجوب الزکاۃ، حدیث: ١٣٩٩، ١٤٠٠۔ صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب الامر بقتال الناس حتی یقولوا ...... حدیث: ٢٧٠۔

معاملات میں آزادی کا حق عطا فرمایا ہے اور جس نے اس پر اخراجات کا کوئی بوجھ بھی نہیں ڈالا بلکہ اخراجات کا سارا ذمہ دار خاوند کو ٹھہرایا ہے' وہی اسلام ہے جس نے اس پر زکوٰۃ کو فرض رکھا ہے اور اسے فقیر ومحتاج کے لیے ایک معلوم شدہ حق ٹھہرایا ہے' مسلمان خاتون اس حق کو نکالنے اور اس کے شرعی مصارف میں خرچ کرنے میں کوئی بہانہ نہیں تراشتی' اس سبب سے کہ وہ تو ایک عورت ہے اور وہ اخراجات کی بالکل مکلّف و ذمہ دار بھی نہیں ہے، بصورت دیگر وہ ایسی خاتون بنے گی جس کے فہم میں قصور' عقیدے میں فساد اور شخصیت میں خلل ہو گا۔ یا پھر وہ ایسی خاتون ہو گی جو بظاہر تو دین دار ہو گی لیکن حقیقت میں انتہائی درجے کی غافل اور کند ذہن ہو گی، جو حرصِ مال اور حب جائیداد پر پیدا شدہ ہو گی جو ادائیگی زکوٰۃ کو کچھ اہمیت نہ دیتی ہو گی خواہ وہ روزے رکھتی' نمازیں پڑھتی اور حج بھی ادا کرتی ہو اور کبھی کبھار وہ مال کثیر میں سے چند ٹکڑے اور ریزے بھی صدقہ کر دیتی ہو۔ عورتوں کی یہ قسم اور مذکورہ قسم اس مسلمان خاتون کے کردار سے تعلق نہیں رکھتی جسے اسلام چاہتا ہے۔

ماہ رمضان کے روزے رکھتی اور اس کی راتوں کو قیام کرتی ہے:

صاحبِ تقویٰ مسلمان خاتون ماہ رمضان کے روزے رکھتی ہے' جبکہ اس کا نفس ایمان سے معمور و بھرپور ہوتا ہے:

«أَنَّ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ» [1]

''کہ جس نے حالت ایمان سے اور نیتِ ثواب سے رمضان کے روزے رکھے اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیے گئے۔''

وہ روزے رکھنے والیوں کے اور اپنی زبانوں' اپنی آنکھوں اور اپنے دیگر اعضا کی حفاظت کرنے والیوں کے اخلاق سے آراستہ ہوتی ہے ہر ایسی مخالفت سے جو روزے کو مخدوش کر دے اپنے دامن کو بچائے رکھتی ہے اور اگر وہ کسی جھگڑے' عداوت یا شور شرابے کے فتنے کی زد میں آ جائے تو وہ روزے رکھنے والوں اور والیوں کے لیے سیرت پیغمبر اور ہدایت نبوی پر عمل پیرا ہوتی ہے:

«إِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ أَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَصْخَبْ' فَإِنْ سَابَّهُ أَحَدٌ أَوْ

---

[1] صحيح بخاري، كتاب الإيمان، باب صوم رمضان احتسابا من الإيمان، حديث : ٣٨۔ صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب الترغيب في قيام رمضان، حديث : ٧٦٠۔

قَاتَلَهُ فَلْيَقُلْ : اِنِّى صَائِمٌ ﴾[1]

''جب تم میں سے کسی کے روزے کا دن ہو تو وہ شہوت رانی کی باتیں کرے اور نہ ہی شور شرابا اور اگر کوئی اسے گالی گلوچ کرے یا اس سے لڑائی کرنا چاہے تو اسے چاہیے کہ یوں کہہ دے: میں تو روزے سے ہوں۔''

﴿ مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ أَنْ يَّدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ ﴾[2]

''جس نے جھوٹی بات کو اور اس پر عمل کمانے کو نہ چھوڑا' تو اللہ تعالیٰ کو اس کے طعام و شراب چھوڑے رکھنے کی کچھ بھی پروا نہیں ہے۔''

سمجھدار مسلمان خاتون رمضان میں یہ محسوس کرتی ہے کہ وہ ایک ایسے مہینے سے سایہ لے رہی ہے جو باقی مہینوں کے مثل نہیں ہے، اس میں تو صالح اعمال کا اجر و ثواب بڑھا دیا جاتا ہے' خیر کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں' اس میں روزہ فقط اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کے لیے ہوتا ہے اور وہی اس کی جزا بھی دے گا اور اللہ تعالیٰ غنی منعم صاحبِ فضل، وہاب کی جزا بھی تو اس سے کہیں بڑھ کر' ہمہ گیر اور ہمہ جہت ہوگی کہ اس کو احاطہ شمار میں لایا جا سکے یا اسے دائرہ فکر و خیال میں سمویا جا سکے۔

''ابن آدم کے ہر عمل کا اجر بڑھا دیا جاتا ہے' نیکی کا اجر دس گنا سے سات سو گنا تک ہو جاتا ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ماسوائے روزہ کے' کیونکہ وہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا' وہ میرے لیے اپنی شہوت اور اپنے کھانے پینے کو ترک کر دیتا ہے' روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں، ایک خوشی تو اس کی افطاری کے موقع پر ہے اور دوسری خوشی اس کے اپنے پروردگار کی ملاقات کے وقت ہوگی۔ اور اس کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کستوری کی خوشبو سے بھی بڑھ کر پاکیزہ ہوتی ہے۔''[3]

---

[1] صحيح بخاري، كتاب الصوم، باب هل يقول انى ......الخ : حديث : ١٩٠٤ ـ صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب فضل الصيام، حديث : ١١٥١/١٦٣ ـ

[2] صحيح بخاري، كتاب الصوم، باب من لم يدع قول الزور والعمل به...... حديث : ١٩٠٣ ـ

[3] صحيح بخاري، كتاب لصوم، باب هل يقول انى صائم، حديث : ١٩٠٤، ٧٤٩٢ ـ صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب فضل الصيام، حديث : ١١٥١/١٦٤، واللفظ لهٗ

اسی لیے بیدار مغز دانشمند مسلمان خاتون ماہ رمضان میں اپنے گھریلو کام کاج میں توفیقِ الٰہی پانے کے درمیان اور اس ماہ مبارک کی ساعتوں میں طاعت' عبادت اور صالح اعمال کے ذریعے تقرب الٰہی کے حصول کے درمیان اس نہج پر گامزن ہوتی ہے کہ پنج گانہ فرض نمازوں کی بروقت ادائیگی سے' تلاوتِ قرآن سے' نفل نمازوں کی ادائیگی سے اسے گھریلو کام کاج غافل نہیں کرتے' اور نہ ہی خاندانی شب بیداری اسے قیام اللیل سے' تہجد کی ادائیگی سے اور دعاء و استغفار کرتے رہنے سے غافل ہی بناتی ہے' کیونکہ وہ بخوبی جانتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ماہ رمضان میں راتوں کو قیام کرنے والوں اور کرنے والیوں کے لیے کتنا عظیم ثواب اور کتنی وسیع بخشش تیار فرما رکھی ہے:

((مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ)) [1]

''جس نے رمضان میں ایمان پر قائم رہتے ہوئے اور ثواب چاہتے ہوئے (رات کا) قیام کیا تو اس کے پہلے گناہ معاف کر دیے گئے۔''

اور بلاشبہ رسول اللہ ﷺ ماہ رمضان میں اعمال صالحہ کو زیادہ سے زیادہ کرنے میں اس قدر کوشش و سعی فرمایا کرتے تھے جو غیر رمضان میں نہ فرمایا کرتے تھے' بالخصوص رمضان کے آخری عشرے میں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَجْتَهِدُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مَا لَا يَجْتَهِدُ فِيْ غَيْرِهِ)) [2]

''رسول اللہ ﷺ آخری عشرے میں اس قدر جہد و سعی فرمایا کرتے جو اس کے علاوہ عشروں میں جہد و سعی نہ فرمایا کرتے تھے۔''

آپ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے فرماتی ہیں:

((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ الْأَوَاخِرُ مِنْ رَمَضَانَ اَحْيَا اللَّيْلَ

---

1. صحيح بخاری، كتاب الإيمان، باب تطوع قيام رمضان من الإيمان، حديث : ٣٧۔ صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب الترغيب فى قيام رمضان، حديث : ٧٥٩۔
2. صحيح مسلم، كتاب الاعتكاف، باب الاجتهاد فى العشر الاواخر من شهر رمضان، حديث : ١١٧٥۔

كُلَّهُ، وَأَيْقَظَ أَهْلَهُ، وَجَدَّ وَشَدَّ الْمِئْزَرَ » [1]

''رسول اللہ ﷺ جب ماہ رمضان کا آخری عشرہ داخل ہو جاتا تو ساری شب بیدار رہتے، اپنے اہل خانہ کو بیدار رکھتے اور خوب محنت کرتے اور تہبند کو مضبوطی سے باندھ لیتے۔''

اور آپ ﷺ اپنے فرمان ذیل سے لیلۃ القدر کو تلاش کرنے کا حکم دیا کرتے اور اس میں قیام کرنے کی ترغیب دیا کرتے تھے:

« تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ » [2]

''ماہ رمضان کے آخری عشرہ میں لیلۃ القدر کو تلاش کرو۔''

اور اس فرمان گرامی سے:

« مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيمَانًا وَّ احْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ » [3]

''جس نے حالت ایمان اور نیت ثواب سے لیلۃ القدر کا قیام کیا اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیے گئے۔''

یہ ماہ مکرم خالص عبادت الٰہی کا مہینا ہے' محنت کرنے والی مسلمان خاتون کے لیے یہ لائق نہیں کہ اس کی راتوں کو لہو و لعب اور بے مقصد جاگنے میں گزار دے حتیٰ کہ طلوع فجر ہی قریب ہو جائے' اور افراد خانہ کی آنکھوں پر اونگھ کا غلبہ ہو' وہ ان کے آگے کھانے کے چند لقمے پیش کرے اور پھر سبھی اپنے اپنے بستروں میں جا گھسیں اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے خواب خرگوش کے مزے لینے لگیں اور ان میں سے کوئی ایک بھی نماز فجر کی بروقت ادائیگی کے لیے بیدار بھی نہ ہو۔

بلکہ سمجھدار مسلمان خاتون تو اس بات کی خواہشمند ہوتی ہے کہ وہ خود اور اس کے افرادِ خاندان

---

1. بخاری، کتاب فضل لیلة القدر، باب العمل فی العشر الاواخر من رمضان، حدیث: ۲۰۲۴۔ مسلم، کتاب الاعتکاف، باب الاجتهاد فی العشر الاواخر من شهر رمضان، حدیث: ۱۱۷۴۔
2. صحیح بخاری، کتاب فضل لیلة القدر، باب تحری لیلة القدر فی الوتر، حدیث: ۲۰۲۰۔ صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب فضل لیلة القدر، حدیث: ۱۱۶۹۔
3. صحیح بخاری، کتاب فضل لیلة القدر، باب فضل لیلة القدر، حدیث: ۲۰۱۴۔ صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین، باب الترغیب فی قیام رمضان، حدیث: ۷۶۰۔

ماہ رمضان میں اسلامی زندگی کے مطابق زندگی گزاریں' وہ رمضان کی راتوں میں بڑی مرتب و سلیقہ مند بنتی ہے، وہ اس طرح کہ جب اہل خانہ صلاۃ التراویح سے فراغت پاتے ہیں تو وہ زیادہ دیر تک جاگتے نہیں رہتے بلکہ وہ تو عنقریب چند ساعتوں کی استراحت کے بعد قیام اللیل کرنے اور سحری تناول کرنے کے لیے اٹھنا چاہتے ہیں۔ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے سحری کھانے کا حکم دیا ہوا ہے' کیونکہ اس میں خیر کثیر موجود ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((تَسَحَّرُوْا فَإِنَّ فِي السُّحُوْرِ بَرَكَةً)) [1]

''سحری تناول کرو' کیونکہ سحری میں برکت ہے۔''

ہدایت یافتہ مسلمان خاتون سحری کے لیے تمام افراد خانہ کو بیدار کرنے میں معاونت کرتی ہے' رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اور سحری میں پائی جانے والی برکتوں کو حاصل کرنے کے لیے' ان میں سے چند ایک یہ ہیں: قیام اللیل کی یاد دہانی' نماز فجر کی باجماعت ادائیگی کے لیے بڑی چستی و حاضر دماغی سے مسجدوں کی طرف چلنا' مزید روزے کے حوالے سے جسمانی قوت و طاقت میں اضافہ بھی ہوتا ہے' رسول اکرم ﷺ کا معمول مبارک بھی یہی تھا اور آپ ﷺ اپنے صحابہ کرام کو بھی اسی نہج پر تربیت دیا کرتے تھے۔ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

''ہم نے رسول اکرم ﷺ کے ساتھ سحری کھائی' پھر نماز کے لیے کھڑے ہوئے۔
پوچھا گیا: دونوں کے درمیان کتنا وقفہ تھا؟ جواب دیا: پچاس آیات۔'' [2]

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مسلمان خاتون اپنے خاندان کے افراد کے لیے ماہ رمضان میں مذکورہ تمام بھلائیوں کو حاصل کرنے کے لیے سبب بنتی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ اسے جزائے وافر اور اجرِ اعظم سے مالا مال فرمائے۔

﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ إِنَّا لَا نُضِيْعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا ﴾
(الكهف: ١٨/ ٣٠)

---

1. صحيح بخاری، كتاب الصوم، باب بركة السحور من غير ايجاب، حديث : ١٩٢٣۔ صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب فضل السحور، حديث : ١٠٩٥۔
2. صحيح بخاری، كتاب الصوم، باب قدر كم بين السحور و صلاة الفجر، حديث : ١٩٢١۔ صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب فضل السحور، حديث : ١٠٩٧۔

''یقیناً جو لوگ ایمان لائیں اور نیک اعمال کریں تو ہم کسی نیک عمل کرنے والے کا ثواب ضائع نہیں کرتے۔''

نفلی روزے بھی رکھتی ہے:

متقی مسلمان خاتون ماہ رمضان کے سوا بھی نفلی روزے رکھتی رہتی ہے' اگر اسے روزہ رکھنے میں مشقت اور گرانی نہ ہو' وہ یوم عرفہ' یوم عاشوراء اور محرم کی نویں تاریخ کے روزے بھی رکھتی ہے' کیونکہ مذکورہ اور دیگر ایام کے روزے ایسے صالح اعمال ہیں جو خطاؤں کو مٹاتے ہیں' جس طرح کہ رسول کریم ﷺ نے ان باتوں کی خبر دی ہے۔

سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے یوم عرفہ کے روزے کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((يُكَفِّرُ السَّنَةَ الْمَاضِيَةَ وَالْبَاقِيَةَ)) [1]

''سال گزشتہ اور سال آئندہ کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔''

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یوم عاشوراء کا روزہ رکھا اور اس کا روزہ رکھنے کا حکم بھی دیا۔ [2]

سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے یوم عاشوراء کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((يُكَفِّرُ السَّنَةَ الْمَاضِيَةَ)) [3]

''سال گزشتہ کے گناہوں کا کفارہ بنتا ہے۔''

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((لَئِنْ بَقِيتُ إِلَى قَابِلٍ لَأَصُومَنَّ التَّاسِعَ)) [4]

---

1. صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب استحباب صیام ثلاثة ایام، حدیث: ۱۱۶۲/۱۹۷۔
2. صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب صوم یوم عاشوراء، حدیث: ۱۱۳۰۔
3. صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب استحباب صیام ثلاثة ایام...... حدیث: ۱۱۶۲/۱۹۷۔
4. صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب ای یوم یصام فی عاشوراء، حدیث: ۱۱۳۴/۱۳۴۔

''اگر میں آئندہ سال تک زندہ رہا تو میں نویں محرم کا روزہ ضرور رکھوں گا۔''

اور اسی طرح ماہ شوال کے چھ روزوں کا معاملہ ہے' ان روزوں کی فضیلت کے متعلق رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں:

((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ اَتْبَعَهُ سِتًّا مِّنْ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ)) ①

''جس نے رمضان کے روزے رکھے' پھر اس کے پیچھے شوال کے چھ روزے رکھے تو یہ زمانہ بھر کے روزے رکھنے کی مثل ہے۔''

باقی ایام جن میں روزے رکھنے مستحب ہیں' ہر مہینے میں تین دن ہیں' اس ضمن میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

''مجھے میرے پیارے دوست ﷺ نے تین باتوں کی وصیت فرمائی تھی: ہر ماہ میں تین دنوں کے روزے رکھنے کی' چاشت کی دو رکعتیں پڑھنے کی اور یہ کہ میں سونے سے قبل نماز وتر پڑھ لوں۔'' ②

سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں:

''مجھے میرے حبیب ﷺ نے تین امور کی وصیت فرمائی ہے کہ میں جب تک زندہ رہوں انہیں ہرگز نہ چھوڑوں: ہر مہینے تین دنوں کے روزے رکھنے کی' نماز چاشت ادا کرنے کی اور یہ کہ میں نہ سوؤں حتیٰ کہ وتر ادا کرلوں۔'' ③

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((صَوْمُ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ مِّنْ كُلِّ شَهْرٍ صَوْمُ الدَّهْرِ كُلِّهِ)) ④

''ہر مہینے میں تین ایام کے روزے رکھنا پورے سال کے روزے رکھنا ہے۔''

ایسی نصوص بھی وارد ہیں جو ان تین ایام کو متعین اور محدود بھی کرتی ہیں یعنی تیرہ' چودہ اور

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب استحباب صیام ستة ایام من شوال، حدیث: ١١٦٤۔

❷ صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب صیام البیض، حدیث: ١٩٨١ و صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین، باب استحباب صلاة الضحی، حدیث: ٧٢١۔

❸ صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین، باب استحباب صلاة الضحی، حدیث: ٧٢٢۔

❹ صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب صوم داوٗد علیه السلام، حدیث: ١٩٧٩۔ صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب النهی عن صوم الدهر، حدیث: ١١٥٩/١٨٧۔

پندرہ تاریخ' انہیں ایامِ بیض بھی کہتے ہیں اور کچھ دوسری نصوص بھی وارد ہیں جن کے مطابق رسول کریم ﷺ ہر ماہ میں غیر متعین روزے بھی رکھا کرتے تھے۔

سیدہ معاذہ عدویہ رحمۃ اللہ سے روایت ہے کہ انھوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے استفسار کیا: کیا رسول اللہ ﷺ ہر ماہ میں تین ایام کے روزے رکھا کرتے تھے؟ فرمایا: ہاں' میں نے پھر پوچھا: مہینے کے کس حصے میں روزے رکھا کرتے تھے؟ فرمایا: آپ اس کا کچھ بھی خیال نہ رکھا کرتے تھے کہ مہینے کا کون سا حصہ ہے۔ [1]

وہ بیت اللہ کا حج بھی کرتی ہے:

سمجھدار مسلمان خاتون اپنی دینی راہنمائی کو ہمیشہ اپنی آنکھوں کے سامنے رکھتی ہے جب بھی اسے استطاعت ملتی ہے وہ بیت اللہ کا حج کرتی ہے' جب بھی اسے حج کی ادائیگی کے لیے مشروع اسبابِ سفر میسر آتے ہیں تو وہ رختِ سفر باندھنے سے قبل احکامِ حج کو بڑی دانشمندی' سمجھداری اور عمدگی سے پڑھتی ہے اور جب وہ مناسکِ حج کی ادائیگی کے لیے حاضر ہوتی ہے تو بڑی فراست سمجھداری اور دانائی سے اعمال سرانجام دیتی ہے۔ تو اس طرح اس کا حج بالکل صحیح اور شرعی شروط کو مکمل کرنے والا ہوتا ہے بلکہ مردوں کے بالمقابل وہ جہاد کا قائم مقام بن جاتا ہے' جس طرح کہ رسول کریم ﷺ نے ان باتوں کی خبریں دی ہیں۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! (ﷺ) کیا ہم آپ کے ساتھ مل کر غزوہ اور جہاد نہ کریں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((لٰكِنَّ أَحْسَنَ الْجِهَادِ وَأَجْمَلَهُ الْحَجُّ، حَجٌّ مَبْرُورٌ))

''تمہارے لیے بہترین اور خوبصورت ترین جہاد حج ہے' جو حج مبرور ہو۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا ہے میں تب سے حج کرنا نہیں چھوڑ رہی۔'' [2]

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب استحباب صیام ثلاثۃ ایام من کل شہر، حدیث: ۱۱٦۰۔

[2] صحیح بخاری، کتاب جزاء الصید، باب حج النساء، حدیث: ۱۸٦۱۔

وہ عمرہ بھی کرتی ہے:

جس طرح مسلمان خاتون پر حج فرض کیا گیا ہے اسی طرح وسائل واسباب کی فراوانی کے موقع پر اس پر عمرہ بھی واجب ہے، خصوصاً ماہ رمضان میں عمرہ، کیونکہ اس کا ثواب تو رسول اللہ ﷺ کی معیت میں حج کرنے کے برابر ہے، جس طرح کہ اس حدیث مبارکہ میں آیا ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرمایا:

''جب نبی کریم ﷺ اپنے حج سے واپس آئے تو آپ ﷺ نے ام سنان الانصاریہ رضی اللہ عنہا سے کہا: تجھے حج کرنے سے کونسی چیز مانع ہوئی؟ بولی: فلاں فلاں کے باپ...... ان کی مراد اپنا شوہر تھا...... کے پاس دو اونٹ تھے، وہ ان دونوں میں سے ایک پر حج کرنے چلا گیا جبکہ دوسرا اونٹ ہماری زمین کو سیراب کرتا رہا۔ آپ نے فرمایا:

((فَإِذَا كَانَ رَمَضَانُ اعْتَمِرِي فِيهِ، فَإِنَّ عُمْرَةً فِي رَمَضَانَ حَجَّةٌ)) [1]

''تو جب ماہ رمضان ہو تو اس میں عمرہ کر لینا، بلاشبہ ماہ رمضان میں عمرہ حج ہوتا ہے۔''

اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے دوسری روایت میں یہ بھی ہے:

((فَإِنَّ عُمْرَةً فِي رَمَضَانَ تَقْضِي حَجَّةً مَعِي)) [2]

''یقیناً ماہ رمضان میں عمرہ میری معیت میں کیے گئے حج کا درجہ پاتا ہے۔''

اپنے پروردگار کے حکم کی اطاعت گزار ہوتی ہے:

ایک سمجھدار مسلمان خاتون کے دل سے یہ امر مخفی نہیں رہتا کہ وہ ان تمام شرعی احکام کی پابند ہے جن کا اسے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، اس ضمن میں عورت کا حال بالکل مرد کے برابر ہے، ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے الا یہ کہ کسی مسئلے میں عورت کو مرد سے یا مرد کو عورت کے بجائے مخصوص کر دیا گیا ہو، ان چند مخصوص مسائل کے علاوہ مرد اور عورت اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی میں یکساں ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

---

1. صحيح بخاري، كتاب العمرة، باب عمرة في رمضان، حديث : ١٧٨٢ ـ صحيح مسلم، كتاب الحج، باب فضل العمرة في رمضان، حديث : ١٢٥٦ ـ
2. صحيح بخاري، كتاب جزاء الصيد: باب حج النساء، حديث : ١٨٦٣ ـ

﴿ اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ وَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِیْنَ وَالصّٰئِمٰتِ وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَ الْحٰفِظٰتِ وَ الذّٰكِرِیْنَ اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّ الذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴾ (الأحزاب: ٣٣/٣٥)

''بیشک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں' ایماندار مرد اور ایمان دار عورتیں' فرمانبرداری کرنے والے مرد اور فرمانبردار عورتیں' راست باز مرد اور راست باز عورتیں' صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں' عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں' خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں' روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں' اپنے نفس کی نگہبانی کرنے والے اور نگہبانی کرنے والیاں' بکثرت اللہ کا ذکر کرنے والے اور ذکر کرنے والیاں' ان سب کے لیے اللہ تعالیٰ نے وسیع مغفرت اور بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے۔''

اور یہ بھی فرمایا:

﴿ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّهٗ حَیٰوةً طَیِّبَةً وَ لَنَجْزِیَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴾ (النحل: ١٦/٩٧)

''جو شخص نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت' لیکن باایمان ہو تو ہم اسے یقیناً نہایت بہتر زندگی عطا فرمائیں گے' اور ان کے نیک اعمال کا بہتر بدلہ بھی انہیں ضرور ضرور دیں گے۔''

ایک جگہ اس طرح فرمایا:

﴿ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَ اُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَ قٰتَلُوْا وَ قُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَ لَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴾

(آل عمران: ٣/١٩٥)

''پس ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمائی کہ تم میں سے کسی کام کرنے والے کے کام کو، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، میں ہرگز ضائع نہیں کرتا' تم آپس میں ایک ہی ہو، اس لیے وہ لوگ جنھوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکال دیے گئے اور جنھیں میری راہ میں ایذا دی گئی اور جنھوں نے جہاد کیا اور شہید کیے گئے ضرور بالضرور ان کی برائیاں ان سے دور کر دوں گا اور بالیقین انہیں جنتوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں' یہ ہے ثواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس بہترین ثواب ہے۔''

اور جس وقت بھی قرآن کریم میں یا سنت مطہرہ میں ﴿ يَاأَيُّهَا النَّاسُ ﴾ یعنی اے لوگو! مطلق طور پر کہا جاتا ہے وہ مردوں اور عورتوں سبھی کو شامل ہوتا ہے' اس امر کے شواہد میں سے وہ روایت بھی ہے جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے' فرماتی ہیں: میں لوگوں کو سنتی تھی کہ وہ حوض کا تذکرہ کرتے تھے اور میں نے اس کا ذکر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نہیں سنا تھا' بس ایک روز کی بات ہے جبکہ ایک بچی مجھے کنگھی کر رہی تھی' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ''أَيُّهَا النَّاسُ'' ''اے لوگو!'' میں نے بچی سے کہا: ذرا مجھ سے پیچھے ہٹ جا، وہ کہنے لگی: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف مردوں کو بلایا ہے، عورتوں کو نہیں بلایا۔ میں نے کہا: بلاشبہ میں بھی لوگوں میں سے ہوں۔ تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا:

« إِنِّي لَكُمْ فَرَطٌ عَلَى الْحَوْضِ، فَإِيَّايَ، لَا يَأْتِيَنَّ أَحَدُكُمْ فَيُذَبُّ عَنِّي كَمَا يُذَبُّ الْبَعِيرُ الضَّالُّ فَأَقُولُ : فِيمَ هٰذَا؟ فَيُقَالُ: إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ، فَأَقُولُ: سُحْقًا » [1]

''میں حوض پر تم سب کا پیشرو ہوں گا یعنی تم سب سے پہلے حوض پر پہنچوں گا لہٰذا میری اس بات کا بخوبی خیال رکھنا' تم میں سے کوئی اس حال میں میرے پاس نہ آئے کہ اسے مجھ سے اس طرح دور ہٹا دیا جائے جس طرح بھٹکے اونٹ کو دور ہٹایا جاتا ہے' میں کہوں گا: کس وجہ سے ایسا کیا جا رہا ہے؟ تو جواب دیا جائے گا: بلاشبہ آپ نہیں

---

[1] صحيح مسلم، كتاب الفضائل: باب حوض نبينا ﷺ وصفته، حديث: ٢٢٩٥۔

جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد (دین میں) کیا کیا نئے کام شروع کر لیے تھے' تو میں یہ کہوں گا: دوری ہو۔''

اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں الفاظ بھی ہیں:

((فَأَقُوْلُ سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ بَدَّلَ بَعْدِيْ))[1]

''تو میں کہوں گا: اس کے لیے دوری ہو دوری ہو جس نے میرے بعد (دین میں) تبدیلی کر دی۔''

عورت اور مرد اللہ تعالیٰ کے سامنے' اس کے حکم کی اتباع کرنے میں اور اس کی نہی سے اجتناب کرنے میں مساوی ہیں۔ یہاں سے ثابت ہوا کہ مسلمان خاتونِ حکم الٰہی کو بجا لائے گی اور نہی الٰہی سے رکے گی' اس بات کا عقیدہ رکھتے ہوئے کہ اس سے ان اعمال کی باز پرس ہوگی جو اس نے اپنی زندگی میں آگے بھیجے ہوں گے' اگر خیر کے ہوئے تو خیر ہوگی اور اگر شر والے ہوئے تو شر ہوگی۔

وہ لازماً حدود اللہ کے پاس ٹھیرے گی' ان سے تجاوز نہ کرے گی' امر حرام میں واقع نہیں ہوگی' بلکہ ہمیشہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی متلاشی رہے گی اور وہ اپنی زندگی میں پیش آمدہ تمام مسائل میں اسی کے حکم کے سامنے سر جھکائے گی۔

مسلمان خاتون کی تاریخ میں ایسے کئی صاف شفاف اور روشن واقعات ہیں جو عورتوں کے لیے راہ نجات اور دستور حیات متعین کرتے ہیں جنھوں نے حکم الٰہی کو اپنے پیش نظر رکھا' وہ اس سے الگ ہوئیں اور نہ ہی انہوں نے اس سے سر مو انحراف کیا۔

ان واقعات میں سے ایک واقعہ جسے امام احمد اور امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے سورۂ مجادلہ کے آغاز میں سیدہ خولہ بنت ثعلبہ اور ان کے خاوند سیدنا اوس بن صامت رضی اللہ عنہما کے بارے میں بیان کیا ہے۔

خولہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میرے بارے میں اور اوس بن صامت کے بارے میں اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے سورۂ مجادلہ کا ابتدائی حصہ نازل فرمایا' کہتی ہیں: میں ان کے عقد میں تھی' اور وہ

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الفضائل: باب حوض نبینا ﷺ وصفته، حدیث: ۲۲۹۵۔

ایک بوڑھے آدمی تھے، جن کا مزاج سخت بن چکا تھا' پھر کہتی ہیں: ایک دن میرے پاس آئے تو میں نے ترکی بترکی جواب دیا جس پر وہ ناراض ہو گئے تو انہوں نے کہا: تو میرے اوپر میری ماں کی پشت کی مانند ہے' پھر کہتی ہیں: پھر باہر جا کر اپنی قوم کی مجلس میں کچھ دیر بیٹھ کر واپس میرے پاس آئے اور ازدواجی تعلق کا تقاضا کرنے لگے۔ کہتی ہیں' میں نے جواب دیا: ہرگز نہیں مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں خویلہ کی جان ہے' آپ میرے ساتھ خلوت نہیں کر سکتے حالانکہ آپ نے وہ بات کہی ہے جو کہی ہے حتیٰ کہ اللہ اور اس کا رسول ہمارے متعلق اپنا فیصلہ دے دیں' پھر فرماتی ہیں: وہ مجھ پر کود پڑے' اور میں نے انہیں اپنے سے دور ہٹائے رکھا جس طرح کوئی عورت بوڑھے آدمی پر غلبہ پا سکتی ہے۔ میں نے انہیں اپنے سے دور پھینک دیا' کہتی ہیں: پھر میں اپنی ایک پڑوسن کے پاس چلی گئی' اس سے کپڑے مستعار لیے' اور سیدھی رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچی اور آپ ﷺ کے سامنے آ بیٹھی' میں نے آپ کے سامنے وہ بیان کیا جو کچھ میرے ساتھ گزرا تھا' اور میں آپ ﷺ سے ان کی طرف سے ملنے والی بداخلاقی کی شکایت کرنے لگی۔ کہتی ہیں: رسول اللہ ﷺ یہی فرماتے جا رہے تھے: اے خویلہ! تیرا برادر عم زاد بوڑھا فانی ہو چکا ہے' اس کے معاملے میں اللہ سے ڈر۔ کہتی ہیں: میں بھی مسلسل ادھر ہی بیٹھی رہی حتیٰ کہ میرے بارے میں قرآن کریم نازل ہوا' تو رسول اللہ ﷺ کو وہ کیفیت ڈھانپ رہی تھی جو آپ کو ڈھانپ لیا کرتی تھی پھر آپ سے کیفیت وحی ختم ہوئی تو آپ نے مجھ سے یوں فرمایا:

« يَا خُوَيْلَةُ ! قَدْ أَنْزَلَ اللّٰهُ فِيكِ وَفِي صَاحِبِكِ قُرْآنًا »

''اے خویلہ! یقیناً اللہ تعالیٰ نے تیرے بارے میں اور تیرے خاوند کے بارے میں قرآن اتارا ہے۔''

پھر مجھے سنایا:

« قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَتَشْتَكِي إِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا إِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ »

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سنی جو تجھ سے اپنے شوہر کے بارے میں گفتگو کر رہی تھی اور اللہ کے آگے شکایت کر رہی تھی' اللہ تعالیٰ تم دونوں کے سوال و جواب

سن رہا تھا' بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان گرامی تک سنایا:

﴿ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ (المجادلہ ۵۸ / ۱۔۴)

''اور کفار ہی کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

کہتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسے کہو کہ ایک گردن آزاد کرے۔'' وہ کہتی ہیں: میں نے عرض کی: ''یارسول اللہ! ان کے پاس آزاد کرنے کے لیے کچھ نہیں ہے' تو آپ ﷺ نے فرمایا: تو اسے چاہیے کہ دو ماہ کے متواتر روزے رکھے۔'' وہ کہتی ہیں: میں نے گزارش کی: اللہ کی قسم! وہ تو انتہائی بوڑھے ہیں' وہ روزے نہیں رکھ سکیں گے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے چاہیے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھجوروں کا ایک وسق [1] کھلائے۔'' کہتی ہیں: میں نے پھر عرض کی: اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول ان کے پاس وہ بھی نہیں ہے۔'' کہتی ہیں: تب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہم کھجوروں کے ایک ٹوکرے کے ساتھ اس کی اعانت کر دیں گے'' وہ کہتی ہیں: میں نے عرض کی: ''یارسول اللہ! میں بھی ایک ٹوکرے کے ساتھ ان کی معاونت کر دوں گی' آپ نے فرمایا: ''تو نے درست بات کہی اور نیکی کمائی' چلی جاؤ' اور اس کی جانب سے وہ خیرات کر دو' پھر اپنے چچا کے بیٹے کے متعلق بھلائی کی وصیت قبول کرو۔'' پھر کہتی ہیں: چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔'' [2]

سیدہ خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا ایک لمحہ بھر کے لیے بھی اپنے خاوند کے ساتھ رہنے کی طاقت نہ رکھتی تھیں بعد اس کے کہ انہوں نے ظہار کے وہ الفاظ بھی منہ سے نکالے تھے جو کہ زمانہ جاہلیت کے مطابق طلاق تھی' بالآخر وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت عالیہ میں پہنچتی ہیں تاکہ اپنے متعلق اور اپنے خاوند کے متعلق اللہ تعالیٰ کا حکم جان لیں' حالانکہ ان کے پاس ایسے کپڑے بھی نہ تھے جو پہن کر باہر نکلنے کے قابل ہوتے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش ہو سکتیں' چنانچہ انہوں نے اپنی کسی ہمسائی سے کپڑے مستعار لیے' پھر فوراً رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوئیں تاکہ اپنے متعلق حکم ربانی سن کر اس کی تعمیل کریں۔

---

1. وسق: کھجور کا وزن' ساٹھ صاع کا ایک پیمانہ۔
2. مسند أحمد (۶ / ۴۱۰۔۴۱۱) سنن أبی داود، کتاب الطلاق، باب فی الظهار، حدیث: ۲۲۱۴۔

بلاشک اس عظیم المرتبت خاتون کا بلند مقام ہوگا ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں جو ان کے ہمعصر تھے اور جنہوں نے ان کا فضل و مرتبہ پہچانا تھا' اور ان میں سے سرفہرست سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں' وہ ایک روز آپ سے ملیں جبکہ آپ مسجد سے باہر نکل رہے تھے اور آپ کے ہمراہ جارود عبدی تھے' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھ کر ''السلام علیکم'' کہا' حالانکہ آپ امیر المومنین تھے' وہ آپ سے یوں عرض پرداز ہوئیں: اے عمر! میں تجھے وصیت کرتی ہوں اور تو وہی ہے جسے عکاظ کی منڈی میں عمیر کہا جاتا تھا' اور تو اپنی لاٹھی سے بھیڑوں کو ہانکا کرتا تھا' لہٰذا تو رعایا کے بارے میں اللہ سے ڈر کر رہ اور یہ بات بھی جان لے کہ جو وعید سے ڈرتا ہے تو بعید امر بھی اس پر قریب ہو جاتا ہے اور جو موت سے ڈرتا ہے وہ (وقت اور نیکی کا موقع) ضائع کرنے سے بھی ڈرتا ہے۔ جارود بولے: اری خاتون! تو نے امیر المومنین (رضی اللہ عنہ) کو بڑی باتیں کر ڈالی ہیں' تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: انہیں کچھ نہ کہو' چھوڑ دو' کیا تو انہیں جانتا نہیں ہے' یہ وہ خولہ ہیں جن کی باتیں اللہ تعالیٰ نے ساتوں آسمانوں کے اوپر سنیں اور اللہ کی قسم! عمر اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ وہ بھی اس کی باتیں سنے۔

اور تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ ایک شخص نے جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس خاتون کی عزت افزائی کرتے ہوئے دیکھا تو بول اٹھا: آپ رضی اللہ عنہ نے اس بڑھیا کی خاطر قریش کے مردوں کو روک رکھا ہے، تب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو غمزدہ نہ ہو' تو جانتا ہے یہ کون ہے؟ بولا: نہیں' فرمایا: یہ وہ خاتون ہیں جن کے شکوے کو اللہ تعالیٰ نے ساتوں آسمانوں کے اوپر سے سن لیا تھا' یہ خولہ بنت ثعلبہ ہیں' اللہ کی قسم! اگر یہ رات تک بھی مجھ سے نہ پلٹیں گی تو میں ان سے بالکل نہ پھروں گا حتیٰ کہ وہ بات کو مکمل کر لیں' بجز اس کے کہ نماز کا وقت ہو اور میں نماز پڑھ لوں' پھر اس کے پاس حاضر ہو جاؤں تاکہ وہ اپنی بات پوری کر لے۔[1]

بلاشبہ ایک سمجھدار ہدایت یافتہ مسلمان خاتون ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ذیل کو پیش نظر رکھتی ہے:

﴿ وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ

---

[1] تفسیر ابن کثیر، ص: ۱۳۱۶۔

لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَ مَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِينًا ﴾
(الأحزاب : ٣٣/٣٦)

''اور کسی مسلمان مرد و عورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا' یاد رکھو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی جو بھی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں پڑے گا۔''

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت گزاری تو ہوائے نفسانی سے بالاتر' آرزوؤں کی توقعات سے بالاتر' زندگی کے فائدوں سے کہیں بڑھ کر اور انسانی پسند سے کہیں بڑھ کر ہے' بلاشبہ ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کی بہترین اور نادر مثال قائم کی ہے اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد مبارک کرنے سے قبل کی بات ہے' جس روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اپنے آزاد کردہ غلام اور اپنے متبنیٰ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے رشتہ کی بابت دو شقوں پر مبنی اسلامی قانون کی توضیح کرنے کے لیے موافقت چاہی تھی۔

اول: لوگوں کے درمیان مکمل مساوات کو ثابت کرنے کے لیے۔

بنو عبد شمس کی سیدہ' رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کی صاحبزادی' قریش خاندان کی خوبرو دوشیزہ کی شادی ایک غلام سے کرنے لگے' اور غلام سادات کے مقابلے میں ادنیٰ طبقہ کے لوگ تھے بلکہ غلاموں اور سادات کے مابین طبقاتی فرق اس درجہ گہرائی اور شدت کی حدوں تک پہنچ چکا تھا کہ جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی فعل کے سوا کوئی چیز ختم نہ کر سکتی تھی' جو سرداران عرب کے سامنے واضح اعلان کرے' جسے مسلمانوں کی جمعیت اپنے لیے اسوہ تسلیم کرے، اس دور میں پائے جانے والے فرق مٹ جائیں اور لوگ باہم بجز تقویٰ کے کسی دوسری چیز پر برتری کا اظہار نہ کر سکیں۔

ثانی: منہ بولے بیٹے بنانے کی عادت کو باطل قرار دیا جائے۔

یہ رسم زمانہ جاہلیت میں چاروں طرف عام تھی، اور یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے شادی کرنے کے ساتھ ممکن تھا جو آپ کے منہ بولے بیٹے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں' اس عملی رہنمائی کو پیش کرتے ہوئے کہ اگر وہ آپ کے حقیقی بیٹے ہوتے تو قرآن کریم میں

وارد اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ کی ان سے شادی نہ ہو سکتی۔

اور یہ اختیار سیدہ زینب رضی اللہ عنہا، رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کی صاحبزادی کو دیا گیا تھا تاکہ بیت نبوی کے احاطے میں ان دونوں قوانین کی عملی شکلوں کو نافذ کیا جائے، تاکہ لوگ ان دونوں بنیادی قوانین کو اپنے دلوں کی خوشی سے، مکمل جذبہ اطاعت گزاری سے اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے قبول کر لیں، جس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو اختیار دیا کہ وہ سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی زوجہ بننا پسند کریں تو انہوں نے اس شادی کو ناپسند فرمایا، اور یوں جواب دے دیا: یارسول اللہ! میں تو اس سے نکاح نہیں کروں گی اور کبھی بھی اس سے شادی نہیں کروں گی، میں تو بنی عبد شمس کی سیدہ ہوں، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے وثوق، مکمل اطمینان اور اصرار سے انہیں یہی جواب دیا: بلکہ اس سے نکاح کر لے۔ ابھی دونوں کے مابین گفتگو چل رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر اس آیت کریمہ کا نزول فرما دیا:

﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴾

(الأحزاب: ۳۳/۳۶)

''اور کسی مسلمان مرد و عورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کے بعد اپنے کسی امر کا اختیار باقی نہیں رہتا، یاد رکھو کہ اللہ اور اس کے رسول کی جو بھی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں پڑے گا۔''

اس وقت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر راضی ہوئیں، اور یوں بولیں: تب تو میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی نہیں کروں گی، میں اس سے شادی کرنے پر آمادہ ہوں۔

بعد ازاں ان کے درمیان اور سیدنا زید رضی اللہ عنہ کے درمیان اختلافات ہوئے جو انہیں جدائی تک لے گئے، تو جب ان کی عدت طلاق ختم ہوئی تو یہ آیات نازل ہوئیں:

﴿ وَ اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْۤ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَ تُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَ تَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ

اَنْ تَخْشٰهُ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴾ (الأحزاب : ۳۳/۳۷)

''جب کہ تو اس شخص سے کہہ رہا تھا کہ جس پر اللہ نے بھی انعام کیا اور تو نے بھی، کہ تو اپنی بیوی کو آباد رکھ اور اللہ سے ڈر' اور تو اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھا جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور تو لوگوں سے خوف کھاتا تھا' حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ حق دار تھا کہ اس سے ڈرے، پس جب کہ زید کا اس عورت سے جی بھر گیا تو ہم نے اسے تیرے نکاح میں دے دیا، تاکہ مسلمانوں پر اپنے لے پالکوں کی بیویوں کے بارے میں کسی طرح کی تنگی نہ رہے جبکہ وہ اپنا جی ان سے بھر لیں' اللہ کا یہ حکم تو ہو کر ہی رہنے والا تھا۔''

تو رسول اللہ ﷺ نے تبسم فرماتے ہوئے اس آیت مبارکہ کی تلاوت کی اور فرمایا:

((مَنْ يَّذْهَبُ اِلٰى زَيْنَبَ يُبَشِّرُهَا اِنَّ اللّٰهَ قَدْ زَوَّجَنِيْهَا مِنَ السَّمَآءِ))

''زینب کو خوشخبری دینے کے لیے کون جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان میں اس سے میرا نکاح کر دیا ہے۔''

گویا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو ان کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی منفرد اور مطلق اطاعت گزاری پر صلہ عطا فرمایا' کہ جب وہ ان دونوں کے فیصلے پر سیدنا زید رضی اللہ عنہ سے شادی کرنے پر رضا مند ہو گئی تھیں' تو اب وہی اللہ تعالیٰ کے امر کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے ہاں رخصت ہو رہی ہے' اس کی کتاب کی آیات کی رو سے جن آیات کو قیامت تک مسلمان تلاوت کرتے ہوئے عبادت بجا لاتے رہیں گے' تو یہ ایک ایسا شرف وفضل ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمام امہات المومنین میں سے صرف سیدہ زینب رضی اللہ عنہا ہی کو عطا فرمایا ہے' اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اس شرف کو جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ودیعت فرمایا تھا باعث اعزاز سمجھتی تھیں اور دیگر ازواج النبی ﷺ پر فخر بھی کیا کرتی تھیں اور یوں کہا کرتی تھیں:

« زَوَّجَكُنَّ أَهَالِيكُنَّ، وَزَوَّجَنِي اللّٰهُ تَعَالَى مِنْ فَوْقِ سَبْعِ سَمَاوَاتٍ »[1]

''تمہاری شادیاں تمہارے گھر والوں نے کی ہیں' جبکہ میری شادی اللہ تعالیٰ نے ساتوں آسمان کے اوپر سے کی ہے۔''

کسی اجنبی کے ساتھ خلوت نشینی نہیں کرتی:

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت گزاری تو صرف ان کے امر و حکم کو ماننے اور ان کی منع و نہی سے اجتناب کرنے سے ہی ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت شعاری میں سے یہ امر بھی ہے کہ وہ کسی اجنبی مرد کے ساتھ خلوت نشین نہ ہو' کیونکہ کسی غیر محرم اجنبی مرد کے ساتھ خلوت گزین ہونا علمائے کرام کے متفق علیہ موقف کے مطابق حرام ہے' رسول مکرم ﷺ کے فرمان اقدس کی روشنی میں:

« لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا وَمَعَهَا ذُو مَحْرَمٍ، وَلَا تُسَافِرُ الْمَرْأَةُ إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ »

''کوئی مرد کسی خاتون کے ساتھ خلوت نشین نہ ہو مگر اس خاتون کے ساتھ کوئی محرم ہونا چاہیے اور نہ کوئی عورت تنہا سفر کرے مگر کسی محرم کے ساتھ۔''

تو ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض پرداز ہوا: یارسول اللہ! (ﷺ) ''میری بیوی تو سفر حج پر روانہ ہو چکی ہے اور مجھے فلاں فلاں غزوے میں لکھ لیا گیا ہے'' فرمایا:

« اِنْطَلِقْ فَحُجَّ مَعَ امْرَأَتِكَ »[2]

''جا تو بھی اپنی بیوی کے ساتھ حج کر۔''

اور محرم ہر وہ شخص ہے جس کے ساتھ عورت کا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نکاح حرام ہو جیسے کہ باپ' بھائی' چچا اور ماموں وغیرہ اور اجنبی ہر وہ شخص ہے جس کا اصلاً اس عورت سے کبھی بھی نکاح ہو سکتا ہو' اگرچہ وہ قریب ترین رشتہ داروں میں سے ہو' بالخصوص خاوند کے بھائی وغیرہ قریبی رشتہ داروں

---

1. صحيح بخاری، كتاب التوحيد، باب (و كان عرشه على الماء)، حديث : ٧٤٢٠۔
2. بخاری، كتاب الجهاد، باب من اكتتب في جيش فخرجت امرأته، حديث : ٣٠٠٦۔ صحيح مسلم، كتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم الى حج وغيره، حديث : ١٣٤١۔

میں سے ہیں' تو ان سبھی سے فرمان رسول مقبول ﷺ کی بنیاد پر خلوت میں بیٹھنا حرام ہے:

((اِیَّاکُمْ وَالدُّخُوْلَ عَلَی النِّسَآءِ))

''تم عورتوں کے پاس داخل ہونے سے بچ کر رہو۔''

تو ایک انصاری صحابی بولے: یارسول اللہ! دیور کے متعلق کیا خیال ہے؟

فرمایا: ''دیور تو موت ہے۔'' [1]

عربی لفظ '' اَلْحَمْوُ'' خاوند کے بھائی اور دیگر قریبی عزیزوں سبھی کے لیے بولا جاتا ہے' اور رسول اکرم ﷺ کے فرمان گرامی: '' اَلْحَمْوُ الْمَوْتُ'' کا معنی یہ ہے کہ غیر کی نسبت اس سے برائی کا خدشہ زیادہ ہے' کیونکہ بھائی کے گھر میں یہ بآسانی داخل ہو سکتا ہے' اسی طرح اس معاملے کی شدت سے ڈراتے ہوئے اور خبردار کرتے ہوئے اسے موت سے تعبیر کیا گیا ہے' گویا کہ خاوند کے قریبیوں سے خلوت اختیار کرنا بالکل ایسے ہی فساد' تباہی' کجی اور دینی ہلاکت میں ڈالنے والا ہے جس طرح کہ موت کی ہلاکت ہے۔

اور سمجھدار پرہیزگار خاتون شرع کی ایسی مخالفت میں نہیں پڑتی جس میں آج کل تساہل پسند لوگوں کی اکثریت پڑ چکی ہے۔

شرعی حجاب کی پابندی کرتی ہے:

وہ گھر سے باہر نکلتے ہوئے شرعی حجاب کی پابندی اختیار کرتی ہے' اس سے مراد ایسا امتیازی اسلامی لباس ہے جس کی کتاب و سنت کی قطعی نصوص نے نشاندہی اور حد بندی فرمائی ہے' وہ اس کے بغیر اپنے گھر سے باہر نہیں نکلتی اور نہ ہی عطر لگائے ہوئے اور اپنی زیب و زینت کو نمایاں کرتے ہوئے غیر محرم مردوں کے سامنے آتی ہے' کیونکہ وہ جانتی ہے کہ قرآن کریم کی نص قطعی کے ساتھ اس کے اوپر یہ حرام ہے:

﴿ وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا

---

[1] صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب لا یخلون رجل بامرأۃ، حدیث: ۵۲۳۲۔ صحیح مسلم، کتاب السلام، باب تحریم الخلوۃ بالاجنبیۃ حدیث: ۲۱۷۲۔

يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُوْلَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُوْلَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِيْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِيْ أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَآئِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِيْنَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلَى عَوْرَاتِ النِّسَاءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ وَتُوْبُوْا إِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾

(النور: ٢٤/ ٣١)

’’مسلمان عورتوں سے کہو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت میں فرق نہ آنے دیں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو ظاہر ہے اور اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیوں کے بکل مارے رہیں اور اپنی آرائش کو ظاہر نہ کریں سوائے اپنے خاوندوں کے یا اپنے والد کے یا اپنے خسر کے یا اپنے لڑکوں کے یا اپنے خاوند کے لڑکوں کے یا اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے یا اپنے میل جول کی عورتوں کے یا غلاموں کے یا ایسے نوکر چاکر مردوں کے جو شہوت والے نہ ہوں یا ایسے بچوں کے جو عورتوں کے پردے کی باتوں سے مطلع نہیں' اور اس طرح زور زور سے پاؤں مار کر نہ چلیں کہ ان کی پوشیدہ زینت معلوم ہو جائے' اے مسلمانو! تم سب کے سب اللہ کی جناب میں توبہ کرو تا کہ تم نجات پاؤ۔‘‘

ہوش مند مسلمان خاتون ان عورتوں میں سے نہیں ہوتی جو کپڑے پہننے کے باوجود ننگی ہی ہوتی ہیں، جن سے اللہ کی ہدایت اور اطاعت شعاری سے باغی موجودہ سوسائٹیاں بھرپور نظر آتی ہیں' بلکہ مسلمان خاتون تو اس خطرناک منظر کشی سے ہی لرزاں و ترساں رہتی ہے جسے رسول اکرم ﷺ نے ایسی اظہار زینت کرنے والی' گمراہ' راہ راست سے بھٹکی ہوئی اور فساد پیدا کرنے والی عورتوں کے لیے بیان فرمائی ہے:

((صِنْفَانِ مِنْ أَهْلِ النَّارِ لَمْ أَرَهُمَا' قَوْمٌ مَّعَهُمْ سِيَاطٌ كَأَذْنَابِ الْبَقَرِ يَضْرِبُوْنَ بِهَا النَّاسَ' وَنِسَآءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مُمِيْلَاتٌ مَائِلَاتٌ' رُؤُوْسُهُنَّ كَأَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ' وَلَا يَجِدْنَ رِيْحَهَا' وَإِنَّ

رِيْحَهَا لَيُوجَدُ مِنْ مَّسِيرَةِ كَذَا وَكَذَا)) [1]

''دو گروہ اہل دوزخ میں سے ہوں گے جنہیں میں نے ابھی نہیں دیکھا: ایسی قوم جن کے پاس گائے کی دم کی مثل کوڑے ہوں گے جن سے وہ لوگوں کو ماریں گے' اور ایسی عورتیں جو کپڑے پہنے ہوئے بھی ننگی ہوں گی' دوسروں کو مائل کرنے والی اور خود دوسروں کی طرف میلان رکھنے والی ہوں گی' ان کے سر بختی اونٹوں کی کوہانوں کی مانند جھکنے والے ہوں گے' وہ جنت میں داخل نہ ہو سکیں گی اور اس کی خوشبو تک نہ پا سکیں گی' جبکہ اس کی خوشبو اتنے اتنے فاصلے سے پائی جا رہی ہو گی۔''

ہدایت یافتہ مسلمان خاتون تو وہ ہے جس نے اسلام کے صاف شفاف چشمے سے پانی پیا ہے اور اس نے اس کی پھیلی ہوئی گھنی چھاؤں میں پرورش پائی ہے' وہ شرعی حجاب کو رسماً اور تقلیداً اختیار نہیں کیے ہوئی کہ اس کی دادیوں اور نانیوں نے اسے اختیار کیا تھا اور اسے ان سے وراثت میں ملا ہے جس طرح کہ بعض فارغ البال مرد اور عورتیں حجاب کو یہی شکل دیے ہوئے ہیں جو کسی علمی سند اور منطقی دلیل کے بغیر یا کتاب منیر کی ہدایت کے بغیر ہی قبول کیے ہوئے ہیں' بلکہ مسلمان خاتون کا دل اس ایمان پر مطمئن ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک حکم ہے' اور اس کا نفس پردہ کے متعلق اس حقیقت سے بھرپور ہے کہ یہ تو دین الٰہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ایک مسلمان خاتون کی حفاظت و نگہداشت کرنے کے لیے اور اس کی شخصیت کو ممتاز بنانے کے لیے نازل فرمایا ہے' مزید اسے فتنے کی آماجگاہوں سے' رذالت و کمینگی کی پھسلنوں اور پھندوں سے اور ضلالت کی گھاٹیوں سے دور رکھنے کے لیے بھی ہے۔ اسی لیے وہ اسے نفس کی رضامندی سے' قلبی اطمینان سے اور مضبوط قناعت پسندی سے قبول کرنے والی ہے جس طرح مہاجرین و انصار کی خواتین نے اسے اس روز ہی قبول فرما لیا تھا جس روز اللہ تعالیٰ نے اپنا قطعی فیصلہ اور محکم امر نازل فرمایا تھا۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے آپ سے روایت کیا ہے' کہتی ہیں:

---

[1] صحیح مسلم، کتاب اللباس، باب النساء الکاسیات العاریات، حدیث: ۲۱۲۸۔

((يَرْحَمُ اللّٰهُ نِسَاءَ الْمُهَاجِرَاتِ الْأُوَلَ، لَمَّا أَنْزَلَ اللّٰهُ : "وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ" شَقَقْنَ مُرُوْطَهُنَّ فَاخْتَمَرْنَ بِهَا))

''اللہ تعالیٰ پہلے پہل ہجرت کرنے والی خواتین پر رحم فرمائے' جب اللہ تعالیٰ نے فرمان ذیل نازل فرمایا: ''اور وہ اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیوں کے بکل مارے رہیں'' تو انہوں نے اپنی بڑی بڑی چادروں کو پھاڑ کر ان سے اپنے حجاب بنا لیے تھے۔''

اور بخاری ہی کی ایک روایت میں یوں بھی آتا ہے:

((أَخَذْنَ أُزُرَهُنَّ فَشَقَقْنَهَا مِنْ قِبَلِ الْحَوَاشِيْ فَاخْتَمَرْنَ بِهَا)) [1]

''انہوں نے اپنی تہبندوں کو کناروں سے پھاڑ لیا تھا اور ان سے اوڑھنیاں بنالی تھیں۔''

سیدہ صفیہ بنت شیبہ رحمہا اللہ کی روایت میں یوں آتا ہے: ہم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی مجلس میں بیٹھی تھیں کہ ہم نے قریش خاندان کی عورتوں کا اور ان کی فضیلت وعظمت کا تذکرہ شروع کر دیا' تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں: یقیناً خاندان قریش کی عورتوں کی فضیلت بجا ہے' لیکن اللہ کی قسم! میں نے انصار کی عورتوں سے بڑھ کر کسی کی فضیلت نہیں دیکھی' اور نہ ہی کتاب اللہ کی تصدیق کرنے میں کسی کو ان سے بڑھ کر پایا ہے اور نہ ہی نازل شدہ حکم پر ایمان رکھنے میں بڑھ کر دیکھا ہے' یقیناً جب سورۃ النور کی درج ذیل آیت کا نزول ہوا۔

﴿ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ﴾ (النور : ٢٤/ ٣١)

''اور وہ اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیوں کے بکل مارے رہیں۔''

تو جب ان کے مردان کے پاس گھروں میں لوٹ کر گئے' وہ ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آیت تلاوت کرنے لگے' تو جو آدمی بھی اپنی بیوی' اپنی صاحبزادی' بہن یا اپنی کسی بھی قرابت والی پر تلاوت کرتا تھا تو ان میں سے کوئی بھی عورت ایسی نہ تھی مگر وہ اپنی منقش بیل بوٹوں والی چادر کی طرف اٹھتی گئی اور اس سے اپنے آپ کو ڈھانپتی گئی' اللہ تعالیٰ نے جو اپنی کتاب میں نازل فرمایا تھا اس پر ایمان لاتے ہوئے اور اس کی تصدیق کرتے ہوئے' تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] صحیح بخاری، کتاب التفسیر: باب (وليضربن بخمرهن على جيوبهن)، حديث : ٤٧٥٨، ٤٧٥٩۔

کے پیچھے اپنی اوڑھنیوں کے ساتھ لپٹے ہوئے صبح کی تھی گویا کہ ان کے سروں پر کوے بیٹھے ہوئے ہیں۔ [1]

اللہ تبارک وتعالیٰ مہاجرین وانصار کی عورتوں پر رحم فرمائے ان کا ایمان کس قدر قوی تھا! ان کا اسلام کس درجہ صادق تھا! نزول حق کے وقت ان کا سر تسلیم خم کر لینا کس مرتبہ کا حسین و خوبصورت تھا! بلاشبہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر سچا ایمان رکھنے والی ہر مومنہ خاتون کے لیے اس کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں ہے کہ وہ انہی صاحب فضیلت خواتین کی پیروی اختیار کرے' اور اپنے اوپر یہی اسلامی امتیازی حجاب کو لازم قرار دے لے' کسی طرح کی عریانی' اعضاء کھولنے اور اظہار زینت جیسی حرکتوں کو کچھ اہمیت نہ دے۔

مجھے ایک باپردہ پکی سچی مسلمان دوشیزہ کا جواب یاد آ رہا ہے' جو شان وشوکت میں انصار و مہاجرین کی خواتین کے موقف سے کسی طرح بھی کم درجہ نہیں ہے جو اس نے ایک اخباری نامہ نگار کو اس وقت دیا تھا جو دمشق یونیورسٹی دیکھنے آیا تھا اور اس نے شدید گرمی والے دن میں بھی پردے کی پابندی کرنے پر اس سے سوال کیا تھا' تو اس کا جواب یوں تھا:

﴿ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ﴾ (التوبہ: ۹/ ۸۱)

''کہہ دیجیے کہ دوزخ کی آگ بہت ہی سخت گرم ہے۔''

ایسی ہی باکردار، پرہیزگار، پاکیزہ نوجوان لڑکیاں ہی مسلمان گھرانوں کو آباد رکھ سکتی ہیں اور نسلِ نو کی اعلیٰ کردار پر تربیت کر سکتی ہیں اور پھر معاشرہ سپوتوں' ہونہاروں اور تعمیر ملت کرنے والوں کے ساتھ پروان چڑھ سکتا ہے اور یقیناً آج بھی اس کردار کی حامل خواتین بکثرت موجود ہیں۔ الحمد للہ!!

یہ شرعی حجاب شریعت اسلام ہی میں کوئی نیا حکم تو نہیں ہے بلکہ قبل از اسلام بھی تمام شریعتوں میں موجود رہا ہے' ان تحریف شدہ کتابوں کی باقیات اس حقیقت کی شہادت دے رہی ہیں، ہم آج بھی ان نصرانیوں کی جو ہمارے بلاد اسلامیہ میں یا باقی دیار مغرب میں رہائش پذیر ہیں کی

---

[1] فتح الباری کتاب التفسیر: باب (ولیضربن بخمرهن علی جیوبهن)، حدیث: ۴۷۵۸، ۴۷۵۹۔ بحوالہ ابن ابی حاتم ۔ تفسیر ابن کثیر: (ص: ۹۳۷)۔

راہبات کے باوقار لباس میں ملاحظہ کرتے ہیں کہ کتابیہ عورت اپنے گرجے میں داخل ہونے سے قبل اپنے سر کو ڈھانپ لیتی ہے۔

انجیل مقدس ایک نصرانی عورت سے اس امر کا مطالبہ کرتی ہے کہ وہ اپنے بالوں کو ڈھانپ کر رکھے جس طرح کہ الاصحاح (یعنی پولس کے اہل کورنتوس کے نام گیارھواں خط) میں ہے' اسی لیے راہب خواتین حجاب اوڑھتی ہیں اور جس وقت پاپائے اعظم ویٹی کن سٹی کسی خاتون کے سامنے آتا ہے' خواہ وہ کسی سربراہ حکومت کی بیوی ہو یا کوئی مشہور و معروف خاتون ہو تو وہ اپنے بالوں کو ڈھانپ لیتی ہے۔

آج اس سوچ اور فکر کو، جو عورت اور اس کے وقار کو ڈھانپ سکتی ہے، عام کرنے کی ضرورت ہے اور وہ یہی ہے کہ تمام اسلامی شریعتوں یعنی ملت ابراہیم' موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کی طرف' اس آسان ترین' راستے کی جانب لوگوں کو لایا جائے جو دین اسلام لایا ہے اور اس ایک اللہ کے دین سے خود کو آراستہ کیا جائے جو اللہ تعالیٰ نے انسانیت کے لیے تا قیام قیامت بھیجا ہے' جسے وقفہ وقفہ سے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر لاتے رہے ہیں تا کہ انسان کے نفس کو حق' فضیلت اور خیر پر استوار کیا جائے جس کے نتیجے میں انسانیت آسمانی ہدایت کے ساتھ ہدایت یافتہ بنے اور پھر ایک امت ہی رہے' اور ساتھ ساتھ اپنے پروردگار معبود واحد کی مطیع و فرمانبردار بھی رہے:

﴿ وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّآ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴾ (یونس: ۱۰/ ۱۹)

''اور تمام آدمی ایک ہی طریقہ کے تھے پھر انہوں نے اختلاف پیدا کر لیا' اور اگر ایک بات نہ ہوتی جو آپ کے رب کی طرف سے پہلے ٹھیر چکی ہے تو جس چیز میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں ان کا قطعی فیصلہ ہو چکا ہوتا۔''

﴿ يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ○ وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴾

(المؤمنون: ۲۳/ ۵۱-۵۲)

''اے پیغمبرو! حلال چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو' تم جو کچھ کر رہے ہو اس سے میں

بخوبی واقف ہوں' یقیناً تمہارا یہ دین ایک ہی دین ہے اور میں ہی تم سب کا رب ہوں۔ پس تم مجھ سے ڈرتے رہو۔''

﴿ وَ الَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَ جَعَلْنٰهَا وَ ابْنَهَآ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ○ اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ اَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴾

(الأنبياء: ۲۱/ ۹۱_۹۲)

''اور وہ پاک دامن بی بی جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی' ہم نے ان کے اندر اپنی روح پھونک دی اور خود انہیں اور ان کے لڑکے کو تمام جہان کے لیے نشانی بنا دیا' یہ تمہاری امت ہے جو حقیقت میں ایک ہی امت ہے' اور میں تم سب کا پروردگار ہوں' پس تم میری ہی عبادت کرو۔''

دور حاضر کی انسانی سوسائٹیوں کا عورت کی عریانی' بے پردگی اور چھچھورے پن کی جانب اصرار کرنا' ان کی کجی' طغیانی، سرکشی اور ہدایت الٰہی سے دوری کی دلیل ہے' صرف عالم اسلام ہی میں نہیں' بلکہ پورے عالم کے ممالک میں ہے' اور جب اہل مغرب اس انحراف وکجی پر کوئی پروا نہیں کر رہے بلکہ وہ تو عریانی' فحاشی اور گمراہی کی نئی نئی راہیں ایجاد کرنے میں پیش پیش ہیں' اور اپنی تحریف شدہ کتابوں میں کوئی ممانعت اور رکاوٹ نہیں پا رہے' تو یقیناً مسلمان تو ایسے ہیں جو اپنے پروردگار کی ثابت محکم محفوظ کتاب کی شب و روز کی ساعتوں میں تلاوت کر کے عبادت کر رہے ہیں' یہ تو ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ اس انحراف اور کجی پر رضا مند رہیں' خواہ وہ اپنے دینی معاملات میں کمزوری' کاہلی اور غفلت کے کیسے ہی درجے میں ہیں' کیونکہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی قطعی نصوص ان کے کانوں سے مسلسل ٹکرا رہی ہیں جو اللہ اور رسول ﷺ کے حکم کی مخالفت کرنے والوں کو ڈرا رہی ہیں' دنیاوی زندگی میں انہیں کسی فتنے سے دو چار ہونے اور اخروی زندگی میں عذاب الیم میں گرفتار ہونے کی دھمکی دے رہی ہیں:

﴿ فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِیْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ یُصِیْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴾ (النور: ۲۴/ ۶۳)

''سنو جو لوگ حکم رسول کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں ان پر کوئی زبردست آفت نہ آ پڑے یا انہیں کوئی دکھ کی مار نہ پڑے۔''

یہی وجہ ہے کہ عورت کو بے پردگی اور عریانی کی طرف زور شور سے بلانے والوں اور بلانے والیوں کے دعوے اطراف عالم میں پھیلے ہوئے اسلامی بیداری کے متوالوں کی پامردی اور ثابت قدمی کے سامنے بدترین ناکامی اور پسپائی کے ساتھ پلٹ آئے ہیں۔ اور باہوش تعلیم یافتہ سمجھدار مسلمان خاتون دنیا کے بیشمار اسلامی خطوں میں اپنے اسلامی ممتاز لباس کی جانب' اپنے شرعی حفاظت کنندہ حجاب کی جانب اور اپنی محفوظ و مستحکم اور پسندیدہ جاہ و حشمت کی طرف پلٹ آئی ہے' بالخصوص ان خطوں میں جہاں عورت حجاب کو اتارنے اور اپنی پاکدامنی' حشمت اور پردہ داری کو چھوڑتے ہوئے اسے مغربی خاتون بننے کی دعوت دی جا رہی تھی اور یہ اس مغربی ذہنیت اور شر و فساد کے داعیوں کی سر عام رسوائی ہے۔ بطور مثال ترکی میں اتاترک کے پیروکار ہیں' ایران میں رضا شاہ پہلوی' افغانستان میں محمد امان ہے' البانیہ میں احمد زوغو اور انور خوجا ہیں' مصر میں مرقص فہمی' قاسم امین اور ہدی شعراوی کے پیروکار ہیں۔ عورتوں کو حجاب کی پابندی سے ''آزادی'' دلانے والوں کی اکثریت اب اپنی قدیم آرا سے رجوع کر چکی ہیں جن میں عورت کی عریانی' بے پردگی' چھچھورے پن اور مردوں کے ساتھ بے ہنگم اختلاط کی دعوت تھی۔

تو دیکھیے یہ ڈاکٹر نوال سعداوی ہے جو پی ایچ ڈی کی حامل ہے جو عرصہ دراز تک حجاب اور حجاب اوڑھنے والیوں کے برخلاف اعتراض کرتی رہی ہے بلکہ پورے شد و مد اور اصرار کے ساتھ حجاب اتار دینے کی داعیہ بھی رہی ہے' لیجیے تو دیکھیے کہ اب وہی مغرب میں عورت کی بے قدری اور اس کی شرمناک بے پردگی پر تنقید کر رہی ہے اور یوں کہتی ہے:

''میں لندن کی سڑکوں میں ہوں، میں عورتوں کو دیکھ رہی ہوں جیسے کہ بالکل برہنہ ہیں' یہ اپنے جسموں کو یوں پیش کر رہی ہیں جیسے سامان تجارت ہو، کپڑے تو ایک مقصد کے لیے ہوتے ہیں اور یہ مقصد ہے جسم کو طبعی عوامل سے بچائے رکھنا لہٰذا یہ ایسے نہیں ہونے چاہئیں کہ ترغیب اور اکساہٹ کے پیغامات ہی پیش کرتے رہیں، اگر عورت اپنے وجود کو صرف اسی نقطہ نظر سے دیکھے کہ وہ تو ایک انسان ہے کوئی سامان برائے فروخت تو نہیں ہے تو اسے عریاں اور برہنہ پھرنے کی کوئی ضرورت باقی نہ رہے۔''[1]

---

[1] مجلة المجتمع الكويتية شمارہ نمبر : ۹۳۲۔

نوال سعداوی کے سامنے یہ بات کچھ عرصے کے بعد عیاں ہوئی ہے کہ حجاب تو عقل سے اٹھنا چاہیے بالخصوص تعلیم یافتہ مردوں اور عورتوں کی عقل سے کتنی ہی ایسی خواتین ہیں جو متوسط تعلیم یافتہ اور باپردہ رہنے والی ہیں اور وہ روشن اور کشادہ عقول کی مالک ہیں جو ایسی دسیوں بیسیوں تعلیم یافتہ بے وقوف ننگے منہ پھرنے والی عورتوں ننگے چہرے ننگے بدن اور ننگے سر رہنے والیوں سے بدرجہا بہتر ہیں جن کی عقل فطرت اور فہم وفراست پر پردے پڑے ہوئے ہیں اسی لیے تو وہ اپنے عنقریب منظر عام پر آنے والے منصوبے کے متعلق بتا رہی ہے: ''تعلیم یافتہ مردوں اور عورتوں کی عقل سے حجاب اٹھانا'' اور مزید یہ بھی کہہ رہی ہے: ''میں ایسی بہت سی لیڈی پروفیسرز لیڈی ڈاکٹرز اور خواتین انجینئرز سے آشنا ہوں جو سیاسی معاشرتی اور ثقافتی جہالت کا سامنا کر رہی ہیں۔''

مزید دیکھیں کہ یہ ہے مشہور ومعروف ناول نگار احسان عبدالقدوس جس نے ادبی مارکیٹ کو اپنے ناولوں کی کثرت و بہتات سے بھرپور کر دیا ہے جن میں وہ عورت کو گھروں سے باہر نکلنے مردوں کے ساتھ اختلاط کرنے اور محافل ومجالس اور شب بیداریوں میں ایک ساتھ رقص کرنے کی دعوتیں ہی پیش کرتا رہا ہے۔ وہ ایک انٹرویو میں جسے کویت کے جریدہ ''الانباء'' نے اپنے 1989/1/18ء کے شمارے میں شائع کیا تھا کہتا ہے: ''میں خیال کرتا ہوں کہ کسی بھی خاتون کی اصل ذمہ داری صرف گھر اور اولاد ہے اور یہ خیال سب سے زیادہ مجھ ہی پر چسپاں ہوتا ہے اگر میری بیوی نہ ہوتی تو میں خاندان امن وامان اور کامیابی کو پانے کی طاقت نہ پاتا کیونکہ میری بیوی نے خود کو گھر اور اولاد کے لیے وقف کر دیا ہے۔''

اسی انٹرویو میں وہ یہ بھی کہتا ہے: ''مجھے اپنی زندگی میں مطلق طور پر بالکل یہ تمنا نہ تھی کہ میں کسی کام کرنے والی خاتون سے شادی کروں گا کیونکہ میں ابتدا ہی سے اس بات سے بخوبی واقف ہوں کہ گھر اور گھریلو ذمہ داری عورت کے لیے انتہائی اہم ہے۔''

وہ آزادانہ اختلاط سے اجتناب کرتی ہے:

ہدایت یافتہ مسلمان خاتون اپنی استطاعت کے مطابق مردوں سے آزادانہ اختلاط کرنے سے اجتناب کرتی ہے نہ اس کی کوشش ہی کرتی ہے اور نہ اس کی جرأت ہی کرتی ہے وہ اس سلسلے

میں سیدہ فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ' امہات المومنین' سلف صالحین کی بیویوں یعنی صحابہ کرام' تابعین عظام اور احسان کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والوں اور ان کے سیدھے ہدایت یافتہ راستے پر گامزن رہنے والوں کی بیویوں کی سیرت کی پیروی کرنے والی ہوتی ہے۔

دانشمند مسلمان خاتون پر اس آزادانہ اختلاط کے دونوں جنسوں پر لاحق ہونے والے خطرناک نقصانات مخفی نہیں ہیں' ان اہل مغرب نے ان نقصانات کا مشاہدہ کیا ہے جو وسیع پیمانے پر سطح تعلیم کی درجہ بندی کرنے میں باقاعدہ تجربات کرتے رہے ہیں' تو انہوں نے بہت سی یونیورسٹیوں اور تعلیمی اداروں میں لڑکیوں کو نوجوان لڑکوں سے الگ رکھنے کا پروگرام بنایا۔ بہت سے بڑے بڑے تربیت دینے والے مسلمان سکالرز نے اس علیحدگی کا بچشم خود مشاہدہ بھی کیا ہے جو یورپ' امریکہ اور اس کی ریاستوں کا دورہ کر کے آئے ہیں۔ ان میں سے ایک ماہر تعلیم و تربیت پروفیسر احمد مظہر العظمۃ ہیں جنہیں ملک شام کی وزارت تعلیم و تربیت نے بلجیم میں ایک معلوماتی اور علمی سفر کے لیے ایک وفد میں روانہ کیا تھا وہاں انہوں نے بلجیم کے مدارس اور سکولز کا وزٹ کیا' ایک پرائمری سطح کے لڑکیوں کے سکول کے معائنے کے دوران میں انہوں نے سکول کی پرنسپل صاحبہ سے سوال کیا: آپ اس مرحلہ میں لڑکیوں کے ساتھ لڑکوں کو مخلوط کیوں نہیں کر رہے؟ تو اس نے یوں جواب دیا تھا: ہم نے بچوں کے اختلاط کے خطرناک اثرات کا مشاہدہ کر لیا ہے حتیٰ کہ اس ابتدائی اسٹیج پر بھی۔

روس میں اس نظریے کے سلسلے میں خبریں یہاں تک آ رہی ہیں کہ انہوں نے الگ یونیورسٹیاں اور ان کی ذیلی شاخیں قائم کر لی ہیں' جن میں طلبہ طالبات کو ایک دوسرے سے بالکلعلیحدہ علیحدہ تعلیم دی جاتی ہے۔

جبکہ امریکہ میں ۱۷۰ سے زائد یونیورسٹی کی ایسی ذیلی شاخیں قائم کر دی گئی ہیں جن میں طلباء طالبات سے مل جل نہیں سکتے' کیونکہ ان یونیورسٹیوں کے نگرانوں اور تربیت دینے والوں نے اس مخلوط تعلیم کے معاشرتی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر مضر اثرات دیکھ لیے ہیں۔

پورے عالم میں اس آزادانہ اختلاط کے مضرات و نقصانات کے شواہد اس قدر بکثرت ہیں جو احاطہ شمار میں لائے جانے سے کہیں بڑھ کر ہیں لیکن یہ ساری باتیں اسلام کی حکمت کی طرف

اشارہ کرتی ہیں کہ جس نے آزادانہ اختلاط کو ختم کر کے مسلم معاشرے کو اسلامی ہدایات کا پابند بنا کر ہر قسم کے تخریبی اور مضر اثرات سے محفوظ کر دیا ہے۔

رہے وہ مردوں اور عورتوں کے مشترکہ اجتماعات مثلاً مسجد میں نماز کے لیے' کسی علمی مجلس میں حاضر ہونے کے لیے یا کسی مشترکہ اعلیٰ مقصد کو حاصل کرنے کے لیے جیسے جہاد اور اس کے مقاصد و تقاضے ہیں یا ان کے علاوہ اعمال صالحہ ہیں جن میں دونوں جنسوں کی مشارکت اور باہمی تعاون مطلوب ہو یا جو کسی راجح مصلحت یا کسی ضروری حاجت کے حصول کے لیے منعقد کیے جاتے ہیں' تو اسلام نے ایسے اجتماعات کی معروف شرعی ضوابط کے ساتھ اجازت رکھی ہے' بلکہ بعض حالتوں میں تو اس کی ترغیب و تحریص بھی دلائی ہے جس طرح کہ نماز عیدین میں ہے کیونکہ یہ اجتماع آزادانہ اختلاط سے پاک ہوتے ہیں اور یہ غیر مسلم معاشروں میں مروج و غالب اور اشتعال پیدا کرنے والے اختلاط سے معمور اجتماعات جیسے نہیں ہوتے۔

غیر محرم مردوں سے مصافحہ نہیں کرتی:

یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہے کہ مسلمان خاتون کو مردوں کے ساتھ اختلاط کرنے کی اجازت نہیں' تو وہ کسی غیر محرم مرد سے مصافحہ بھی نہیں کرے گی' اس ضمن میں وہ رسول اکرم ﷺ کے قول و فعل کی پیروی کرنے کو اختیار کرے گی' جس طرح کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے: جب اہل ایماندار عورتیں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ہجرت کر کے حاضر ہوتیں تو آپ فرمان باری تعالیٰ:

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ﴾

(الممتحنة: ٦٠/ ١٠)

''اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو تم ان کا امتحان لے لیا کرو......''

کے ساتھ ان کا امتحان لیا کرتے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں تو ایمان دار خواتین میں سے جونسی عورت اس شرط کا اقرار کر لیتی تو وہ شرعی بیعت کا اقرار کر لیتی تھی۔ جب عورتیں اپنی

زبان سے ان باتوں کا اقرار کر لیتیں تو آپ انہیں یوں فرماتے:

((اِنْطَلِقْنَ فَقَدْ بَايَعْتُكُنَّ))

''چلی جاؤ بلاشبہ میں نے تم سے بیعت لے لی ہے۔''

اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک نے کبھی بھی کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا' آپ تو صرف ان سے کلام و گفتگو کے ذریعے بیعت لیتے تھے۔ اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے صرف وہی قرار لیا جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا تھا۔ جب آپ ان سے یہ قول و قرار لے لیتے تو آپ ان سے یہ فرمایا کرتے:

((قَدْ بَايَعْتُكُنَّ كَلَامًا))

''میں نے تم سے بذریعہ گفتگو بیعت لے لی ہے۔''[1]

وہ محرم کے بغیر سفر نہیں کرتی

اسلامی ہدایت میں سے یہ بھی ہے کہ مسلمان خاتون کسی محرم کی معیت کے بغیر سفر اختیار نہ کرے' یہ اس لیے کہ سفر مشقت سے خالی نہیں ہے بلکہ یہ خطرات' مکروہات اور مشکلات سے گھرا اور بھرا ہوا ہوتا ہے اور اس میں کوئی خیر اور بہتری نہیں ہے کہ عورت تن تنہا مذکور چیزوں کا سامنا کرے اور اس کے ہمراہ کوئی بھی محرم رشتہ دار نہ ہو جو اس سے مشکلات اور صعوبتوں کا بوجھ ہلکا کرے اور پیش آمدہ خطرات کو ہٹائے۔ اسی لیے نبوی ہدایت اسے محرم کے بغیر اکیلے سفر کرنے سے روک رہی ہے' اور یہ بات متواتر' متنوع اور متعدد الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔

((لَا تُسَافِرُ الْمَرْأَةُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ))[2]

''عورت تین دنوں کا سفر محرم کے بغیر نہ کرے۔''

اور صحیح مسلم میں ہے:

((لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ تُسَافِرُ مَسِيرَةَ ثَلَاثِ لَيَالٍ إِلَّا

---

1. صحیح بخاری، کتاب الطلاق، باب اذا اسلمت المشركة او النصرانية، حديث: ۵۲۸۸۔ مسلم، کتاب الامارة، باب كيفية بيعة النساء، حديث: ۱۸۶۶۔
2. صحیح بخاری، کتاب تقصير الصلاة، باب فی كم يقصر الصلاة، حديث: ۱۰۸۶۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم الى الحج وغيره، حديث: ۱۳۳۸۔

وَمَعَهَا ذُوْ مَحْرَمٍ ›› [1]

”اس عورت کے لیے حلال نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتی ہے کہ وہ تین راتوں کا سفر اختیار کرے مگر اس کے ہمراہ کوئی محرم ہو۔“

اس باب میں احادیث مبارکہ بکثرت ہیں' لیکن میں مذکورہ احادیث پر ہی اکتفاء کرتا ہوں' جبکہ سبھی احادیث مبارکہ عورت کے سفر کرنے کے لیے محرم کی شرط کو تاکیداً بیان کرتی ہیں' الا کہ چند ضروری حالتوں میں جنہیں علماء کرام نے بیان کیا ہے اور اس میں ان کی آراء بھی متعدد ہیں۔ [2]

تو اس طرح مسلمان خاتون اس بات کا حق رکھتی ہے کہ وہ اپنے رب کی فرمانبردار بنی رہے' اس کے حکم کی تعمیل کرنے والی' اس کی نہی سے اجتناب کرنے والی' اس کے حکم پر اظہار رضامندی کرنے والی' اپنے دین کی تعلیم' اس کے شعائر و آداب سے چمٹ کر رہنے والی بنی رہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت بجا لاتے ہوئے تکالیف پر صبر کرنے والی بنی رہے' اگرچہ مروجہ معاشرتی مفہوم اس کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں' اور یہ ساری بات اعتماد اور یقین کے ساتھ بنے گی اس طرح وہ نجات پانے والی' کامرانی سے ہمکنار ہونے والی اور نفع رسانی کی حقدار بننے والی ہو گی' جس طرح کہ قرآن کریم نے اس حقیقت کو پرزور الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

﴿ وَالْعَصْرِ ○ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ○ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴾ (العصر:۱۰۳/۱۔۳)

”زمانے کی قسم! بیشک و بالیقین انسان سرتاسر نقصان میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور جنہوں نے آپس میں حق کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی۔“

اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر پر راضی رہتی ہے:

یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے کہ اپنے رب کے امر کی اطاعت شعار مسلمان خاتون قضاء و قدر

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم، حدیث: ۱۳۳۸/۴۱۴۔

[2] ملاحظہ فرمائیں شرح صحیح مسلم، کتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم۔

پر مکمل اظہار رضامندی کرنے والی ہو اور یہ اس لیے کہ قضاء وقدر پر رضامند رہنا انسان میں صلاح، تقویٰ، اطاعت اور ایمان کی بڑی بڑی علامات میں سے ہے، بنا بریں سمجھدار، اپنے دین کی راہنمائی میں چلنے والی مسلمان خاتون اپنی زندگی میں وارد ہونے والی ہر خیر وشر میں ہمیشہ رضامندی پر قائم رہتی ہے، جس میں اس کے لیے ہر حال میں خیر ہی خیر ہے، جس طرح کہ رسول رحمت ﷺ نے اسے بیان فرمایا ہے:

((عَجَبًا لِّأَمْرِ الْمُسْلِمِ ! إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ خَيْرٌ، وَلَيْسَ ذَاكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ، إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّآءُ شَكَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ، وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّآءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ)) ①

''مسلمان کا معاملہ بھی عجیب تر ہے! اس کا معاملہ تو سراسر خیر ہی خیر ہے، اور یہ بجز مومن کے کسی دوسرے کے لیے نہیں ہے، اگر اسے خوشحالی پہنچے تو وہ شکر بجالاتا ہے، تو یہ بھی اس کے لیے بہتر ہے، اور اگر اسے بدحالی اور گزند پہنچے تو اظہار صبر کرتا ہے تو یہ بھی اس کے لیے بہتر ہی ہے۔''

بلاشبہ مسلمان خاتون اپنے دل کی گہرائی میں یہ اعتقاد رکھتی ہے کہ اس زندگی میں اسے جو بھی مصیبت لاحق ہو رہی ہے وہ اس سے کسی صورت بھی خطا نہیں ہو سکتی اور جو اس سے خطا ہو رہی ہے وہ اسے کبھی لاحق نہیں ہو سکتی اور ہر چیز فیصلے اور اندازے کے ساتھ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے سبھی امور و معاملات خیر ہی خیر ہیں، اگر اسے کوئی خوشی ملتی ہے تو اس کی زبان عطا کنندہ منعم حقیقی کے لیے شکریے میں مگن ہو جاتی ہے تو اس طرح وہ شکر گزار بندیوں اور اطاعت گزار خواتین میں سے بن جاتی ہے اور اگر اسے کوئی تکلیف لاحق ہوتی ہے تو وہ صبر کرتی ہے تو اس طرح وہ صبر کا دامن تھامنے والیوں اور کامیاب و کامران ہونے والیوں میں سے ہو جاتی ہے۔

اس گہرے مضبوط ایمان کی بدولت ہی مسلمان خاتون صدموں پریشانیوں اور ہولناک واقعات کو برداشت کر لیتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر پر راضی رہتے ہوئے خندہ پیشانی سے انہیں قبول کر لیتی ہے اور صبر وصلاۃ اور حصول ثواب کی نیت سے مدد الٰہی کو حاصل کرتی ہے۔

① صحیح مسلم، کتاب الزھد، باب المؤمن امرہ کلہ خیر، حدیث: ٢٩٩٩۔

اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور تقدیر پر اس کی زبان شکر الٰہی کے کلمات ادا کرتی ہے جس طرح سیدہ خنساء رضی اللہ عنہا نے اپنے چار جگر گوشوں کی شہادت کی خبر سن کر یوں کہا تھا:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ شَرَّفَنِیْ بِاسْتِشْهَادِهِمْ وَأَرْجُوْ اَنْ یَّجْمَعَنِی اللّٰهُ بِهِمْ فِیْ مُسْتَقَرِّ رَحْمَتِهٖ)) [1]

''سب ستائش وتعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے انہیں شہادت کے مرتبہ پر فائز فرمایا ہے اور میں اس امر کی امید وار ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان کے ساتھ اپنے سایہ رحمت میں جمع فرمائے گا۔''

یا وہ اپنی جائے نماز کی جانب لپکتی ہے کیونکہ وہ صبر اور نماز کے ذریعے مدد الٰہی حاصل کرتی ہے جس طرح کہ سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے مصیبتوں' پریشانیوں اور اندوہ ناک واقعات کے پیہم آنے پر کیا تھا' انہوں نے اپنے پہلے خاوند جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو گم پایا پھر انہوں نے اپنے دوسرے خاوند سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کا صدمہ برداشت کیا پھر محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ اپنے جگر گوشے کی جدائی کا غم بھی سہا۔

خنساء اور اسماء جیسی مستورات مسلمان اور ایمان دار خاتون کی تاریخ میں' جو ثواب کی نیت رکھنے والی اور صبر کا دامن تھام کر رکھنے والی ہیں' بے شمار ہیں' اللہ تعالیٰ انہیں ان کا اجر کثیر بلاحساب عطا فرمائے:

﴿ اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴾ (الزمر: ۳۹/ ۱۰)

''صبر کرنے والوں ہی کو ان کا پورا پورا بے شمار اجر دیا جاتا ہے۔''

وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والی ہوتی ہے:

کبھی کبھار مسلمان خاتون کے دل پر غفلت کا کوئی پردہ بھی آ جاتا ہے' جس کے باعث اس کا قدم پھسل جاتا ہے یا اپنے پروردگار کے حکم کی بجا آوری میں کبھی کوئی سستی' کوتاہی اور تاخیر اسے لاحق ہو جاتی ہے' جو کسی طور بھی ایک بیدار مغز سمجھدار مسلمان خاتون کے شایان شان نہیں ہوتی، تو پھر وہ اپنی اس غفلت اور مدہوشی میں پڑی نہیں رہتی بلکہ وہ بہت جلد خبردار ہو جاتی اور

[1] الاصابة: ۸/ ۶۶'۶۷۔ اسد الغابة: ۵/ ۴۴۲۔

اپنی غفلت سے بیدار ہو جاتی ہے' اور اپنی کوتاہی اور تقصیر پر معافی کی طلب گار بنتی ہے' پھر سے وہ اپنی ایمانی چمک دمک' نفس کی دھلائی اور اپنی دینی حرارت کی جانب پلٹ آتی ہے۔ استغفار کرتی' توبہ وانابت کا دامن تھامتی اور اپنے امن دینے والے پروردگار کی حمایت کی طرف لوٹ کر آنے والی بن جاتی ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴾ (الاعراف: ۲۰۱/۷)

''یقیناً جو لوگ خدا ترس ہیں جب ان کو کوئی خطرہ شیطان کی طرف سے آجاتا ہے تو وہ یاد میں لگ جاتے ہیں سو یکایک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔''

غفلت اس دل کو زنگ آلود نہیں کر سکتی جس میں ایمان کی چمک جذب ہوتی ہے بلکہ فقط انہی دلوں کو زنگ آلود کرتی ہے جن میں غفلت لغزش فسق اور نافرمانی کے اثرات سرایت شدہ ہوتے ہیں' بیدار اور حاضر باش مسلمان خاتون کا دل تو ہمیشہ ہدایت' اطاعت اور انابت کو پانے کے لیے بے تاب رہتا ہے اور توبہ' رحمت اور معافی کی بادِ نسیم سے تروتازہ رہتا ہے۔

اپنے افراد خانہ کی بابت اپنی مسئولیت کو سمجھتی ہے:

اللہ تعالیٰ کے حضور مسلمان خاتون کی مسئولیت مرد کی مسئولیت سے کسی طرح بھی کم نہیں ہے' بلکہ مرد کی نسبت عورت کی مسئولیت تو بڑھ جاتی ہے کیونکہ وہ اپنے ان بچوں کی زندگی کے مخفی گوشوں کو بھی اچھی طرح جانتی ہوتی ہے جو طویل عرصے تک اس کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں اور بسا اوقات وہ ان امور مخفیہ سے بھی واقف کار ہوتی ہیں جنہیں باپ بالکل نہیں جانتا ہوتا۔ اور مسلمان خاتون اپنی اس مسئولیت کو اس وقت بڑی اچھی طرح سمجھ لیتی ہے جب مندرجہ ذیل فرمان اس کے کانوں سے ٹکراتا ہے:

''تم سبھی نگران ہو' اور تم سبھی اپنی اپنی رعیت کی بابت مسئول ہو: امام نگران ہے اور وہ اپنی رعایا کے متعلق جواب دہ ہے' اور آدمی (خاوند) اپنے اہل خانہ کا نگران ہے اور اپنی رعیت کی بابت مسئول ہے اور بیوی اپنے خاوند کے گھر کی نگران ہے اور وہ اپنی رعیت کے متعلق پوچھی جائے گی اور خادم اپنے مالک کے مال میں نگران ہے اور اپنی

رعیت کی بابت پوچھا جائے گا' (قصہ مختصر) تم سبھی نگران ہو اور سبھی اپنی اپنی رعیت کے متعلق پوچھے جاؤ گے۔'' ①

عورت کا مسئولیت اور جوابدہی کا شعور واحساس اسے ہمیشہ کجی وانحراف کو سیدھا کرنے کی جانب مائل رکھتا ہے' اگر اس کے افراد خاندان میں سے کسی فرد کی سیرت وکردار میں کوئی انحراف پایا جائے تو وہ اس کی تلافی کر لیتی ہے جو کسی فرد کی طرف سے اسے لاحق ہوتی ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ کوئی بھی عورت کسی انحراف یا کمی یا کوتاہی یا سستی پر خاموش نہیں رہتی جسے وہ اپنے گھر یا خاندان میں پاتی ہے وگرنہ اس کے دین میں کمی اس کی شخصیت میں ضعف اور اس کی سمجھداری میں قصور ہوگا۔

اس کا مقصود اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہی ہوتا ہے:

راست باز مسلمان خاتون ہمیشہ اپنے اعمال میں رضائے الٰہی کی ہی مشتاق رہتی ہے اور اپنے اعمال کو اسی دقیق ترازو سے تولتی رہتی ہے' جس کام سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہو اسے بجالاتی اور جس کام سے وہ ناراض ہوتا ہو اس سے اعراض کرتی اور اسے ناپسند کرتی ہے۔ اور جس وقت لوگوں کی رضا اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے درمیان تعارض رونما ہو جائے تو وہ بلا تردد' بلا تامل اور بغیر کسی جھگڑے کے رضائے الٰہی کی جانب کو اختیار کر لیتی ہے خواہ لوگ اس پر خفا ہی ہوتے ہوں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنی گہری اسلامی سوچ اور اپنی لطیف حساسیت سے اس حقیقت کا ادراک کر لیتی ہے کہ لوگوں کی رضامندی ایک ایسی غایت ہے جو پائی نہیں جا سکتی البتہ اس کے چاہنے والے کو اللہ تعالیٰ کی ناراضی تک ضرور لے جائے گی' اس پوری صورت حال میں وہ رسول حکیم ﷺ کی سیرت سے فیض یاب ہوتی ہے:

((مَنِ الْتَمَسَ رِضَآءَ اللّٰهِ بِسَخَطِ النَّاسِ كَفَاهُ اللّٰهُ مَؤُونَةَ النَّاسِ، وَمَنِ الْتَمَسَ رِضَآءَ النَّاسِ بِسَخَطِ اللّٰهِ وَكَلَهُ اللّٰهُ إِلَى النَّاسِ)) ②

---

① صحیح بخاری، کتاب الجمعة، باب الجمعة فی القری و المدن، حدیث : ۸۹۳۔ صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب فضیلة الامیر العادل، حدیث : ۱۸۲۹۔

② سنن ترمذی، کتاب الزهد، باب (٦٤)، حدیث : ٢٤١٤۔

''جو لوگوں کی ناراضی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا متلاشی رہے گا اللہ تعالیٰ اسے لوگوں کی تکلیف سے کافی ہو جائے گا اور جو اللہ تعالیٰ کی ناراضی کے ساتھ لوگوں کی رضامندی کا جویا رہے گا اللہ تعالیٰ اسے لوگوں کے سپرد ہی کر دے گا۔''

اس دقیق میزان اور محکم مقیاس کے ساتھ مسلمان خاتون کے سامنے معتدل اور مضبوط اعمال واضح رہتے ہیں وہ پہچانتی ہے جو عمل اس نے اختیار کرنا ہے اور وہ یہ بھی پہچانتی ہے کہ کونسا عمل اس نے چھوڑے رکھنا ہے۔ اور اس کا دائمی معیار و مقیاس اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہی ہوتا ہے۔ اسی لیے ایک مسلمان خاتون کی زندگی سے مضحکہ خیز اور ذلت آمیز مناظر پوشیدہ ہی رہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے سرکشی کرنے والیوں میں بکثرت واقع ہوتے رہتے ہیں۔

بلاشبہ وہ خواتین جنہیں ہم جائے نماز میں خشوع کرنے والیاں دیکھتے ہیں لیکن اپنی نفسانی خواہشوں کے سامنے اکثر مقامات میں وہ من مانی کرتی رہتی ہیں، وہ حق سے ہٹ جاتی ہیں' ان کی زبانیں مجلسوں میں غیبت' چغلی اور لوگوں پر جرح کرنے میں روانی سے چلتی ہیں اور جن لوگوں کو وہ ناپسند کرتی ہیں ان کے خلاف خفیہ تدابیر اور حیلے سازیاں کرتی ہیں' ان کے بارے میں زبان طعن اور زبان غیبت جاری رکھنے کے لیے خود ساختہ تاویلیں کرتی رہتی ہیں' تو ایسی خواتین اپنے دین میں خلل اور شگاف' اپنے عقیدے میں ضعف اور اپنے تصور میں قصور والی ہوتی ہیں اور وہ اس طریق عمل سے اس کامل اور اکمل دین کی حقیقت وصداقت میں۔ جسے اللہ تعالیٰ نے تمام جہتوں سے انسانی شخصیت کی مکمل نگہداشت کرنے کے لیے اتارا ہے۔ نقائص وعیوب کی موجودگی کا اشارہ دینے والی ہوتی ہیں وہ اس طرح کہ اس دین کے خصوصی اور عمومی تمام پہلو اللہ تعالیٰ کو راضی رکھنے کے لیے رکھے گئے ہیں اور انسان کی شخصیت کو اس اسلام کی ہدایت سے مطابق رکھنے کے لیے اور اس کے سلوک وکردار کو اس نہج پر چلانے کے لیے ہیں جنہیں اسلام نے انسان کو اپنی اس زندگی میں اپنانے کی ترغیب دی ہے۔ تو رہی وہ عورتیں جو ایک کام میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت گزار بنتی ہیں اور ایک کام میں اس کی نافرمانی کرتی ہیں اور وہ اپنے تصرفات و معمولات کو یا اپنے کچھ امور کو اپنے خواہشِ نفسانی کے ترازو سے تولتی ہیں، تو ایسی خواتین آدھی مسلمان بنتی ہیں اور یہ وہ دوہرا معیار ہے جس میں اپنے دین کی ہدایت اور عقیدے کی رہنمائی

سے پیچھے رہنے والی خاتون مبتلا ہے اور یہ کردار و اخلاق کی بیماریوں میں سے سب سے خطرناک بیماری ہے جس میں دور حاضر کا انسان مبتلا ہے۔

وہ معنی عبودیت کی حقیقت کو جانتی ہے:

مسلمان خاتون جو اپنی دینی ہدایت کو سمجھنے والی ہے وہ اس امر پر پختہ ایمان رکھتی ہے کہ اسے اس دنیوی زندگی میں ایک عظیم مقصد کے لیے تخلیق کیا گیا ہے، جسے اللہ رب العزت نے اپنے اس فرمان اقدس میں یوں محدود کر دیا ہے:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴾ (الذاریات: ٥١/٥٦)

''میں نے جنات اور انسانوں کو محض اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں۔''

تو ایک ہدایت یافتہ مسلمان خاتون کی نظر میں زندگی صرف روز مرہ کے مروجہ اور مانوس اعمال کی انجام وہی میں وقت گزارنے کا اور زندگی کی اچھائیوں اور زینتوں سے لطف اندوز ہونے کا نام نہیں بلکہ یہ زندگی تو ایک پیغام ہے' جو ہر ایک ایمان والے کے ذمے ہے کہ اسے اس حالت میں گزارے کہ جس میں اس کی عبادت فقط اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت رہے۔ اور یہی وہ حالت اور صورت ہے کہ وہ اپنے تمام اعمال میں یہ نیت برقرار رکھے کیونکہ اسلام میں تمام اعمال نیتوں پر ہی محصور اور موقوف ہیں جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے فرمان گرامی میں اسے تاکیداً بیان کیا ہے:

''بلاشبہ اعمال نیتوں کی بنیاد پر ہوتے ہیں' اور ہر مرد کے لیے وہی کچھ ہوگا جس کی اس نے نیت کی ہوگی' جس آدمی کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہوگی تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہی ہوگی اور جس کسی کی ہجرت دنیا کے لیے ہو کہ وہ اسے پالے یا کسی خاتون کے لیے ہو کہ وہ اس سے نکاح کرلے' تو اس کی ہجرت اسی مقصد کے لیے ہوگی جس کے لیے اس نے ہجرت کی ہوگی۔''[1]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کانت بدء الوحی الی رسول اللّٰہﷺ، حدیث: ١۔
صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب قولہﷺ "انما الاعمال بالنیۃ"، حدیث: ١٩٠٧۔

مسلمان خاتون یہ استطاعت پاتی ہے کہ وہ اپنی پوری زندگی ہی عبادت الٰہی میں رہے' وہ اپنے سب کام کاج یوں کرے گویا کہ وہ کسی سفری عبادت خانے میں مسلسل محوعبادت ہے وہ اس طرح کہ جب تک وہ اپنی نیت کے ساتھ اپنی زندگی کے مقصد کو ادا کرنے کی جدوجہد میں مصروف رہے گی جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے اسے رہنے کا ارادہ فرمایا ہے بلاشبہ وہ عملِ عبادت میں ہوگی جبکہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک روا رکھنے والی رہے گی اور اپنے خاوند کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کرتی رہے گی اور اپنی اولاد کی نگہداشت کا خیال کرتی ہوگی اور اپنے گھریلو امور کو سرانجام دیتی ہوگی اور صلہ رحمی کا اظہار کرتی ہوگی...... وغیرہ جب تک وہ اپنے سب معاملات کو حکم الٰہی کو پورا کرتے ہوئے کرنے والی ہوگی اور ان کی انجام دہی میں اپنی عبادت کی نیت رکھتی ہوگی۔

دین الٰہی کی نصرت میں کام کرتی ہے:

بلاشبہ عبادت گزاری کے اعمال میں سے سب سے اہم ترین عمل جس کا مسلمان خاتون اہتمام کرتی ہے وہ ہے عملی زندگی میں دین الٰہی کی نصرت کرنا اور انفرادی' خاندانی' معاشرتی اور ملکی زندگی میں اس عمل کی صحیح تطبیق پیدا کرنا۔

بلاشبہ راست گو اور اپنے دین کی ہدایت کو دل میں جاگزین کرنے والی مسلمان خاتون اپنے دل و دماغ کی گہرائیوں میں یہ محسوس کرتی ہے کہ جب وہ اپنی زندگی میں اور تمام مسلمانوں کی زندگی میں اس ناگزیر پہلو میں کوتاہی کرے گی تو اس کی عبادت ناقص رہے گی کیونکہ اسی کے ساتھ ہی تو وہ عظیم مقصد پورا ہوسکتا ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انس و جن کو تخلیق فرمایا ہے یعنی زمین میں اعلائے کلمۃ اللہ ہو کیونکہ اسی کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کے لیے عبادت سازگار ماحول میں ہوسکتی ہے:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴾ (الذاریات: ٥١/٥٦)

''میں نے جنات اور انسانوں کو محض اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں''۔

اور واقعاتی زندگی میں اس ذریعے سے ہی: ((لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ))

کا معنی پایہ ثبوت تک پہنچ سکتا ہے۔

دورِ اول کی مسلمان خاتون نے اس حقیقت کا کامل و عمیق ادراک کر لیا تھا جو اس کے نفس کے رگ و ریشے میں سرایت کیے ہوئے نظر آتا ہے اور وہ فی سبیل اللہ جرأت دکھانے، ایثار و قربانی پیش کرنے اور دفاع کا جذبہ دکھانے میں مردوں سے کسی طور پیچھے نظر نہیں آتی بلکہ اس امت کی سلف صالحات میں بعض خواتین تو ایسی بھی دکھائی دیتی ہیں جو مذکورہ میدانوں میں مردوں سے بھی فائق ہیں۔

یہ سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا ہیں جو سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ ہیں جو اپنے خاوند کے ہمراہ دائرہ اسلام میں قدم رنجہ فرمانے میں تیز رفتار نظر آتی ہیں، اسلام کے ان ابتدائی ایام میں جو شدت و کرب اور تنگی و ابتلاء کے ایام تھے، اور وہ اپنے شوہر کی معیت میں ہجرت حبشہ کے لیے کمربستہ ہو جاتی ہے جبکہ اس ہجرت میں صعوبتیں مشقتیں اور خطرات ہی خطرات تھے، لیکن اس خاتون نے ان تمام مشکلات کو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں، فی سبیل اللہ جذبہ کا اظہار کرتے ہوئے اور دین الٰہی کی نصرت و تائید میں برداشت کیا تھا۔ ایک بار جب سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے آپ سے ازراہ مزاح یوں کہا: اری حبشن! ہم تم سے ہجرت کرنے میں سبقت لے گئے ہیں تو آپ نے جواب دیا: جی ہاں! آپ نے بجا فرمایا ہے، آپ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے وہ تمہارے بھوکے کو کھلاتے اور تمہارے جاہل کو سکھاتے تھے جبکہ ہم دور دراز اور جلاوطن ہی تھے۔ البتہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر خدمت ہو کر یہ ضرور عرض کروں گی۔ چنانچہ وہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یوں عرض پرداز ہوئیں: یا رسول اللہ! کچھ لوگ ہم پر اعتراض کرتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم مہاجرین اولین میں سے نہیں ہیں، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلکہ تمہاری تو دو ہجرتیں ہیں، تم نے سرزمین حبشہ کی جانب ہجرت کی ہے جبکہ ہم مکہ ہی میں رہے تھے پھر تم نے بعد ازاں میری طرف (مدینہ میں) ہجرت کی۔ [1]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر، حدیث: ۴۲۳۰، ۴۲۳۱۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل جعفر بن ابی طالب و اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہما حدیث: ۲۵۰۲، ۲۵۰۳۔ طبقات ابن سعد: ۸/۲۸۰ طبع بیروت

سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے حبشہ کی جانب اول اول ہجرت کرنے والوں کی فضیلت پر حجت قائم کر کے بڑا احسن اقدام کر دیا ہے اور انہوں نے اس باعزت وباوقار گروہ کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے دو ہجرتوں کی فضیلت والا بلند مرتبہ حاصل کر لیا ہے' بلاشبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت وحمایت میں اور راہ پروردگار میں اپنے اہل وعیال' گھر بار اور وطن کو چھوڑنے میں پیش قدمی کرنے اور سبقت لے جانے میں ان کے لیے یہ بڑا ہی بلند ترین مرتبہ اور عالیشان اعزاز ہے۔

اور اس بیعت عقبہ میں جو رات کی تاریکی کے پردوں میں بڑی رازداری سے پوری ہوئی تھی' اور نصرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اس بیعت کا نہایت ہی زبردست اثر ہے کوئی بھی مسلمان خاتون اس سے غائب نہ تھی' اس موقع پر انصار کے وفد میں دو صاحب رائے' صاحب فضل خواتین موجود تھیں ایک نسیبہ بنت کعب مازنیہ رضی اللہ عنہا اور دوسری ام منیع اسماء بنت عمرو سلمیہ رضی اللہ عنہا یعنی سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی والدہ۔ [1] جو غزوۂ بدر میں رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجود تھیں۔

تو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت کا علانیہ اظہار کیا، توحید خالص کی دعوت پیش فرمائی' بتوں کی پرستش کو چھوڑنے کا اظہار کیا تو مشرکین نے دلوں میں گھٹن محسوس کی چنانچہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے اندرونِ خانہ قتل کرنے کا مشورہ پاس کیا۔ ان سازشیوں نے اس مشورہ کو باہم چھپائے رکھنے پر معاہدے کیے قول قرار لیے کہ قتلِ نبی کا مشورہ صرف انہی میں راز رہے۔ اس سازش کی ماسوائے ایک مسلمان خاتون کے کسی نے بھی کوئی جانچ پڑتال نہ کی جس نے سیکڑوں لوگوں کے سامنے اپنے آپ کو پیش کر دیا تھا اور وہ تھی ''رقیقہ بنت صیفی رضی اللہ عنہا'' اس کے بڑھاپے اور اس کی ضعیفی نے اسے بیٹھنے نہ دیا، کہیں ان کی سازش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کارگر ہونے میں سبقت لے نہ جائے' اس خاتون نے اپنے نفس کو مشقت میں ڈالا' اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر قوم کی گفتگو سے آپ کو آگاہ فرمایا' تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فی الفور ہجرت کے لیے رختِ سفر باندھا' اور اللہ تعالیٰ کے شہروں میں سے اپنے محبوب ترین شہر کو چھوڑنے کا ارادہ فرما لیا' اپنے برادرِ عم زاد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر سوتے چھوڑ کر جانے کا قصد فرما لیا

[1] مسند أحمد: ٣/ ٤٦٠-٤٦٢۔

تا کہ سازشیوں، گھات میں بیٹھنے والوں اور گھر کا محاصرہ کرنے والوں کو یہ وہم و خیال ہو کہ آپ گھر ہی میں ہیں، تا کہ آپ انہیں اپنی تلاش سے ہٹا و روک سکیں اور راستے میں بے خبری سے گرفت کرنے سے باز رکھ سکیں۔ ①

تو اس عظیم خاتون نے اسلام اور مسلمانوں کی کس قدر عظیم خدمت سرانجام دی ہے؟! اور کتنا عظیم جہاد کیا ہے؟ اس خاتون مسلم نے رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ کو بچانے کے لیے کتنے کٹھن حالات میں یہ خدمت سرانجام دی ہے، کتنے خطرناک حالات میں اس نے اپنی جان کو ڈال دیا ہے، جن کا اس بہادر خاتون نے کچھ بھی خیال نہیں کیا، اسی خاتون کی خدمت کی بنا پر آپ ﷺ کی دعوت مبارکہ آئندہ جاری و ساری رہی ہے۔

تو جونہی رسول اللہ ﷺ اور آپ کے رفیق سفر نے مکہ کو خیر باد کہا اور جبلِ ثور کی چوٹی پر موجود غار میں لوگوں کی نگاہوں سے چھپ کر بیٹھے تو آپ کو خورد ونوش کا سامان مہیا کرنے والی اور گھات میں چلنے پھرنے والوں کی خبروں کو آپ تک پہنچانے والی ایک نوخیز بچی ہی تھی اور وہ تھی سیدہ اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما۔

یہ نوجوان مسلمان بچی مکہ مکرمہ اور جبل ثور کے درمیانی سفر کو ظلمت شب میں تن تنہا طے کرتی تھی، راستے کی وحشت، راہ کی دشواری اور دشمنوں کی گھات نشینی اس کو اپنے مشن سے بالکل نہ ہٹا سکی، کیونکہ وہ بخوبی جانتی تھی کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے رفیقِ سفر کو بچانے میں، انہیں مقصد میں کامیاب کرانے میں اور انہیں دارالہجرت تک پہنچانے میں دین الٰہی کی نصرت، اللہ تعالیٰ کے کلمے کی سربلندی اور حق اور لشکرِ حق کی خدمت گزاری ہے، اسی لیے تو وہ روزانہ اس مشکل ترین مشن کو سرانجام دیتی رہی ہے، انتہائی حاضر دماغی اور ہوشیاری سے چھپتے چھپاتے پیدل سفر کیا کرتی ہے، پہاڑ کی چوٹی پر جارہی ہے حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے یارِ غار تک خورد ونوش کا سامان اور قوم کی خبریں پہنچا کر دم لیتی ہے، پھر رات کی اتھاہ ظلمتوں میں مکہ مکرمہ کی جانب بھی پلٹ کر آرہی ہے۔ ②

جس مشن کو سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے اس جانفشانی سے پورا کیا ہے ایسا مشن ہے کہ جس سے

---

① طبقات ابن سعد: ۷/۳۵ والاصابہ: ۸/۸۳۔

② سیرت ابن ہشام، باب مدینہ کی جانب ہجرت۔

بڑے بڑے حوصلہ مند مرد حضرات بھی عاجز رہ جاتے اور انہوں نے فقط اپنے دینی جذبے سے اور اس دین کے رسول کی نصرت و حمایت میں اس خدمت کو بہ دل و جان قبول کیا ہے بلکہ اس کٹھن راستے میں بہت سے مصائب و مشکلات کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا ہے، جس میں آپ نے بلند ترین پہاڑوں کی سی استقامت کا مظاہرہ کیا ہے۔

ذرا وہ دن بھی تصور میں لائیے جس دن مشرکین مکہ نے آپ کا گھیراؤ کر لیا تھا اور وہ آپ سے آپ کے والد بزرگوار کی بابت پوچھ گچھ کر رہے تھے لیکن آپ نے بالکل اپنی لاعلمی کا اظہار فرمایا تھا اور خود کو پورے واقعے سے بے خبر اور ناآشنا بتایا تھا، لیکن انہوں نے آپ سے انتہا کی سختی اور درشتی کا معاملہ کیا، ابوجہل نے آپ کے رخ انور پر ایسا طمانچہ مارا کہ آپ کے کان سے بالی ہی اڑ گئی تھی [1] لیکن اس کے باوجود بھی آپ کی عزیمت و پامردی میں کوئی کمی رونما نہ ہوئی تھی اور اس مخفی راز کی نگہداشت کرنے میں آپ کے عزم میں ذرہ برابر لغزش پیدا نہ ہوئی تھی، آپ رضی اللہ عنہا اس مشن کی تکمیل میں اس وقت تک بدستور ثابت قدم رہیں جب تک کہ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفیق سفر رضی اللہ عنہ غار کو چھوڑ کر مقررہ دن میں مدینہ منورہ کی جانب روانہ نہ ہو گئے۔ آپ رضی اللہ عنہا ہی کو ''ذات النطاقین'' کے لقب سے پکارا جاتا ہے، وجہ اس کی یہ تھی کہ آپ نے اپنے باپ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اور آپ کے ہمسفر یعنی اپنے والد محترم کے لیے غار ثور کی طرف جانے والی رات کو کھانا تیار کیا تھا، تو جب آپ نے کھانے والے سامان کو باندھنا چاہا تو باندھنے کے لیے بجز اپنے کمر بند کے اور کچھ نہ پایا، تو آپ نے اپنے ابا جان سے عرض کی، تو انہوں نے فرمایا تھا: اس کو دو حصوں میں تقسیم کر لے، ایک حصے سے زادِ راہ کو باندھ دے اور دوسرے سے مشکیزے کو باندھ دے، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہا نے ایسے ہی کیا تھا، اس بنا پر آپ کا نام ''ذات النطاقین'' یعنی دو کمر بندوں اور دو پیٹیوں والی رکھا گیا۔ [2]

ابتدائے اسلام میں مسلمان خاتون کی عادت اور انداز ہی یہی تھا کہ دین الٰہی کی نصرت کرتی اور اس کے قافلہ دعوت میں شرکت کرتی تھی، کیونکہ مسلمان خاتون کے قلب کو فقط ایمان

---

1. سيرة ابن هشام ص: ٢٢٥۔
2. بخاری، كتاب مناقب الانصار، باب هجرة النبي واصحابه الى المدينة، ح: ٣٩٠٥، ٣٩٠٧۔

ہی تروتازگی اور جوش وروانی بخشتا تھا' وہ اسلام کی بشاشت' اس کی چمک دمک' اس کی عالی ظرفی اور اس کی نورانیت سے دور رہتے ہوئے دیارِ کفر میں قیام پذیر رہنے کی طاقت نہ پاتی تھیں۔ وہ اپنے خاوندوں کے ساتھ...... اگر ان کے خاوند ہوتے تو...... ہجرت کر کے آجاتی تھیں' اور بغرض ہجرت ان کا گھر بار چھوڑ نا بالکل مردوں کی ہی مثل تھا وہ یہ عمل صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت گزاری کرتے ہوئے اور اس کے دین کی نصرت کرتے ہوئے کیا کرتی تھیں۔

ادھر ایک ایسا مشترکہ مسئلہ تھا جس پر عورتیں مردوں کی مثل ایمان رکھتی تھیں اور اس راستے میں اسی طرح قربانیاں پیش کرتی تھیں جس طرح مرد حضرات قربانیاں پیش کر رہے تھے۔ اور یہ ایمان ہی فقط ایسا واحد مسئلہ تھا جس نے ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط رضی اللہ عنہا کو تن تنہا صلح حدیبیہ کی مدت میں مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کرنے پر ابھارا تھا' اور یہی وہ مدت تھی جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین مکہ کے مابین معاہدہ طے پایا تھا کہ اگر کوئی مسلمان بن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے گا تو آپ اسے مشرکین کے پاس واپس بھیج دیں گے۔ اور رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس معاہدے کو پورا فرماتے ہوئے دو مردوں کو ان کی طرف واپس بھیج دیا تھا۔ لیکن ام کلثوم رضی اللہ عنہا جب مدینہ منورہ پہنچ گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں عرض پرداز ہوئیں: میں اپنے دین کو بچا کر بھاگ کر آپ کے پاس پہنچ آئی ہوں' آپ مجھے اپنے پاس ہی رکھ لیں اور مجھے ان کے پاس واپس نہ بھیجیں، وہ مجھے آزمائش میں مبتلا کر دیں گے اور مجھے طرح طرح کی سزائیں دیں گے اور میں ان سزاؤں کو برداشت نہیں کر پاؤں گی' میں تو صنف نازک ہوں اور صنف نازک کی کمزوری کو آپ بخوبی جانتے ہیں جبکہ میں دیکھ چکی ہوں کہ آپ نے دو مردوں کو واپس بھیج دیا ہے' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا تھا:

((إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ قَدْ نَقَضَ الْعَهْدَ فِي النِّسَاءِ)) [1]

''اللہ عزوجل نے عورتوں کے معاملے میں اس معاہدے کو ختم فرما دیا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کو ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط اور دیگر مہاجرات صحابیات کا ایمان معلوم تھا جنہیں محبت الٰہی' حُبّ رسول اور محبتِ اسلام کے سوا کسی دوسری چیز نے گھروں سے نہ نکالا تھا'

---

[1] احکام النساء لابن الجوزی: ۴۳۹۔ صحیح بخاری، کتاب الشروط، باب مایجوز الشروط فی الاسلام، حدیث: ۲۷۱۲،۲۷۱۱ مختصراً۔ سیرۃ ابن ہشام، ص: ۵۰۸۔

اللہ تعالیٰ نے بھی انہی کے بارے میں قرآن نازل فرمایا ہے جو تا قیام قیامت تلاوت کیا جاتا رہے گا اور جو اس معاہدے کو جو رسول اللہ ﷺ اور مشرکین مکہ کے مابین تھا بالخصوص عورتوں کے متعلق اسے توڑ رہا ہے اور ایسی مہاجرات کو ان کا امتحان کر لینے کے بعد مشرکین کی طرف واپس بھیجنے سے منع کر رہا ہے اور اس حقیقت کو پرزور الفاظ میں بیان کر رہا ہے کہ یہ خواتین کسی شوہر کسی مالی لالچ یا حصول دنیا کی خاطر نہیں بلکہ صرف اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں نکلی ہیں:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ﴾ (الممتحنة: ٦٠/١٠)

''اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو تم ان کا امتحان لے لیا کرو۔ دراصل ان کے ایمان کو بخوبی جاننے والا تو اللہ ہی ہے لیکن اگر وہ تمہیں ایماندار معلوم ہوں تو اب تم انہیں کافروں کی طرف واپس نہ کرو، یہ ان کے لیے حلال نہیں اور نہ وہ ان کے لیے حلال ہیں۔''

ایسی ہی صاحب فضیلت خواتین میں سے جو اسلام اور رسول کی نصرت میں سبقت لے جانے والی ہیں ایک ام الفضل لبابہ بنت حارث رضی اللہ عنہا ہیں جو ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی حقیقی بہن ہیں اور یہ دائرہ اسلام میں داخل ہونے والی دوسری خاتون ہیں کیونکہ یہ سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کے بعد اسلام لائی تھیں اور آپ رسول الٰہی ﷺ کی مددگار' سہارا دینے والی اور آپ سے انس رکھنے والی تھیں۔

اور آپ رسول مکرم ﷺ کے چچا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں اور آپ ﷺ کے دوسرے چچا ابولہب کی بیوی ام جمیل بنت حرب کے بالکل بالمقابل کھڑی نظر آتی ہیں' یہ تو ایندھن اٹھانے والی تھی جس طرح کہ قرآن کریم نے اس کے متعلق بیان فرمایا ہے کہ اس کی گردن میں کھجور کی چھال کی رسّی ہوگی۔ یہ باتیں رسول اللہ ﷺ کی ایذا رسانی کی شدت کو ظاہر کر رہی ہیں' جبکہ سیدہ لبابہ ام الفضل رضی اللہ عنہا انہی مشقت اور تنگی کے ایام میں، جن سے اول اول مسلمان ہونے والوں کا گزر ہوا تھا آپ کے دین کی نصرت میں آپ کے مددگاروں' تائید کرنے

والوں اور قربانیاں پیش کرنے والوں کی جماعت میں پیش پیش نظر آتی ہیں۔

یہ خود ان کے خاوند سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر اور ایک سوچے سمجھے پُر از حکمت پروگرام کے تحت اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے تھے تاکہ مشرکین کے رازوں سے شناسائی اور واقفیت حاصل کرتے رہیں پھر انہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے رہیں۔ جس وقت مسلمانوں اور مشرکین مکہ کے درمیان معرکہ بدر ہوا اور قریش کی شکست خوردگی کی خبریں آنے لگیں تب ام الفضل رضی اللہ عنہا نے اپنے بیٹوں اور اپنے غلام ابورافع کو اس شکست پر ہونے والی خوشی و مسرت کو چھپائے رکھنے کی تلقین فرمائی تھی، تاکہ مشرکین کے شر سے بچے رہیں بالخصوص ابولہب کے شر سے جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اور آپ کے رفقاء و اصحاب اور آپ کی دعوت و تبلیغ کے متعلق بغض، مکر اور ناپسندیدگی سے بھرپور رہتا تھا لیکن آپ کا غلام ابورافع ابولہب کی گرفت سے نہ بچ سکا جب اس نے مسلمانوں کی فتح و کامرانی پر اپنی معمولی سی فرحت و مسرت کا اظہار کر دیا تھا، تب ابولہب جوشِ غضب سے اچھلا اور اس نے اپنے جامِ غضب کو اس بیچارے غلام پر انڈیل دیا اور اس کی مالکہ ام الفضل رضی اللہ عنہا کی آنکھوں کے سامنے اسے مارنا شروع کر دیا۔

اس موقع پر ام الفضل رضی اللہ عنہا ایک شیرنی کی طرح جھپٹیں اور یوں بآواز بلند چلاتی ہوئی ابولہب پر پل پڑیں: کیا تو نے اسے بالکل کمزور سمجھتے ہوئے اپنی گرفت میں لے لیا ہے جبکہ اس کا آقا پاس موجود نہیں ہے؟! پھر آپ رضی اللہ عنہا نے گھر سے ایک لٹھ پکڑ کر اس زور سے ابولہب کے سر پر دے ماری کہ ایک جان لیوا گہرا زخم پڑ گیا، جس کے بعد ابولہب سات راتوں سے زیادہ زندہ نہ رہ سکا۔[1]

سیدہ ام الفضل رضی اللہ عنہا نے تب بھی اپنے خاوند سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی جدائی اور فراق پر فی سبیل اللہ اور دین حق کی نصرت میں صبر کا دامن تھامے رکھا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خاوند کو مکہ میں قیام کرنے اور اسے مدینہ منورہ کی جانب ہجرت فرمانے کا حکم دیا تھا، اور یہ فراق لمبا ہوتا گیا اور یہ انتہائی دردناک، ناقابل برداشت اور سخت کرب ناک فراق تھا۔ سیدہ ام الفضل رضی اللہ عنہا صبر کرتے ہوئے، اللہ تعالیٰ سے ثواب کی نیت رکھتے ہوئے اور صوم و صلاۃ سے مدد لیتے ہوئے ان شب و روز کو گزارتی رہیں اور اپنے پیارے خاوند کے مکہ میں اپنی مہم کو پورا کرنے کے بعد

---

1. سیرۃ ابن هشام، ص: ۳۱۰۔

مدینہ منورہ آمد کا انتظار کرتی رہیں۔ ان کے شوہر کے فراق کی سوزش وغم کو جو چیز قدرے ہلکا کرتی تھی وہ صرف اپنے بڑے صاحبزادے سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ملاقات تھی جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل ومجالس سے وابستہ رہتا تھا' جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانی ہدایت کے سرچشمے سے اپنی پیاس بجھاتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روشن نور سے اقتباسِ فیض کیا کرتا تھا۔ ان ام الفضل رضی اللہ عنہا کے وہم وخیال میں بھی یہ بات نہ آتی ہوگی کہ تاریخ اسلام انہیں اس قدر اہمیت دے دے گی کہ وہ اس کے وسیع ترین ابواب میں شامل ہو جائیں گی اور وہ امت اسلامیہ کے ایک زبردست عالم اور قرآن مجید کے ترجمان یعنی سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی عظیم والدہ بن جائیں گی۔

اسلام کی طرف سبقت لے جانے والی مستورات اور اسلام کی راہ میں طرح طرح کے آلام ومصائب کو برداشت کرنے والی اور اپنے تن من دھن کو اس کی راہ میں نچھاور کرنے والی خواتین میں سے ایک سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ سیدہ سمیہ رضی اللہ عنہا بھی ہیں۔ جس وقت دھوپ میں تیزی اور شدت آ جاتی اور صحرائے عرب کی ریت تپنے لگتی تو بنومخزوم آپ کو' آپ کے صاحبزادے اور آپ کے شوہر کو باہر کھلے چٹیل میدان میں لے آتے تو تپتی ہوئی ریت کو ان پر پورے زور سے ڈالتے اور گرم زرہیں انہیں پہناتے اور انہیں سخت ترین پتھروں پر پٹختے حتیٰ کہ آپ کا صاحبزادہ اور آپ کا خاوند ان کے عذاب شدید سے ایسے کلمہ کو فدیہ بنا لیتے جو مشرکین سے موافقت پاتا ہوتا' یہ بات وہ اکراہ ومجبوری کے ساتھ بولتے تھے ان دونوں اور ان جیسے دیگر حضرات کے بارے میں ہی اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا تھا:

﴿اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ﴾ (النحل: ١٦/١٠٦)

''بجز اس کے جس پر جبر کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر برقرار ہو''

لیکن سیدہ سمیہ رضی اللہ عنہا نے صبر کا دامن تھام کر رکھا اور آپ نے مشرکین کو کسی بھی بات سے راضی کرنے سے انکار کیا' بالآخر ابوجہل کی کمینگی کا نشانہ بنیں کہ اس نے آپ کے ایک نیزہ مارا جس سے آپ کی روح پرواز کر گئی' آپ کو تاریخ نے اسلام کی ''اول شہید'' کے طور پر سنہرے حروف سے رقم کیا ہے۔[1]

---

[1] سیرۃ ابن ھشام، ص: ١٤٧۔ طبقات ابن سعد (٨/٢٦٤)۔ دلائل النبوۃ بیھقی (٢/٢٨٢)۔

تاریخ اسلام میں سیدہ سمیہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ ایسی بہت سی خواتین بھی ہیں جنھوں نے نصرت اسلام میں آپ سے بھی بڑھ کر مصائب و آلام کو برداشت کیا ہے' ان کا عزم و حوصلہ کم ہوا اور نہ ہی کوئی سزا ان کے صبر و استقامت کی تیزی کو کند کر سکی بلکہ انہوں نے پیش آمدہ تمام تکالیف و صعوبات کو صبر کا دامن تھامتے ہوئے' راضی برضا رہتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھتے ہوئے خندہ پیشانی سے قبول کیا' نہ انہوں نے اپنے دین میں کسی کم ظرفی کا مظاہرہ کیا اور نہ ہی اپنے بارے میں رحمت و مہربانی کے تقاضوں کا مطالبہ کرتے ہوئے کسی درجے کی کمزوری کا اظہار ہی کیا' یہاں تک کہ اصحاب سیر اور تاریخ نگاروں نے کمزور مردوں کے بارے میں ..... ماسوائے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ' اللہ تعالیٰ آپ پر رحمت فرمائے ...... ایسی روایات نقل کی ہیں کہ وہ اپنے آپ کو موت سے بچانے کے لیے ایسی بات زبان سے کہنے پر مجبور و لاچار کر دیے گئے جو ان ظالموں اور سرکشوں کو راضی کر دینے والی ہو لیکن انہوں نے صابرہ کمزور مسلمان خواتین کے بارے میں ایسی کوئی بھی روایت نقل نہیں کی' بلکہ مسلمان مستورات میں سے اس منفرد قسم میں ایسی مستورات بھی ملتی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور اس کے دین کی نصرت میں عذاب کو نہایت خوشگوار سمجھا کرتی تھیں اور وہ مسلسل دعوت اسلام میں مصروف و مشغول رہا کرتی تھیں اور اپنی دعوت کی راہ میں وارد ہونے والے کانٹوں' دکھوں اور آزمائشوں کو کسی خاطر میں نہ لایا کرتی تھیں۔

سیدہ ام شریک القرشیہ العامریہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث میں، جسے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت فرمایا ہے، ان مستورات کے دل میں شعلۂ ایمان کی چمک دمک پر' دعوت الی اللہ کی راہ میں ان کی تیز روی پر اور اس راہ میں لاحق ہونے والے عذاب' تکلیف اور تھکاوٹ پر ان کے دامن صبر تھامے رکھنے پر ایک زبردست شاہد موجود ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''سیدہ ام شریک رضی اللہ عنہا کے دل میں جب اسلام سمایا تو اس وقت آپ مکہ مکرمہ میں تھیں' چنانچہ وہ مشرف باسلام ہو گئیں پھر آپ نے خفیہ طریق سے قریش کی خواتین کے پاس جانا شروع کر دیا انہیں دعوت اسلام پیش کرتی اور انہیں دین اسلام کی ترغیب دینی شروع کر دی حتیٰ کہ اہل مکہ کے سامنے ان کا یہ معاملہ ظاہر ہو گیا' انہوں نے آپ

کو گرفتار کر لیا اور یوں کہنے لگے: اگر تیری قوم برادری نہ ہوتی تو ہم تیرا یوں یوں حشر کر دیتے لیکن ہم اتنا ضرور کریں گے کہ تجھے تیری قوم کی طرف بھیج دیں گے۔"

سیدہ ام شریک رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "ان لوگوں نے مجھے ایک اونٹ پر سوار کیا کہ میرے نیچے سوائے اونٹ کے کوئی دوسری چیز نہ تھی' پھر انہوں نے تین راتوں تک مجھے یونہی رکھا' نہ کچھ کھانے کو دیتے اور نہ ہی کوئی چیز پینے کو دیتے۔"

مزید فرماتی ہیں: "مجھ پر یہ تین راتیں ایسی گزریں کہ میں زمین پر موجود کسی بھی چیز کے بارے میں کچھ نہ سنتی تھی۔ وہ لوگ ایسے تھے کہ جب کہیں پڑاؤ کرتے تو مجھے باندھ کر دھوپ میں پھینک دیتے اور خود سائے میں بیٹھتے اور کھانے پینے کی تمام چیزیں مجھ سے دور رکھتے حتیٰ کہ وہاں سے کوچ کرتے ....."

نصرتِ اسلام اور اس کی راہ میں ایثار و قربانی پیش کرنے میں مسلمان خاتون کی مذکورہ سچی مشارکت پر ہی بس نہیں بلکہ وہ تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ہمراہ بہت سی لڑائیوں میں بھی شمولیت فرما چکی ہے جب اسلامی سپاہ اور کفر کی فوجوں میں مسلح ٹکراؤ شروع ہوا تھا اس نے کارہائے نمایاں سرانجام دیے ہیں مثلاً مشکیزوں کی تیاری' ان میں پانی بھرنا اور ڈھونا' غازیوں مجاہدوں کو پانی پلانا' زخمیوں کی مرہم پٹی کرنا اور مقتولوں کو زمین معرکہ سے دور لے جانا وغیرہ' ان خواتین نے مشکل کی ان گھڑیوں میں اسلحہ اٹھانے اور جنگ کی ہولنا کی میں کودنے میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کے ہمراہ کبھی کوئی کوتاہی نہیں کی۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ایسی متعدد احادیث وارد ہیں جن سے خیر القرون میں مسلمان خاتون کی روشن اور صحیح تصویر نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے، جب مسلمان خاتون کے دل میں اسلام اپنی پوری آب و تاب' شگفتگی اور تازگی کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور اس دین کے غلبے کے ساتھ موجزن تھا۔

ان احادیث مبارکہ میں سے ایک جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے سیدہ ام عطیہ الانصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے فرماتی ہیں:

« غَزَوْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم سَبْعَ غَزَوَاتٍ' أَخْلُفُهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ فَأَصْنَعُ

لَهُمُ الطَّعَامَ، وَأُدَاوِي الْجَرْحَى، وَأَقُومُ عَلَى الْمَرْضَى ﴾ [1]

''میں نے رسول اللہ ﷺ کی معیت میں سات غزوات میں شمولیت کی ہے، میں ان کے پیچھے خیموں میں رہتی تھی، ان کے لیے کھانا تیار کرتی، زخمیوں کو دوا دارو دیتی اور بیماروں کی نگہداشت کرتی تھی۔''

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

﴿ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَغْزُوا بِأُمِّ سُلَيْمٍ، وَنِسْوَةٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ مَعَهُ إِذَا غَزَا، فَيَسْقِينَ الْمَاءَ وَيُدَاوِينَ الْجَرْحَى ﴾ [2]

''رسول اللہ ﷺ سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے کر غزوہ فرمایا کرتے اور جب آپ سفر جہاد پر روانہ ہوتے تو انصار کی کئی عورتیں بھی آپ کی ہمرکاب ہوتیں، وہ پانی پلاتیں اور زخمیوں کا علاج معالجہ کرتی تھیں۔''

امام بخاری رحمہ اللہ سیدنا ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا کا قول بایں الفاظ روایت کرتے ہیں:

﴿ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ نَسْقِي وَنُدَاوِي الْجَرْحَى وَنَرُدُّ الْقَتْلَى إِلَى الْمَدِينَةِ ﴾ [3]

''ہم خواتین نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ ہوتیں، پانی کا انتظام کرتیں، زخمیوں کو دوا دارو دیتیں اور شہیدوں کو مدینہ منورہ پہنچایا کرتی تھیں۔''

امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ''غزوہ احد کے دن جب بعض لوگ نبی اکرم ﷺ سے تتر بتر ہو گئے تو اس وقت سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اپنی چمڑے کی ڈھال سے نبی اکرم ﷺ کو بچائے ہوئے تھے۔''

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ ایک انتہائی ماہر تیرانداز شخص تھے، اس دن انہوں نے دو یا تین کمانیں توڑی تھیں۔

مزید فرماتے ہیں: جونہی کوئی شخص تیروں کا ترکش لیے ان کے پاس سے گزرتا تو اسے یوں کہتے: ''اسے ابوطلحہ کے سامنے ڈھیر کر دو'' اور نبی کریم ﷺ جھانک جھانک کر قریشیوں کی طرف

---

1. صحيح مسلم، كتاب الجهاد، باب النساء الغازيات، حديث: ١٨١٢۔
2. صحيح مسلم، كتاب الجهاد، باب غزوة النساء، حديث: ١٨١٠۔
3. صحيح بخاري، كتاب الجهاد: باب مداواة النساء الجرحى في الغزو، حديث: ٢٨٨٢۔

دیکھتے تھے تو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ یوں عرض پرداز ہوتے تھے: یا نبی اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، آپ ادھر نہ جھانکیے، کہیں ان لوگوں کا کوئی تیر آپ کے نہ لگ جائے، کیونکہ میرا سینہ آپ کے سینے کے سامنے ہے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بلاشبہ میں نے سیدہ عائشہ بنت ابوبکر اور سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ وہ دونوں اپنے پائنچے اوپر اٹھائے ہوئے تھیں حتیٰ کہ میں ان کی پنڈلیوں کے پازیب بھی دیکھ رہا تھا، وہ دونوں اپنی پشتوں پر مشکیزے لادے ہوئے لوگوں کے مونہوں میں پانی ڈال رہی تھیں، پھر وہ دونوں واپس جاتیں، مشکیزوں کو بھر بھر کر لاتیں اور لوگوں کے مونہوں میں پانی ڈالتیں۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ یہ بھی کہتے ہیں: سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں سے بوجہ اونگھ دو یا تین بار تلوار بھی نیچے گری تھی۔ ①

کس قدر یہ عظیم عمل تھا جس کا ان دونوں سردار اور کریم مجاہد عورتوں نے مجاہدین کی شدت پیاس کو بجھانے اور ان کے پیاسے کلیجوں کو سیراب کرنے کے سلسلے میں سرانجام دیا تھا، جبکہ وہ مجاہدین تباہ کن اور خونخوار معرکے کے میدان میں تھے اور ملک حجاز کی مشہور و معروف آگ اگلتی ہوئی فضا میں تھے اور وہ دونوں خود بھی آگ بھڑکانے والی سرزمین میں موجود تھیں، انہیں تیروں کی بارش کی کچھ پروا تھی اور نہ ہی شمشیروں کی جھنکار کی ہی کوئی فکر دامن گیر!!

یہی وجہ تھی کہ خلیفہ راشد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مستوراتِ مدینہ کے مابین اونی اور ریشمی چادریں تقسیم کرتے ہوئے اپنی زوجہ محترمہ ام کلثوم بنت علی پر سیدہ ام سلیط انصاریہ رضی اللہ عنہا کو ترجیح دی تھی کیونکہ سیدہ ام سلیط رضی اللہ عنہا یوم احد کو مشکیزے سلائی کرتی رہی تھیں اور اس لیے بھی کہ اس اہم ترین عمل کا مجاہدین کی طبیعتوں میں پھرتی اور جوش پیدا کرنے اور ان کی مستعدی اور فعالیت کو جدت بخشنے میں ایک خاص اثر تھا۔

امام بخاری رحمہ اللہ سیدنا ثعلبہ بن ابی مالک رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بیان کرتے ہیں: "بلاشبہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مستورات مدینہ کے درمیان اونی اور ریشمی چادریں تقسیم فرمائیں تو آخر

---

① صحیح بخاری، کتاب المغازی: باب (اذھمت طائفتان منکم ان تفشلا)، حدیث: ٤٠٦٤۔ وصحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب غزوۃ النساء مع الرجال، حدیث: ١٨١١۔

میں ایک نہایت عمدہ ریشمی چادر بچ گئی' ایک شخص نے کہا: اے امیر المومنین! یہ رسول اللہ ﷺ کی اس صاحبزادی کو عطا فرما دیں جو آپ کے پاس ہے ...اس کی مراد ام کلثوم بنت علی تھی [1] ......تب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: ام سلیط اس کی سب سے زیادہ حقدار ہے اور ام سلیط رضی اللہ عنہا تو ان انصاری خواتین میں سے ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تب یہ بھی فرمایا تھا: ''یہ یوم احد کو ہمارے لیے مشکیزے سلائی کرتی تھیں۔'' [2]

غزوۂ احد میں رسول کریم ﷺ کا چہرۂ مبارک زخمی ہو گیا تھا اور آپ کا رباعی دانت ٹوٹ گیا' آپ کا رخسار انور اور بالائی ہونٹ بھی زخمی ہو گیا' تب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کے زخم کو دھوتی تھیں جبکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ پانی بہاتے تھے۔ جس وقت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ پانی بہانے سے تو خون اور زیادہ بہہ رہا ہے تو انہوں نے چٹائی کا ایک ٹکڑا لیا' اسے جلایا اور پھر اسے زخم پر چپکایا تو پھر خون تھما۔ [3]

اور ان خواتین میں سے جو غزوۂ احد کے کٹھن وقت میں ثابت قدم رہی تھیں سیدہ صفیہ بنت عبدالمطلب' نبی اکرم ﷺ کی پھوپھی ہیں جب آپ ایک نیزہ لیے کھڑی تھیں اور لوگوں کے چہروں پر مار رہی تھیں اور زبان سے یہ کہتی جا رہی تھیں: تم رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر کدھر بھاگے جا رہے ہو! تو جب رسول اکرم ﷺ نے انہیں دیکھا تو ان کے صاحبزادے سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ وہ انہیں واپس بھیج دے، تاکہ وہ اپنے حقیقی بھائی سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کہ نہ دیکھ لیں جن کا مثلہ ہو چکا تھا' تو وہ بولیں: کیوں؟ یقیناً مجھے قبل ازیں ہی اپنے بھائی کے مثلہ کیے جانے کی خبر مل چکی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں انتہائی قلیل عمل ہے تو وہ ہم سے کس قدر چھوٹے سے عمل پر ہی راضی ہو گیا ہے' ان شاء اللہ تعالیٰ میں بھی صبر کا دامن تھام کر رکھوں گی اور ضرور بالضرور اس سے ثواب کی امید رکھوں گی۔

---

1. یعنی رسول اللہ ﷺ کی نواسی' اور یہ سیدہ فاطمہ علیہا السلام کی سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں' اس لیے تو انہوں نے اسے رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی کہا ہے۔
2. بخاری، کتاب الجهاد، باب حمل النساء القرب الی الناس فی الغزو، حدیث: ۲۸۸۱۔ و کتاب المغازی: باب ذکر ام سلیط، حدیث: ۴۰۷۱۔
3. بخاری، کتاب المغازی: باب ما أصاب النبی ﷺ من الجراح یوم احد، حدیث: ۴۰۷۵۔ صحیح مسلم، کتاب الجهاد، باب غزوة احد، حدیث: ۱۷۹۰۔

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا غزوۂ خندق میں بھی حاضر تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے کسی دشمن سے لڑنے کے لیے مدینہ سے باہر جاتے تھے تو اپنی ازواج مطہرات اور دیگر خواتین کو قلعہ حسان بن ثابت میں ٹھیرا کر جاتے تھے اور یہ مدینہ منورہ کے محفوظ ترین قلعوں میں سے تھا۔ وہاں سے ایک یہودی گزرا اور اس نے قلعے کے گرد گھومنا شروع کر دیا۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اے حسان! دیکھو نا یہ یہودی قلعے کے گرد گھوم رہا ہے اور مجھے اس امر کا اندیشہ ہے کہ یہ ہماری پچھلی جانب رہائش پذیر یہودیوں کو ہماری موجودگی کی اطلاع کرے گا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام تو ادھر مصروف ہیں' لہٰذا نیچے اترو اور اسے جہنم واصل کردو' وہ بولے: اے عبدالمطلب کی صاحبزادی! اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے' اللہ کی قسم! آپ کو تو بخوبی علم ہے کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ جس وقت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے اس کی گفتگو کو سنا تو ایک لٹھ لے کر قلعے سے نیچے اتر آئیں' وہ لٹھ یہودی کے سر پر دے ماری اور اسے جہنم واصل کر دیا پھر قلعے میں واپس آ گئیں اور یوں کہنے لگیں: ارے حسان! نیچے جاؤ اور اس کا سامان اتار لاؤ' کیونکہ اس کے مرد ہونے نے مجھے سامان اتارنے سے روک دیا ہے' تو سیدنا حسان رضی اللہ عنہ نے یوں جواب دے دیا: اے عبدالمطلب کی صاحبزادی! مجھے اس کے سامان کی بھی چنداں ضرورت نہیں ہے۔[1] پھر یہی سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا غزوۂ خیبر میں بھی حاضر ہوئی تھیں۔

غزوۂ احد کے روز نمایاں مجاہد مستورات میں سے' بلکہ پوری مجاہدات کی جماعت میں سے سرفہرست سیدہ ام عمارہ نسیبہ بنت کعب رضی اللہ عنہا ہیں معرکہ کی ابتدا میں یہ بھی دیگر خواتین کی طرح پیاسوں کو پانی پلاتی اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی رہی تھیں' جبکہ مسلمانوں کا پلڑا بھاری تھا لیکن جو نہی تیراندازوں کی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت واقع ہوئی تو اس سے ان کی فتح شکست میں بدل گئی تو وہ اس طرح ہو گئے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بابت فرمایا ہے:

﴿ إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوُۥنَ عَلَىٰٓ أَحَدٍ وَٱلرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِىٓ أُخْرَىٰكُمْ ﴾

''جب کہ تم چڑھے چلے جا رہے تھے اور کسی کی طرف توجہ تک نہیں کرتے تھے اور اللہ کے رسول تمہیں تمہارے پیچھے سے آوازیں دے رہے تھے......'' (آل عمران: ۱۵۳)

---

[1] سيرة ابن هشام، ص: ٤٥٩، ٤٦٠۔ مستدرك حاكم: ٤/ ٥٠۔ معجم كبير: (٢٤/ ٨٠٩)۔

سیدہ نسیبہ رضی اللہ عنہا نے پیش قدمی کی، اپنی تلوار سونتی، اپنی کمان سنبھالی اور اس مختصر سی جماعت میں جا شامل ہوئی جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ثابت قدم تھی، جو کہ بمنزلہ ایک انسانی دیوار تھی جو مشرکین کے تیروں سے رسول الٰہی صلی اللہ علیہ وسلم کو بچا رہی تھی۔ جونہی کوئی خطرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب بڑھتا تو یہ بڑی سرعت کے ساتھ اس کو ہٹانے کے لیے اس طرف بڑھ جاتیں حتیٰ کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہوں کی توجہ حاصل کر لی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان گرامی ہے: ''میں دائیں مڑا اور نہ ہی بائیں مگر میں نے اسے اپنے سامنے لڑتے ہوئے ہی پایا۔''

مزید ایک وہ بات جو ان کے صاحبزادے سیدنا عمارہ رضی اللہ عنہ نے اس کٹھن مرحلے کی بابت بیان کی ہے: ''اس روز میرا بایاں بازو زخمی ہو گیا۔ ایک ایسے آدمی نے مجھے مارا گویا کہ وہ کھجور کا لمبا درخت ہے' وہ مجھے مار کر آگے چل دیا اور میرے قریب ٹھیرا نہیں' میرا خون تھا جو رکنے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے زخم پر پٹی باندھو۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اچانک میری ماں میرے پاس آ پہنچی' اس کی کمر اور پیٹ پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں' جو اس نے مرہم پٹی کرنے کے لیے تیار کر رکھی تھیں' چنانچہ اس نے میرے زخم کو باندھ دیا' اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس کھڑے مجھے دیکھ رہے تھے' پھر میری ماں بولی: ''بیٹے اٹھو! اور قوم سے لڑو'' نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے:

((وَمَنْ يُّطِيقُ مَا تُطِيقِينَ يَا أُمَّ عُمَارَةَ ؟))

''اے ام عمارہ! جتنی طاقت و حوصلہ تو رکھتی ہے اس قدر طاقت اور حوصلہ کون رکھتا ہے؟''

فرماتی ہیں: پھر وہی آدمی آ نکلا جس نے میرے بیٹے کو مارا تھا' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے تیرے بیٹے کو مارا ہے۔ فرماتی ہیں: میں اس کے سامنے آ گئی' اور میں نے اس کی پنڈلی پر وار کیا چنانچہ وہ دھڑام سے نیچے گر گیا۔ فرماتی ہیں: تب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسکراتے ہوئے دیکھا حتیٰ کہ میں نے آپ کی ڈاڑھیں بھی دیکھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے ام عمارہ! تو نے انتقام لے لیا ہے۔''

فرماتی ہیں: پھر ہم اس کو مسلسل ہتھیاروں سے مارنے لگے حتیٰ کہ ہم نے اس کا کام تمام کر

دیا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے تجھے کامیاب بنایا' جس نے تیری آنکھ کو تیرے دشمن سے ٹھنڈا کیا اور جس نے تیرے انتقام کو تیری آنکھوں کے سامنے ہی دکھلا دیا۔''

اس ہولناک دن میں سیدہ ام عمارہ نسیبہ رضی اللہ عنہا کا جسم زخموں سے چور ہو گیا لیکن پھر بھی وہ دشمنوں سے شمشیر زنی کر رہی اور ان کے سینوں پر وار کر رہی تھیں۔ رسول اکرم ﷺ نے انہیں دیکھا تو ان کے صاحبزادے کو پکار کر کہا: اپنی ماں کی طرف جاؤ' اپنی ماں کی طرف جاؤ' اس کے زخم پر پٹی باندھو' تم اہل خانہ پر اللہ تعالیٰ برکت فرمائے' تیری ماں کا مقام و مرتبہ فلاں فلاں سے کہیں بہتر ہے۔ جونہی ان کی ماں نے زبان رسالت ﷺ سے یہ ارشاد سنا تو فوراً عرض پرداز ہوئیں: آپ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ ہمیں جنت میں آپ کی رفاقت عطا فرما دے' تب رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی:

((اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُمْ رُفَقَائِيْ فِي الْجَنَّةِ))

''الٰہی! انہیں جنت میں میرے رفیق بنا دے۔''

تو وہ کہنے لگیں: مجھے ان دنیاوی مصیبتوں اور زخموں پہ چنداں پروا نہیں ہے۔''[1]

سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا کا سچا جہاد اور آپ کی بہترین کوششیں صرف غزوۂ احد تک ہی محدود نہیں ہیں بلکہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کی معیت میں بیشتر معرکوں اور مقابلوں میں شمولیت کی ہے۔ وہ آپ ﷺ کے ہمراہ بیعت عقبہ' حدیبیہ' خیبر اور حنین میں بھی شمولیت کر چکی ہیں' اور پھر غزوۂ حنین میں آپ کی بہادری اور جرأت و بسالت کے کارنامے شان و شوکت میں غزوہ احد سے کسی طرح بھی کم نہیں ہیں' پھر آپ رضی اللہ عنہا نے عہد صدیقی میں جنگ یمامہ میں بھی شرکت کی تھی اور یہاں آپ نے بہترین جہادی کارنامے رقم کیے تھے' آپ کو گیارہ زخم آئے تھے اور آپ کا ایک ہاتھ بھی کٹ گیا تھا۔

اس امر میں کوئی شک و شبہ نہیں رہ جاتا کہ جسے رسول اللہ ﷺ جنت کی خوشخبری دے رہے ہیں وہ آپ کے بعد خلیفہ اول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور آپ کے سپہ سالار سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ

---

[1] غزوۂ احد کے واقعات' سیرت ابن ہشام (ص: ۲۸۷) انسان العیون والآثار المحمدیہ' طبقات ابن سعد' الاصابہ اور اسد الغابہ وغیرہ کتابوں میں۔

کے ہاں کس درجہ عزت واحترام والی ہوں گی اور خلیفہ راشد سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہاں کس مرتبہ وتکریم کی حامل ہوں گی۔ [1]

مسلمان مجاہد خاتون کی تاریخ کے اس حسین وجمیل دور میں ایک ایسی خاتون بھی موجود ہے جو عظمت مقام میں سیدہ نسیبہ بنت کعب رضی اللہ عنہا سے کسی طرح بھی کم نہیں ہے اور وہ ہیں سیدہ ام سلیم بنت ملحان رضی اللہ عنہا' ہم اس عظیم خاتون کو سابقہ واقعات میں سیدہ ام عمارہ' ام المومنین سیدہ عائشہ' سیدہ فاطمہ اور دیگر خواتین کے ہمراہ تو دیکھ چکے ہیں تو آیئے اب ہم اسے ایک دوسرے واقعہ میں دیکھتے ہیں' مسلمان رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فتح مکہ کے لیے چلنے کی تیاریاں کر رہے تھے' اور ان میں ان کے خاوند سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ان ایام میں سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا اپنے حمل کے آخری مہینوں میں تھیں' لیکن آپ کے حمل نے آپ کو اپنے خاوند کے ہمراہ سفر کرنے کی رغبت اور اس پر مصمم ارادہ رکھنے سے بالکل نہیں روکا تاکہ آپ بھی اپنے خاوند کے ساتھ ساتھ جہاد فی سبیل اللہ کے شرف وفضل کو حاصل کر لیں' اس ضمن میں سفر کی مشقت' چلنے کی تھکاوٹ' راستے کی صعوبت' سواری کی تکلیف اور زندگی کی سختی کی آپ کو کچھ پروا نہیں تھی۔ جبکہ آپ کے خاوند کو مذکورہ تمام چیزوں کا آپ کے متعلق خطرہ تھا' انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لینے کو ضروری خیال کیا' چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت عطا فرما دی تو اس طرح سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا اپنے پیارے خاوند کی رفاقت میں سفر کر کے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کر پائیں اور ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور فتح کی خوشیوں میں بھی شامل رہیں' اسی مبارک اور روشن دن میں وادی مکہ میں مسلمان ایماندار مجاہدین کی یہ صدائے بازگشت گونج رہی ہے:

((لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ' صَدَقَ وَعْدَهُ' وَنَصَرَ عَبْدَهُ' وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهُ' لَا شَيْءَ قَبْلَهُ وَلَا شَيْءَ بَعْدَهُ' لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ' وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اِيَّاهُ' مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ))

"نہیں کوئی معبود حقیقی مگر اللہ یکتا' اس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا' اس نے اپنے بندے کی نصرت فرما دی اس اکیلے ہی نے تمام لشکروں کو شکست سے دوچار کر دیا' اس سے پہلے

---

[1] سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۲۸۱۔

بھی کوئی چیز نہ تھی اور اس کے بعد بھی کوئی چیز نہ ہوگی' نہیں کوئی معبود مگر اللہ ہی' اور ہم بھی صرف اسی ہی کی عبادت کرتے ہیں' اس کے لیے اپنی عاجزی کو خالص کر رہے ہیں خواہ کافروں کو ناگوار ہی گزرے۔''

انہوں نے دیکھا کہ شرک کے قلعے اور وثن پرستی کی بڑی بڑی پناہ گاہیں جزیرۂ عرب میں اس حال میں منہدم ہو رہی ہیں جو پھر کبھی لوٹ نہ سکیں گی' انہوں نے بتوں کو دیکھا جو رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک سے زمین بوس ہو رہے تھے اور آپ ﷺ یوں پڑھتے جا رہے تھے:

﴿ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴾

(بنی اسرائیل: ۱۷/۸۱)

''حق آ چکا اور باطل نابود ہو گیا' یقیناً باطل تھا بھی نابود ہونے والا۔''

ان واقعات و مشاہدات نے ام سلیم رضی اللہ عنہا کے نفس کو ایمان سے معمور کر دیا تھا' بلکہ جہاد فی سبیل اللہ میں ان کی پیش قدمی اور رغبت کو مزید فروزاں کر دیا تھا۔ ابھی صرف چند ایام ہی گزرنے پائے تھے کہ حنین کا وہ دن بھی پیش آ گیا جس میں مسلمان سختی سے ہلا دیے گئے تھے اور مسلمان پشتیں دکھاتے ہوئے پیچھے جا سمٹے تھے اور وہ کسی چیز کی طرف بھی نہیں مڑ رہے تھے اور خود رسول اللہ ﷺ بھی دائیں طرف سمٹ چکے تھے' وہاں آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے لوگو! کدھر؟ ادھر میری طرف آؤ' میں اللہ کا رسول ہوں میں محمد بن عبداللہ ہوں'' رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ مہاجرین و انصار اور آپ کے اہل بیت کے چند افراد کے سوا کوئی ثابت قدم نہ رہا تھا' اور سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا بھی اپنے شوہر نامدار سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ اس گروہ میں شامل تھیں' رسول اللہ ﷺ نے انہیں دیکھا کہ اپنے وسطی بدن کو اپنی دھاری دار چادر سے باندھے ہوئے ہیں' اس وقت وہ اپنے بیٹے عبداللہ بن طلحہ سے حالتِ امید میں تھیں' اس وقت ان کے پاس ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا اونٹ بھی تھا' آپ کو اس امر کا اندیشہ تھا کہ کہیں یہ اونٹ اس پر غالب ہی نہ آ جائے' اسی لیے آپ نے اس کے سر کو اپنے قریب تر کر رکھا تھا' آپ نے اپنے ہاتھ کو اس کی لگام کے ساتھ ساتھ لگام کے ساتھ بندھے ہوئے بالوں کو بھی مضبوطی سے تھاما ہوا تھا تاکہ وہ اونٹ ٹھیرا رہے اور بھاگنے والے اونٹوں میں شامل نہ ہو سکے' اس وقت رسول اللہ ﷺ اسے بآواز بلند پکار رہے تھے: اری ام سلیم!

اور وہ یوں جواب میں عرض کر رہی تھیں: جی ہاں! یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہو جائیں۔

اور صحیح مسلم میں یہ بھی موجود ہے: ''سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے غزوہ حنین کے دن ایک خنجر پکڑا ہوا تھا' ابوطلحہؓ نے اسے دیکھا تو کہا: یا رسول اللہ! دیکھیں یہ ام سلیم ہے اور اس کے پاس خنجر ہے' تب رسول اللہ ﷺ نے دریافت کیا: یہ خنجر کیسا ہے؟ تو عرض پرداز ہوئیں: میں نے یہ اس لیے پکڑ رکھا ہے کہ اگر کوئی مشرک میرے قریب آئے تو میں اس کا پیٹ چاک کر دوں' رسول اللہ ﷺ یہ جواب سن کر مسکرانے لگے۔ عرض کرنے لگیں: یا رسول اللہ! یہ جو ہمارے بعد ایمان لانے والے نو مسلم ہیں جنہوں نے آپ کو شکست کا منہ دکھایا ہے انہیں بھی قتل کر دیں' رسول اللہ ﷺ فرمانے لگے: ''اری ام سلیم! اللہ تعالیٰ نے کام سنوار دیا ہے اور انجام بہتر بنا دیا ہے۔'' [1]

یقیناً ام سلیم رضی اللہ عنہا اس شدت' سختی اور تنگی کے عالم میں بھی رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ثابت قدم رہیں جبکہ جنگ زوروں پر تھی اور آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں اور مردوں میں سے جنگجو اور بڑے بڑے زور آور بھی ہل چکے تھے' اس جری خاتون نے رسول اللہ ﷺ کو میدان میں چھوڑ کر شکست خوردہ لوگوں کو دیکھنے کی طاقت بھی نہ پائی بلکہ آپ سے یوں عرض کرتی ہیں: آپ ان کو قتل کر دیں جنہوں نے آپ کو شکست سے دوچار کر دیا ہے...... لہٰذا اس امر پر کوئی تعجب نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس حدیث میں جسے امام بخاری اور امام مسلم اور دیگر ائمہ محدثین نے سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' آپ کو جنت کی خوشخبری دے رہے ہیں' فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ''میں نے دیکھا کہ میں جنت میں داخل ہوا ہوں تو کیا دیکھتا ہوں کہ میں رمیصاء بنت ملحان [2] یعنی ابوطلحہ کی بیوی کو دیکھ رہا ہوں......'' [3]

رسول اللہ ﷺ سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہ کے گھر جایا کرتے تھے اور اسی طرح ان کی حقیقی بہن سیدہ ام حرام بنت ملحان کے گھر بھی تشریف لے جایا کرتے تھے۔ جس طرح آپ ﷺ نے سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کو جنت کی بشارت دی ہے بالکل اسی طرح آپ ﷺ نے ان کی بہن سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا کو

---

1. صحیح مسلم، کتاب الجهاد والسیر: باب غزوة النساء مع الرجال، حدیث: ١٨٠٩۔
2. رمیصاء یہ اسم تصغیر ہے جو ام سلیم رضی اللہ عنہا کی صفت ہے کیونکہ ان کی آنکھ میں رمص یعنی سفید میل تھا۔
3. بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب مناقب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، حدیث: ٣٦٧٩۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل عمر رضی اللہ عنہ، حدیث: ٢٣٩٤۔

فی سبیل اللہ جہاد کرنے والوں کے ساتھ جہاد کرتے ہوئے سمندر کے درمیان سواری کرنے کی بشارت دی ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ذکر کی ہے فرماتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنت ملحان (یعنی ام حرام) رضی اللہ عنہا کے پاس گئے۔ وہاں آپ نے ٹیک لگائی اور سو گئے۔ آپ مسکراتے ہوئے اٹھے' وہ دریافت کرتی ہیں: یارسول اللہ! آپ کیوں مسکرا رہے ہیں؟ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے کچھ لوگ فی سبیل اللہ سفر کرتے ہوئے بحر اخضر پر سوار ہوں گے ان کی مثال ایسے ہے جیسے تختوں پر بادشاہ ہوں۔ عرض کرتی ہیں: یارسول اللہ! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ مجھے ان میں شامل کر دے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا مِنْهُمْ »

''الٰہی اسے ان میں سے بنا دے۔''

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ لیٹ گئے۔ پھر مسکراتے ہوئے اٹھے تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ویسے ہی عرض کی' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی طرح ہی جواب دیا' کہتی ہیں آپ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ مجھے ان میں سے بھی بنا دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو پہلے لوگوں میں سے ہے اور پچھلے سواروں میں سے نہیں ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بشارت پوری ہو چکی ہے جس طرح کہ انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: انہوں نے سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے شادی کی' پھر ان کے ہمراہ سفر جہاد پر روانہ ہوئیں' آپ بنت قرظہ (یعنی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیوی) کے ساتھ سمندری سفر پر روانہ ہوئیں۔ واپسی پر آپ کی سواری نے آپ کو اس طرح نیچے گرایا کہ آپ کی گردن ہی ٹوٹ گئی آپ نیچے گریں اور شہید ہو گئیں۔ [1]

آپ کی قبر قبرص میں آج تک ایک منارہ کی حیثیت سے قائم ہے، جو ایک مسلمان خاتون کے جہاد فی سبیل اللہ کو بیان کر رہی ہے، لوگ پاس کھڑے ہو کر یوں کہتے ہیں: یہ ایک صالح

---

[1] بخاری، کتاب الجهاد، باب غزو المرأة في البحر، حديث : ۲۸۷۷، ۲۸۷۸۔ صحيح مسلم، كتاب الامارة، باب فضل الغزو في البحر، حديث : ۱۹۱۲۔

خاتون کی قبر ہے اللہ تعالیٰ اس پر بارانِ رحمت فرمائے۔" [1]

اور ان خواتین میں سے جنہوں نے نصرتِ اسلام اور اس کی راہ میں جہاد میں شرکت کی ہے اور رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ غزوات میں پیش قدمی کی ہے ایک رسول اللہ ﷺ کی پرورش کرنے والی سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا ہیں یہ احد' خیبر' موتہ اور حنین کی لڑائیوں میں شریک ہوئی ہیں انہوں نے بڑے کارہائے نمایاں سرانجام دیے ہیں وہ زخمیوں کی مرہم پٹی اور پیاسوں کو پانی پلایا کرتی تھیں۔ [2]

ان خواتین میں سے ایک سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی ماں سیدہ کبشہ بنت رافع انصاریہ بھی ہیں۔ یہ غزوہ احد میں رسول اللہ ﷺ کی جانب دوڑتی ہوئی آئیں جبکہ آپ ﷺ اپنے گھوڑے پر سوار تھے جس کی لگام سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ پکڑے ہوئے تھے' سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے آپ سے عرض کی: یارسول اللہ! میری ماں' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسے خوش آمدید پھر آپ ان کے لیے کھڑے ہو گئے حتیٰ کہ وہ آپ کے قریب آ گئیں' تب آپ ﷺ نے اس کے بیٹے عمرو بن معاذ کی تعزیت کی اور اس خاتون کو اور اس کے اہل والوں میں سے تمام شہداء کو جنت کی خوشخبری دی اور سب کے لیے دعا فرمائی۔ [3]

اور ان میں سے فریعہ بنت مالک اور ام ہشام بنت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہما بھی ہیں' یہ دونوں خواتین ان عورتوں میں سے ہیں جنہوں نے حدیبیہ کے مقام پر ببول کے درخت کے نیچے رسول اکرم ﷺ سے بیعت رضوان کی تھی جس کی طرف رسول اللہ ﷺ نے، جب مشرکین مکہ نے اہل ایمان کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا' خود بلایا تھا' اور آپ ﷺ نے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو قریشیوں کے پاس روانہ کیا تھا' لیکن انہوں نے آپ کو کچھ زیادہ ہی اپنے ہاں روکے رکھا جس پر مسلمانوں نے یہ گمان کر لیا کہ قریش نے آپ کے ساتھ دھوکہ کیا ہے اور آپ کو قتل کر دیا ہے، اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم ﷺ پر اور ہر اس شخص پر جو وہاں

---

1. الحلیة : ٢/ ٦٢۔ صفة الصفوة : ٢/ ٧٠۔
2. المغازی: ١/ ٢٧٨' انساب الاشرف : ١/ ٣٢٦' دلائل النبوة بیهقی : ٣/ ٣١١۔
3. المغازی : ٢/ ٣٠١'٣١٥'٣١٦ وتاریخ الاسلام للذهبی: ٢/ ٢٠١ والسیرة الحلبیة : ٢/ ٥٤٥'٥٤٦۔

موجود تھا اس مبارک بیعت کے ساتھ کرم فرمایا تھا' یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اپنی وہ رضا مندیاں اور مہربانیاں فرمائی تھیں جن کی موجودگی میں تمام رشتے ہیچ اور تمام شیریں آرزوئیں کم مرتبہ ہو جاتی ہیں' اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کی بقا تک تلاوت کیا جانے والا قرآن نازل فرمایا جو اس طرح ہے:

﴿ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴾ (الفتح: ۴۸/ ۱۸)

''یقیناً اللہ تعالیٰ مومنوں سے خوش ہو گیا جب کہ وہ درخت تلے تجھ سے بیعت کر رہے تھے' ان کے دلوں میں جو تھا اسے اس نے معلوم کر لیا اور ان پر اطمینان نازل فرمایا اور انہیں قریب کی فتح عنایت فرمائی۔''

ان میں سے ایک خاتون سیدہ ام منذر سلمٰی بنت قیس رضی اللہ عنہا ہیں جو بیعت رضوان میں شریک تھیں اور اس سے قبل وہ ایمان دار عورتوں کی بیعت میں بھی شریک تھیں اسی وجہ سے انہیں دو بیعتیں کرنے والی کہا جاتا تھا۔ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان بنو قریظہ کے قلعے کا محاصرہ کرنے کے لیے اٹھے تھے تو یہ عظیم المرتبت صحابیہ بھی ساتھ گئی تھیں۔ اور انہوں نے بھی جہاد فی سبیل اللہ کا یہ شرف حاصل کیا تھا۔

ان خواتین میں سے ایک سیدہ اسماء بنت یزید بن سکن انصاریہ رضی اللہ عنہا بھی ہیں جنہوں نے غزوہ خندق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شمولیت کی تھی' یہ حدیبیہ کی بیعت رضوان میں شامل ہوئی تھیں انہوں نے غزوۂ خیبر میں بھی شرکت کی تھی' بلکہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات پانے تک اسلام کے لیے اور اسلامی احکام و مسائل کے لیے اپنی قابل قدر مساعی اور خدمات کو پیش کرتی رہی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے راضی دنیا سے گئے ہیں کیا۔ اس بہادر خاتون نے آپ کی وفات حسرت آیات کے بعد بھی اپنی خدمات کو ختم نہیں بلکہ ۱۳ ہجری کو ملک شام کی طرف بھی نکلی تھیں اور انہوں نے جنگ یرموک میں حصہ لیا تھا، وہاں پیاسوں کو پانی پلاتی' زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی اور مجاہدین کو پیش قدمی کرنے اور ڈٹ کر مقابلہ کرنے کی ترغیب دیتی رہی ہیں۔ جنگ یرموک اسلامی تاریخ کے مشہور و معروف معرکوں میں سے ایک ہے جس میں ایک مسلمان خاتون نے عملاً

مجاہدین کے ساتھ حصہ لیا ہے' حالانکہ اس معرکے میں مجاہدین اسلام بری طرح ہلا دیے گئے تھے' بلکہ بعض تو پیچھے بھاگ اٹھے تھے' لیکن مسلمان خواتین ان کے آگے سے لڑتی رہی ہیں یہ بھاگنے والوں کو پتھر اور لکڑیاں مار مار کر پیش قدمی کرنے اور ڈٹ کر مقابلہ جاری رکھنے کے لیے ابھارتی رہی ہیں۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے مسلمان خاتون کی شجاعت و بسالت اور اس معرکہ میں ان کے عظیم کردار کو یوں سراہا ہے۔ ''اس روز مسلمان خواتین نے عملاً قتال کیا ہے اور لاتعداد رومیوں کو جہنم واصل کیا ہے' یہ مسلمانوں میں سے شکست خوردہ لوگوں کو بھی مارتی تھیں اور ان سے یہ کہتی تھیں: تم کدھر بھاگ رہے ہو اور ہمیں ان اکھڑ خشک مزاج رومیوں کے لیے چھوڑے جا رہے ہو؟ تو جب انہوں نے ان کلمات کے ساتھ ڈانٹ پلائی تو کوئی بھی لڑائی کی طرف پلٹے بغیر نہ رہ سکا۔''[1]

مسلمان خواتین کے اس بہترین موقف اختیار کرنے میں اور مسلمان مجاہدین کو ثابت قدم رکھنے میں اور انہیں ڈٹ کر مقابلہ کرنے کے لیے ابھارنے میں ان مسلمان خواتین کا نہایت اہم کردار ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے رومیوں کے خلاف ان کے لیے فتح مقدر فرما دی۔

اس ہولناک دن میں سیدہ اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا نے بہادری کے خوب جوہر دکھائے' شجاعت' بسالت اور پیش قدمی کے ایسے کارنامے رقم کیے جنہیں بڑے بڑے مرد میدان بھی رقم نہیں کر سکتے وہ دشمنوں کی صفوں میں جا گھسیں اور شرک کے سپوتوں کی ایک بڑی تعداد کو ہلاک کر دیا۔ آپ کی بہادری کو ابن حجر رحمہ اللہ نے یوں سراہا ہے:

> ''سیدہ ام سلمہ الانصاریہ رضی اللہ عنہا وہی اسماء بنت یزید بن السکن ہیں' آپ جنگ یرموک میں حاضر ہوئی تھیں' اس روز انہوں نے خیمے کی لٹھ کے ساتھ نو رومیوں کو جہنم واصل کیا تھا' اس کے بعد ایک عرصہ تک بقید حیات رہی تھیں۔''[2]

یوں لگتا ہے کہ اس عظیم سپہ سالار خاتون نے اپنی بقیہ زندگی ملک شام ہی میں بسر کی ہے جہاں پر معرکہ یرموک رونما ہوا تھا کیونکہ اس کی طرف بہت سے صحابہ کرام بھی نقل مکانی کر گئے تھے اور اس میں یزید بن معاویہ کے دور تک آبادی بڑھتی ہی رہی ہے۔ جس وقت اس خاتون کی

---

1. البدایه والنهایه: ۱۳/۷۔ تاریخ الطبری: ۳۳۵/۲ اور بعد کے صفحات۔ طبعه دار الکتب العلمیة:
2. الاصابة: ۲۲۹/٤۔ مجمع الزوائد: امام ہیثمی نے اس خبر کے بیان کے بعد یوں رقم کیا ہے: رواه الطبرانی ورجاله ثقات۔ سیر اعلام النبلاء: ۲۹۷/۲۔

اجل قریب آئی تو اس نے اپنے پاکیزہ جسم پر دمشق کی قیمتی ترین خوشبو لگائی' انہیں الباب الصغیر کے قبرستان میں دفنایا گیا۔ اس کی ظاہری قبر وہاں پر آج تک ایک مسلمان خاتون کے فی سبیل اللہ جہاد کرنے پر ایک زبردست شاہد کے طور پر موجود ہے۔[1]

خلاصۂ کلام' مسلمان خاتون کی تاریخ سے یہ چند روشن صفحات ہیں جنہیں ان صاحب فضیلت خواتین نے اپنے ایمان کی صداقت' اپنے شعور کی گہرائی اور مسلمان خاتون کے پیغام زندگی اور اپنے رب کے حوالے سے اور اپنے دین کے حوالے سے عائد ہونے والے فرائض کے وسیع ادراک کی بدولت رقم کیا ہے۔ یہ تو اس ضخیم قیمتی رجسٹر میں سے معدودے چند صفحات ہیں جو بلند درجہ عادات' نادر ایثار' شاندار واقعات' خوشبودار صبر و استقلال کے کارنامے' بے مثل صلاحیتیں اور گہرے ایمان سے بھرپور ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ایک سمجھدار مسلمان خاتون آج ان جیسے روشن و منور صفحات میں جو ان صاحب فضیلت مسلمان خواتین کی زندگیوں سے ماخوذ ہیں ایک بہترین نمونہ ہے جس کی پیروی کی جا سکتی ہے' ایک قندیل ہے جس سے روشنی لی جا سکتی ہے اور ایک زندہ منہ بولتی مثال ہے جس کے مطابق آج کی مسلمان خاتون اپنی شخصیت کو ڈھالنے کی کوشش کر سکتی ہے۔

اسلامی شخصیت اور سچے دین کے ساتھ سربلند رہتی ہے:

یہ امر قابل تعجب نہیں ہے کہ مسلمان سمجھدار خاتون اپنی اسلامی شخصیت کے ساتھ سربلند رہتی اور اپنے اس اونچے مقام پر فخر کرتی رہتی ہے جس پر اسے اسلام نے بہت عرصہ قبل فائز کر دیا تھا' قبل اس سے کہ دوسری امتوں میں سے کوئی عورت اس بلند مقام میں سے کچھ حصہ حاصل کر سکتی' تاریخ عالم میں پہلی بار اسلام نے تقریباً پندرہ صدیاں قبل ''حقوق نسوانیت'' کا اعلان کر دیا تھا اور مسلمان خاتون نے انسانی حقوق سے بہت عرصہ پیشتر ہی مستفید ہونا شروع کر دیا تھا جبکہ دنیا کی انسانی حقوق کی تنظیمیں اور انسانی حقوق کے چارٹر ان سے آشنا بھی نہ ہوئے تھے۔

اسلام نے کافی عرصہ قبل ہی اس امر کا اعلان کر دیا تھا کہ عورتیں مردوں کی مثل ہیں جس طرح کہ اس حدیث مبارکہ میں آیا ہے جسے ابوداؤد' ترمذی' دارمی اور احمد نے روایت کیا ہے' اور

[1] سیر اعلام النبلاء: ۲/۲۹۷۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب عالم عیسائیت میں معاشرتی حلقے عورت کی انسانیت اور اس کی روحانی طبیعت میں شک وشبہ کا شکار تھے' قرآن کریم نے اس حقیقت کا واشگاف الفاظ میں یوں اعلان کر دیا تھا:

﴿ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ ﴾ (آل عمران: ۳/۱۹۵)

''پس ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمائی کہ تم میں سے کسی کام کرنے والے کے کام کو، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، میں ہرگز ضائع نہیں کرتا' تم آپس میں ایک ہو......''

رسول اللہ ﷺ نے اسلام' سمع اور طاعت پر عورتوں سے بالکل اسی طرح ہی بیعت لی ہے جس طرح مردوں سے بیعت لی ہے' ان کی بیعت ان کے مردوں سے بالکل الگ اور علیحدہ تھی' یہ بیعت ان مردوں کی تابع نہ تھی' ان تمام امور میں اس بات کی زبردست تاکید موجود ہے کہ مسلمان خاتون کی شخصیت بالکل الگ اور مستقل ہے اور اس حقیقت کی واضح نشان دہی ہے کہ عورت میں بیعت کرنے' معاہدہ کرنے اور اللہ و رسول کو اپنی محبت عطا کرنے میں وہ ذمہ داری کو اٹھانے کی اہلیت رکھتی ہے۔ ان سب باتوں کا اعلان کئی صدیاں پیشتر ہو چکا تھا' جسے دور حاضر کی عورت کی مستقل اور الگ رائے کی اہمیت کو حق رائے شماری اور حق انتخاب کے ذریعے سے تسلیم کیا گیا ہے عورت کے بہت سارے حقوق میں سے بطور مثال چند یہ ہیں: وہ اپنے مال کی مستقل مالک ہے' اس کی ملکیت کا حق تسلیم شدہ ہے' وہ اگرچہ مال دار ہی کیوں نہ ہو پھر بھی خاوند سے نان ونفقہ لینے کا حق رکھتی ہے' وہ انسانی کرامت' تربیت' تہذیب اور عام شرعی احکام میں مرد کے ہم پلہ مقام رکھتی ہے' اگر ہم اسلام کے عورت کو عطا کردہ حقوق کی بحث چھیڑ لیں اور اس کی عنایت کردہ عظمت وعزت کی بات شروع کر لیں تو ان کا احاطہ ناممکن ہو جائے۔

مسلمان خاتون عزت وتکریم' حقوق کے استحقاق اور اہلیت کے اس مقام رفیع تک پہنچ چکی ہے جس نے مغربی خواتین کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے۔ اس موقع پر مجھے امریکہ میں ایک لیکچر کے دوران میں کہی ہوئی ایک امریکی میڈم کی وہ بات یاد آ رہی ہے جو لیکچر ملک شام کے علماء میں سے ایک عالم دین پروفیسر الشیخ بھجۃ البیطار اسلام میں حقوق نسواں کے عنوان پر دے

رہے تھے' دوران لیکچر وہ امریکی میڈم ان حقوق سے اور ان شرعی مفادات سے جو مسلمان خاتون پندرہ صدیاں قبل حاصل کر چکی ہے تعجب کرتے ہوئے کھڑی ہوگئی اور لیکچر دینے والے شیخ سے یوں کہنے لگی: کیا یہ باتیں جو آپ مسلمان خاتون کے اور اس کے حقوق کے بارے میں فرما رہے ہیں حقیقت پر مبنی ہیں یا فقط پراپیگنڈہ ہے؟ اگر تو یہ حقائق ہیں تو مجھے یہیں سے پکڑ کر لے جاؤ تاکہ میں تمہارے ہاں کچھ دیر تو ان مفادات وحقوق سے لطف اندوز ہوسکوں پھر بعد میں مجھے وہیں مرنے دینا!!

ایک مسلمان خاتون کے مقام ومرتبہ کے بارے میں مغربی خواتین کی حیرت واستعجاب کو بیان کرنے والی باتیں اور شہادتیں بہت ہی زیادہ اور زبان زد عام ہیں۔

یقیناً ایک ہمعصر سمجھدار مسلمان خاتون جب یہ سب حقائق ذہن نشین کرلے تو اس کا دل اپنے سچے دین کے بارے میں خوشی سے معمور ہوجائے اور اپنے دین کی عظمت' کمال اور ہر اس ربانی طریقے کے انداز کو جان کر جس میں ہر انسان کی خواہ وہ مرد ہے یا عورت سعادت ہی سعادت مضمر ہے، اس کا ایمان وایقان مزید بڑھ جائے۔ اس کے علم کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ پندرہ صدیاں پیشتر اسلام نے خاتون کی حالت کو بہتر بنانے کے لیے یکبارگی جو احکام صادر فرما دیے ہیں اس بیسویں صدی تک پوری تاریخ انسانیت میں کوئی ایک بھی ان کو صادر کرنے کی استطاعت نہیں پا سکا۔

اس کے علم میں یہ بات بھی آنی چاہیے کہ اٹھارہویں صدی عیسوی کے اواخر میں فرانسیسی انقلاب کے دور میں جب انہوں نے حقوق انسانی کے معاہدے اور چارٹر کا اعلان کیا تھا تو اس کا عنوان یوں تھا ''آدمی کے حقوق۔'' اس چارٹر کا ابتدائی مضمون کچھ اس طرح تھا: ''آدمی پیدائشی طور پر آزاد پیدا ہوا ہے اسے غلام بنانا ناجائز ہے۔'' پھر اس عبارت میں ایک لفظ کا اضافہ کرنے کی انتھک کوششیں کی گئیں لیکن بے سوُد اور وہ لفظ یہ تھا ''اور عورت'' لیکن آزادی کے انقلابی اعلان کی یہی عبارت منظر عام پر لائی گئی: ''آدمی پیدائش طور پر آزاد پیدا ہوا ہے اسے غلام بنانا ناجائز ہے۔'' یعنی اس میں عورت کے لفظ کو شامل نہیں کیا جا سکا۔

ایک صدی بعد انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں ایک بہت بڑا

فرانسیسی عالم ''غوستاف لوبون'' آتا ہے اور وہ اپنی کتاب ''روح الاجتماع'' میں یہ اعلان کرتا ہے کہ بجز دور انحطاط کے عورت کبھی بھی مرد کے مساوی نہیں ہوئی۔'' اس نے یہ بات ایسے شخص کے جواب میں کہی ہے جو مردوں کی مثل عورتوں کو بھی انتخاب کرنے کا حق دینے کا مطالبہ کرتا ہے۔

یہ معاملہ بالکل اسی طرح ہی چلتا رہا حتیٰ کہ پہلی عالمی جنگ کے بعد ملکوں کے باہمی تعلقات کو فروغ دینے کا دور آ گیا' پھر دوسری جنگ عظیم کے بعد اقوام متحدہ کی تنظیم سازی کا زمانہ آ گیا' تو کہیں جا کر انتہائی مشقت اور مسلسل جدوجہد کے بعد حقوق نسواں کی بات کرنے والے عورت کو مرد کے مساوی لانے میں کامیاب ہو سکے کیونکہ وہ نیم رسم و رواج کو اپنی راہ میں چٹان کی شکل میں کھڑے پا رہے تھے' اور ان کے پاس مقامی سطح پر یا بین الاقوامی سطح پر کوئی ایسے قوانین ہی نہیں تھے جو عورت کو انصاف دلا سکتے تا کہ وہ انہیں عورت کو ان گزشتہ بھاری اور وزنی ناکامیوں سے آزادی دلوانے کے لیے اور راستے میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے قانونی چارہ جوئی کے طور پر استعمال کر سکتے۔ جبکہ ان کے مقابلے میں اسلام پندرہ صدیاں قبل کتاب و سنت میں ایسی قطعی نصوص کو بیان کر چکا ہے جو مرد اور عورت کو ثواب' عقاب' ذمہ داری' جزاء' عبادت' انسانی کرامت اور تمام انسانی حقوق میں برابر برابر قرار دیتی ہیں۔

وہ اسلام جو انسانی حقوق سے مستفید اور متمتع ہونے میں مرد و زن کو برابری کا حق دے چکا ہے اس نے مرد و زن دونوں کو انسانی فرائض کی انجام دہی میں بھی برابر ٹھیرایا ہے کیونکہ اس نے زمین کی خلافت' اس کی آبادکاری اور اس میں اللہ تعالیٰ کی بندگی بجا لانے میں دونوں کو یکساں حکم دیا ہے' اور اس نے زمین میں ایک بہترین ہدایت یافتہ اور صاف ستھرا انسانی معاشرہ قائم کرنے میں دونوں کے الگ الگ دائرہ کار بھی متعین کر دیے ہیں' اور ان دونوں کے اپنے اپنے کردار ایک دوسرے کے کردار کو کامل بنانے والے ہیں جو باہم مخالف و متضاد نہیں ہیں بلکہ ان دونوں مرد و زن میں سے ہر ایک کا کردار دوسرے کے لیے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتا ہے بلکہ دونوں کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ ہر کوئی انسان' خاندان اور معاشرے کی تعمیر میں دوسرے سے بڑھ کر ان امور کو سر انجام دے جن کا اسے اہل بنایا گیا ہے، تا کہ دونوں جنسوں میں باہمی تعاون' ہمدردی' تقویت اور ذمہ داری باحسن طریق ہو سکے اور دونوں میں سے کوئی بھی دوسرے کے

تفویض کردہ امور میں رکاوٹ نہ بن سکے، جن کے پورا کرنے کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے۔
اسلام نے مرد وعورت دونوں کو برابر طور پر خودمختار بنایا ہے تاکہ انسان کی عمومی مصلحت کو مکمل کیا جا سکے، جو اس بنیاد پر قائم ہو کہ دونوں میں سے ہر کوئی اس زندگی میں اپنے اپنے اعمال پر مکمل جزا وسزا پا سکے' جس طرح کہ اس فرمان اقدس میں ہے:

﴿ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ (النحل: ١٦/٩٧)

''جو شخص نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت' لیکن باایمان ہو تو ہم اسے یقیناً نہایت بہتر زندگی عطا فرمائیں گے اور ان کے نیک اعمال کا بہتر بدلہ بھی انہیں ضرور ضرور دیں گے۔''

اور یہ خودمختاری اس بنیاد پر بھی ہے کہ مرد وزن میں سے ہر ایک اپنی اپنی رعیت کا نگران اور مسئول ہے' جس طرح کہ عظیم نبوی ہدایت میں اس کی وضاحت ہے۔

بلاشبہ اپنی دینی ہدایت سے واقف کار مسلمان خاتون' اپنے اس بلند و بالا مقام کو سمجھنے والی جس پر اسلام نے اسے پندرہ صدیاں پیشتر فائز کر دیا ہے وہ اس حقیقت سے بخوبی آشنا ہے کہ اسلام سے قبل پورے عالم کی اقوام میں' پرانے قوانین والے ملکوں میں بالخصوص ہندوستان اور روم میں' اور قرونِ وسطیٰ میں دورِ عیسائیت میں' اسلام کی آمد سے قبل بلادِ عرب میں عورت کا درجہ برائی کے نچلے گڑھے میں تھا۔ اس حقیقت سے آشنائی کے بعد مسلمان خاتون کی شخصیت' اپنے اسلامی تشخص' اپنے دین برحق اور اپنے بلند ترین انسانی مرتبے سے مزید شرف وعظمت کی حقدار بن جاتی ہے۔

''سابقہ قوانین میں عورت کی حالت کو ہندو لیڈر ''جواہر لال نہرو'' نے اپنی کتاب (ڈسکوری آف انڈیا) ''ہندوستان کی دریافت'' میں اس طرح اختصار سے بیان کیا ہے:

''رہی عورت کی قانونی حیثیت ''منو'' کے کہنے کے مطابق' تو بلاشبہ انتہائی بری تھی' وہ عورتیں ہمیشہ باپ اور خاوند یا بیٹے پر بھروسا کرتی تھیں'' اور یہ بات تو بالکل معلوم ہی ہے کہ ان کی میتوں کی وراثت صرف مرد ہی لے جاتے تھے عورتوں کو کچھ نہ دیتے تھے۔''

اس کے بعد ''نہرو'' نے یوں لکھا ہے: ''بہر حال' پرانے ہندوستان میں عورت کی حالت

قدیم یونان یا روم یا عیسائیت کے ابتدائی دور کے مقابلہ میں قدرے اچھی تھی۔

قدیم رومی قانون میں خاتون شہری حقوق سے مکمل طور پر محروم تھی اور یہ تصور تھا کہ چونکہ یہ عورت زاد ہے' خواہ یہ کم عمر ہے یا سن رشد کی پہنچی ہوئی بالغہ خاتون ہے، یہ ہمیشہ کسی نہ کسی کی سرپرستی میں رہے گی' یہ لازماً باپ یا خاوند کی سرپرستی میں رہے گی' اور اپنے تصرفات و معاملات میں سے ادنیٰ سے ادنیٰ آزادی کی بھی مالک نہیں تھی اور فی الجملہ اس کے مرنے کے بعد اس کی جائیداد تقسیم تو ہوسکتی تھی لیکن یہ خود کسی کی وارث نہ بن سکتی تھی۔

رومن قانون میں عورت مرد کی ماتحت اور ذیلی اشیاء میں سے ایک چیز کی حیثیت رکھتی تھی' اس کی شخصیت نام کی کوئی چیز نہ تھی' وہ اپنی آزادی اور تصرف سے قطعی محروم تھی' آج بیسویں صدی تک اس قانون کے باقی ماندہ اثرات موجود ہیں' دور حاضر کی بڑی بڑی سلطنتوں میں انہی رومن قوانین اور حقوق کی کچھ اثر انگیزی نظر آتی ہے۔''

انہی رومن قوانین کی پیروی میں اور ان کی اثر پذیری کی بنا پر نصرانیت کے ابتدائی دور میں عورت کی حالت اس برے درجے تک پہنچ چکی تھی جس کی طرف ''نہرو'' نے اشارہ کیا ہے' حتیٰ کہ بعض دینی تنظیموں نے عورت کی انسانیت اور اس کی روحانی حیثیت میں شک کا اظہار بھی کر دیا تھا' اور روما میں عورت اور اس کی روحانیت کے موضوع پر کئی کانفرنسیں بھی منعقد ہوئی تھیں کہ کیا یہ روحانی طور پر ایسے ہی لطف اندوز ہوسکتی ہے جیسے کہ مرد روحانی طور پر متمتع ہوتا ہے؟ یا اس کی روح فقط حیوانات کی روح کی مثل ہے جیسے کہ سانپوں اور کتوں کی روحانیت ہے...... بلکہ روما میں منعقد ہونے والے اجتماعات میں سے ایک اجتماع میں تو یہ قرارداد بھی پاس ہو چکی تھی:

''مطلق طور پر اس میں کوئی روح نہیں ہے اور بلاشبہ اسے دوسری زندگی میں دوبارہ بھی ہرگز اٹھایا نہیں جائے گا۔''

پروفیسر جاسم محمد المطوع نے اپنی کتاب ''زوجات النبی ﷺ فی واقعنا المعاصر'' میں یوں تحریر کیا ہے:

''اسکاٹ لینڈ کی پارلیمنٹ نے ۱۵۶۷ میں یہ قانون جاری کیا تھا' جس کا ماحصل یہ ہے کہ ''عورت کو کسی بھی چیز کا مالک بنانا اور اسے کوئی چیز ملکیت میں دینا ناجائز ہے۔''

برطانیہ میں مرد اپنی بیویوں کو فروخت کر دیا کرتے تھے حتیٰ کہ ۱۹۳۰ء میں ایک قانون جاری ہوا جس کی رو سے یہ عمل حرام ٹھہرایا گیا۔

انگلستان کے بادشاہ ہنری ہشتم کے دور میں انگریزی پارلیمنٹ نے ایک قرار داد پاس کی جس کی رو سے عورت ''عہد جدید'' کی کتاب کو نہیں پڑھ سکتی جسے سیدنا مسیح علیہ السلام لائے ہیں۔

رہی بات جزیرۂ عرب میں، تو اکثر قبائل میں اسلام سے کچھ عرصہ قبل عورت ذلت اور نفرت کی جگہ میں تھی، بلکہ یہ تو ایک عار تھی اس کے اولیاء کی اکثریت اس امر کی حریص رہتی تھی کہ یہ عار انہیں نہ ملے، اس لیے وہ اسے پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیتے تھے۔

اسلامی دعوت اور آواز نے عورت کی اس المناک اور ذلت آمیز حالت کی کئی ایک مقامات میں مذمت بیان کی ہے، اللہ تعالیٰ نے جاہلیت میں عورت کے حوالے سے شعور و احساس کی اہانت، بدنامی اور ناگواری کو بیان کرتے ہوئے یوں فرمایا ہے:

﴿ وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِيْمٌ ☆ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴾ (النحل : ۱۶/۵۸، ۵۹)

''ان میں سے جب کسی کو لڑکی پیدا ہونے کی خبر دی جائے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور دل ہی دل میں گھٹنے لگتا ہے، اس بری خبر کی وجہ سے لوگوں سے چھپا چھپا پھرتا ہے۔ سوچتا ہے کہ کیا اس ذلت کو لیے ہوئے ہی رہے یا اسے مٹی میں دبا دے، آہ! کیا ہی برے فیصلے کرتے ہیں؟''

اللہ تعالیٰ نے اس زندہ، بے گناہ اور پاکیزہ جان کو دفن کرنے کے جرم کی قباحت و کراہت کی یوں تصویر کشی فرمائی ہے:

﴿ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ○ بِاَىِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ﴾ (التکویر: ۸۱/۸۔۹)

''اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے سوال کیا جائے گا کہ کس گناہ کی وجہ سے وہ قتل کی گئی۔''

بلاشبہ یہ حالت انسانیت کی ذلت آمیز، الم ناک اور حقارت سے بھرپور حالت ہے، اور بلاد

عرب میں اسلام کی آمد سے قبل تو عورت کی انسانیت کی بالخصوص یہی حالت تھی' اس طرح اس زمانے کی تہذیب یافتہ بڑی بڑی حکومتوں میں یہ ناگفتہ بہ حالت تھی' خاص طور پر روما کی سلطنت میں' اور نصرانیت کے ابتدائی دور میں' پھر ان تمام جدید اہم حکومتوں میں جو رومن قوانین سے متاثر ہیں' اور یہ بات حقوق انسانی کے ماہرین بخوبی جانتے ہیں۔ ①

اور بلاشبہ ایک سمجھدار مسلمان خاتون اس عظیم وکثیر نعمت کو حاصل کر لیتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس دن ہی اس پر کامل فرما دی تھی جس دن اس کا سورج روشن ہوا تھا اور جس نے دنیائے عرب کو اپنی تیز ترین روشنی کے ساتھ ڈھانپ لیا تھا:

﴿ اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَ اَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَ رَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا ﴾ (المائدۃ : ۵/۳)

''آج میں نے تمہارے لیے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنا انعام بھرپور کر دیا اور تمہارے لیے اسلام کے دین ہونے پر رضا مند ہو گیا۔''

بلکہ جو چیز مسلمان خاتون کے دل کو سعادت مندی' طمانیت' رضا مندی اور سر بلندی سے بھرپور بنا دیتی اور اس کی قدر و منزلت کو مزید بڑھا دیتی ہے وہ ممتا کے مقام کو پدری مقام پر فائق بنانا ہے' ایک شخص نبی ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور یوں عرض پرداز ہوا: یارسول اللہ! سب لوگوں میں سے کون میرے احسن سلوک کا زیادہ حقدار ہے؟ تو رسول کریم ﷺ نے یہ جواب دیا: ''تیری ماں۔'' وہ پوچھتا ہے: پھر کون؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تیری ماں۔'' وہ بولا: پھر کون؟ آپ ﷺ نے جواباً فرمایا: ''تیری ماں۔'' وہ عرض پرداز ہوا: ''پھر کون؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''تیرا باپ۔'' ②

یہ اس لیے کہ عورت اپنی خلقت کے سبب' اور جنین کو اٹھانے کے سبب پھر اسے دودھ پلانے اور اسے پرورش کرنے کے باعث اس مقامِ بلند کی حقدار ہے' بلاشبہ یہ انتہائی مشقت والا اور بہت بڑا عظیم عمل ہے' قرآن کریم نے اس عمل کو یوں سراہا ہے:

---

❶ ڈاکٹر معروف الدوالیبی کی کتاب ''المراۃ فی الاسلام'' صفحہ نمبر: ۲۳۔

❷ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب من احق الناس بحسن الصحبۃ، حدیث: ۵۹۷۱۔ صحیح مسلم، کتاب البر و الصلۃ، باب بر الوالدین، حدیث: ۲۵۴۱۔

﴿ وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّ فِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْلِيْ وَلِوَالِدَيْكَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴾ (لقمان: ۳۱/ ۱۴)

''ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق نصیحت کی ہے' اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے حمل میں رکھا اور اس کی دودھ چھٹائی دو برس میں ہے کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کر کہ میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔''

اس عظیم اور حاملِ مشقت عمل کے بالمقابل جو عورت کے کندھوں پر ڈالا گیا ہے مرد پر خاندان کی کفالت کا بوجھ ڈال دیا گیا ہے' وہ کمانے اور خرچ کرنے کی ذمہ داری کو نبھاتا ہے لیکن وہ اسلامی تعلیمات کے مطابق اس کے باوجود بھی ممتا کے مقام کو پا نہیں سکتا' جس طرح کہ ہم نے نبی کریم ﷺ کی اس شخص کی رہنمائی کرنے میں دیکھ ہی لیا ہے جس نے آپ سے دریافت کیا تھا کہ اس کے حسن سلوک کا سب لوگوں میں کون زیادہ حقدار ہے۔

جس طرح اسلام نے عورت کے مقام و مرتبے اور مادرانہ مقام کو، پدرانہ مقام پر بلند تر رکھا ہے اسی طرح اس نے عورت کے مقام و مرتبے کو خاوند کے ساتھ ملانے کے بعد بھی بلند ہی رکھا ہے وہ ایسے کہ وہ عورت اپنی شادی کے بعد اپنے خاندان اور قبیلے کے نام کی حفاظت کرنے والی ہی رہتی ہے یا مسلمان خاتون کا شادی کر لینے کے بعد بھی اپنے نسب اور اپنے کنبے کے نام کو باقی رکھنا اس کا حق ہے' اس کا نام خاوند کے کنبے اور نسب کے نام میں مدغم نہیں ہوتا اور نہ کالعدم اور معطل ہی قرار پاتا ہے' جس طرح کہ مغربی معاشروں میں ہو رہا ہے جہاں پر عورت شادی کے بعد اپنے خاوند سے ملنے کے بعد ''فلاں کی میڈم'' بن جاتی ہے' اس کے خاندان کنبے کا نام اور اس کے نسب کا رشتہ سول قوانین کے رجسٹرات اور شناختی کارڈ سے حذف اور ختم کر دیا جاتا ہے۔

جبکہ اسلام نے شادی کر لینے کے بعد بھی عورت کی شخصیت کی حفاظت فرمائی ہے باوجود اس کے کہ اسلام نے عورت کو اپنے خاوند کی اطاعت گزاری' وفا شعاری' توقیر' تعظیم' اور ازدواجی حیات کو باحسن طریق گزارنے کی بار بار تلقین کی ہے لیکن اس نے عورت سے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ وہ مکمل طور پر مرد کی شخصیت ہی میں ضم ہو جائے۔

جب ہم ان مذکورہ انسانی حقوق کی عورت کو عطائیگی کے ساتھ یہ امر بھی شامل کر لیں گے کہ

اسلام نے عورت کو اپنے مال میں کامل تصرف کا حق بھی عطا فرمایا ہے اور اسے کسی طرح کے نفقہ و خرچہ کا مکلف بھی نہیں ٹھیرایا تو ہم اس بلند ترین مرتبے اور رفیع تر مقام کو پوری وضاحت اور روشنی سے پالیں گے جس پر اسلام نے ایک مسلمان خاتون کو فائز کیا ہے اور ہمارے سامنے یہ امر بھی پوری طرح عیاں ہو جائے گا کہ اسلام کی کتنی بڑی خواہش ہے کہ وہ عورت کی شخصیت کو مکمل آزاد، عزت مند، مرتبہ کی حامل، کشادہ ذہن، ہنر مند اور بااختیار دیکھنا چاہتا ہے تاکہ وہ اپنی زندگی میں اپنے اوپر عائد شدہ ذمہ داری کو کماحقہ ادا کرنے والی بن سکے۔

اس کی جاں نثاری اور محبت فقط اللہ واحد ہی کے لیے ہے:

مسلمان خاتون کی اپنی اسلامی شخصیت کے باعث صاحب عزت ہونے کے ثمرات میں سے یہ بات بھی ہے کہ اس کی جاں نثاری اور محبت فقط اللہ وحدہ لاشریک کے لیے ہوتی ہے، کسی دوسرے کے لیے نہیں ہوتی، خواہ اس کا خاوند یا باپ ہی کیوں نہ ہو، حالانکہ یہ دونوں رشتے باقی لوگوں کی نسبت قریب ترین ہوتے ہیں۔ ہم اس جاں نثاری اور محبت کی بلندی ام المومنین ام حبیبہ رملہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہا کی بلند ہمتی میں پاتے ہیں جو ابوسفیان، سردار مکہ اور مشرکین کے قائد و سالار کی بیٹی تھی اول یہ خاتون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی عبیداللہ بن جحش کی زوجہ تھی جو کہ ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا برادر تھا آپ کا خاوند عبیداللہ مسلمان ہوا تو سیدہ ام حبیبہ رملہ رضی اللہ عنہا بھی ساتھ ہی مشرف باسلام ہوگئیں، جبکہ آپ رضی اللہ عنہا کا باپ ابوسفیان بدستور کفر پر قائم رہا۔ پھر آپ رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند کے ہمراہ ابتدائی مسلمانوں کے ساتھ ملک حبشہ کی جانب ہجرت بھی فرمائی اور آپ رضی اللہ عنہا نے اپنے باپ کو مکہ میں اپنے غیظ و غضب میں کھولتے ہوئے چھوڑ دیا کہ اس کی صاحبزادی مسلمان ہوگئی ہے اور اس کا اس پر کوئی اختیار نہیں چل رہا۔

لیکن زندگی نے اس مسلمان صابرہ مہاجرہ خاتون کو بہار نہ دکھائی کہ اس کا شوہر عبیداللہ اسلام سے مرتد ہو کر اور حبشیوں کے دین نصرانیت کو اختیار کر کے اس کی تکلیف کا باعث بن گیا!! پھر اس نے اسے بھی اس کے دین سے برگشتہ کرنے کی پوری کوشش کی، لیکن اس نے انکار کیا اور دین حقہ پر ڈٹی رہی اور صبر کا دامن تھامے رکھا، اس دوران میں یہ خاتون اپنی صاحبزادی ''حبیبہ'' کو جنم دے چکی تھی جس کی وجہ سے آپ کی کنیت رکھی گئی ہے یہ لوگوں سے الگ تھلگ ہو

گئی' لگتا تھا کہ یہ خاتون غم والم اور حسرت و یاس سے ہلاک ہی ہو جائے گی کیونکہ اس پر غموں نے یورش کر دی تھی' بڑے بڑے مصائب پیہم اس پر حملے کر رہے تھے اور غموں نے اس کی زندگی کو شبِ تاریک بنا ڈالا تھا' جبکہ وہ خود اور اس کی اکلوتی صاحبزادی غریب الدیار اور دار الہجرت میں تھے' اس کے درمیان اور اس کے خاوند اور باپ کے درمیان رشتے منقطع ہو چکے تھے' اس کی کم سن بیٹی کا باپ تو نصرانی تھا اور اس کا نانا اس دن مشرک اور اسلام کا دشمن تھا، جو اس نبی کے خلاف کہ اس کی صاحبزادی جس کی تصدیق کر چکی تھی اور اس دین کے خلاف جس پر وہ ایمان لا چکی تھی عمومی لڑائی کا اعلان کر رہا تھا۔

اس خاتون کو مذکورہ حیرت' ضیاع' غم اور کرب سے بجز رسول کریم ﷺ کی اس آنکھ کے کسی نے نہ بچایا جو آنکھ اہل ایمان مہاجرین کے لیے جاگتی رہتی تھی اور ان کے امور و احوال کا جائزہ لیتی رہتی تھی' آپ ﷺ نے نجاشی کو یہ پیغام بھیجا کہ وہ ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا کی شادی آپ سے کر دے۔ جو کہ اس کے ملک میں ہجرت کرنے والی مستورات میں سے ایک ہے۔ اس واقعے کی مکمل تفصیلات سیرت' تراجم اور تاریخ کی کتب میں موجود ہیں۔ اس طرح سیدہ ام حبیبہ بنت ابوسفیان ''ام المومنین'' بن گئیں۔

لیل و نہار کی گردش جاری رہی' فتح مکہ کا زمانہ قریب آتا گیا' جب سے قریش مکہ نے صلح حدیبیہ کو توڑا تھا، ان کو چاروں اطراف سے خطرات کا کھٹکا سا لگا رہتا تھا' بالآخر قریش کے سرداروں نے مشورہ کیا تو اس نتیجے پر پہنچے کہ محمد (ﷺ) ہرگز ظلم پر خاموش نہیں رہیں گے اور آپ ہرگز اس بدعہدی پر یا معاہدہ کو توڑنے پر راضی نہ ہوں گے' چنانچہ سبھی اس بات پر متفق ہوئے کہ اپنے میں سے کسی کو قاصد بنا کر مدینہ منورہ بھیجا جائے تاکہ وہ صلح کی تجدید کرنے اور اس معاہدے کی مدت میں توسیع کرنے میں محمد (ﷺ) سے امن کی بات چیت کرے' تو اس سلسلے میں سیدنا محمد ﷺ کی طرف ابوسفیان بن حرب ان کا قاصد مقرر ہوا تھا۔

ابوسفیان مدینہ پہنچا' لیکن وہ براہ راست سیدنا محمد مصطفی ﷺ سے ملنے سے مرعوب ہو گیا۔ اسے یاد آیا کہ اس کی صاحبزادی ان کے گھر میں موجود ہے، چنانچہ وہ اپنے مقصد پر اس سے مدد لینے کی نیت سے چپکے سے ادھر ہی آ گیا۔

ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اچانک اسے اپنے گھر میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا حالانکہ آپ نے ہجرت حبشہ کے وقت سے اسے بالکل نہ دیکھا تھا آپ حیرت و دہشت کے عالم میں کھڑی ہکی بکی اسے دیکھتی جا رہی تھیں، کچھ سجھائی نہ دیتا تھا کیا کریں یا کیا کہیں۔

ابوسفیان نے اپنے ناگہاں اندر آنے کی وجہ سے یہ بھانپ لیا تھا کہ وہ کس گومگو کی کیفیت سے دوچار ہے، چنانچہ اس نے بیٹھنے کی اجازت نہ ملنے کا کچھ غصہ نہ کیا اور بذات خود ہی بستر پر بیٹھنے کے لیے آگے بڑھا لیکن سیدہ رملہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اسے بیٹھنے کا موقع نہ دیا کہ فوراً اچھلیں اور بستر کو پکڑ کر لپیٹ دیا۔ ابوسفیان بولا: میری لخت جگر! میری بیٹی! مجھے سمجھ میں نہیں آتا کیا تو نے مجھے اس بستر سے الگ کیا ہے یا تو نے اس بستر کو مجھ سے الگ کر دیا ہے؟ فرمایا: بلکہ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ہے اور تو مشرک آدمی ہے' میں اس بات کو پسند نہیں کرتی کہ تو اس پر بیٹھے۔ [1]

بلاشبہ سیدہ رملہ بنت ابوسفیان نے اپنی محبت کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کیا ہے اپنے بے مروت خاوند پر افسوس نہیں کیا جس نے دنیا کی خاطر اپنے دین کا سودا کر لیا تھا' جبکہ یہ خود اپنے دین پر ڈٹی رہیں اور انہوں نے غریب الوطنی کی تکلیف کو' تنگی اور پریشانی کو' مشقت اور کلفت کو دار ہجرت میں برداشت کیا' حالانکہ انہیں اپنی وحدت و تنہائی میں انس کرنے والے' خیال رکھنے والے اور نگہداشت کرنے والے خاوند کی اور اپنی صاحبزادی کا خیال رکھنے والے آدمی کی انتہائی زیادہ ضرورت تھی' تو ان تمام کٹھن حالات میں اسے اللہ تعالیٰ نے جو انعام دینے والا' فضل فرمانے والا اور عنایات کرنے والا ہے ایسی بہترین ڈھارس بندھائی جس کی ایسے حالات میں کوئی خاتون سوچ بھی نہیں سکتی' اللہ تعالیٰ نے اسے پہلے خاوند کے عوض رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کروا کے بہترین عوض عطا فرمایا اور اسے امہات المومنین کے بلند و رفیع مراتب میں لا بٹھایا۔

اسی طرح ایک طویل ترین جدائی کے بعد اپنے باپ کی اچانک ملاقات نے اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو پس پشت نہیں ڈالا' کیونکہ اس نے یہ کہتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر لپیٹ دیا کہ وہ کافر آدمی ہے اور یہ اس کے بیٹھنے سے اسے آلودہ و ناپاک کرنے کو جائز نہیں سمجھتی!!

---

[1] سيرة ابن هشام، ص: ٥٤١۔

ایک مسلمان خاتون کی جو اپنے دین سے سر بلند ہونے والی ہے اور اپنے عقیدے کے ذریعے سے قابل قدر مقام پانے والی ہے یہی شان ہوتی ہے کیونکہ اس کے ایمان سے معمور دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت' اس کے رسول اور اس کے دین کی محبت کے مقابلے میں کسی دوسری محبت اور عصبیت کے لیے کوئی جگہ ہوتی ہی نہیں ہے۔

بلاشبہ ایماندار خاتون کو اس کی شخصیت کے سر بلند ہونے نے اسے اپنی تمام مرغوبات اور اپنی سب مکروہات میں زمانے کے ہر دور میں قوت' پختگی اور ثبات عطا فرمایا ہے اور اسے کفر و عصیان کی دلدل میں گرنے سے بچایا ہے اور اسے باطل کے دھارے میں بہہ جانے سے محفوظ رکھا ہے، خواہ وہ کتنا ہی زور آور' ہمہ گیر' دیو ہیکل اور سخت گیر ہی کیوں نہ ہو' اور اس نے اس کے دل کی گہرائیوں میں ایمان کی ایسی شمع روشن کر دی ہے جو بجھتی نہیں ہے جیسے کہ ہم فرعون کی زوجہ سیدہ آسیہ کے دین پر ثابت قدم رہنے میں یہی حقیقت مشاہدہ کرتے ہیں، جو فرعونوں کی اس دنیا کو چیلنج کر رہی ہے، جو لذتوں' حیلہ سازیوں اور اشتعال انگیزیوں کی تمام اقسام سے بھری ہوئی ہوتی ہے بلکہ اس نے اپنی مستقل مزاجی کے باعث اس عذاب شدید کو کچھ اہمیت ہی نہ دی جو اس کے خاوند نے اس پر ڈھانا شروع کیا تھا وہ تو مسلسل یہی کہتی رہی:

﴿ رَبِّ ابْنِ لِي عِندَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِي مِن فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهِ وَنَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّٰلِمِينَ ﴾ (التحريم: ٦٦/١١)

''اے میرے رب! میرے لیے اپنے پاس سے جنت میں مکان بنا اور مجھے فرعون سے اور اس کے عمل سے بچا اور مجھے ظالم لوگوں سے خلاصی دے۔''

اللہ تعالیٰ کی رضا مندی تو ہر خواہش سے بالاتر ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلمہ کی سر بلندی ہر ہدف و مقصد سے ماورا ہے اور اللہ تعالیٰ کی شریعت ہی سب سے ہدایت یافتہ راستہ ہے اور مسلمان خاتون ایسی ہوتی ہے کہ مذکورہ تمام حقائق اس کی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوتے اور یہ حقائق زمانے بھر میں اس کی مسلمان شخصیت کو مزید نکھار بخشتے ہیں اور اسے اپنے دینی ربانی منہج پر کاربند رکھتے ہیں اور اس باری تعالیٰ وحدہ لاشریک کی محبت ہی میں پروان چڑھاتے ہیں۔

وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہتمام بھی کرتی ہے:

سمجھدار اور اپنے دین کی پابند مسلمان خاتون یہ فرمان الٰہی پڑھتی ہے:

﴿ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ يُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴾ (التوبة: ۹/ ۷۱)

''مومن مرد و عورت آپس میں ایک دوسرے کے مدد و معاون اور دوست ہیں وہ بھلائیوں کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں' نمازوں کو پابندی سے بجا لاتے ہیں' زکوٰۃ ادا کرتے ہیں' اللہ کی اور اس کے رسول کی بات مانتے ہیں' یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ بہت جلد رحم فرمائے گا' بیشک اللہ غلبے والا' حکمت و درست کاری والا ہے۔''

جسے اللہ تعالیٰ نے پندرہ صدیاں پیشتر نازل فرمایا ہے' وہ اپنے نفس کو اجتماعی فکر کی اعلیٰ سطح پر فائز رکھتی ہے بلکہ وہ اعلیٰ ترین معاشرتی منازل پر براجمان رہتی ہے جنھیں مختلف قوموں' ذاتوں اور رنگوں کے اعتبار سے عورت جانتی پہچانتی ہے۔

یقیناً اسلام نے عورت کی مکمل انسانیت اور اس کی کرامت کا اقرار کیا ہے مزید اس کی قانونی حیثیت اور اس کی مکمل آزادی کا بھی اقرار کیا ہے۔ مذکورہ تمام امور میں مرد و عورت کے مابین ملکیت میں' خرید و فروخت میں اور شادی کرنے میں کوئی خاص فرق نہیں ہے اور ایسی عظمت اسلام سے قبل کسی دوسری امت میں متداول نہ تھی بلکہ عورت تو محض مرد کے تابع فرمان اور اس کے حکم کے ماتحت تھی۔ اللہ تعالیٰ کے درج ذیل فرمان اقدس:

﴿ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ......الخ ﴾

''مومن مرد و عورت آپس میں ایک دوسرے کے مدد و معاون اور دوست ہیں۔''

میں عورت کو مرد و عورت کے درمیان باہمی ولایت اور بایک دیگر معاونت کے مقام تک بلند کیا جا رہا ہے اور خاتون کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضوں کی ادائیگی میں مرد کا

شریک و مددگار بنایا جارہا ہے' ذمہ داری اور بارِ امانت کو اٹھانے میں عورت مرد کے ہم مرتبہ کہی جا رہی ہے یعنی دونوں کے دونوں ہی زمین کی آبادکاری اور اس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی بجا آوری کے لیے مکمل پابند ہیں۔

اس لیے اسلام نے عورت کو مرد کی مطلق پیروی کرنے سے نجات دلائی ہے اور اس کی ایسی حکم برداری سے چھٹکارا دلایا ہے جو اکثر حالات میں مرد کو عورت کی زندگی اور موت کے بارے میں خود رائے اور سرکش بنا دیتی تھی' اور اسلام نے عورت کو انسانیت کے معزز مقام مساوات پر فائز کر دیا ہے۔

اور جب اس نے عورت کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ذمہ دار ٹھیرایا ہے تو اس نے اسے اجتماعیت اور بلند انسانیت کے مقام پر فائز کر دیا ہے' کیونکہ اسلام نے خاتون کو تاریخ عالم میں سب سے پہلی بار ''حکم دینے والی'' بنایا ہے جبکہ وہ دنیائے اسلام کے علاوہ باقی دنیا میں ''مامورہ'' یعنی حکم کی غلام ہی تھی۔

پھر اسلام نے اللہ تعالیٰ کے روبرو دونوں جنسوں یعنی مرد و عورت کو عبادت الٰہی کا شرف پانے کا اہل ہونے کا اعلان بھی کیا ہے اور وہ دونوں ہی اس کی رحمت کے حقدار بن سکتے ہیں۔ اس موضوع پر کتاب الٰہی اور سنت سید المرسلین ﷺ میں بے شمار دلائل موجود ہیں۔

تاریخ اسلام میں اس بلند مقام کو ظاہر کرنے کے لیے جو مسلمان خاتون کی شخصیت کو بھی مشتمل ہے ایسی بہت سی بلند پایہ تابندہ و پائندہ خواتین نظر آتی ہیں جو اپنے اقوال' افعال اور کردار کے اعتبار سے انتہائی نمایاں ہیں، جو حق کا بیانگ دہل اعلان کرتی ہیں اور وہ اچھی طرح اس بات کا احساس بھی رکھتی ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور اس حق کو دوٹوک الفاظ میں بیان کرنے کی مسئول بھی ہیں، اس راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا وہ چنداں خوف بھی نہیں رکھتیں۔

ایسے ہی زندہ و جاوید کرداروں میں سے وہ مثال جو مسلمان خاتون کی شخصیت کی قوت' پختگی اور تنقیدی انداز اختیار کرنے میں آزادی کی حامل اور اظہار رائے میں حریت کی پیکر ہونے کو بیان کرتی ہے قابل ذکر ہے جو اس خاتون کی زبان حق بیان پر جاری ہوئی تھی، جو امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حق مہر میں غلو پسندی اور مبالغہ آمیزی کے رجحان کی تردید کرتے

ہوئے اسے ایک حد معین میں محدود کرنے کے ضمن میں سنتے ہوئے بول اٹھی تھی: اے عمر! یہ آپ کو حق نہیں پہنچتا! آپ بولے: کیوں؟ وہ بولی: کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَ اِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّ اٰتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴾ (النساء: ٤: ٢٠)

''اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی کرنا ہی چاہو اور ان میں سے کسی کو تم نے خزانہ کا خزانہ دے رکھا ہو تو بھی اس میں سے کچھ نہ لو' کیا تم اسے ناحق اور کھلا گناہ ہوتے ہوئے بھی لے لو گے۔''

تب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''عورت نے درست کہا' اور تجھ جیسے آدمی سے خطا ہوگئی ہے۔''[1]

امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس خاتون کی بات کو غور سے سنا' اور جونہی اس کی بات میں حق ظاہر ہوا تو فوراً مان گئے کہ واقعی وہی حق ہے اور وہ خود غلطی پر ہیں۔[2] اس کے ساتھ مسلمان خاتون نے سربراہ مملکت پر تنقید کرکے اولین تاریخی کردار رقم کیا اور دیکھیے کون سے سربراہ مملکت؟ وہ تو مسلمانوں کے خلیفہ راشد تھے' اپنے دور کے عظیم ترین حکمران تھے' پر ہیبت او رطاقت ور نوجوان تھے اور فارس و روم کی سلطنتوں کو زیر نگیں لانے والے تھے۔ یہ خاتون آپ رضی اللہ عنہ سے معارضہ کرنے اور آپ کی بات پر تنقید کرنے کی جرأت نہ پا سکتی تھی اگر اس کی دینی سمجھداری اور بیداری نہ ہوتی جو اسے اسلام نے اظہار رائے کی آزادی' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی مسئولیت عطا کی ہوئی تھی۔

کثرت سے تلاوتِ قرآن کریم کرنے والی ہے:

مسلمان خاتون کو اس اطاعت شعاری' صلاح کاری' پرہیزگاری' بیداری' سمجھداری اور پختگی کی مذکورہ منزل تک رسائی پانے کے لیے انتہائی ضروری ہے کہ وہ کتاب الٰہی کی عطر بیز فضاؤں سے معطر رہے' روزانہ بلاناغہ اس کے گھنے اور دراز سایوں میں استراحت حاصل کرے' اس کا قرآنی ورد وظیفہ دائمی ہو' اس دوران وہ قرآن کریم کی آیات بینات پر پوری توجہ مبذول رکھے'

---

1. أبي يعلى (مجمع الزوائد: ٤/ ٣٧٢) تفسير ابن كثير ص: ٢٠٥ و فيه مجالد بن سعيد وهو ضعيف۔
2. فتح الباري، كتاب النكاح، باب الصداق

پوری گہرائی، حاضر دماغی، بصیرت، تامل اور تدبر کے ساتھ اس کی تلاوت میں مگن رہے تا کہ ان آیات بینات کے معانی اس کی عقل وشعور اور احساسات وخیالات میں سرایت کرتے جائیں اور اس کا دل اس کی صاف وشفاف نورانیت کو جذب اور اس کی روشن ومنور ہدایت سے مستفید ہوتا جائے۔

تو اس ضمن میں مسلمان خاتون کو یہ جان لینا کافی ہوگا کہ ایک قاری قرآن کا اللہ تعالیٰ کے ہاں کیا مقام ومرتبہ ہے، جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی متعدد احادیث کریمہ میں اسے بیان فرمایا ہے تا کہ اس مسلمان خاتون کو جب بھی کوئی فرصت میسر آئے وہ اس کی تلاوت کی حریص بن جائے بلکہ وہ اپنے دنوں کی روشنی اور اپنی راتوں کی تاریکی کو اس کی تلاوت، ترتیل اور تدبر معانی سے معمور ہی رکھے۔

رسول کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

((مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي يَقْرَءُ الْقُرْآنَ مَثَلُ الْأُتْرُجَّةِ، رِيْحُهَا طَيِّبٌ وَّطَعْمُهَا طَيِّبٌ، وَمَثَلُ الْمُؤْمِنُ الَّذِي لَا يَقْرَءُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ التَّمْرَةِ، لَا رِيْحَ لَهَا وَطَعْمُهَا حُلْوٌ، وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي يَقْرَءُ الْقُرْآنَ مَثَلُ الرَّيْحَانَةِ، رِيْحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ، وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي لَا يَقْرَءُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ لَيْسَ لَهَا رِيْحٌ وَّطَعْمُهَا مُرٌّ))[1]

''اس مومن کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے مالٹے کی مثال ہے، جس کی خوشبو اچھی ہے اور اس کا ذائقہ بھی اچھا ہے، اور اس مومن کی مثال جو قرآن کی تلاوت نہیں کرتا کھجور کی مثال ہے جس کی خوشبو تو نہیں ہوتی مگر اس کا ذائقہ شیریں ہوتا ہے۔ اور اس منافق کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے کلی کی مثال ہے جس کی خوشبو تو اچھی ہے لیکن اس کا ذائقہ تلخ ہے اور اس منافق کی مثال جو قرآن کی تلاوت نہیں کرتا تمہ کی مثل ہے جس میں خوشبو بھی نہیں ہوتی اور اس کا ذائقہ بھی نہایت تلخ ہوتا ہے۔''

---

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب فضل القرآن علی سائر الکلام، حدیث: ۵۰۲۰۔ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب فضیلة حافظ القرآن، ح: ۷۹۷۔

اور رسول اکرم ﷺ یہ بھی فرماتے ہیں:

((اِقْرَأُوا الْقُرْآنَ، فَإِنَّهُ يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفِيعًا لِأَصْحَابِهِ)) ①

''تم قرآن کی تلاوت کیا کرو، کیونکہ یہ روز قیامت اپنے پڑھنے والوں کا سفارشی بن کر آئے گا۔''

نبی کریم ﷺ مزید یوں ارشاد فرماتے ہیں:

((اَلَّذِي يَقْرَءُ الْقُرْآنَ وَهُوَ مَاهِرٌ بِهِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ وَالَّذِي يَقْرَءُ الْقُرْآنَ وَيَتَتَعْتَعُ فِيهِ وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ، لَهُ أَجْرَانِ)) ②

''جو شخص قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے جب کہ وہ اس میں مہارت بھی رکھنے والا ہے، وہ نیکو کار معزز لکھنے والوں یعنی فرشتوں کے ساتھ ہوگا، اور جو شخص قرآن کریم پڑھتا ہے جب کہ وہ اس میں اٹکتا بھی ہے یعنی قرآن پڑھنا اس کے لیے قدرے محنت طلب ہے تو اس کے لیے دوہرا اجر وثواب ہوگا۔''

تو کیا ایک بیدار مغز سمجھدار پرہیزگار مسلمان خاتون ان باتوں کے جاننے کے بعد بھی تلاوتِ قرآن مجید سے سستی وغفلت برتے گی خواہ اس پر مصروفیات کا ہجوم بھی سوار ہو، خواہ اس کے ناتواں کندھوں پر اس وقت زوجیت اور گھر کا بارگراں بھی ہو؟

اور کیا وہ تلاوت قرآن کریم کی جانب توجہ مبذول کرنے اور اس کی معطر ربانی فضاؤں میں زندگی گزارنے پر کوئی عذر معقول پیش کرسکتی ہے کہ جس کے باعث اس کا نفس ان دائمی نعمتوں اور اس انتہائی عظیم اجر وثواب سے محروم ہو جائے جن کا اللہ تعالیٰ نے اس کی تلاوت کرنے والے کے لیے اہتمام فرمایا ہوا ہے؟

تو یہ رہی ایک مسلمان خاتون کی تعلق داری اپنے رب کریم کے ساتھ یعنی اللہ تعالیٰ پر گہرا ایمان، اس کی قضاء وقدر پر سر تسلیم خم، اس کی عبادت گزاری پر قلب صادق سے توجہ، اس کے اوامر واحکام کی مطلق بجا آوری، اس کی نواہی سے مکمل اجتناب، اللہ تعالیٰ کی خاطر معنی عبودیت

---

❶ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب فضل قراءۃ القرآن، حدیث: ۸۰٤۔

❷ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ عبس، حدیث: ٤۹۳۷۔ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب فضل الماهر بالقرآن، حدیث: ۷۹۸۔

کے اعتبار سے اپنی مکمل اطاعت گزاری' اس کے دین کی نصرت وحمایت کرنا اور اس کے کلمہ کو ثابت و مستحکم کرنا اور اپنی مسلمان شخصیت سے سربلند ہونا جو اس کی قوت ایمان اور اس کے ایمان کی صفائی سے موجزن ہو اور اس زندگی میں انسانی وجود کی آمد کے اصل مقصد کو باحسن طریق سمجھنا جسے اللہ تعالیٰ نے بایں الفاظ بیان کیا ہے:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴾ (الذاریت: ٥١/٥٦)

''میں نے جنات اور انسانوں کو محض اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں۔''

مثالی مسلمان عورت کا تعلق

اپنی ذات کے ساتھ

بلاشبہ اسلام نے مسلمانوں کو اس بات پر ابھارا ہے کہ وہ لوگوں میں ممتاز اور نمایاں بن کر رہیں' وہ اپنے ملبوسات' اپنے تصرفات' اپنی ہیئات اور اپنے اعمال میں امتیازی حیثیت میں رہیں، تاکہ وہ باقی لوگوں کے لیے بہترین نمونہ بن سکیں جو انہیں لوگوں کی خاطر اپنے عظیم ترین پیغام کو احسن انداز میں اٹھانے کے لائق بنا دے' صحابی جلیل سیدنا ابن حنظلیہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس وقت ارشاد فرمایا تھا جب وہ اپنے بھائیوں کی طرف سے واپس آ رہے تھے:

((اِنَّكُمْ قَادِمُوْنَ عَلٰى اِخْوَانِكُمْ فَاَصْلِحُوْا رِحَالَكُمْ وَاَحْسِنُوْا لِبَاسَكُمْ، حَتّٰى تَكُوْنُوْا كَاَنَّكُمْ شَامَةٌ فِي النَّاسِ، فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفُحْشَ وَلَا

التَّفَحُّشَ))[1]

''تم اپنے بھائیوں کے پاس جانے والے ہو' لہذا اپنی اپنی زین کو درست کرلو اور اپنے لباس کو اچھا بنالو' تا کہ تم لوگوں میں سب سے نمایاں اور ممتاز نظر آ ؤ' کیونکہ اللہ تعالیٰ فحش کو پسند کرتا ہے اور نہ ہی بدسلیقگی کو۔''

مذکورہ حدیث پاک میں ''رحالکم'' سے مراد وہ کجاوے اور زین ہیں جو اونٹوں کی پشتوں پر سواری کرنے کے وقت رکھے جاتے ہیں۔ اور ''فحش اور بدسلیقگی'' سے مراد ہر وہ حالت ہے جس کی برائی اور قباحت شدید ہو۔ رسول اکرم ﷺ نے ابتر حالت کو' پریشان کن کیفیت کو' ظاہری حالت سے بے پروائی اور بے اعتنائی برتنے کو اور لباس و دیگر ضروری ساز و سامان میں بے توجہی برتنے کو فحش اور بدسلیقگی میں شمار فرمایا ہے' اور یہ ان امور میں سے ہے جن کو اسلام نے ناپسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھا ہے اور جس سے منع فرمایا ہے۔

جب اسلام نے عمومی طور پر سب اہل اسلام کو لوگوں میں نمایاں رہنے کی ترغیب دی ہے تو بلاشبہ اس نے خصوصی طور پر مسلمان خاتون کو اپنی شکل و صورت اور اپنی ظاہری ہیئت میں نمایاں' ممتاز اور واضح تر رہنے کی ترغیب دی ہوئی ہے کیونکہ یہ بات اس کی اپنی زندگی پر' اس کے خاوند کی زندگی پر' اس کے گھر پر اور اس کی اولاد کی تربیت پر اثر انداز ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ خاتون اپنے نفس سے بے اعتنائی نہیں برتتی اور گھریلو کام کاج کی بھرمار اور بچوں کی ماں ہونے کے باوجود اپنے ظاہری حسن اور صفائی سے غافل بھی نہیں ہوتی بلکہ وہ تو اس بات کی حریص رہتی ہے کہ وہ کسی اسراف اور مبالغے کے بغیر اپنی ظاہری حالت و ہیئت کو خوش منظر ہی رکھے۔ خاتون کا اپنی ظاہری حالت کا خیال رکھنا اس کی خود شناسی اور اپنی زندگی میں اہم امور کے متعلق خوش ذوقی کی دلیل فراہم کرتا ہے کیونکہ ایک عقل مند خاتون کی ظاہری شخصیت کو اس کی داخلی شخصیت سے الگ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ شخصیت کا ظاہر ہی اپنے باطن کا غماز ہوتا ہے۔

اور ظاہراً خوبصورت' صاف ستھری اور باسلیقہ شکل و صورت ہی عمدہ اور قابل قدر خیالات کو سمونے کی زیادہ حقدار ہے اور انہی دونوں اعلیٰ صفات کے مجموعے سے ہی ایک سمجھدار مسلمان

---

[1] أبو داؤد، كتاب اللباس، باب ما جاء في اسبال الازار' حديث: ٤٠٨٩۔

خاتون کی شخصیت معرض وجود میں آتی ہے۔

لہٰذا ایک ذہین فطین ہوشمند مسلمان خاتون وہی قرار پائے گی جو اپنے ظاہر اور باطن میں توازن برقرار رکھے گی اور جو اس حقیقت کا ادراک کرے گی کہ وہ جسم، عقل اور روح سے مرکب ہے پھر وہ ہر ایک کو اس کا حق بھی ادا کرتی ہو، مذکورہ تینوں جہتوں میں سے کسی جہت کو زیادہ اہمیت نہ دیتی ہو بلکہ اس توازن کو برقرار رکھنے میں اس اسلام دین حنیف کی ہدایات پر کاربند رہتی ہو جس نے اس توازن کی ترغیب دی ہے اور اس کو اپنانے پر اپنے نام لیواؤں کو ابھارا ہے۔

تو آیئے دیکھیں ایک مسلمان خاتون اپنے جسم، اپنی عقل اور اپنی روح کے درمیان اس توازن کو کس طرح برقرار رکھ سکتی ہے؟

(الف) اس کا جسم

وہ اپنے خورد ونوش میں اعتدال پسند ہوتی ہے:

عورت اس بات کی انتہائی خواہشمند ہوتی ہے کہ وہ تندرست بدن، مضبوط ڈھانچے اور چست و چالاک جسم کی مالک ہو، جو ڈھیلے گوشت اور بھاری بھرکم وجود والی نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ وہ کھانے کی طرف ندیدی ہو کر، انتہائی للچائی ہوئی نظروں سے اور اسراف کے ساتھ نہیں لپکتی، بلکہ وہ صرف اتنی مقدار پر بھی قناعت کر لیتی ہے جو اس کی کمر کو سیدھا رکھ سکے یعنی قوت لا یموت کے معنوں کو پیش نظر رکھتی ہے، وہ اپنی صحت، اپنی چستی، اپنی قوت اور جسمانی لیاقت کا انتہائی زیادہ خیال رکھتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان گرامی کو اپنے مدنگاہ رکھتی ہے جو اس نے اپنی کتاب محکم میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ﴾

(الأعراف: ٧/ ٣١)

''اور خوب کھاؤ اور پیو اور حد سے مت نکلو۔ بیشک اللہ حد سے نکل جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

اور اس کے ساتھ ساتھ وہ خورد ونوش میں اعتدال کی راہ اختیار کیے رکھنے میں رسول اکرم ﷺ کے اس فرمان گرامی اور آپ کی سیرت کو پیش نظر رکھتی ہے:

''آدمی نے اپنے شکم سے بڑھ کر کوئی برا برتن نہیں بھرا' اگر تو وہ لامحالہ ہی ایسا کرنے والا ہے تو پھر ایک تہائی اپنے طعام کے لیے اور ایک تہائی اپنے پینے کے لیے رکھ لے اور ایک تہائی اپنے سانس کے لیے چھوڑ لے۔''[1]

اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فرمان گرامی سے راہنمائی لیتی ہے:

''تم بالخصوص خوردونوش میں بسیار خوری سے بچے رہو' کیونکہ یہ جسم کو خراب کرنے والی' بیماریوں کو جنم دینے والی اور نماز سے کاہل بنانے والی چیز ہے اور تم ان دونوں کاموں میں اعتدال کی راہ اختیار کرو، بلاشبہ یہ جسم کو درست وصحت مند رکھنے والی اور فضول خرچی سے انتہائی بعید رکھنے والی عادت ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ بھی بھاری بھرکم تن آسان کو ناپسند رکھتے ہیں اور یقیناً آدمی اس وقت تک ہلاک نہیں ہوتا جب تک وہ اپنی خواہشات کو اپنے دین پر ترجیح نہ دے لے۔''[2]

اس امر میں بھی کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ مسلمان خاتون منشیات اور بیدار رکھنے والی اشیاء کو استعمال کرنے سے مکمل طور پر دور رہتی ہے بالخصوص ان میں سے محرمات سے تو مکمل اجتناب کرتی ہے، اس طرح ان آفتوں سے بھی دور ہی رہتی ہے جن میں وہ عورتیں دنیا کے اکثر و بیشتر ممالک میں پڑی ہوئی ہیں، جو اللہ تعالیٰ اور رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت سے سرکشی اختیار کیے ہوئے ہیں اور مسلمان خاتون اسلامی معاشرے اور مسلمان ممالک میں گھس آنے والی بری عادات سے بھی مثلاً رات کو تادیر جاگتے رہنا' بے مقصد کھیل تماشوں میں وقت گزارنا اور وقت کو ضائع کرنا وغیرہ سے بھی کنارہ کش ہی رہتی ہے' بلکہ وہ تو جلد سوتی اور جلد بیدار ہوتی ہے تاکہ دن بھر اس کی چستی برقرار رہے اور وہ اپنے گھریلو کام کاج کو اور اپنی ذمہ داریوں کو پوری تندہی' گرمجوشی اور دل کی خوشی سے سرانجام دیتی رہے' راتوں کو تادیر جاگتے رہنا اس کے شعلہ نشاط کو

---

1. مسند أحمد: ۱۳۲/۴ والترمذی، کتاب الزهد: باب ما جاء فی کراهية كثرة الاكل، حدیث: ۲۳۸۰۔
2. کنز العمال: ۴۳۳/۱۵ مزید جسم' عقل اور روح پر بسیار خوری اور شکم سیری کے نقصانات کے ضمن میں ڈاکٹر طبیب محمد ناظم نسیمی کے قیمتی مقالات کو مجلّہ ''حضارۃ الاسلام'' شمارہ نمبر ۶'۵ جلد نمبر ۱۵ میں ملاحظہ فرمائیں۔

درہم نہیں کرتا اور نہ ہی کوئی بری عادت اس کے قوائے جسمانی کو ناتوان وضعیف ہی بناتی ہے بلکہ وہ تو ہمیشہ چاق و چوبند' سرگرم اور امور کو بروقت ادا کرنے والی رہتی ہے' امور خانہ داری اسے تھکاتے نہیں ہیں' کیونکہ اس نے اپنے نفس وجسم کو صحت منداور طبعی نظام کا پابند بنا رکھا ہے اور وہ اپنے جسم و بدن کو ہمیشہ قوت ونشاط کا خوگر رکھتی ہے۔

اور وہ اس حقیقت کا ادراک بھی رکھتی ہے کہ قوی اور طاقتور مومن اللہ تعالیٰ کو کمزور وضعیف مومن سے زیادہ محبوب ہے جیسے کہ سیرت رسول ﷺ میں یہ بات موجود ہے' اسی لیے وہ ہمیشہ اپنے جسم کی قوت و طاقت کو بحال و برقرار رکھنے کے لیے اپنی زندگی میں صحت مندانہ اور فطری قانون کو اپنائے رکھتی ہے۔

جسمانی ورزش کا مسلسل اہتمام کرتی ہے:

باہوش مسلمان خاتون کے دل و دماغ سے یہ امر بھی مخفی نہیں رہتا کہ اس کی مکمل نگہداشت صرف اس کی جسمانی لیاقت اور بدنی پھرتی کے ساتھ ہے اور اس کا اپنی عمومی صحت کا خیال رکھنا ان امور میں سے ہے جن پر اسلام نے انتہائی زیادہ رغبت دلائی ہے' وہ صرف صحت مندانہ اور فطری قانون کو اپنانے پر ہی اکتفاء نہیں کرتی جن کی طرف ابھی میں نے سطور بالا میں اشارہ کیا ہے بلکہ وہ اپنے بدن' اپنے وزن' اپنی عمر اور اپنے معاشرتی ماحول کی مناسبت سے جسمانی ورزش کا بھی مسلسل اہتمام کرتی رہتی ہے جو کہ محدود اوقات میں اور مقررہ مقامات میں کرتی ہے' ان سے پیچھے نہیں رہتی تاکہ ایسی بدنی ریاضتیں اس کے جسم کو خوش نمائی' لچکداری اور حسن و جمال میں بڑھوتری ودیعت کریں اور اس کے بدن کو بیماریوں کے مقابلے میں قوت مدافعت عطا کریں مزید اسے ذمہ داریوں کو ادا کرنے میں بھرپور قدرت دے دیں اور زندگی کے مشن کو ادا کرنے کے لیے بہترین صلاحیت پیدا کریں۔ یہ جسمانی ورزشیں اور بدنی ریاضتیں تمام عورتوں کے لیے مفید اور یکساں ہیں خواہ وہ بیوی ہے یا ماں' چھوٹی بچی ہے یا بڑی عمر والی خاتون جس نے اپنی عمر کی بیشتر بہاریں دیکھ لی ہوں۔

وہ جسم اور کپڑے صاف رکھتی ہے:

سمجھ دار اور اپنے دین کی ہدایات پر غور وفکر کرنے والی مسلمان خاتون اپنے جسم اور کپڑوں کو بھی صاف ستھرا رکھتی ہے، قریب قریب وقفوں سے غسل کرتی رہتی اور اپنے بدن ولباس کی نظافت وستھرائی کا انتہائی زیادہ خیال رکھتی ہے۔ وہ اس سلسلے میں نبوی ہدایات پر کاربند رہتی ہے جو غسل کرنے اور خوشبو لگانے پر، بالخصوص جمعۃ المبارک کے دن، رغبت دلا رہی ہیں:

«اِغْسِلُوا يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَاغْسِلُوا رُؤُسَكُمْ، وَإِنْ لَّمْ تَكُونُوا جُنُبًا، وَأَصِيبُوا مِنَ الطِّيبِ» [1]

''جمعہ کے دن غسل کرو، اپنے سروں کو دھوؤ اگرچہ تم حالت جنابت میں نہ بھی ہو اور خوشبو بھی لگایا کرو۔''

دوسری حدیث مبارکہ میں ہے:

«مَنْ أَتَى الْجُمُعَةَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ فَلْيَغْتَسِلْ» [2]

''مردوں اور عورتوں میں سے جو نمازِ جمعہ کیلئے آئے اسے چاہیے کہ غسل کرکے آئے۔''

رسول اللہ ﷺ نے غسل کے ذریعے حصولِ نظافت پر اس قدر زیادہ ترغیب دلائی ہے کہ بعض ائمہ اس کے پیشِ نظر نمازِ جمعہ کے لیے غسل کرنے کو واجب خیال کرتے ہیں۔

سیدنا ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«حَقٌّ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ أَنْ يَغْتَسِلَ فِي كُلِّ سَبْعَةِ أَيَّامٍ يَوْمًا، يَغْسِلُ فِيهِ رَأْسَهُ وَجَسَدَهُ» [1]

---

1. صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب الدهن للجمعة، حديث: ٨٨٤۔
2. یہ حدیث ابوعوانہ، ابن خزیمہ (۱۷۵۲) اور ابن حبان (۱۲۲۳) نے اپنی اپنی صحیح میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کی ہے۔ (والنساء) کا اضافہ ثابت نہیں دیکھیے سلسلہ الضعیفۃ (۳۹۵۸) مزید دیکھئے: البخاری، كتاب الجمعة، باب فضل الغسل يوم الجمعة، حديث: ٨٧٧۔

’’ہر مسلمان پر لازم و واجب ہے کہ وہ سات دنوں میں ایک دن ضرور غسل کرے جس میں وہ اپنے سر اور بدن کو دھوئے۔‘‘

مذکورہ بالا حکم اس لیے ہے کہ نظافت و صفائی انسان کی لازمی صفات میں سے ہے، خاص طور پر عورت کے لیے تو انتہائی لازمی ہے کیونکہ یہ اس کی صحت مند، ذہین اور دل پسند شخصیت پر سب سے زیادہ دلالت کرتی ہے، اس عمل کے ذریعے سے وہ صرف اپنے شریک حیات ہی کی محبوب نہیں بنے گی بلکہ اپنی جان پہچان والی خواتین اور اپنے رشتہ دار محرم مردوں کے ہاں بھی پیاری بن جائے گی۔

امام احمد، ابوداود اور نسائی نے صحیح سند کے ساتھ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے، ان کے بقول رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ملنے کے لیے تشریف لائے تو آپ نے ایک شخص کو میلے کچیلے کپڑوں میں دیکھا تو آپ نے دریافت کیا: ’’کیا اس کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے یہ اپنے کپڑوں کو دھو لے؟‘‘

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو انتہائی ناپسند فرماتے تھے کہ کوئی شخص میلے کچیلے کپڑوں میں، جب کہ وہ انہیں دھونے اور صاف کرنے پر بھی قادر ہو، کسی مجمع میں آئے۔ اس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احساسات کا پتا چل رہا ہے کہ آپ مسلمان کے متعلق یہ چاہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ صاف ستھرے کپڑوں میں رہے، اس طرح خوبصورت وضع قطع اور پسندیدہ حالت میں رہے۔

تو جب مردوں کے لیے نبوی ہدایت اس قدر ہے تو یہ عورتوں کے اعتبار سے کس قدر لائق توجہ ہوگی کیونکہ ان سے نظافت و صفائی کی زیادہ توقع ہوتی ہے، وہ تو انس و محبت کی آماجگاہ اور بہجت و لطف اندوزی کا مصدر اور گھر کا سکون ہوتی ہیں۔ اس امر میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ عورت کا نظافت کے متعلق گہرا احساس، اس کے گھر، خاوند اور بچوں پر گہرے اثرات ڈالتا ہے۔ اس کی صفائی ستھرائی کے باعث سبھی گھر والے صاف ستھرے، باسلیقہ، خوبصورت نظر آئیں گے، جن کے کپڑوں پر خوشبو لگی ہوگی اور جن کے پاکیزہ اور صاف ستھرے بدنوں سے عطر کی بھینی

❶ البخاري، كتاب الجمعة، باب هل على من لم يشهد الجمعة غسل ...... الخ، ح: ٨٩٧ـ و مسلم، كتاب الجمعة، باب الطيب والسواك يوم الجمعة، حديث: ٨٤٩ـ

بھینی خوشبوئیں اُٹھ رہی ہوں گی۔

جو چیز محققین کی نگاہوں کو اپنی طرف التفات کے لیے اور ان کی عقل و دانش کو دنگ کرتے ہوئے اپنی طرف متوجہ کر رہی ہے، خواہ وہ کسی بھی زمان و مکان سے تعلق رکھتے ہوں، وہ یہ کہ آج سے پندرہ صدیاں قبل ہدایات نبوی ﷺ نے نظافت اور غسل کرنے کی اہمیت پر جو زور دیا ہے یہ تب کی بات ہے جب دنیا غسل کرنے اور حفظانِ صحت کے اُصولوں سے بالکل ناآشنا تھی ، بلکہ غیر مسلم دنیا تو ایک ہزار سال کے بعد بھی نظافت کی اس سطح تک نہیں پہنچ سکی جہاں مسلمان دور نبوت کے زمانے سے پہنچ چکے تھے۔

ترکی کی ایک ریسرچ آفیسر ''سامحہ آی ویردی'' اپنی کتاب ''غلامی سے سیادت تک'' میں رقم طراز ہیں:

''ہمیں اس بات کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے کہ ہم یورپ کی تہذیبی سطح سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے صلیبی جنگوں کے ایام تک واپس جائیں، ہمیں تو چند صدیاں قبل ، خلافت عثمانیہ کے دور تک پیچھے جانے اور اہل یورپ کی تہذیب سے ان کا موازنہ کر لینا ہی کافی ہوگا ،تو ہمیں پتا چل جائے گا کہ دولت عثمانیہ میں مسلمانوں کی تہذیبی برتری کیسی تھی۔

''۱۶۲۴ء میں شہزادہ برانڈ بو (Brande Boug) نے ایک ولیمے کے دعوت نامے میں شرفاء اور عمائد سلطنت کو یہ تحریر کیا تھا: ''مہمانانِ گرامی سے اُمید کی جاتی ہے کہ وہ کھانے کی رکابیوں میں کہنیوں تک اپنے ہاتھوں کو داخل نہ کریں گے، کھانے پینے کی اشیاء کو اپنے پیچھے نہ پھینکیں گے ، اپنی انگلیوں کو چاٹیں گے، پلیٹوں میں نہ تھوکیں گے اور دستر خوانوں کے کناروں سے اپنی ناک صاف نہ کریں گے۔''

مؤلفہ مزید کہتی ہیں :

''مندرجہ بالا عبارات اہل یورپ کی تہذیبی ،تمدنی اور اخلاقی حالت کی سطح کو بڑے واضح انداز سے بیان کر رہی ہیں۔ٹھیک اسی زمانے میں ، یورپ کے دیگر علاقوں میں بھی صورتِ حال اس سے زیادہ مختلف نہ تھی۔ انگلستان کے بادشاہ ''جاک اوّل'' کے

شاہی محلات میں رہائش پذیر بادشاہ، اس کے امراء، اور اس کے شہزادوں شہزادیوں کے ملبوسات سے انتہائی ناپسندیدہ بو اٹھتی تھی حالانکہ انھوں نے انتہائی قیمتی ریشمی فرانسیسی ملبوسات زیب تن کیے ہوئے تھے۔ یہ تھی یورپ کی حالت زار، جب کہ دوسری طرف استنبول کے دار الخلافہ میں یہ طریقہ متداول تھا کہ یورپی سفیروں اور دیگر معتمدین کو خلافت عثمانیہ کے سلطان سے ملاقات کرنے سے قبل غسل خانے بھیجا جاتا تھا۔''

تقریباً ۱۷۳۰ء میں سلطان احمد ثالث کے دور میں، جب سلطنت عثمانیہ عسکری اور سیاسی اعتبار سے زوال پذیر تھی، انگریزی سفیر کی بیوی ''لیڈی موتیغو'' (Montague) نے بہت سے خطوط لکھے، جو بعد میں شائع ہوئے تھے، ان میں وہ مسلمانوں کی صفائی ستھرائی، ان کے حسن ادب اور ان کی اخلاقی برتری سے پردے اٹھاتی ہے، اپنی یادوں کے حوالے سے ایک جگہ یوں رقم طراز ہے:

''شہزادی حفیظہ نے اسے ایک ایسا دلکش اور خوب صورت تولیہ ہدیہ میں بھیجا جس میں ہاتھوں سے کشیدہ کاری اور زری کا کام کیا گیا تھا کہ وہ اسے اتنا محبوب اور دلکش لگتا تھا کہ اس سے منہ خشک کرنے کو جی نہ چاہتا تھا۔ اہل یورپ کو حیرت میں ڈالنے والی چیزوں اور کاموں میں سے یہ باتیں بھی تھیں کہ وہ مسلمانوں کو کھانے کے لیے دستر خوان پر بیٹھنے سے قبل اور کھانے کے بعد ہاتھوں کو دھوتے ہوئے دیکھا کرتے تھے۔ آدمی کو اتنا پڑھ لینا ہی کافی ہے جو ایک مشہور انگریزی نرس فلورنس نیتنغل (Florance Nightingale) نے انیسویں صدی کے وسط میں انگلینڈ کے ہسپتالوں کی اخلاقی گراوٹ، بے توجہی، خستہ حالی اور صفائی کے فقدان کی وجہ سے گندگی کے ڈھیروں کے متعلق لکھا ہے، ہسپتال کے وارڈوں کی بابت لکھتے ہوئے کہتی ہے کہ ان میں سینکڑوں مریض ایسے ہوتے تھے جن کا پرسان حال کوئی نہ ہوتا تھا اور وہ بستروں پر قضائے حاجت کیا کرتے تھے۔''[1]

[1] سامحہ آی ویردی کی تالیف ''غلامی سے سیادت تک'' صفحہ ۲۸ وما بعد۔

اسلام کی ہمہ گیر ربانی تہذیب کے درمیان اور انسانوں کی محدود و قاصر تہذیبوں کے درمیان کتنا بڑا فرق ہے!

ببین تفاوت راہ از کجا است تا بکجا

وہ اپنے منہ اور دانتوں کی صفائی کا بھی خیال رکھتی ہے:

ذہین مسلمان عورت اپنے منہ کا بھی خیال رکھتی ہے۔ اس کے منہ سے کسی کو بھی بدبو نہیں آتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہر کھانے کے بعد مسواک، ٹوتھ برش، مطہرات اور منظفات میں سے کسی نہ کسی چیز کے ساتھ اپنے دانتوں کو صاف کرتی ہے۔ وہ اپنے دانتوں کو چیک کرواتی ہے اور سال میں کم از کم ایک بار تو ضرور کسی ڈینٹل ڈاکٹر سے اپنے دانتوں کا معائنہ کرواتی ہے، خواہ اسے کوئی درد وغیرہ بھی نہ ہو، وہ یہ کام اس لیے کرواتی ہے تاکہ اپنے دانتوں کی صحت، نظافت اور ان کی چمک دمک کو قائم رکھ سکے بلکہ وہ تو کان، ناک اور گلے کے اسپیشلسٹ ڈاکٹر سے بھی بوقت ضرورت مشورہ کرتی رہتی ہے، تاکہ اس کی سانسوں کی آمدورفت بھی پاکیزہ اور معطر رہے۔ اس میں بھی کوئی شک وشبہ والی بات نہیں ہے کہ ایسا کرنا ایک عورت کے لئے انتہائی لائق، زیادہ مناسب اور حسن و جمال کو دوبالا کرنے والا عمل ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے دانتوں کا انتہائی زیادہ خیال رکھا کرتی تھیں، مسواک کے ذریعے انہیں صاف اور چمک دار بنانے میں کوتاہی نہ کرتی تھیں۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس سلسلے میں بہت سی روایات وارد ہیں۔ صحیح بخاری میں مجاہد عن عروہ رضی اللہ عنہ ایک روایت ان الفاظ میں ہے:

''ہم نے حجرے میں امّ المومنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے مسواک کرنے کی آواز سنی۔'' ①

صحیح مسلم میں عطاء عن عروہ رضی اللہ عنہ ایک روایت یوں ہے:

''ہم آپ رضی اللہ عنہا کے مسواک کرنے کی آوازیں سنتے تھے.....'' ②

---

❶ صحیح البخاري، کتاب العمرة، باب کم اعتمر النبي ﷺ، حدیث: ۱۷۷٦۔ وصحیح مسلم، کتاب الحج، باب بیان عدد عمر النبي ﷺ وزمانهن، حدیث: ۱۲۵۵۔

❷ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب بیان عدد عمر النبي ﷺ وزمانهن، حدیث: ۱۲۵۵۔

اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بذات خود بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی دن یا رات کو سو کر اٹھتے تو وضو کرنے سے قبل مسواک ضرور فرماتے تھے۔ [1]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے دہن مبارک کی صفائی اور نظافت کا اس قدر اہتمام کیا کرتے تھے کہ آپ یوں فرماتے ہیں:

«لَوْ لَا أَنْ أَشُقَّ عَلٰى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ» [2]

''اگر میں اپنی امت پر یہ بات گراں نہ سمجھتا تو انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا ضرور حکم دیتا۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لانے کے بعد سب سے پہلا کام کون سا کیا کرتے تھے تو مؤمنین کی ماں نے جواب دیا تھا: ''مسواک۔'' [3]

یہ بات انتہائی تعجب انگیز ہے کہ ہم بعض مسلمان خواتین کو ان پہلوؤں میں سستی اور غفلت کا شکار دیکھتے ہیں، حالانکہ یہ پہلو مسلمان عورت کی شخصیت کے لازمی امور میں سے ہیں علاوہ ازیں یہ امور تو اسلام کی عقلمندی اور پختگی میں سے ہیں۔

بلاشبہ یہ پہلو عورت کی نرم، انس رکھنے والی، پیار کرنے والی اور نسوانی حسن و جمال والی شخصیت کے لوازمات میں سے ہیں۔ بلکہ یہ تو اسلام کی عقلمندی پختگی اور اس کا جوہر ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد نصوص میں نظافت اختیار کرنے کی ترغیب دی ہے اور اذیت ناک بدبو اور میلی کچیلی گندی ہیئت بنانے اور رکھنے سے نفرت دلائی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«مَنْ أَكَلَ الْبَصَلَ وَالثُّوْمَ وَالْكُرَّاثَ فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا، فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَتَأَذّٰى مِمَّا يَتَأَذّٰى مِنْهُ بَنُو آدَمَ» [4]

---

1. حديث حسن، رواه أحمد ٦/١٦٠، حديث: ٢٥٧٨٧، وأبوداود، كتاب الطهارة، باب السواك، حديث: ٤٧۔
2. صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب السواك يوم الجمعة، حديث: ٨٨٧۔ وصحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب السواك، حديث: ٢٥٢۔
3. صحيح مسلم، حواله مذكوره، حديث: ٢٥٣۔
4. مسلم، كتاب المساجد، باب نهي من اكل الثوم أو بصلا أو كراث ...... الخ، ح: (٧٤) ٥٦٤۔

''جس نے پیاز، لہسن اور گندنا (ایک پودا) کھایا ہو وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے کیونکہ فرشتے بھی اس چیز سے اذیت پاتے ہیں جس سے بنو آدم اذیت پاتے ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو، جس نے کوئی بو والی چیز کھائی ہو یا کراہت والی چیز استعمال کی ہو، مسجد کے قریب آنے سے منع فرمایا ہے، تاکہ فرشتے اور نمازی حضرات اس کی سانس کی آمدورفت کے ساتھ پھیلنے والی بو سے اذیت نہ پائیں اور یہ بات بالکل درست ہے کہ پیاز اور لہسن وغیرہ کی بو نفس پر اتنی ناگوار نہیں ہوتی جتنی گندے کپڑوں آلودہ جرابوں، بدبو دار بدنوں اور گندے مونہوں سے آتی ہے۔ جو نظافت کا خیال نہ رکھنے والے بعض لوگوں سے اٹھتی رہتی ہے جس سے لوگ اپنی مختلف مجالس میں اذیت پاتے ہیں۔

وہ اپنے بالوں کو سنوار کر رکھتی ہے:

رسول عظیم ﷺ کی ہدایت و رہنمائی میں سے یہ امر بھی ہے کہ آپ نے بالوں کی نگہداشت، صلاح اور ان کی آرائش کا شرعی حدود کی پاسداری کرتے ہوئے خیال رکھنے کا حکم دیا ہے اور یہ بات اس حدیث مبارکہ میں ہے جسے امام ابوداؤد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

«مَنْ كَانَ لَهُ شَعْرٌ فَلْيُكْرِمْهُ» [1]

''جس کے بال ہوں اسے چاہیے کہ ان کا اکرام کرے'' یعنی ان کی مناسب دیکھ بھال کرے۔

ذوق اسلامی میں، بالوں کا اکرام کرنے سے مراد ان کی نظافت رکھنے، انہیں کنگھی کرنے، خوشبو لگانے، ان کی ظاہری شکل وصورت کو خوشنما بنائے رکھنے سے عبارت ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے اس بات کو ناپسند فرمایا ہے کہ کوئی انسان اپنے بالوں کو بغیر سنوارے، بغیر کنگھی کیے پراگندہ اور بکھری حالت میں چھوڑے رکھے کہ وہ اس طرح نظر آئے جیسے کوئی خوف ناک دیو ہوتا ہے بلکہ نبی اکرم ﷺ نے تو اسے قبیح منظر کی وجہ سے شیطان سے تشبیہ دی ہے

[1] سنن أبي داؤد، كتاب الترجل، باب في إصلاح الشعر، حديث: ٤١٦٣ـ وإسناده حسن۔

اور یہ بات اس حدیث میں موجود ہے جسے امام مالک رحمہ اللہ نے، عطاء بن یسار سے اپنی مؤطا میں روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں موجود تھے کہ ایک ایسا آدمی داخل ہوا جس کے سر اور ڈاڑھی کے بال پراگندہ اور بکھرے ہوئے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے سمجھایا کہ وہ اپنے سر اور ڈاڑھی کے بالوں کی اصلاح کرے، وہ آدمی ایسا کرنے کے بعد واپس آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اَلَیْسَ هٰذَا خَیْرًا مِنْ یَأْتِیَ أَحَدُکُمْ ثَائِرَ الرَّأْسِ کَأَنَّهُ شَیْطَانٌ؟!))[1]

''کیا یہ بات اس سے بہترین نہیں ہے کہ تم میں سے کوئی پراگندہ سر کے ساتھ آئے گویا کہ وہ شیطان ہے؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بکھرے بالوں والے آدمی کو شیطان سے تشبیہ دینے سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام نے ظاہری ہیئت، حسن منظر اور تزئین و آرائش کا کس قدر خیال کیا ہے اور قبیح منظر بنانے اور اپنی ذات سے بے اعتنائی برتنے پر کس درجہ حرف گیری کی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انسان کی شکل وصورت میں ان جمالیاتی پہلوؤں کی ہمیشہ دیکھ بھال کیا کرتے تھے جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی آدمی کو پراگندہ حالت میں، بکھرے بالوں اور اپنی خوبصورتی میں بے اعتنائی کی حالت میں دیکھتے تو اسے غفلت برتنے، کوتاہی کا مرتکب ہونے اور اپنی خوبصورتی کو پراگندہ رکھنے پر تنبیہ فرمایا کرتے۔

امام احمد اور امام نسائی رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے، فرماتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ملنے کے لیے تشریف لائے، آپ نے ایک پراگندہ حالت والے آدمی کو دیکھا جس کے بال ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا اس کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے یہ اپنے سر کو درست کر لیتا؟!''[2]

تو جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مردوں کے لیے ایسی ہدایات ہیں تو پھر خواتین کے لیے آپ کی ہدایات کیسی ہوں گی؟ اور وہ تو جیسا کہ اشارہ گزر چکا ہے، زیبائش، زینت اور جمال کا

---

1. الموطأ ٢/٩٤٩، کتاب الشعر: باب إصلاح الشعر۔
2. حدیث صحیح رواه أحمد ٣/٣٥٧، حدیث: ١٤٩١١۔ والنسائي، کتاب الزینة، باب تسکین الشعر، حدیث: ٥٢٣٨۔

پیکر ہیں جن سے ان کے شوہر دلی سکون پاتے ہیں، جن کی صحبت سے وہ زندگی کی مسرت، سرور، انس اور لطف اندوزی حاصل کرتے ہیں۔ ایک حساس طبیعت والی مسلمان خاتون پر یہ بات پوشیدہ نہیں رہتی کہ عورت کے بالوں کی خوبصورتی اس کے حسن و جمال کو دوبالا کرنے والی اور اس کے پرکشش اندازوں میں سب سے نمایاں ترین عمل ہے۔

ظاہری شکل وصورت میں بہترین بنتی ہے:

اس میں کوئی انوکھی اور حیرت والی بات نہیں ہے کہ سمجھدار مسلمان خاتون، اپنے لباس اور اپنے ظاہری حال میں، اچھی وضع قطع اور ظاہری ہیئت میں خوبصورتی کا اہتمام کرتی ہے اور اس سلسلے میں فضول خرچی، اسراف، نمائش اور آرائش دکھانے سے بچ کر بھی رہتی ہے۔ اس کی خوبصورتی کو دیکھ کر اس کے خاوند کی آنکھیں، بلکہ اس کی اولاد، اس کے دیگر قرابت داروں اور دوسری مسلمان خواتین کی آنکھیں بھی راحت پاتی ہیں، ان کے نفوس وقلوب اس سے انس پاتے ہیں۔ وہ لوگوں کے پاس اس حال میں نہیں جاتی ...... ان کے پاس اس کا آنا جانا جائز اور روا ہے ...... کہ وہ اسے بدنما بدہیئت اور بدصورتی والی حالت میں دیکھیں بلکہ وہ اپنا جائزہ لیتی، اپنی ہیئت کو سنوارتی ہے اور اسلام کی ان تعلیمات پر عمل پیرا رہتی ہے جو جائز حسن مظہر اور جائز زیبائش کا اہتمام کرنے کا داعی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان مبارک:

﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ﴾

(الأعراف: ٣٢)

”آپ فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی زینت (کپڑوں) کو جس کو اس نے اپنے بندوں کے واسطے بنایا ہے اور کھانے پینے کی حلال چیزوں کو کس شخص نے حرام کیا ہے؟“

کی تفسیر میں امام القرطبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

”مکحول نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ فرمان روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

اصحاب میں سے کچھ حضرات دروازے پر آپ کا انتظار فرما رہے تھے، جب آپ ان سے ملنے کے لیے باہر تشریف لے جانے لگے تو گھر میں موجود پانی کے ایک کوزے میں دیکھنے لگے اور پھر اپنی ڈاڑھی اور سر کے بالوں کو درست کرنے لگے، میں نے آپ سے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ بھی ایسا کر رہے ہیں؟!! فرمایا: جی ہاں، جب آدمی اپنے بھائیوں سے ملنے کے لیے باہر نکلے تو اسے اپنی حالت کو سنوار لینا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ بھی جمیل ہے اور حسن و جمال کو پسند بھی فرماتا ہے۔''[1]

اور ایک مسلمان اپنے تمام معاملات میں یہ سب کچھ، اسلام کے نظریہ اعتدال کی موافقت میں سرانجام دیتا ہے۔ اور یہ ایسا معتدل نظریہ ہے جس میں افراط و تفریط نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کے مندرجہ ذیل فرمان اقدس کی تصویر کشی ہے:

﴿ وَالَّذِينَ إِذَآ أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا ﴾

(الفرقان:٦٧)

''جب وہ خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا اس (افراط و تفریط) کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔''

اسلام اپنے بیٹوں اور بیٹیوں سے، بالخصوص جو داعیانہ زندگی گزار رہے ہیں، ان سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ جب وہ معاشرے میں آمد و رفت رکھیں، محافل و مجالس میں آیا جایا کریں تو ان سے خوشبوئیں مہکنی چاہئیں، ان کی بدنمائی سے آنکھوں کو اذیت اور ان کی بری حالت سے دلوں کو کوفت نہیں ہونی چاہیے۔ کیونکہ اسلام میں ایسی کوئی تعلیم نہیں ہے کہ انسان، خواہ مرد ہو یا عورت، اپنی ہیئت میں اس درجہ بے اعتنائی کرنے والا بن جائے کہ اس کے ہمنشین اس سے کراہت محسوس کرنے لگیں اور وہ یہ دعویٰ کرتا پھرے کہ وہ زہد و تواضع والی زندگی گذار رہا ہے، رسول اللہ ﷺ، جو تواضع اور زہد رکھنے والوں کے سالار و سرتاج ہیں، بذاتِ خود اچھا لباس زیب تن فرمایا کرتے تھے، اپنے اہل خانہ اور اپنے اصحاب کے لیے خوبصورتی کا اہتمام فرمایا

[1] تفسير القرطبي: ٧/ ١٩٧۔

کرتے تھے اور پھر اس خوشنمائی اور خوب صورتی میں بندے پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اظہار قرار دیتے تھے؛ فرمایا:

﴿ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ أَنْ يُرَىٰ أَثَرُ نِعْمَتِهِ عَلَىٰ عَبْدِهِ ﴾ [1]

''بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ اپنے بندے پر اپنی نعمتوں کے اثرات کو دیکھے۔''

طبقات ابن سعد میں ہے: [2] سیدنا جندب بن مکیث رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے: ''رسول اللہ ﷺ کے پاس جب کوئی وفد حاضر خدمت ہوتا تو آپ ﷺ بہترین لباس زیب تن فرماتے اور اپنے اکابر و بزرگ صحابہ کو بھی یہی حکم دیتے، جس روز کندہ کا وفد آیا تھا تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ کے بدن پر یمنی جبہ تھا۔ اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی اس طرح کے جبوں میں نظر آرہے تھے۔''

ابن مبارک، طبرانی، حاکم اور بیہقی وغیرہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے، فرماتے ہیں: میں نے دیکھا کہ رسولِ اکرم ﷺ نے نئے کپڑے منگوائے انھیں زیب تن فرمایا اور جب وہ آپ کی ہنسلی تک آگئے تو فرمایا:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي كَسَانِي مَآ أُوَارِي بِهِ عَوْرَتِي وَأَتَجَمَّلُ بِهِ فِي حَيَاتِي)) [3]

''تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے یہ کپڑے پہنائے جن سے میں اپنے ستر کو ڈھانپتا ہوں اور اپنی زندگی میں خوبصورتی حاصل کرتا ہوں۔''

جب تک حسن و جمال کا اظہار، افراط کی حدوں کو نہ چھونے لگے تو وہ اس جائز اور پاکیزہ زیبائش میں سے ہوگا جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے مباح رکھا ہے اور جس کی اس نے رغبت بھی دلائی ہے:

---

1. حديث حسن، جامع الترمذي، كتاب الادب، باب ماجاء أن الله تعالىٰ يحب أن يرى أثر نعمته علىٰ عبده، حديث: ٢٨١٩۔
2. طبقات ابن سعد: ٣٤٦/٤۔
3. سنن ترمذی، كتاب الدعوات، باب (١٠٧)، حديث: ٣٥٦۔

﴿ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴾ (الأعراف: ٣١ـ٣٢)

''اے اولادِ آدم! تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو، اور خوب کھاؤ اور پیو اور حد سے مت نکلو۔ بے شک اللہ حد سے نکل جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ آپ فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے اسبابِ زینت کو، جن کو اس نے اپنے بندوں کے واسطے بنایا ہے اور کھانے پینے کی حلال چیزوں کو کس شخص نے حرام کیا ہے؟ آپ کہہ دیجیے کہ یہ اشیاء اس طور پر کہ روزِ قیامت خالص ہوں گی اہل ایمان کے لیے، دنیوی زندگی میں مومنوں کے لیے بھی ہیں۔ ہم اسی طرح تمام آیات کو سمجھ داروں کے واسطے صاف صاف بیان کرتے ہیں۔''

صحیح مسلم میں سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ كِبْرٍ ﴾

''ایسا شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا، جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا۔''

ایک صحابی بولا: آدمی تو یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے خوبصورت ہوں، اس کے جوتے اچھے ہوں، اس کی مراد یہ تھی کیا یہ بھی تکبر میں شمار ہوگا؟ تب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُّحِبُّ الْجَمَالَ. اَلْكِبْرُ: بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ)) [1]

''بے شک اللہ تعالیٰ جمیل ہے، جمال ہی کو پسند کرتا ہے۔ تکبر تو حق کو ٹھکرانا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔''

اور یہی وہ معنی مراد ہے جسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور نیکی میں ان کے پیروکار حضرات نے سمجھا ہے۔

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب تحریم الکبر وبیانه، حدیث: ٩١۔

یہی وجہ تھی کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بھی اپنی ہیئت اور اپنے لباس کی خوبصورتی کا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ آپ ہمیشہ اپنے ملبوسات کی خوشنمائی کا خیال رکھا کرتے، آپ کی خوشنمائی اور خوبصورتی کا اہتمام کرنے کی خواہش اس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ آپ لوگوں کو بھی اس پر ترغیب دیا کرتے تھے۔ ایک روز آپ نے اپنے ایک رفیقِ مجلس کو خستہ حال لباس میں دیکھا۔ آپ اسے ایک جانب لے گئے اور اسے ایک ہزار درہم دیے تاکہ ان سے اپنی ظاہری ہیئت کو درست کر لے۔ وہ آدمی بولا: میں تو آسودہ حال اور نعمتوں والا ہوں، مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے۔ تب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اسے سرزنش کرتے ہوئے فرمایا: کیا تجھے یہ حدیث مبارکہ نہیں پہنچی؟

«إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ أَنْ يُرَى أَثَرُ نِعْمَتِهِ عَلَىٰ عَبْدِهِ» [1]

"کہ اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ اپنے بندے پر اپنی نعمت کا اثر دیکھے۔"

لہٰذا تجھے اپنی حالت کو ایسا بدلنا چاہیے کہ تیرے دوست تجھ سے گھن نہ کھائیں۔

اور یہ بات فطری طور پر معلوم شد ہے کہ دعوت الی اللہ کا مشن پورا کرنے والے مردوں اور عورتوں کو تو دوسروں کی نسبت زیادہ بہترین ہیئت، خوشنما لباس اور احسن جاذبیت کا حامل ہونا چاہیے، تاکہ ان کی دعوت لوگوں کے دلوں میں سرایت کرتی جائے۔

بلکہ ان سے تو یہ بھی مطالبہ ہے جو کہ دوسروں سے نہیں ہے کہ وہ ایسے ہی بن کر رہیں اگرچہ وہ لوگوں سے ملنے کے لیے نہ بھی جا رہے ہوں، تب بھی انھیں اپنی ظاہری وضع قطع اور بدن ولباس کی نظافت کا اور اپنے ناخنوں و بالوں کا خصوصی خیال رکھنا چاہیے۔

اور اگر وہ خلوت میں ہوں تب بھی وہ ان چیزوں کا خیال رکھتے ہیں، اس فطرت سلیمہ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے جن کے تقاضوں کو پورا کرنے کی رسولِ کریم ﷺ نے اپنے اس فرمانِ گرامی میں خبر دی ہے:

پانچ چیزیں فطرت میں سے ہیں: "ختنہ کروانا، زیر ناف بال صاف کرنا، بغلوں کے بال اکھیڑنا، ناخن تراشنا اور مونچھوں کو کاٹنا۔" [2]

---

[1] حديث حسن، جامع الترمذي، كتاب الادب، باب ماجاء أن الله تعالىٰ يحب أن يرى أثر نعمته على عبده، حديث: ٢٨١٩۔

[2] صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب قص الشارب، حديث: ٥٨٨٩۔ وصحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، حديث: ٢٥٧۔

انسانی فطرت کی خوبصورتی کا خیال رکھنا ان چیزوں میں سے ہے جنھیں یہ دین محبوب رکھتا ہے اور ہر ترقی پسند طبیعت اور ہر ذوق سلیم جن کو اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

زیبائش کے معاملے میں نمود و نمائش نہیں کرتی:

اپنی ظاہری ہیئت کا اس قدر خیال رکھنے کے باوجود مسلمان خاتون اپنی زیب و زینت کا اظہار نہیں کرتی کہ وہ خاوند اور محرم رشتہ داروں کے علاوہ دوسروں کے سامنے سج دھج کا اظہار کرتی پھرے بلکہ وہ تو مبالغہ کی حدوں کو چھونے والے میک اپ کی طرف مائل ہی نہیں ہوتی۔ وہ تو صرف اسلام کی حد توازن اور حد اعتدال پر ہی قائم رہتی ہے، صرف زیبائش کے معاملے ہی میں نہیں بلکہ زندگی کے تمام معاملات میں اس اصول کو مدنگاہ رکھتی ہے، تاکہ اس کی زندگی کا کوئی پہلو بھی دوسرے پہلو پر غالب نہ آنے پائے۔

اس کے دل و دماغ سے یہ بات اوجھل نہیں ہوتی کہ جس اسلام نے حلال زینت اختیار کرنے کی ترغیب دی ہے بالکل اسی اسلام ہی نے اس معاملے میں مبالغہ آرائی اور حدوں سے باہر نکلنے سے منع فرمایا ہے، کہیں عورت زندگی میں انھی امور ہی کی غلام بن کر نہ رہ جائے کہ اس کی زندگی کا سب سے اہم ترین کام میک اپ ہی رہ جائے اور یہ بات اس حدیث مبارکہ میں موجود ہے، جو کچھ اس طرح ہے:

((تَعِسَ عَبْدُ الدِّينَارِ وَالدِّرْهَمِ وَالْقَطِيفَةِ وَالْخَمِيصَةِ، إِنْ أُعْطِيَ رَضِيَ وَإِنْ لَّمْ يُعْطَ لَمْ يَرْضَ)) [1]

"درہم و دینار کا بندہ تباہ ہو جائے، ریشمی دھاری دار چادروں کا بندہ برباد ہو جائے، جب اسے کچھ مل جائے تو راضی ہو جائے اور اگر نہ ملے تو راضی نہ ہو۔"

بلاشبہ آج ہماری خواتین کی کثیر تعداد ایسی ہے جو بیوٹی پارلروں کے پھندے اور جال میں جکڑی ہوئی اور ان کے بین الاقوامی ایجنٹوں کے زیر اثر آ چکی ہیں، حتی کہ نوبت یہاں تک آن پہنچی ہے کہ ایک مالدار عورت جس قیمتی پوشاک کو ایک بار پہن لیتی ہے اسے دوبارہ نہیں پہنتی بلکہ اسے دوبارہ پہننے کو اپنی کسر شان سمجھتی ہے، تو ایسی خواتین رسولِ اکرم ﷺ کی مذکورۃ الصدر

[1] البخاری، کتاب الجهاد والیسر، باب الحراسة فی الغزو فی سبیل الله، حدیث: ۲۸۸۶۔

حدیث مبارکہ کی زد میں آ رہی ہیں، وہ اس غلامی میں واقع ہوچکی ہیں جس سے آپ نے خبردار کیا تھا، وہ ذہنی غلامی کی اسی دلدل میں جاپڑی ہیں اور قیمتی ملبوسات اور سامان تعیش کے معاملے میں بے اعتدالی اور بے راہ روی کا شکار ہوچکی ہیں، ایسی خواتین اپنے اس مقصد حیات سے بہت دور جاپڑی ہیں جس کے لیے انسان پیدا کیا گیا تھا۔

انھی آفتوں اور بے اعتدالیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ دورِ حاضر میں مسلمان عورتوں کی کثیر تعداد باہم تفاخر، تکاثر اور قیمتی ملبوسات زیب تن کرنے کی دوڑ میں شریک ہوچکی ہیں جس کا مظاہرہ وہ شب زفاف میں کرتی ہیں۔ اس طرح شادی کی تقریب، ملبوسات کی نمائش کا ایک شو بن گیا ہے جس میں فضول خرچی، تکبر، فخر وغرور اور مباہات کے مقابلے ہوتے ہیں اور حد اعتدال اور عقلمندی کی تمام حدوں کو پھلانگا جاتا ہے۔ یہ صورتِ حال اس وقت مزید نمایاں ہوتی ہے جب دلہن شب عروسی میں اپنے تمام قیمتی ملبوسات کو باری باری پہنتی ہے اور بسااوقات ان کی تعداد دس تک جاپہنچتی ہے۔ ہر نیا جوڑا زیب تن کرنے کے بعد وہ حاضرین کے پاس آتی ہے، انھیں اپنا لباس دکھاتی ہے، جس طرح دیارِ مغرب میں ملبوسات کی نمائش کرنے والیاں کرتی ہیں، ایسی سرمایہ دار خواتین کے دل میں یہ خیال بھی نہیں آتا کہ حاضر خواتین میں سے بعض ایسی بھی ہیں جو اتنے مہنگے جوڑے خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتیں، جس سے ان کے دلوں میں حسرت، دکھ، غم کی کیفیات جنم لیتی ہیں، بلکہ بعض اوقات تو ان کے دل ودماغ میں دلہن اور اس کے اہل خانہ بلکہ ناز ونعمت میں پلنے والی دوسری خواتین کے خلاف غیرت، حسد، کینے اور بغض وعناد کی امراض بھی پیدا ہوجاتی ہیں۔

کوئی ناپسندیدہ صورتِ حال پیدا نہیں ہوسکتی اگر وہ شب عروسی میں ایک یا پھر دو جوڑے پہن لے۔ یہ اس نمائش سے کہیں بہتر رہے گا، جو وہ روح اسلام کی مخالفت کر رہی ہے، حالانکہ اسلام نے تو اعتدال، میانہ روی اور آسانی رکھنے کی تلقین وترغیب دی ہے۔ اور مبالغہ آرائی، فضول خرچی اور فخر ومباہات سے مکمل طور پر منع فرمایا ہے۔

اس امر میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ ایک سمجھ دار مسلمان خاتون جو اپنے دین کی تعلیمات سے آراستہ وپیراستہ ہے، وہ ان فضول اور احمقانہ رسومات سے اپنے دامن کو بچا کر رکھتی ہے اور اپنے روشن ومنور دین کی اعتدال اور میانہ روی کی تعلیمات پر سختی سے کاربند رہتی ہے۔

(ب) اس کی عقل

وہ اپنی عقل کو علم سے آراستہ کرتی ہے:

سمجھدار مسلمان خاتون سے یہ امر مخفی نہیں رہتا کہ وہ اسی طرح اپنی عقل پر بھی توجہ مبذول کرے جس طرح اس نے اپنے جسم پر توجہ دی ہے' وہ اس لیے کہ عقل پر دھیان دینا جسم کی طرف دھیان دینے سے کسی طرح بھی اہمیت میں کم نہیں ہے، شاعر زهیر بن ابی سلمی [1] نے بہت پہلے یہ کہا ہوا ہے:

لِسَانُ الْفَتٰی نِصْفٌ وَّ نِصْفٌ فُؤَادُهٗ
فَلَمْ يَبْقَ اِلَّا صُوْرَةُ اللَّحْمِ وَ الدَّمِ

''نوجوان کی شخصیت میں نصف اس کی زبان ہے اور نصف اس کا دل ہے' باقی گوشت اور خون کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔''

اور جس طرح یوں کہا جاتا ہے:

((اَلْمَرْءُ بِاَصْغَرَيْهِ: قَلْبِهٖ وَلِسَانِهٖ))

''آدمی تو اپنی دو معمولی معمولی چیزوں یعنی دل اور زبان کے ساتھ ہے۔''

یعنی اپنی عقل و فکر اور اپنی گفتار کے ساتھ۔ یہاں سے عقل کو مہذب اور شائستہ بنانے کی' اسے نفع مند معلومات سے مالا مال کرنے کی اور اسے گوناگوں علوم کے حصول سے بڑھانے کی اہمیت آشکارا ہو رہی ہے۔

مسلمان خاتون بھی مرد کی مانند مکلّف ہے اور اس کے ذمے بھی اس علم کا حصول واجب ہے جو اس کی دین و دنیا کے لیے مفید ہو' وہ جس وقت اللہ تعالیٰ کا درج ذیل فرمان اقدس

﴿ وَ قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ﴾ (طٰہٰ: ۲۰/۱۱۴)

''ہاں یہ دعا کر کہ پروردگار! میرا علم بڑھا۔''

پڑھتی ہے' اور رسول کریم ﷺ کا یہ فرمان عالی شان سنتی ہے:

---

[1] ملاحظہ فرمائیں جمهرة اشعار العرب بتحقيق الموصلي: ۱/ ۳۰۰ ط دار القلم: ۱۴۰۶ھ۔

«طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ»[1]

''طلب علم ہر مسلمان (مرد و عورت) پر فرض ہے۔''

تو وہ بخوبی اس حقیقت کا ادراک کر لیتی ہے کہ قرآن و سنت کی ہدایت مرد و زن دونوں کے لیے یکساں ہے اور بلاشبہ وہ بھی معاشرے میں پائے جانے والے فرض عین علوم اور فرض کفایہ علوم کو حاصل کرنے میں مرد کے برابر ہے۔

یقیناً اسلام کے ابتدائی ایام ہی سے اس ربانی معاشرے میں مسلمان خاتون نے اس حقیقت کا ادراک کر لیا تھا' خواتین انصار نے رسول کریم صلوات اللہ علیہ سے بایں الفاظ درخواست پیش خدمت کی تھی:

''آپ ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی ایک دن متعین فرما دیں جس میں ہم سیکھا کریں' کیونکہ مرد حضرات نے آپ کا سارا وقت لے رکھا ہے۔''

تب رسول اللہ ﷺ نے انہیں یوں جواب ارشاد فرمایا تھا:

''تمہارے لیے فلاں خاتون کا گھر وعدہ گاہ ہے۔''

تو نبی اکرم ﷺ اس گھر میں عورتوں کے پاس تشریف لے جایا کرتے، انہیں وعظ و نصیحت فرمایا کرتے اور انہیں تعلیم دیا کرتے تھے۔[2]

مسلمان خاتون طلب علم کی طرف پیش قدمی کرنے والی ہوتی ہے' وہ اپنے دینی احکام کی بابت سوال کرنے سے شرماتی نہیں ہے کیونکہ وہ حق کے بارے میں سوال کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ حق سے نہیں شرماتے ہیں۔ ایسی لاتعداد نصوص وارد ہیں جو مسلمان خاتون کی جرأت' اس کی شخصیت کی پختگی اور اس کی عقل مندی کی برتری کا نقشہ پیش کرتی ہیں جن میں اس نے رسول کریم معلم عظیم ﷺ سے سوالات دریافت کیے ہیں اور اپنے دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرنے کی تڑپ کو ظاہر کیا ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ سیدہ اسماء بنت یزید بن السکن الانصاریہ رضی اللہ عنہا[3] نے

---

1. ابن ماجه، المقدمه، باب فضل العلماء والحث على طلب العلم، حديث: ٢٢٤۔
2. صحيح بخاري، كتاب العلم، باب هل يجعل للنساء يوم على حدة في العلم، حديث: ١٠١۔
3. فتح الباري (١/٢٧٦-٢٨٢) بحواله الخطيب في المبهمات۔

نبی اکرم ﷺ سے غسل حیض کی بابت سوال کیا' تب آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''تم میں سے ایک پانی اور بیری کے پتوں کو لے کر طہارت حاصل کرے' پھر خوب اچھی طرح طہارت کرے' پھر اپنے بدن پر پانی بہائے' پھر کسی روئی وغیرہ کے پھنبے کو خوشبو سے لبریز کر کے اس سے پاکی حاصل کرے۔''

اسماء رضی اللہ عنہا نے عرض کی: وہ اس سے کس طرح طہارت حاصل کرے گی؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سبحان اللہ! وہ اس کے ساتھ طہارت حاصل کرے۔ تب عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا گویا کہ مخفی آواز میں کہہ رہی ہیں: ''وہ اسے خون کے پیچھے لگائے۔''

اور انہی نے غسل جنابت کی بابت بھی آپ ﷺ سے استفسار کیا تھا تو آپ ﷺ نے یوں فرمایا تھا:

''تو اپنا پانی لے' پھر اس سے طہارت حاصل کر' تب خوب اچھی طرح پاکی حاصل کرلے' بلکہ حصول طہارت میں مبالغہ سے کام لے' پھر اپنے سر پر پانی ڈال' اسے اچھی طرح مل لے' حتیٰ کہ پانی سر کی تہوں تک پہنچ جائے' اس کے بعد اپنے اوپر پانی بہا لے۔''[1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

((نِعْمَ النِّسَآءُ نِسَآءُ الْاَنْصَارِ! لَمْ یَکُنْ یَمْنَعُهُنَّ الْحَیَاءُ اَنْ یَّتَفَقَّهْنَ فِی الدِّیْنِ))[2]

''انصار کی خواتین بھی کیا ہی خوب خواتین تھیں! دین کو سمجھنے میں حیا داری ان کے آڑے نہیں آئی۔''

ام سلیم بنت ملحان رضی اللہ عنہا سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس

---

1. بخاری، کتاب الحیض، باب ذلك المراة نفسها اذا تطهرت من الحیض، حدیث: ۳۱۴، ۳۱۵، ۷۳۵۷ وصحیح مسلم، کتاب الحیض، باب استحباب استعمال المغتسلة من الحیض المسك، حدیث: ۳۳۲۔

2. صحیح بخاری، کتاب العلم، باب الحیاء فی العلم، تعلیقاً فی ترجمة اللباب۔ و صحیح مسلم، حوالہ سابق، حدیث: ۳۳۲/۶۰۔

میں حاضر ہوئیں اور عرض پرداز ہوئیں: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ حق سے نہیں شرماتا ہے، تو کیا عورت پر بھی غسل ہے جب وہ احتلام والی ہو جائے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جی ہاں! جب وہ پانی یعنی احتلام کا پانی دیکھ لے'' تو اس پر سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے شرم و حیا کے باعث اپنے چہرے کو ڈھانپ لیا، اور یوں بولیں: ''یارسول اللہ! کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟'' فرمایا: ''جی ہاں! تیرا دایاں ہاتھ خاک آلود ہو، تو اس کا بچہ اس سے کس وجہ سے مشابہت اختیار کر لیتا ہے؟''[1]

مسلم کی روایت میں یوں بھی ہے کہ سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو اس وقت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کے پاس موجود تھیں، تو جس وقت سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے استفسار کیا تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اے ام سلیم! تو نے عورتوں کی رسوائی کر دی ہے، تیرا دایاں ہاتھ خاک آلود ہو، تب رسول اکرم ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''بلکہ تیرا دایاں ہاتھ خاک آلود ہو، اری ام سلیم! جب وہ پانی کو دیکھے تو اسے غسل کرنا چاہیے۔''[2]

جماعت صحابہ میں عورت ہی تنہا و منفرد نہیں ہے جو نبی اکرم شارع دین ﷺ سے حکم شرع کی وضاحت طلب کرنے میں پیش پیش ہے، جو اپنے ذہن میں اٹھنے والے سوال کی بابت براہ راست بنفس نفیس سوال پوچھ لیتی ہے، اگر اسے لوگوں میں سے کسی کے فتویٰ میں شک گزرتا ہے یا اس کے فتوی کی صحت میں اسے تسلی نہیں ہوتی تو وہ اپنے اس مسئلہ کو سمجھنے میں تحقیق کرنے میں بھی بے تاب نظر آتی ہے حتیٰ کہ اسے یقین حاصل ہو جاتا ہے، تو یہ ہے ایک سمجھدار، ذہین، فطین، بیدار مغز اور ہوشمند مسلمان خاتون کی حالت۔ یہ مذکورہ حقیقت مکمل طور پر سیدہ سبیعہ بنت حارث الاسلمیہ رضی اللہ عنہا کے عمل سے عیاں ہو رہی ہے جو سیدنا سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ کے عقد میں تھیں، جو کہ بنی عامر بن لؤی کے قبیلہ سے تھے اور غزوۂ بدر میں بھی شریک ہوئے تھے، اور حجۃ الوداع کے موقع پر فوت ہو گئے تھے، اس وقت ان کی بیوی حاملہ تھیں، جنہوں نے اپنے خاوند کی وفات کے کچھ عرصہ بعد ہی اپنے حمل کو جنم دے دیا تو جونہی وہ اپنے خون نفاس سے پاک ہوئیں تو انہوں نے

---

1. صحيح بخاري، كتاب العلم باب الحياء في العلم، حديث : ١٣٠ و صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب وجوب الغسل على المرأة بخروج المني منها، حديث : ٣١٠ـ
2. صحيح مسلم، كتاب الحيض: باب وجوب الغسل على المراة بخروج المني منها، حديث : ٣١١ـ

پیغام نکاح دینے والوں کے لیے اپنے آپ کو بنایا سنوارا' سیدنا ابوالسنابل بن بعلک رضی اللہ عنہ (بنی عبدالدار کے ایک فرد) ان کے پاس آئے اور یوں گویا ہوئے: تجھے کیا ہے کہ پیغام نکاح دینے والوں کے لیے بن سنور رہی ہو؟ تو اللہ کی قسم! تب تک نکاح نہیں کر سکتی جب تک چار ماہ دس دن گزر نہ جائیں۔

سیدہ سبیعہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: اس نے مجھ سے یہ بات کہی تو شام کے وقت میں نے اپنے کپڑے جمع کیے یعنی گھر سے باہر جانے کی تیاری کی اور سیدھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوگئی' اس مسئلے کی بابت دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ فتویٰ دیا کہ میں حمل کو جنم دینے کے ساتھ ہی حلال ہو چکی ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کہ جب چاہو شادی کر سکتی ہو۔[1]

سیدہ سبیعۃ الاسلمیہ رضی اللہ عنہا کے حکم شرعی کی وضاحت طلب کرنے میں باریک بینی دکھانے میں اور یقینی حد کو پا لینے میں فضل و خیر اور فائدہ و برکت نظر آتی ہے' وہ بھی صرف سبیعہ رضی اللہ عنہا کے وجود کے لیے نہیں بلکہ قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں کے لیے' کیونکہ سلف و خلف کے تمام جمہور علماء نے بلکہ ان سب کے سرخیل ائمہ اربعہ نے بھی آپ کی حدیث سے دلیل لی ہے اور یوں کہا ہے:

''بیوہ ہونے والی کی عدت وضع حمل ہے۔حتیٰ کہ اگر وہ خاوند کی وفات کے ایک لمحہ بعد بھی بچے کو جنم دے دے گی خواہ اس کے خاوند کو غسل نہ دیا گیا ہو' اس کی عدت ختم ہو جائے گی اور وہ فوراً دیگر خاوندوں کے لیے حلال ہو جائے گی۔''[2]

سیدہ سبیعہ رضی اللہ عنہا نے صرف حکم شرعی کی وضاحت طلب کرنے میں اپنی حرص کا اظہار کرنے کے ساتھ' اس حکم کو سمجھنے میں اپنی باریک بینی دکھانے کے ساتھ اور اس امر میں یقین حاصل کرنے کے ساتھ امت اسلامیہ کے علما کرام کے لیے کس قدر عظیم حجت و دلیل فراہم کر دی ہے!!

اسلام نے عورت پر بھی طلب علم کو اسی طرح واجب قرار دیا ہے جس طرح اس نے مرد پر

---

1. صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب (۱۰) حدیث: ۳۹۹۱- و صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب انقضاء عدۃ المتوفی عنھا زوجھا وغیرھا، حدیث: ۱۴۸۴-
2. صحیح مسلم شرح النووی: ۱۰۹/۱۰ کتاب الطلاق: باب انقضاء عدۃ المتوفی عنھا زوجھا بوضع الحمل۔

اسے واجب قرار دیا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمایا ہے:

((طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ)) [1]

''علم کی طلب ہر مسلمان (مرد وعورت) پر فرض ہے۔''

یعنی ہر اس مسلمان انسان پر فرض ہے جس نے شہادتین کا اقرار کرلیا ہے' برابر ہے کہ وہ مرد ہے یا عورت' یہ امر چنداں قابل تعجب نہیں ہے کہ ہم مسلمان خاتون کو علم کی مشتاق' انتہائی خواہش مند' اس کی طرف لپکنے والی اور علمی مسائل کو سمجھنے میں مکمل اہتمام کا مظاہرہ کرنے والی پاتے ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ ہر زمان ومکان میں مسلمان خاتون جو اپنے دین کی ہدایت کو سمجھنے والی ہے وہ علم نافع سے اپنے آپ کو آراستہ کرنے کی اہمیت سے اور پھر اپنی شخصیت' اپنی اولاد' اپنے خاندان اور اپنے معاشرے میں اس کی تاثیر رکھنے سے مکمل آشنا رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے دین اور اپنی دنیا میں نفع دینے والے علوم کو حاصل کرنے میں پورے اطمینان اور پوری رغبت کے ساتھ علم کی پیاسی بن کر لپکتی نظر آتی ہے۔

جن امور میں مہارت حاصل کرنی ضروری ہے:

مسلمان خاتون کو جن امور میں مہارت حاصل کرنی ضروری ہے ان میں سرفہرست اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جس میں بلحاظ تلاوت' تجوید اور تفسیر اسے مہارت پیدا کرنی چاہیے بعد ازاں اسے علوم حدیث سیرت نبوی' اخبار صحابیات اور تابعیات سے جو خواتین کے حوالے سے عظیم المرتبت ہیں ان سے واقفیت ہونی چاہیے' اسی طرح اسے فقہ کے ضروری مباحث سے خبردار رہنا بھی ضروری ہے، تاکہ اپنی عبادات اور اپنے معاملات کو ادا کرنے میں اور دینی احکام کی مضبوط بنیادوں پر معرفت حاصل کرنے میں وہ کسی کی دست نگر نہ رہے۔

اس کے بعد وہ زندگی کی اپنی اولین خصوصیت کی جانب متوجہ ہو اس سے میری مراد گھر کو' خاوند کو' خاندان کو اور اولاد کو بہتر انداز میں سنوارنے کی اہم ترین ذمہ داری ہے' کیونکہ یہی وہ مخلوق ہے جسے اللہ تعالیٰ نے خاوند کے گھر کو اور بچوں کی ممتا کو انس' سکینت' رونق' بشاشت' سعادت اور نعمت سے مالا مال رکھنے کے لیے مخصوص فرمایا ہے اور یہی وہ مخلوق ہے جس پر اسلام

---

[1] سنن ابن ماجة، المقدمة، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، حدیث : ۲۲٤۔

نے نسلوں کی تربیت کرنے کی' بہادروں کو تیار کرنے کی اور عبقری نوجوانوں کو پیدا کرنے کی عظیم ذمہ داری بھی ڈالی ہے۔ دور حاضر میں بہت سے ایسے اقوال اور ضرب الامثال زبان زد عام و خاص ہیں جو خاوند کی اور اولاد کی عملی زندگی کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے ضمن میں کارفرما نظر آتے ہیں۔ ان اقوال میں سے چند ایک ملاحظہ فرمائیں:

① عورت کے متعلق تحقیق و تفتیش کرو۔
② ہر عظیم آدمی کی کامیابی کے پیچھے کوئی عورت ہوتی ہے۔
③ جو اپنے دائیں ہاتھ سے جھولے کو ہلاتی ہے اپنے بائیں ہاتھ سے پوری دنیا کو ہلا سکتی ہے۔
④ وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ

عورت ایسے اہم ترین امور کو سرانجام نہیں دے سکتی جب تک کہ وہ کشادہ عقل والی' منور ذہن والی' مضبوط شخصیت والی' پاکیزہ دل والی اور بلند ترین اخلاق والی نہ ہو۔ یہی باعث ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ تعلیم و تربیت کی' رہنمائی اور پختگی کو حاصل کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ اس کی اسلامی ممتاز شخصیت میں مزید نکھار پیدا ہو سکے۔

اس میں کوئی حکمت نہیں ہے کہ تمام امور میں عورت کی تعلیم و ثقافت بھی مرد کی تعلیم و ثقافت کے مانند ہی ہو بلکہ معاملہ تو کچھ اس طرح کا ہے کہ کچھ امور ایسے ہیں جو صرف عورت کے ساتھ ہی مخصوص ہیں' جنہیں سرانجام دینے کی مرد استطاعت ہی نہیں رکھتا اور کچھ امور ایسے ہیں جو صرف مرد کے ساتھ ہی مختص ہیں اور عورت انہیں بجا لانے کی استطاعت نہیں پاتی یا یوں کہنا چاہیے کہ کچھ امور ایسے ہیں جن کے لیے عورت کو تخلیق کیا گیا ہے اور دوسرے کچھ امور ایسے ہیں جن کی بجا آوری کے لیے مرد کو معرض وجود میں لایا گیا ہے اور ہر کوئی ان امور کے لیے آسانی فراہم کیا گیا ہے جن کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے جیسے کہ نبوی حکیمانہ ہدایت میں وارد ہے۔

مسلمان خاتون جس وقت سیکھنے اور مہارت پیدا کرنے کے لیے اسلام کی عظیم ہدایت کی جانب متوجہ ہوتی ہے اور اپنی عقلی، روحانی اور معاشرتی حیثیت کو تعمیر کرنے کے لیے اسلامی تعلیمات کو اپنا نصب العین قرار دے لیتی ہے تو اسلام اسے ان فرائض کی بجا آوری کے لیے، جن کی خاطر اسے تخلیق کیا گیا ہے، ان کا اہل بنا دیتا ہے اور اس کی شخصیت کو سمجھدار اور اپنے

خاندان، معاشرے اور اپنی امت کی تعمیر کرنے والی بنا دیتا ہے، وہ مردوں سے مماثلت اختیار نہ کرے اور ان کے مناصب کو حاصل کرنے والی نہ بنے، جس طرح کہ ہم ان معاشروں میں مشاہدہ کرتے ہیں جن میں طریقۂ تعلیم اور قانون ملازمت میں مرد وزن کے مابین کچھ تفاوت و فرق نہیں ہوتا۔

عورت کا علمی تخصص کس درجہ کا ہو سکتا ہے؟ اسے رسول کریم ﷺ کی ہدایت پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اپنے ہر عمل میں مہارت، دسترس اور کمال حاصل کرنا چاہیے۔

((إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ إِذَا عَمِلَ أَحَدُكُمْ عَمَلًا أَنْ يُتْقِنَهُ))[1]

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس بات کو محبوب رکھتا ہے کہ تم میں سے جب بھی کوئی شخص کوئی عمل کرے تو اسے مہارت اور وجہ الکمال طریقے سے ادا کرے۔''

میدان علم میں مسلمان خاتون کے علمی کارنامے:

مسلمان خاتون پر علم و حکمت کے تمام دروازے کشادہ ہیں جس دروازے میں وہ چاہے داخل ہو سکتی ہے اور قیمتی ترین زیور علم سے آراستہ ہو سکتی ہے اور یہ چیز اس کی نسوانیت اور طبیعت پر چنداں اثر انداز نہیں ہوگی بلکہ اس کی عقل کو مزید جلا بخشے گی اور اس کے احساسات وخیالات کو ذکاوت عطا کرے گی اور اس کی شخصیت میں چمک اور نمو کو جنم دے گی۔ وہ عظیم مسلمان خواتین کی تاریخ میں علم کی جانب پیش قدمی کرنے میں اس کے خزانوں میں غوطہ زن ہونے میں اور اس سے شکم سیری کرنے میں نادر و نفیس نمونے پالے گی۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تو حدیث اور سنت مطہرہ میں مرجع اول تھیں، اور آپ اسلام میں فقیہہ اولین بھی تھیں جبکہ آپ عنفوان شباب میں تھیں اور آپ کی عمر مبارک انیس برس سے زیادہ بھی نہ ہوئی تھی۔

امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اگر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے علم کے سامنے تمام ازواج النبی ﷺ کا علم اور باقی تمام خواتین کا علم رکھا جائے تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم افضل و برتر رہے گا۔''[2]

---

1. حديث حسن، رواه البيهقي في شعب الايمان، ٤/ ٣٣٤ عن عائشة رضى الله عنها۔
2. الاستيعاب: ٤/ ١٨٨٣، الاصابه: ٨/ ١٤٠۔

اور کتنی بار ایسا ہوا ہے کہ کبار صحابہ کرام نے آپ کی طرف رجوع کیا ہے کہ وہ اصول دین میں اور کتاب مبین کی باریکیوں کے سلسلے میں آپ کے قول فیصل کو سنتے رہے ہیں۔

آپ کی رائے کی درستی اور عقل کی پختگی صرف دینی فیصلوں تک ہی محدود نہ تھی بلکہ شعر و ادب اور تاریخ و طب وغیرہ اور اس زمانے میں متداول علوم وفنون میں بھی آپ کا یہ مقام برتر و بلند ہی نظر آتا ہے۔ اس سلسلے میں فقیہ المسلمین عروہ بن الزبیرؓ کا قول بطور شہادت پیش کیا جا سکتا ہے جسے ان کے صاحبزادے ہشام نے بایں الفاظ روایت کیا ہے:

((مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَعْلَمَ بِفِقْهٍ وَّلَا بِطِبٍّ وَّلَا بِشِعْرٍ مِّنْ عَائِشَةَ)) [1]

''میں نے فقہ، طب اور شعر و شاعری میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر علم والا کسی کو نہیں دیکھا۔''

صحیح مسلم میں ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھتیجے قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس وقت کوئی غلط بات سنی جب کہ وہ اپنے چچیرے بھائی سے آپ کی موجودگی میں محو گفتگو تھا تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے قواعد کی غلطی پر اس کو ٹوکا:

''ابن ابی عتیق سے مروی ہے کہتے ہیں میں اور قاسم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بات چیت کر رہے تھے اور قاسم اپنی گفتگو میں بہت زیادہ غلطیاں کرنے والا تھا (یعنی عربی بولنے میں) کیونکہ وہ ام ولد (لونڈی) کا بیٹا تھا' اس وقت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسے مخاطب کرتے ہوئے یہ کہا: تجھے کیا ہے کہ تو ایسے گفتگو نہیں کرتا جیسے میرا یہ بھتیجا گفتگو کرتا ہے؟ ہاں میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تجھے یہ چیز کہاں سے ملی ہے۔ اسے تو اس کی ماں نے ادب سکھایا ہے اور تم کو تمہاری ماں نے ادب سکھایا ہے......'' [2]

ان واقعات میں جنہیں کتب ادب و بیان نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے وسیع علم کے حوالے سے بیان کیا ہے ایک واقعہ وہ بھی ہے کہ عائشہ بنت طلحہ ایک بار خلیفہ ہشام بن عبدالملک کی مجلس میں بیٹھی ہوئی تھی' اس مجلس میں خاندان بنو امیہ کے بڑے بڑے مشائخ بھی تشریف رکھتے تھے کہ

---

1. تاریخ الطبری: حوادث سنة: ٥٨ والسمط الثمين : ٨٢ والاستيعاب ٤ / ١٨٨٥

2. صحیح مسلم، کتاب المساجد: باب کراهية الصلاة بحضرة الطعام...... الخ، حدیث : ٥٦٠۔

اخبارِ عرب' اشعارِ عرب اور ایام عرب میں سے جس بھی عنوان پر گفتگو شروع ہوتی تو یہ بچی اس پر ان کے ساتھ شریک گفتگو ہو جاتی' کسی ستارے کے طلوع وغروب کا تذکرہ چھڑتا تو یہ بچی اس کا نام لیتی۔

ہشام نے ان سے کہا: رہا پہلا عنوان تو اس پر مجھے کوئی حیرانی نہیں ہوئی' البتہ ستاروں کے متعلق تجھے یہ علم کہاں سے ملا ہے؟ اس نے جواب دیا: میں نے اسے بھی اپنی خالہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے حاصل کیا ہے۔[1]

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا انتہائی اطلاعات رکھنے والی اور باتوں کی تہہ تک پہنچنے والی خاتون تھیں، کسی ایسی بات کو سنتیں جس کے متعلق زیادہ معلومات نہ رکھتی ہوتیں تو اس کی بابت استفسار کر لیا کرتی تھیں' اس میں بار بار سوال کرتیں حتیٰ کہ مکمل واقفیت حاصل کر لیتی تھیں' آپ کے وجود مبارک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہ کر اپنے آپ کو مجسمہ علم وحکمت بنا لیا تھا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب العلم میں ابی ملیکہ سے روایت کیا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب بھی کوئی ایسی بات سنتیں' جس کی بابت زیادہ نہ جانتی ہوتیں تو آپ سے اس بارے میں پوچھتیں اور بار بار پوچھتیں حتیٰ کہ اس کے بارے میں معرفت حاصل کر لیتیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ حُوسِبَ عُذِّبَ))

''جس کا حساب لیا گیا وہ عذاب کیا گیا۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں' میں نے عرض کی: کیا اللہ تعالیٰ یوں نہیں فرماتا ہے:

﴿ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيرًا ﴾ (الإنشقاق : ٨٤/٨)

''اس کا حساب تو بڑی آسانی سے لیا جائے گا۔''

آپ فرماتی ہیں: تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّمَا ذٰلِكَ الْعَرْضُ، وَلٰكِنْ مَنْ نُوقِشَ الْحِسَابَ يَهْلِكُ))[2]

---

1. الاغانی : ۱۰/۵۷۔
2. صحیح بخاری، کتاب العلم، باب من سمع شیئا فراجع حتیٰ یعرفه، حدیث : ۱۰۳۔

"وہ تو صرف پیشی ہوگی' لیکن جس کا کرید سے حساب لیا گیا وہ ہلاک ہو جائے گا۔"

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ان تمام علوم میں مہارت رکھنے کے علاوہ فصیح اللسان اور بلیغ المقال بھی تھیں۔ جب گفتگو فرماتیں تو لوگوں کے کانوں پر قبضہ کر لیتی تھیں' اور ان کے دلوں پر گرفت پا لیتی تھیں۔ یہی وہ دعویٰ ہے جس کا احنف بن قیس رحمہ اللہ نے بایں الفاظ دعویٰ پیش کیا ہے: "میں نے ابوبکر' عمر' عثمان' علی اور ان کے بعد کے خلفاء کے خطبات سنے ہیں لیکن میں نے جتنے جاندار اور حسین الفاظ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے دہن مبارک سے سنے ہیں کسی کے منہ سے نہیں سنے۔"

موسیٰ بن طلحہ نے یوں کہا ہے: "میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ فصیح اللسان کسی کو بھی نہیں دیکھا۔"[1]

علم وحکمت میں مہارت پانے والی خواتین میں سے ایک سیدنا سعید بن مسیب کی صاحبزادی بھی ہیں' جو کہ اپنے دور کے نابغہ روزگار عالم دین تھے' جنہوں نے اپنی صاحبزادی کا نکاح امیر المومنین عبدالملک بن مروان کے صاحبزادے سے کرنے سے انکار کر دیا تھا' اور اپنے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے والے نیک سیرت طلباء میں سے ایک سے اس صاحبزادی کی شادی کر دی تھی' جس کا نام نامی عبداللہ بن وداعہ تھا' جب یہ عبداللہ اپنی بیوی کے پاس آیا تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ زمانے کی خوبرو دوشیزہ ہے' کتاب الٰہی کو از بر رکھنے والی ہے' رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مطہرہ کو اور حقوق زوجیت کو خوب خوب جاننے والی ہے۔ جب عبداللہ نے صبح کی اور باہر جانے کے لیے اٹھے' تو ان کی بیوی دریافت کرتی ہے: کہاں کا ارادہ ہے؟ بولے: تیرے والد بزرگوار سعید بن مسیب کی مجلس میں حاضر ہونے کا ارادہ ہے تاکہ کسب فیض کر سکوں' تو بولیں: یہیں بیٹھ جائیں میں تمہیں سعید بن مسیب کا علم سکھائے دیتی ہوں تو یہی عبداللہ مہینہ بھر اسی خوبصورت لڑکی کے پاس رہے، ان کے باپ کی محفل میں حاضر نہ ہوئے اور انہی سے حصول علم کرتے رہے اور ان کے باپ سے بے نیاز رہے۔

انہی نابغہ روزگار عالمہ فاضلہ خواتین میں سے ایک فاطمہ بنت علاء الدین سمرقندی ہیں جو تحفۃ الفقہاء کے مؤلف ہیں، جنہوں نے ۵۳۹ھ میں وفات پائی ہے۔ ان کی صاحبزادی فاطمہ بھی

---

[1] الترمذی، کتاب المناقب، باب من فضل عائشہ رضی اللہ عنہا، حدیث: ۳۸۸٤ و قال حسن صحیح غریب۔

فقیہہ اور علامہ تھی‘ جس نے حصول فقہ اپنے پدر بزرگوار سے کی تھی بلکہ ان کی مذکورہ کتاب ''تحفۃ الفقہاء'' بھی حفظ کر لی تھی۔ ان کے والد نے اس کا نکاح اپنے ایک شاگرد علاء الدین الکاسانی سے کیا تھا، جو علم اصول اور علم فروع میں مہارت تامہ رکھتے تھے، جنہوں نے اپنی مایہ ناز کتاب ''البدائع والصنائع'' تالیف کی ہے۔ بلکہ انہوں نے تحفۃ الفقہاء کی شرح لکھ کر اپنے شیخ محترم کی خدمت میں پیش کی تھی‘ جس پر وہ انتہائی زیادہ فرحاں وشاداں ہوئے تھے اور انہوں نے اسی شرح کو اپنی صاحبزادی کا حق مہر قرار دے دیا تھا‘ جس کا رشتہ ملک روم کے بادشاہوں کی ایک جماعت نے طلب کیا تھا لیکن ان کے باپ نے انکار کر دیا تھا اور ان پر اپنے ایک شاگرد کو ترجیح دی تھی‘ اس پر اس دور کے فقہاء نے یوں کہنا شروع کر دیا تھا:

((شَرَحَ تُحْفَتَهُ وَزَوَّجَهُ ابْنَتَهُ))

''اس نے اس کی کتاب ''تحفۃ الفقہاء'' کی شرح لکھی اور اس نے اپنی صاحبزادی کا اس سے نکاح کر دیا۔''

یہی دوشیزہ اپنی شادی سے قبل فتویٰ نویسی میں اپنے باپ کے ساتھ شریک ہوا کرتی تھیں‘ فتویٰ جاری ہوتا تو اس پر ان کے باپ کی تحریر کے ساتھ ساتھ ان کی تحریر بھی ہوا کرتی تھی‘ لیکن جب انہوں نے ''البدائع والصنائع'' کے مؤلف سے شادی کر لی تو فتویٰ جاری ہوتا تو اس پر ان کے دستخط‘ اس کے باپ کے دستخط اور ان کے شوہر کے دستخط ہوتے تھے‘ خاص بات یہ تھی کہ خاوند سے جو غلطی ہو جاتی تو وہ خود اس کی درستی کیا کرتی تھیں۔[1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا‘ امہات المومنین رضی اللہ عنہن‘ سعید بن مسیب رحمہ اللہ کی صاحبزادی‘ فاطمہ سمرقندی اور دوسری مشہور ومعروف خواتین پر ہی بس نہیں ہے بلکہ اور بھی بہت سی علم حاصل کرنے والی مستورات ہیں جو احاطۂ شمار میں نہیں ہیں جنہوں نے ہر علم سے ایک وافر حصہ اخذ کیا ہے اور جنہوں نے بیشتر علوم میں مہارت تامہ بھی حاصل کی ہے۔ ابن سعد نے اپنی کتاب ''الطبقات'' میں ایک باب قائم کیا ہے جس میں صرف خواتین سے مروی احادیث ہی کو جمع کیا ہے‘ جس میں انہوں نے سات سو سے زائد خواتین کا تذکرہ کیا ہے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث کو

[1] تحفة الفقهاء: ١/١٢۔

روایت کیا ہے یا آپ کے معتبر اور ثقہ اصحاب سے اخذ حدیث کیا ہے' اور جن سے معروفِ زمانہ علما محدثین اور ائمہ مسلمین نے روایت لی ہے۔

اور یہ ہیں حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ جو ۵۷۱ھ میں فوت ہوئے ہیں، جو راویانِ حدیث میں سے ثقہ ترین اور سچے ترین راویوں میں سے ہیں حتیٰ کہ وہ ''حافظ الامہ'' کے لقب سے ملقب ہو گئے تھے، ان کے شیوخ و اساتذہ کی فہرست میں اسّی سے زائد اساتذہ خواتین ہیں۔ ①

جب ہم اس عظیم محدث کے متعلق یہ بات جانتے ہیں کہ انہوں نے مملکت اسلامیہ کے مشرقی علاقے سے آگے سفر نہیں کیا' کیونکہ اس نے مصر' اندلس اور بلاد مغرب کا قطعاً سفر اختیار نہیں کیا حالانکہ یہ علاقے خواتین کی علم و معرفت کے اعتبار سے معمور و بھرپور تھے تو ہمارے سامنے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ جن خواتین عالمات و فاضلات سے ان کی ملاقات نہیں ہوئی وہ اس تعداد سے کہیں بڑھ کر ہے جن سے انہوں نے کسبِ علم اور اخذ روایت کیا ہے۔

ان عبارات میں سے جنہیں ہمارے علماء نے کتب حدیث میں بولا اور لکھا ہے، یوں بھی ہے:

((حدثتني الشيخة المسندة الصالحة فلانة بنت فلان))

''مجھے الشیخہ الصالحہ ثقہ خاتون فلانہ بنت فلاں نے حدیث بیان کی ہے۔''

صحیح البخاری کی درخشندہ و تابندہ راویات حدیث کے اسماء گرامی میں سے وزیرہ بنت محمد بن عمر بن اسعد بن منجی التنوخیہ اور کریمہ بنت احمد مروزیہ بھی ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ان دونوں کا تذکرہ فتح الباری کے مقدمہ میں بھی فرمایا ہے۔ ②

جن امور سے مسلمان خاتون کا چہرہ مزید چمکتا دمکتا اور روشن و منور ہو جاتا ہے ایک یہ بھی ہے کہ خاتون حدیث رسول اللہ ﷺ کی روایت میں صادقہ اور امینہ ہے جو تہمت کے الزامات اور بدگمانی کی کثافتوں سے اس حد تک بعید ہے کہ مردوں کی اتنی کثیر تعداد اس مقام پر فائز نہیں ہو سکی' اس امر کی شہادت امام حافظ الذہبی رحمہ اللہ کے اس قول سے ہو رہی ہے جسے انہوں نے رجال حدیث کی نقد و جرح میں ''میزان الاعتدال'' نامی اپنی کتاب میں تحریر کیا ہے' جس میں

---

❶ طبقات الشافعیہ: ۴/ ۲۷۳۔

❷ فتح الباری: ۱/ ۷۔

انہوں نے کم وبیش چار ہزار مرد راویوں کو متہم قرار دیا ہے پھر اس کے آخر میں یہ قول لکھا ہے:

((وَمَا عَلِمْتُ مِنَ النِّسَاءِ مَنِ اتُّهِمَتْ وَلَا مَنْ تَرَكُوهَا)) ①

''میں عورتوں میں سے کوئی ایسی عورت نہیں جانتا جو موردِ اتہام ہو اور نہ ہی کسی ایسے آدمی کو جانتا ہوں جس نے انہیں متروک قرار دیا ہو۔''

دورِ حاضر کی مسلمان خاتون' جب وہ مسلمان خاتون کے تاریخی مقام و مرتبہ اور اس کے تابناک ورثے کے سامنے کھڑی ہوتی ہے تو وہ علم و حکمت سے محبت کرنے اور اس کی جانب بڑھنے میں مزید پیش رفت کرتی ہے' عظیم خواتین کا نام تاریخ اسلام میں فقط علم کی بدولت ہی موجود ہے' انہوں نے تاریخ عالم میں جو بلند و بالا مقام حاصل کیا ہے وہ بھی صرف علم کی وجہ ہی سے ہے' ان کی عقلوں کو نمو دینے اور ان کی رائے کو پختہ تر کرنے' بالغ نظری عطا کرنے' شخصی قوت اور عقلی برتری عطا کرنے میں علم نافع اور درست راہنمائی ہی نے انہیں زادِ راہ فراہم کیا ہے۔

خرافات سے دور رہتی ہے:

مسلمان خاتون علم کی جانب پیش قدمی کرنے والی ہوتی ہے اور خرافات' قصے کہانیوں اور چٹکلوں لطیفوں سے دور رہنے والی ہوتی ہے جو عموماً ان پڑھ اور جاہل خواتین کو خراب کر دیتے ہیں' اس کے برعکس سمجھدار اور اپنے دین کی رہنمائی میں زندگی گزارنے والی خاتون اس بات پر پختہ یقین رکھتی ہے کہ اہل بدعت کی طرف مائل ہونا' خرافات' اساطیر' کہانت اور جادو وغیرہ کی طرف جانا کبیرہ گناہوں میں سے ہے جو مومن کے عمل کو برباد اور اس کی آخرت کو تباہ کر دیتے ہیں' امام مسلم رحمہ اللہ نے بعض ازواج نبی ﷺ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ أَتَى عَرَّافًا فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةٌ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً)) ②

''جو کسی کاہن (جوتشی' نجومی' فال گیر وغیرہ) کے پاس گیا اور اس سے کسی چیز کی بابت سوال کیا تو اس کی چالیس رات تک نماز قبول نہ ہوگی۔''

---

① میزان الاعتدال: ۳/۳۹۵۔

② صحیح مسلم، کتاب السلام: باب تحریم الکھانة و اتیان الکھان، حدیث: ۲۲۳۰۔

اور امام ابوداود رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بایں الفاظ روایت کیا ہے:

((مَنْ اَتٰی کَاهِنًا فَصَدَّقَهٗ بِمَا يَقُوْلُ، فَقَدْ بَرِئَ مِمَّا اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ)) ①

''جو کسی کاہن کے پاس آئے پھر اس کی ان باتوں کی تصدیق کرے جو وہ کہے' تو وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اتاری گئی شریعت سے بری الذمہ ہو جاتا ہے۔''

مطالعہ سے لاتعلق نہیں ہوتی:

مسلمان خاتون کو خانگی مصروفیات اور مادرانہ ذمہ داریاں مطالعہ کتب و جرائد سے نہیں پھیرتیں، وہ اس لیے کہ ایک ذمہ دار سمجھدار مسلم خاتون اس بات کا ادراک رکھتی ہے کہ مطالعہ ایک ایسا گھاٹ ہے جو عقل کو معرفت و دانائی عطا کرتا ہے اور اسے ایسی غذا فراہم کرتا ہے جو اس کو کشادگی' وسعت' پختگی' برتری اور درخشندگی بخشتا ہے۔

وہ مسلمان خاتون جو اپنے دین کی رہنمائی سے یہ بات یاد رکھتی ہے کہ طلب علم ہر مسلمان مرد وزن پر فرض ہے اور جو اپنی عقل کو علم اور دائمی معرفت سے معطر رکھتی ہے اس کے لیے یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ وہ نفع مند مطالعے سے لاتعلق ہو جائے اگرچہ اس پر ہجوم مشاغل وارد ہوں یا خواہ اسے مادرانہ ذمہ داریاں ہی تھکا دیتی ہوں۔ یقیناً وہ وقتاً فوقتاً کچھ نہ کچھ وقت نکالتی رہتی ہے جس میں وہ کسی مفید کتاب کا مطالعہ کر لیتی ہے یا کسی مفید علمی رسالے سے مستفید ہو جاتی ہے' وہ ان جدید آراء و معلومات سے اپنی فکر و دانش کو تر و تازہ کرتی رہتی ہے جو علماء و ادباء اور مفکرین علمی، ادبی، معاشرتی اور فکری آراء پیش کرتے رہتے ہیں' وہ اپنے ذہن کے آفاق کو وسعت اور اپنی عقلی صلاحیتوں کو جلا بخشتی ہے' اور اپنی معلومات میں بھی اضافہ کرتی رہتی ہے۔

(ج) اس کی روح

سمجھدار مسلمان خاتون اپنے دین کی رہنمائی میں رہنے والی اس امر سے غافل اور بے پروا نہیں رہتی کہ وہ عبادت الٰہی' ذکر ربانی اور تلاوت قرآنی کے ذریعے اپنی روح کو صیقل اور پالش

① سنن ابو داوٗد، کتاب الطب، باب في الكاهن، حديث: ۳۹۰٤۔

کرتی رہے اور وہ بھی مستقل متعین اوقات ہیں جن سے وہ کوتاہی نہیں کرتی ' جس طرح مسلمان خاتون سے اپنے جسم اور اپنی عقل کا خیال رکھنے کا کہا گیا ہے بالکل اسی طرح اپنی روح کا خیال رکھنے کا بھی اس سے کہا گیا ہے کیونکہ اسے اچھی طرح باور کروا دیا گیا ہے کہ انسان جسم، عقل اور روح سے مجسم ہے اور ان تینوں چیزوں میں سے ہر ایک کا آدمی پر حق ہے۔ انسان کا کمال اور تفوق اس کے جسم' عقل اور روح کے درمیان توازن برقرار رکھنے ہی سے ظاہر ہوتا ہے وہ اس طرح کہ کسی ایک پہلو کو دوسرے پہلو پر برتری نہ دے' ان تینوں پہلوؤں کے درمیان توازن کو برقرار رکھنے ہی میں یکساں، معتدل، پختہ اور کشادہ شخصی نشوونما کی ضمانت ہوتی ہے۔

عبادت گزاری اور تزکیۂ نفس کا التزام کرتی ہے:

ہدایت یافتہ مسلمان خاتون بذریعہ عبادت اپنی روح کو صیقل کرنے کا حق بھی ادا کرتی ہے' وہ بڑے صاف' خاموش' مطمئن نفس کے ساتھ عبادت الٰہی کی طرف بڑھتی ہے تاکہ روحانی معانی اس کے نفس کی گہرائیوں میں سرایت کرتے جائیں اور وہ اپنی استطاعت کے مطابق شور وغوغا اور دلی مصروفیات کے امور سے بعید تر رہتے ہوئے اسے سرانجام دیتی ہے۔ جب وہ نماز پڑھتی ہے تو نفس کی دلجمعی اور فکر وسوچ کی صفائی کے ساتھ اس انداز سے کہ حالت نماز میں جس قدر قرآنی آیات اور ذکر وتسبیحات پڑھتی ہے اس کا نفس ان کے معانی کو جذب کرتا جاتا ہے۔ پھر کچھ وقت کے لیے اپنے نفس کو الگ تھلگ کر لیتی ہے' اپنے پروردگار اور مالک کی تسبیح خواں رہتی ہے' اس کے کلام کی کچھ آیات تلاوت کرتی ہے' جو ذکر اس کی زبان سے جاری ہوتا ہے اس کے معانی پر تامل وتدبر کرتی جاتی ہے اور جو فکر اس کے دل میں موجزن ہوتی ہے اسے مستحضر رکھتے ہوئے اپنے تصرفات ومعمولات اور اقوال وافعال کو ادا کرتی ہے' اگر اس سے کوئی مخالفت سرزد ہو جائے یا ذات الٰہی کے معاملے میں کوئی کوتاہی ہو جائے تو اپنے نفس کا محاسبہ کرتی ہے تو اس طرح وہ عبادت الٰہی سے مقصود تزکیۂ نفس اور تصفیۂ عقل کو پانے کے لیے مخالفت اور معصیت کے میل کچیل سے اپنے دامن کو بچائے رکھتی ہے مزید وہ شیطان کی جاری وساری ہلاکت خیز وسوسہ اندازی کو رائیگاں بنا دیتی ہے' ایک مسلمان خاتون جو متقی اور راست باز ہوتی ہے وہ کبھی خطا اور تقصیر کی مرتکب بھی ہو جاتی ہے' کبھی اس کا قدم بھی متزلزل ہو جاتا ہے لیکن وہ جلد ہی اپنی تقصیر و

خطا کو چھوڑ کر راست رو بن جاتی ہے' اپنی غلطی کی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتی اپنے گناہ سے تائب ہو جاتی ہے، بلاشبہ پرہیز گار خواتین کا یہی شیوہ ہوتا ہے۔

﴿ إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَٰئِفٌ مِّنَ الشَّيْطَٰنِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ ﴾ (الأعراف: ٧/٢٠١)

''یقیناً جو لوگ پرہیز گار ہیں جب ان کو کوئی خطرہ شیطان کی طرف سے آ جاتا ہے تو وہ یاد میں لگ جاتے ہیں سو یکا یک انکی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔''

اور اسی لیے رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کرتے تھے:

''اپنے ایمان کی تجدید کیا کرو۔'' عرض کی گئی یارسول اللہ! ہم اپنے ایمان کی تجدید کس طرح کریں؟ فرمایا: ''لا الہ الا اللہ کا بول کثرت سے پڑھا کرو۔''[1]

ایک متقی مسلمان خاتون ہمیشہ اپنی روحانی قوت اور اپنے تزکیۂ نفس کو پانے کے لیے دائمی ذکر' عبادت' محاسبہ' خشیت الٰہی اور اپنے دیگر اعمال میں مراقبتِ الٰہی رکھنے سے مدد لیتی رہتی ہے' جو کام اسے راضی کرتا ہو اسے بجا لاتی ہے اور جو کام اسے ناراض کرتا ہو اس سے پہلو تہی کرتی ہے' اس طرح وہ راہِ راست پر رواں دواں رہتی ہے' نہ انحراف کرتی ہے اور نہ ظلم و جور کے قریب جاتی ہے اور نہ ہی صراط مستقیم سے دور جاتی ہے۔

نیک ساتھی اور ایمانی مجالس اختیار کرتی ہے:

اس بلند و بالا مرتبے تک پہنچنے کے لیے وہ پاکیزہ کردار' صالح اور متقی سہیلی کو اختیار کرتی ہے' جو اس کے ساتھ خالص محبت رکھتی اور دل سے اس کی خیر چاہتی ہے، جو کسی بھی معاملے میں اس سے دھوکا نہیں کرتی۔ مسلمان دوشیزہ کے معاملے کی درستی میں عادات حسنہ اور شمائل رفیعہ سے آراستہ کرنے میں نیک سہیلی کا بہت ہی گہرا اثر ہے۔

لہٰذا ساتھ رہنے والی ہم نوالہ وہم پیالہ سہیلی کو اخلاق و عادات میں غالبًا اس کی ہمجولی ہی ہونی چاہیے۔

---

1. مسند أحمد: ٢/٣٥٩۔

عَنِ الْمَرْءِ لَا تَسْأَلْ وَ سَلْ عَنْ قَرِيْنِهٖ
فَكُلُّ قَرِيْنٍ بِالْمُقَارَنِ يَقْتَدِيْ

''آدمی کے متعلق مت پوچھ بلکہ اس کے ساتھی اور ہم نشین کے متعلق پوچھ کیونکہ ہر ساتھی اپنے دوسرے ساتھیوں کی ہی پیروی کرتا ہے۔'' [1]

معززین و شرفا کے ساتھ رہنا سہنا ہی نفس کی شرافت اور ساتھی کے معزز ہونے کی دلیل ہے۔ [2]

بِعِشْرَتِكَ الْكِرَامَ تُعَدُّ مِنْهُمْ
فَلَا تُرَيَنَّ لِغَيْرِهِمُ اَلُوْفَا

''معززین کے ساتھ رہن سہن رکھنے ہی سے تو ان میں شمار کیا جائے گا لہٰذا تجھے ان کو چھوڑ کر دوسروں کے ساتھ الفت رکھنے والا نہ دیکھا جائے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح بروں سے پہلوتہی رکھنا واجب ہے اسی طرح نیکوں کی ہم نشینی اختیار کرنا بھی واجب ہے۔ [3]

اِذَا كُنْتَ فِيْ قَوْمٍ فَصَاحِبْ خِيَارَهُمْ
وَ لَا تَصْحَبِ الْاَرْدٰى فَتَرْدٰى مَعَ الرَّدِيْ

''جب تو لوگوں میں بیٹھا ہو تو ان کے بہترین حضرات کے ساتھ ہم نشینی اختیار کیا کر' کم رتبہ اور ردی لوگوں کے پاس مت بیٹھو وگرنہ ردی کے ساتھ تو بھی ردی ہو جائے گا۔''

مسلمان خاتون کو ایسی دینی مجالس میں حاضری دینے کی حریص رہنا چاہیے' جن میں اسلام کی باتیں اور عظمت اسلام کی گفتگو ہوتی ہو' جن میں فرد' خاتون اور معاشرے کی بہتری کے موضوع زیر بحث آتے ہوں' جن میں اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت اور مخلوقات پر اس کی بے پایاں نعمتوں کے تذکرے اور لیکچر ہوتے ہوں' جن میں اللہ تعالیٰ کے اوامر کو مضبوطی سے تھامنے اور اس

---

1. دیکھیے مولف کی کتاب: عدی بن زید العبادی' ۱۷۲۔
2. اس شعر کا شاعر معلوم نہیں ہو سکا۔
3. دیکھیے مولف کی کتاب: عدی بن زید العبادی' ۱۷۱

کی نواہی سے اجتناب کرنے کے عہد ہوتے ہوں' جن میں اطاعت الٰہی کی طرف لپکنے اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے معاہدے ہوتے ہوں' کیونکہ ایسی محافل و مجالس ہی سے دل نرم ہوتے ہیں' روح پاکی قبول کرتی' اعضاء عاجزی اختیار کرتے' انسانی عظمت بلند ہوتی اور ایمان کی بشاشت قلب میں پیوست ہوتی ہے۔

یہی سبب تھا کہ سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ جب اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی ساتھی سے ملتے تو کہا کرتے: ''آؤ ہم کچھ دیر کے لیے اپنے پروردگار پر ایمان بڑھا لیں۔''

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ فرمان پہنچایا کرتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمایا کرتے تھے:

((يَرْحَمُ اللّٰهُ ابْنَ رَوَاحَةَ' إِنَّهُ يُحِبُّ الْمَجَالِسَ الَّتِيْ تَتَبَاهٰى بِهَا الْمَلَائِكَةُ))

''اللہ تعالیٰ ابن رواحہ پر رحم فرمائے' وہ ایسی مجلسوں کو پسند رکھتا ہے جن پر فرشتے فخر اور رشک کرتے ہیں۔''[1]

خلیفہ راشد سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلافت کے مشاغل اور فیصلوں کی الجھنوں سے الگ تھلگ ہو کر' کسی ایک یا دو مردوں کا ہاتھ تھامتے اور یہ کہتے:

''ہمارے ساتھ کھڑے ہو جاؤ' آؤ' ہم ایمان بڑھا لیں۔''

پھر اللہ تعالیٰ کو یاد کیا کرتے۔[2]

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ جو کہ بذات خود متقی' صالح اور بہترین عبادت گزار تھے وہ بھی گاہے گاہے جلائے نفس کے لیے ضرورت محسوس کیا کرتے تھے اور دنیاوی بندھنوں اور زندگانی کے ہنگاموں سے کچھ وقت چھین لیا کرتے تھے، تاکہ اس مختصر سے وقت میں قلب کو راحت بخشنے' نفس کو جلا دینے اور روح کا تصفیہ کرنے کے لیے فارغ وقت نکال لیں۔

اسی طرح سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اپنے رفقاء و اصحاب سے کہا کرتے تھے جبکہ وہ چل رہے ہوتے تھے:

''ہمارے پاس بیٹھو تاکہ ہم کچھ دیر کے لیے اپنے ایمان کو راسخ کر لیں۔''[3]

---

1. مسند أحمد: ٣/٢٦٥۔
2. حياة الصحابه: ٣/٣٢٩۔
3. بخاری، كتاب الإيمان، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم " بنی الاسلام علی خمس" تعليقًا فی ترجمة الباب۔

مسلمان اپنی روح کو تقویت دینے' اپنی جان کا تزکیہ کرنے' اسے اعلیٰ مراتب تک رسائی دینے اور اسے ادنیٰ درجے کی طرف پلٹنے سے بچانے کا ذمہ دار بھی ہے:

﴿ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ○ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ○ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ○ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ﴾ (الشمس: ۹۱/۷۔۱۰)

''قسم ہے نفس کی اور اسے درست بنانے کی' پھر قسم ہے اس کے دل میں بدی اور نیکی ڈالنے کی' جس نے اسے پاک کیا وہ کامیاب ہوا اور جس نے اسے خاک میں ملا دیا وہ ناکام ہوا۔''

اسی لیے مسلمان خاتون سے صالح اور نیک سہیلیوں' بہترین ماحول اور اچھی مجالس کو اختیار کرنے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے جو اس کی روحانیت کو بلندی' اعمال میں تقویٰ اور نفس میں صفائی پیدا کرنے کا باعث ہیں۔

﴿ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَ لَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ لَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَ اتَّبَعَ هَوٰهُ وَ كَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴾ (الكهف: ۱۸/۲۸)

''اور اپنے آپ کو انہی کے ساتھ رکھا کر جو اپنے پروردگار کو صبح وشام پکارتے ہیں اور اسی کے چہرے کا ارادہ رکھتے ہیں خبردار! تیری نگاہیں ان سے نہ ہٹنے پائیں کہ دنیوی زندگی کے ٹھاٹھ کے ارادے میں لگ جاؤ' دیکھو اس کا کہنا نہ ماننا جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے اور جو اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہوا ہے اور جس کا کام حد سے گزر چکا ہے۔''

اذکارِ مسنونہ وادعیہ ماثورہ کا بکثرت اہتمام کرتی ہے:

وہ چیزیں جو مسلمان خاتون کی روحانی تقویت اور اللہ عزوجل کے ساتھ قلبی تعلق کو گہرا کرتی ہیں ایک چیز بطور معاون یہ بھی ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ سے منقول بعض دعاؤں اور اذکار کو یاد کرتی ہے جنہیں آپ ﷺ کم وبیش اپنے ہر عمل میں پڑھا کرتے تھے جو دعاؤں کے نام سے معروف ہیں' نبی مکرم ﷺ سے ہر اس کام کے بارے میں کچھ نہ کچھ ورد یا دعا منقول ہے جو آپ

سرانجام دیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ سے بڑے ہی دلکش الفاظ کے ساتھ وہ دعائیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نقل کی ہیں، گھر سے نکلنے کی دعا، گھر میں داخل ہونے کی دعا، کھانا شروع کرنے کی دعا، کھانے سے فارغ ہوکر پڑھنے والی دعا، نیا لباس زیب تن کرنے کی دعا، بستر پر لیٹنے کی دعا، نیند سے بیدار ہونے کی دعا، مسافر کو الوداع کرنے کی دعا اور اس کا استقبال کرنے کی دعا..... اسی طرح تقریباً ہر اس عمل میں کوئی نہ کوئی دعا موجود ہے جسے آپ ﷺ کیا کرتے تھے، آپ ﷺ اس دعا کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے تھے تاکہ وہ آپ کی کوشش میں برکت فرمائے، آپ کو لغزش سے بچائے، آپ کو راہِ راست سجھائے، آپ کے لیے نیکی لکھے اور آپ کو برائی سے محفوظ رکھے، جو کہ کتب احادیث میں تفصیلاً منقول ہیں اور جو رسول اللہ ﷺ سے باسند مروی ہیں۔[1]

نبی معظم ﷺ ان اذکار و ادعیہ کے دلکش الفاظ اپنے صحابہ کرام کو بھی سکھلایا کرتے اور انہیں ان کے اوقات میں پڑھنے کی ترغیب دیا کرتے تھے۔

متقی اور اپنی روح کو جلا بخشنے کی حریص مسلمان خاتون ان مسنونہ اذکار میں بہت سی دعائیں سیکھنے کی طرف راغب ہوتی ہے تاکہ رسول اللہ ﷺ کی اور آپ کے نیکوکار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اتباع و پیروی کر سکے اور پھر ان دعاؤں کو حسب استطاعت ان کے اوقات اور مواقع پر پڑھنے کی ہمیشگی بھی اختیار کرتی ہے، اسی طرح اس کا دل اللہ تعالیٰ کے ساتھ مسلسل حالتِ وصل میں باقی رہتا ہے، اس کی روح پاک رہتی، اس کے احساسات تیز ہوتے اور اس کا ایمان زیادہ ہوتا ہے۔

دور حاضر کی مسلمان خاتون تو آج اس روحانی غذا کی انتہائی زیادہ ضرورت مند ہے جس سے وہ اپنی روح کو غذا بہم پہنچا سکتی ہے، اپنے نفس کو روشن کر سکتی ہے اور زمانے کی ہلاکتوں، آفتوں اور اس کی ان الجھنوں سے دور رہ سکتی ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے باغی و سرکش معاشروں کو آتش جہنم کی طرف دھکیل دیا ہے، جس طرح کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنے فرمان میں اس حقیقت کی جانب اشارہ فرمایا ہے:

((اِطَّلَعْتُ فِی النَّارِ فَرَاَیْتُ اَکْثَرَ اَھْلِھَا النِّسَآءَ))

---

[1] کتاب الاذکار للنووی، المأثورات لحسن البنا۔

''میں نے (شبِ معراج) دوزخ میں جھانک کر دیکھا تو اس میں میں نے عورتوں کو زیادہ تعداد میں دیکھا۔''[1]

اپنے دین کی حفاظت رکھنے والی مسلمان خاتون اپنے راستے پر دھیان رکھتی ہے اور صالح اعمال کو بکثرت بجا لانے میں کوشاں رہتی ہے تاکہ اس خوفناک انجام سے نجات پائے جس کی طرف انس و جن کے شیاطین ہر زمان و مکان میں عورتوں کو اس انجام بد سے دو چار کرنے میں مسلسل لگے رہتے ہیں۔

❀❀❀

[1] مسلم، کتاب الرقاق باب اکثر اهل الجنة الفقراء واکثر اهل النار النساء، حدیث: ۲۷۳۷۔

مثالی مسلمان عورت کا تعلق

اپنے والدین کے ساتھ

ان واضح ترین کاموں میں سے جن سے ہدایت یافتہ مسلمان خاتون ممتاز بنتی ہے اپنے والدین کے ساتھ احسان اور نیکی کرنا بھی ہے' اس بنا پر کہ اسلام نے کتاب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی بے شمار قطعی نصوص میں والدین کے ساتھ نیک رویہ اختیار کرنے کی ترغیب دی ہے۔ ہر مسلمان خاتون جو بھی ان نصوص و دلائل کا مطالعہ کرتی ہے اسے ان کو اپنائے بغیر اور والدین کے ساتھ نیکی کیے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں ہے' اس

سے قطع نظر کہ ان کے باہمی احوال وظروف کیسے ہیں اور ان کے باہمی تعلقات خواہ کیسے بھی ہوں۔

والدین کی قدر و منزلت کو پہچاننے والی ہے:

مسلمان خاتون اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تلاوت کرنے سے اس بلند مرتبہ کو سمجھ لیتی ہے جس پر اللہ تعالیٰ

نے والدین کو فائز فرمایا ہے' یہ ایسا رتبہ و مقام ہے جسے اس دین حنیف کے علاوہ کسی دوسرے دین نے انسانوں کے سامنے متعارف نہیں کروایا۔ جس نے اس مقام بلند کو ایمان باللہ اور عبودیت الٰہی کے معاً بعد رکھا ہے۔

ایسی بہت سی آیات کریمہ ہیں جو اللہ کی رضا مندی کے بعد والدین کی رضا کو بیان کرنے والی ہیں' جو ایمان باللہ کے بعد تمام فضیلتوں سے سرفہرست ان سے نیکی کرنے کو بیان کر رہی ہیں:

﴿ وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْئًا وَّ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ﴾

(النساء: ٤/٣٦)

''اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک واحسان کرو۔''

اس وجہ سے اپنے دین کی رہنمائی کو یاد رکھنے والی مسلمان خاتون اپنے والدین سے نیک سلوک کرنے والی ہوتی ہے خواہ وہ کسی بھی عمر کی ہو' کیونکہ اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرنا اس کی ازدواجی زندگی اور اولاد کی ذمہ داریوں کو سنبھالنے سے موقوف تو نہیں ہو جاتی' جہاں پر اس کا ایک خاص مستقل جہان جو اسے دیگر کاموں سے مشغول کر دینے والا ہوتا ہے' آغاز پذیر ہو جاتا ہے' بلکہ والدین کے ساتھ نیکی واحسان کرنا تب تک جاری رہتا ہے جب تک اس کی عمر چلتی ہے اور ایام اس کا ساتھ دیتے ہیں اور یہ قرآن کریم کی ہدایت پر عمل پیرا ہوتے ہوئے کرتی ہے جو زندگی کے آخری سانسوں تک والدین کے بارے میں حکم دینے والا ہے' خصوصاً جب وہ بڑھاپے کی طرف سرک جاتے ہیں' جب وہ کمزوری اور ناتوانی کے مراحل تک پہنچ جاتے ہیں' جب وہ بلند اخلاق' ہلکی سی مسکراہٹ اور میٹھے بول سننے کے محتاج ہو جاتے ہیں:

﴿ وَ قَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِیْمًا۝ وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا﴾ (بنی اسرائیل: ١٧/٢٣، ٢٤)

''اور تیرا پروردگار صاف صاف حکم دے چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا۔ اگر تیری موجودگی میں ان میں سے ایک یا

دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کے آگے اف تک نہ کہنا، نہ انہیں ڈانٹ ڈپٹ کرنا بلکہ ان کے ساتھ ادب واحترام سے بات چیت کرنا اور عاجزی اور محبت کے ساتھ ان کے سامنے تواضع کا بازو پست رکھنا اور دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار! ان پر ویسا ہی رحم کر جیسا کہ انہوں نے میرے بچپن میں میری پرورش کی ہے۔''

متقی سمجھدار مسلمان خاتون جس کی نور بصیرت قرآن مجید سے منور رہتی ہے ایسی ہی خوبصورت ربانی وحی کو پاتی رہتی ہے' جب بھی وہ ان آیات کی تلاوت کرتی ہے جو والدین کی بابت وصیت کرنے والی ہیں' تو ان کے ساتھ اس کی نیکی بڑھ جاتی اور ان سے احسان مزید ترقی پاتا ہے' وہ ان کی خدمت کرنے کی طرف پہلے سے زیادہ لپکتی ہے' اور ان کی رضا مندی کی تلاش میں اپنے آپ کو مزید وقف کر دیتی ہے' خواہ اس کا خاوند بھی ہو اور اولاد اور دیگر ذمہ داریاں بھی کیوں نہ ہوں۔

﴿ وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ﴾

(النساء : ٤/٣٦)

''اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک واحسان کرو۔''

﴿ وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ﴾ (العنکبوت: ٢٩/٨)

''ہم نے ہر انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی نصیحت کی ہے۔''

﴿ وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ ﴾

''ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق نصیحت کی ہے' اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے حمل میں رکھا۔'' (لقمان : ٣١/١٤)

والدین سے نیکی وحسن سلوک کرنے کے بارے میں وارد نصوص میں غور وفکر اور سوچ بچار کرنے والا' بہت سی احادیث شریفہ کو بھی آیات کریمہ کی مسلسل ہم رکابی کرنے والیں' والدین سے نیکی کی فضیلت کی تاکید کرنے والیں اور ان کی نافرمانی و بدخواہی سے خواہ حالات واسباب کیسے ہی کیوں نہ ہوں' ڈرانے والیں پاتا ہے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' کہتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ سے سوال کیا' کونسا عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے بڑھ کر محبوب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نماز کو اس کے وقت پر

ادا کرنا۔'' میں نے عرض کی: پھر کونسا؟ فرمایا: ''والدین سے نیکی کرنا۔'' میں نے عرض کی: پھر کونسا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جہاد فی سبیل اللہ۔''[1]

رسول کریم مربی عظیم ﷺ نے والدین سے نیکی کرنے کو اسلام کے دو عظیم عملوں یعنی نماز کو وقت پر ادا کرنے اور جہاد فی سبیل اللہ کے درمیان بیان فرمایا ہے۔ نماز تو دین کا ستون ہے جبکہ جہاد اسلام کی کوہان ہے، تو یہ کس قدر ہی اونچا اور ارفع مقام ہے جس پر رسول مکرم ﷺ نے والدین کو فائز فرمایا ہے؟

رسول کریم ﷺ کی خدمت عالیہ میں ایک شخص ہجرت اور جہاد کی بیعت کرنے کے لیے حاضر ہوتا ہے' جو اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کی تمنا لیے حاضر ہوتا ہے' آپ اس کو قبول کرنے میں قدرے توقف فرماتے ہیں اور اس سے یہ استفسار کرتے ہیں:

''کیا تیرے ماں باپ میں سے کوئی زندہ ہے؟''

وہ آدمی عرض کرتا ہے: جی ہاں' بلکہ دونوں ہی حیات ہیں تو رسول مقبول ﷺ اس سے پوچھتے ہیں: ((فَتَبْتَغِي الْاَجْرَ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی ؟))

''تو اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کی آرزو بھی رکھتا ہے۔''

تب وہ شخص جواب دیتا ہے: جی ہاں! تو رسول کریم برٌّ رحیم یہ فرماتے ہیں:

((فَارْجِعْ اِلٰی وَالِدَيْكَ' فَاَحْسِنْ صُحْبَتَهُمَا))[2]

''اپنے ماں باپ کے پاس لوٹ جا' ان کی خوب خدمت کر۔''

شیخین کی روایت میں ہے: ایک آدمی حاضر ہوا اور رسول اللہ ﷺ سے جہاد میں جانے کی اجازت طلب کرتا ہے، تب آپ ﷺ نے پوچھا: ''کیا تیرے والدین زندہ ہیں؟'' تو اس نے جواب دیا: جی ہاں' تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((فَفِيهِمَا فَجَاهِدْ))

''ان دونوں ہی میں جہاد کرو۔'' یعنی ان کی خوب خدمت کرو۔[3]

---

1. صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلاة، باب فضل الصلاة لوقتها، حدیث: ٥٢٧۔
2. بخاری، کتاب الجهاد، باب الجهاد، باذن اللابوین، حدیث: ٣٠٠٤، ٥٩٧٢۔ صحیح مسلم، کتاب البرو الصلة، باب بر الوالدین، حدیث: ٢٥٤٩۔
3. صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب الجهاد، باذن اللابوین، حدیث: ٣٠٠٤، ٥٩٧٢۔ صحیح مسلم، کتاب البرو الصلة، باب بر الوالدین، حدیث: ٢٥٤٩۔

سپہ سالار رسول' جب کہ جہاد کے لیے فوج کے دستوں کو تیار فرما رہے تھے اپنے نرم انسانی دل سے اس حقیقت کو نہیں بھولے کہ والدین کمزور ہیں اور انہیں اپنے صاحبزادے کی ضرورت ہے' خوشی سے عمل جہاد میں کودنے والے کو پیچھے پھیر رہے ہیں اور انتہائی نرمی اور شفقت کے ساتھ اپنے والدین کی نگہداشت و خدمت کرنے کی طرف پلٹا رہے ہیں' حالانکہ اس موقع پر آپ کو ہر ایسے ہاتھ کی ضرورت تھی جو شمشیر تھام کر دشمن پر وار کرنے والا ہو' اس سے بالکل عیاں ہو رہا ہے کہ آپ ﷺ کے نزدیک والدین سے نیک سلوک کرنے اور ان کی خدمت بجا لانے میں کس قدر مرتبہ اور اجر وثواب ہے اور اس کامل' متوازن اور بے مثال دین اسلام میں جسے خود اللہ تعالیٰ نے انسان کی سعادت کے لیے نازل کیا ہے والدین کی خدمت کا کیا درجہ اور مرتبہ ہے!

جس وقت سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی ماں نے ان کے اسلام لانے کو برا جانا' تو اس نے ان سے یہ کہا تھا: یا تو تو اپنے اسلام سے پلٹ آ' یا پھر میں کھانے سے کنارہ کش ہو جاؤں گی حتیٰ کہ میں مر جاؤں' پھر تجھے عربوں سے یہ طعنہ سننا پڑے گا: اپنی ماں کا قاتل۔ تب سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے اسے یہ جواب سنایا تھا: تو اچھی طرح جانتی ہے' اللہ کی قسم! اگر تیری سو جانیں بھی ہوں اور وہ باری باری کر کے سب نکلتی جائیں میں تب بھی اپنے اسلام سے نہیں پلٹوں گا۔ اس کی ماں نے ایک دو روز تو صبر سے بھوک کو برداشت کر لیا لیکن تیسرے روز جب بھوک کی شدت بڑھ گئی تو اس نے کھانا کھا لیا' اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کا یہ مقام نازل فرمایا' جسے رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے سامنے تلاوت فرمایا' جس میں سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے اپنی ماں کو سخت الفاظ اور دل دکھانے والے لہجے میں جواب دینے پر اظہار ناراضی موجود ہے:

﴿ وَ اِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَ صَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ﴾ (لقمان : ۳۱/۱۵)

''اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ شریک کرے جس کا تجھے علم نہ ہو تو ان کا کہنا نہ ماننا' ہاں دنیا میں ان کے ساتھ اچھی طرح بسر کرنا۔''

عبادت گزار جریج کے قصے میں بھی والدین کے ساتھ نیکی کرنے اور ان کی اطاعت گزاری میں جلدی کرنے کی اہمیت کے متعلق بہت ہی بڑا سبق موجود ہے جب اس کی ماں نے اسے آواز

دی تھی اور وہ حالت نماز میں تھا۔ وہ دل میں سوچنے لگا: اے میرے اللہ! ایک طرف میری ماں اور ایک طرف میری نماز۔ چنانچہ اس نے نماز کو ہی جاری رکھا۔ اس کی ماں نے اسے دوبارہ آواز دی' تب بھی اس نے اس کی بات کو قبول نہ کیا بلکہ نماز ہی کو جاری رکھا' اس نے تیسری بار پکارا' تو جب اس نے دیکھا کہ اب بھی اس نے لبیک نہیں کہا' تو اسے بددعا دیتی ہے کہ اے اللہ اسے موت نہ دے جب تک وہ بدکارہ اور فاحشہ عورتوں کا منہ نہ دیکھ لے۔ ایک بدکارہ نے کسی چرواہے سے بدکاری کی اور اس سے حاملہ ہوگئی جب وہ اپنے معاملے کے کھل جانے پر فکر مند ہوئی تو چرواہے نے اسے یہ کہا: اگر تجھ سے نومولود کے باپ کے متعلق سوال کیا جائے تو یہی کہنا: وہ عبادت گزار جریج اس کا باپ ہے چنانچہ اس نے یہی کہہ دیا لوگ جریج کا عبادت خانہ گرانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ حاکم نے کھلے میدان میں لے جانے کا حکم صادر کر دیا' ابھی وہ راستے ہی میں تھا کہ اسے اپنی ماں کی بددعا یاد آئی تو وہ مسکرا دیا' جونہی اسے سزا دینے کے لیے آگے کھڑا کیا گیا تو اس نے دو رکعت نماز پڑھنے کی مہلت طلب کی' پھر اس نے بچے کو منگوایا' اس کے کان میں دبی آواز میں یہ کہا: تیرا باپ کون ہے؟ وہ بولا: میرا باپ فلاں چرواہا ہے۔[1] تب لوگوں نے بلند آواز سے لا الہ الا اللہ کہا اور نعرۂ تکبیر بلند کیا اور عرض کرنے لگے: ہم تیرے عبادت خانے کو اب سونے اور چاندی سے بنا دیں گے' وہ بولا: نہیں' جیسے مٹی اور گارے کا پہلے تھا ویسا ہی بنا دو۔ پھر نبی اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے:

«لَوْ كَانَ جُرَيْجٌ عَالِمًا لَعَلِمَ اَنَّ اِجَابَتَهُ اُمَّهُ اَوْلٰى مِنْ عِبَادَةِ رَبِّهٖ»

''اگر جریج عالم ہوتا تو ضرور یہ جان لیتا کہ اس کا اپنی ماں کی بات کو قبول کر لینا اپنے پروردگار کی عبادت گزاری سے بہتر ہے۔''[2]

یہیں سے فقہاء نے یہ رائے پیش کی ہے کہ جب کوئی آدمی نفل نماز ادا کر رہا ہو اور اس کے والدین میں سے کوئی اسے آواز دے تو اس کے لیے یہ لازم ہے کہ وہ اپنی نماز کو توڑ کر اس کی بات کو سنے۔

---

1. یہ بچہ ان تینوں میں سے ایک ہے جنھوں نے گود میں کلام کیا ہے اور دوسرے دونوں یہ ہیں: عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) اور وہ بچہ جو کھائیوں والوں میں سے اپنی والدہ کے ساتھ تھا۔
2. صحیح بخاری، کتاب العمل فی الصلاۃ: باب اذا دعت الام ولدھا فی الصلاۃ، حدیث: ۱۲۰۶، ۲۴۸۲۔

بلاشبہ مسلمان مردوں اور عورتوں کے دل و دماغ میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ والدین سے نیکی کرنا واجب ہے لہٰذا بچوں اور بچیوں کو اپنے والدین کی زندگی میں اور ان کی موت کے بعد بھی ان سے نیکی کرنے میں عجلت و مسارعت سے کام لینا چاہیے۔ اس ضمن میں اخبار و احادیث بکثرت وارد ہیں' ان میں سے چند ایک ملاحظہ فرمائیں:

''جہینہ قبیلے کی ایک عورت نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی' اور بولی: میری ماں نے حج کرنے کی نذر مانی تھی لیکن مرنے سے پہلے حج نہ کر سکی' تو کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں' اس کی طرف سے حج کر' اچھا ذرا تو یہ بتا اگر تیری ماں کے ذمے قرض ہوتا تو کیا تو اسے ادا کرتی؟ اللہ تعالیٰ کا حق بھی ادا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا زیادہ حق بنتا ہے کہ اس سے وفا کی جائے۔''①

مسلم کی روایت میں ہے' ''اس عورت نے کہا: ''اس پر ایک ماہ کے روزے تھے' تو کیا میں اس کی طرف سے روزے رکھوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کی طرف سے روزے رکھ۔'' وہ بولی: ''اس نے کبھی حج نہ کیا تھا تو کیا میں اس کی طرف سے حج بھی کر سکتی ہوں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کی طرف سے حج بھی کر لے۔''②

اپنے والدین سے نیکی کرتی ہے خواہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہوں:

اسلام کے عظیم نبی ﷺ انسانیت کو بلند چوٹی تک لے جانے کے لیے اپنی مبارک ہدایات میں انتہائی بلندی پر ہیں کیونکہ آپ ماں باپ کے ساتھ' خواہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہوں' نیکی و احسان کرنے کی تلقین فرما رہے ہیں' اور یہ بات اس حدیث میں موجود ہے جسے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میری ماں میرے پاس آئی' جب کہ وہ مشرکہ تھی اور یہ عہد رسالت مآب ﷺ کی بات ہے' میں نے رسول اللہ ﷺ سے فتویٰ طلب کیا' میں نے عرض کی: میری ماں میرے پاس آئی ہے جو کہ میرے پاس موجود چیزوں میں رغبت

---

① صحیح بخاری، کتاب جزاء الصید، باب الحج والنذور، حدیث: ۱۸۵۲۔

② صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب قضاء الصوم عن المیت، حدیث: ۱۱۴۹۔

رکھتی ہے' کیا میں اس سے مل سکتی ہوں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں' اپنی ماں سے ملو۔''③

قرآن کریم کی اعلیٰ ترین ترجیہات اور بلند ترین نبوی توجہات کو یاد رکھنے والی مسلمان خاتون کے لیے کوئی اور چارہ کار نہیں ہے سوائے اس کے کہ وہ پوری مخلوق الٰہی سے بڑھ کر اپنے والدین کے ساتھ نیکی کا رویہ رکھنے والی بن جائے اور ان سے بہترین معاشرت رکھنے والی ہو جائے اور یہ ہر حال میں اور ہر وقت میں ہو' اور یہی طرز عمل تھا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اور ان لوگوں کا جنھوں نے احسان کے ساتھ ان کی پیروی اختیار کی' ایک آدمی نے سیدنا سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے یوں دریافت کیا مجھے والدین کی بابت ساری آیت مبارکہ سمجھ آ گئی ہے بجز اس حصے کے' فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴾ (بنی اسرائیل: ۲۳/۱۷)

''ان کے ساتھ ادب واحترام سے بات چیت کرنا۔''

تو اس ادب واحترام سے بات چیت کرنے سے کیا مراد ہو سکتا ہے؟ تب سیدنا سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جواب دیا: ان سے اس طرح مخاطب ہوا کرو جس طرح کوئی غلام اپنے آقا سے مخاطب ہوتا ہے۔ امام ابن سیرین رحمہ اللہ اپنی والدہ سے دھیمی آواز سے گفتگو کیا کرتے تھے جس طرح کہ کسی مریض کی آواز ہے اور یہ اس کے ادب واحترام اور تکریم وتعظیم کی بنا پر کرتے تھے۔

ان کی نافرمانی سے حد درجہ ڈرتی رہتی ہے:

والدین کے ساتھ نیک سلوک رکھنے کے بقدر مسلمان خاتون انکی نافرمانی کے جرم میں واقع ہونے سے ڈرتی بھی ہے' یہ اس لیے کہ وہ اس جرم کے بوجھ کو سمجھتی ہے جسے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا جاتا ہے' وہ اس تاریک اور ترش صورت حال کو بھی جانتی پہچانتی ہے جسے نصوص صحیحہ نے والدین کی نافرمانی کرنے والی ہر خاتون کیلئے واضح بیان کیا ہے۔ یہ نصوص صحیحہ اس کے سخت دل سے کھٹکتے اور اس کے سوئے ہوئے ضمیر کو ہلاتے اور اس کے جامد احساسات کو بیدار کرتے ہیں۔

❶ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب صلة المراة امها ولها زوج، حدیث : ۵۹۷۹۔
صحیح مسلم، کتاب الزکاة، باب فضل النفقة والصدقة علی الاقربین، حدیث : ۱۰۰۳۔

تاریک صورت حال یہ ہے کہ والدین کی نافرمانی کرنے والی کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے کے جرم سے ملایا گیا ہے جس طرح ان سے حسن سلوک کرنے کو ایمان باللہ کے ساتھ ملا کر بیان کیا گیا ہے' یہ نافرمانی انتہائی گھناؤنا اور دلدوز جرم ہے جس پر ایک سچی مسلمان خاتون کی عقل حواس باختہ ہو جاتی ہے اور اس کے ہوش اڑ جاتے ہیں' بلاشبہ یہ اکبر الکبائر اور تمام گناہوں سے بھاری گناہ ہے۔

سیدنا ابوبکرہ نفیع بن حارث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:
''کیا میں تمہیں اکبر الکبائر سے آگاہ نہ کروں؟ آپ نے تین مرتبہ یہی فرمایا: ہم نے عرض کی: جی ہاں یارسول اللہ! ضرور ارشاد فرمایئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« اَلْاِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ » [1]

''اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔''

اپنی ماں سے پھر اپنے باپ سے نیکی کرتی ہے:

اسلامی تعلیمات والدین سے نیکی کرنے پر ابھارتی ہیں اور بعض تعلیمات ماں اور باپ دونوں کے ساتھ انفرادی طور پر حسن سلوک اختیار کرنے میں بھی خاص طور پر موجود ہیں' جو مجموعی اعتبار سے بچوں اور بچیوں کو اپنے والدین سے توازن واعتدال کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیتی ہے جبکہ بعض نصوص میں باپ کی نسبت ماں کے ساتھ نیکی کرنے کو مقدم سمجھنے کی تاکید بھی وارد ہے۔

یہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ' آپ اس آدمی سے سوال کر رہے ہیں جو جہاد کی خاطر بیعت کرنے کے لیے حاضر خدمت ہوا ہے:

« فَهَلْ مِنْ وَالِدَيْكَ اَحَدٌ حَيٌّ؟ »

''کیا تیرے والدین میں سے کوئی ایک زندہ ہے؟''

یہ واضح تر ثبوت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم والدین میں سے ہر ایک کے ساتھ نیکی کرنے کو واجب گردانتے ہیں۔ ہم نے حدیث اسماء رضی اللہ عنہا میں بھی دیکھا ہے کہ آپ نے انہیں اپنی مشرکہ

---

[1] صحيح بخاري، كتاب الادب، باب عقوق الوالدين، من الكبائر، حديث : ٥٩٧٦۔ صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب الكبائر و اكبرها، حديث : ٨٧۔

ماں سے بھی صلہ رحمی کرنے کا حکم دیا ہے۔

آپ ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا' اس نے پوچھا: یارسول اللہ! میرے حسن صحبت وسلوک کا تمام لوگوں میں سے کون زیادہ حقدار ہے؟ تو رسول کریم ﷺ نے اسے یہ جواب دیا: ''تیری ماں'' اس نے عرض کی: پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تیری ماں۔'' وہ بولا: پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تیری ماں۔'' وہ بولا: پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تیرا باپ۔''[1]

اس حدیث مبارکہ میں رسول کریم ﷺ کی جانب سے یہ تاکید ہے کہ ماں سے نیکی کرنا باپ سے نیکی کرنے پر مقدم ہے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی رسول اکرم ﷺ کے بعد مسلمانوں کے لیے اسی معنی کی تاکید وتعلیم فرمایا کرتے تھے' حتیٰ کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی، جو کہ حبر الامہ اور فقیہ امت ہیں، والدہ کے ساتھ نیکی کرنے کو اللہ تعالیٰ کے مقرب ترین اعمال میں سے بیان کیا ہے۔ آپ کے پاس ایک آدمی عرض پرداز ہوا: میں نے ایک خاتون کو پیغام نکاح بھیجا تھا لیکن اس نے مجھ سے نکاح کرنے سے انکار کر دیا' میرے علاوہ کسی اور نے پیغام نکاح بھیجا تو اس نے اس سے نکاح کرنے کو پسند کر لیا' مجھے اس عورت پر غیرت آ گئی چنانچہ میں نے اسے قتل کر ڈالا ہے' تو کیا میری کوئی توبہ ممکن ہے؟ پوچھا: کیا تیری ماں حیات ہے؟ کہنے لگا: نہیں۔ تب فرمایا: اللہ عزوجل سے توبہ کرو' اور مقدور بھر کوشش سے اس کا قرب حاصل کرو۔ سیدنا عطاء بن یسار جو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس حدیث کے راوی ہیں کہتے ہیں: میں عبداللہ بن عباس کے پاس حاضر خدمت ہوا اور دریافت کیا: آپ نے اس شخص سے اس کی ماں کی زندگی کی بابت کیوں پوچھا تھا؟ فرمانے لگے: میں کوئی عمل ایسا نہیں جانتا جو والدہ کے ساتھ حسن سلوک کرنے سے بڑھ کر اللہ عزوجل کا مقرب کرنے والا ہو۔[2]

اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الادب المفرد'' میں والدین کے ساتھ نیکی کرنے کے بیان میں ''ماں کے ساتھ نیکی کرنے'' کے باب کو باپ کے ساتھ نیکی کرنے پر مقدم بیان فرمایا ہے' وہ بھی اپنی اس باب بندی میں اسی ترتیب اور ربط کو اور نبی کریم ﷺ کی

---

1. صحیح بخاری، کتاب الادب، باب من احق الناس بحسن الصحبة، حدیث : ۵۹۷۱۔ صحیح مسلم، کتاب البروالصلة، باب بر الوالدین، حدیث : ۲۵۴۸۔
2. اخرجه البخاری فی الادب المفرد ۱/ ۴۵ باب برالام۔

ہدایت میں مضمر یات کو ثابت فرما رہے ہیں۔

قرآن کریم نے بچوں کے دلوں میں نیکی اور عرفان کے جذبات کو ابھارا ہے۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک اختیار کرنے کا حکم دیا ہے' اور ماں کو حمل و رضاعت کے امور میں حامل فضیلت ٹھیرا کر سراہا ہے اور زندگی کے ان کٹھن ترین دونوں مراحل میں اس کی مشقتوں اور کلفتوں کے برداشت کرنے کو بڑے ہی احسن پیرائے میں ذکر کیا ہے' یہی بات ہمیں بتا رہی ہے کہ ماں' انتہائی شفقت اور اعلیٰ قربانی دینے میں ممتاز ہے:

﴿ وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ ﴾ (لقمان: ۳۱/ ۱۴)

''ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق نصیحت کی ہے' اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے حمل میں رکھا اور اس کی دودھ چھٹائی دو برس میں ہے کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کر' میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔''

اس بلند ترین تربیت پر قربان! اس انسانی عمدہ ترین رہنمائی پر فدا!

﴿ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ ﴾

''کہ میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کر۔''

ان تمام نعمتوں اور عنایتوں پر والدین کا شکریہ ادا کرنا ہے جو بھی انہوں نے خیر و بھلائی کی صورت میں بچے کو عطا فرمائی ہیں، تو یہ شکر الٰہی کے بالکل معاً بعد ذکر کیا گیا ہے تو اس سے ظاہر ہوا کہ یہ بھی فضائل اور اعمال صالحہ میں سے سرفہرست ہے۔

قربان جایئے اس بلند ترین مقام و مرتبے پر جس پر اس دین حنیف نے والدین کو فائز فرمایا ہے!

تو لیجیے دیکھئے' یہ ہیں ابن عمر رضی اللہ عنہما جو بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے ایک یمنی آدمی سے ملتے ہیں' جو اپنی والدہ کو اٹھائے ہوئے یہ کہتا جا رہا ہے: میں اس کا فرمانبردار اور مطیع اونٹ ہوں' میں نے اسے اس سے کہیں بڑھ کر اٹھا لیا ہے جتنا اس نے مجھے اٹھایا تھا' اے ابن عمر! کیا میں نے اس کا بدلہ چکا دیا ہے آپ کا کیا خیال ہے؟ تو آپ نے جواب دیا: نہیں' اس کے (بوقت ولادت

کے) ایک لمبے سانس کا بھی بدلہ نہیں چکایا![1]

اور یہ ہیں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جو اہل یمن کے امدادی فوجی دستوں سے جب بھی ملتے ہیں یہ سوال ضرور کرتے ہیں: کیا تم میں اویس بن عامر ہیں؟ حتیٰ کہ اویس کے پاس آتے ہیں' پوچھا: تو ہی اویس بن عامر ہے؟ عرض کی: جی ہاں۔ پوچھا: بنومراد سے اور پھر بنوقرن سے؟ جواب دیا: جی ہاں! پوچھا: کیا تجھے برص ہوا تھا اور تو اس سے صحت یاب ہو گیا ہے بجز مثل درہم کے جواب دیا: جی ہاں۔ پوچھا: کیا تیری والدہ بھی ہے؟ جواب دیا: جی ہاں۔ تب فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا تھا: اہل یمن کے امدادی فوجی دستوں کے ہمراہ تمہارے پاس اویس بن عامر آئے گا جو قرن قبیلہ کے مراد خاندان سے ہوگا' اسے مرض برص لاحق ہوا ہو گا اور وہ اس سے بجز درہم برابر جگہ کے صحت یاب بھی ہو چکا ہوگا' اس کی والدہ بھی ہوگی' وہ اس کے ساتھ نیکی کرنے والا ہوگا' اگر وہ اللہ تعالیٰ پر قسم بھی ڈال دے تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور پورا کر دے گا۔ اگر تیرا بس چلے تو یہ کوشش کرنا کہ وہ تیرے لیے معافی مانگ دے تو ایسا کر لینا۔ لہٰذا آپ میرے لیے معافی کی دعا مانگیں' چنانچہ انہوں نے آپ کے لیے معافی کی دعا مانگی۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: تمہارا کہاں کا ارادہ ہے؟ بولے: کوفہ کا' فرمایا: کیا میں تمہارے لیے گورنر کوفہ کے نام چند الفاظ تحریر کر دوں؟ عرض پرداز ہوئے: ''مجھے گم نام لوگوں میں رہنا زیادہ محبوب ہے۔''[2]

دیکھا آپ نے' کس قدر بلند مقام ہے جس پر اویس قرنی اپنی والدہ سے نیکی کرنے کے باعث پہنچ چکے ہیں' حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان سے دعا کروانے کی تلقین بھی فرمائی!

مذکورہ سب دلائل اس حقیقت کی نشاندہی کر رہے ہیں کہ اسلام نے ''ماں کی ممتا'' کو انتہائی بلند مقام عطا فرمایا ہے اور اسے باپ کے ''مقام پدری'' سے مقدم ٹھیرایا ہے' اس تعلیم کے ساتھ ساتھ کہ دونوں کے مقامات کو واضح کیا ہے اور اپنے پیروکاروں کو ان سے حسن سلوک کرنے کی

---

1. أخرجه البخاري في الأدب المفرد: (١/ ٦٢) باب برء الوالدين۔
2. صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة: باب من فضائل أويس القرني، حديث: ٢٥٤٢۔

ترغیب دی ہے۔

دنیا اس دوشیزہ پر بہت خوش ہوتی ہے جو ازدواجی گھرانے میں نعمتوں میں گھل مل جاتی ہے، خاوند کی بن کر رہتی ہے، اور اپنی پروان چڑھنے والی اولاد کی طرف دھیان دیتی ہے اور والدین کی بجائے دوسرے رشتوں میں مصروف ہو جاتی ہے بلکہ والدین کی طرف اس کی توجہ اور ان سے حسن سلوک کم تر ہو جاتا ہے اور ان کی خبر گیری بھی ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن ایک سمجھدار ہدایت یافتہ مسلمان خاتون اس غفلت و بے پروائی سے بہت بلند تر نظر آتی ہے کیونکہ وہ والدین کے بارے میں قرآن کریم کے ارشادات اور حدیث شریف کے فرمودات کا مطالعہ کرتی رہتی ہے، اس لیے وہ والدین کی بہت زیادہ فکر مند رہتی ہے، ہمیشہ ان کی خبر گیری کرنے کی خواہاں رہتی ہے، ان کے ساتھ نیکی و احسان کرنے میں جلد بازی دکھاتی ہے خواہ اس کے حالات وواقعات اور مصروفیات کیسی بھی ہوں، حتی المقدور وہ ان کی خیر خواہی کرتی رہتی ہے۔

ان سے نیکی کرنے کا احسن اسلوب اختیار کرتی ہے:

بلاشبہ سمجھدار مسلمان خاتون ہدایت اسلام کے لیے اپنے دل کے دریچوں کو کھول لیتی ہے اور اس کی بلند اقدار اور عمدہ ترین مثالوں کو گلے لگاتی ہے، اپنے والدین سے نیکی کرتی اور ان کے ساتھ نیکی کرنے میں احسن انداز اپناتی ہے، ان سے گفتگو کرنے میں اور معاملات طے کرنے میں اعلیٰ ترین طریقہ اور احسن انداز اختیار کرتی ہے۔ وہ ان سے مکمل احترام، تعظیم اور ادب سے مخاطب ہوتی ہے، تمام ایسے اسباب کو بروئے کار لانے کی کوشش کرتی ہے جن میں ان کے مقام و مرتبہ کا لحاظ قائم رہتا ہے، رحمت و مہربانی والا عاجزی و انکساری کا بازو ان کے سامنے جھکائے رکھتی ہے، جس طرح کہ اللہ رب العزت نے اپنی کتاب عزیز میں اس کا حکم دیا ہے، والدین کی جانب سے کوئی ڈانٹ ڈپٹ یا غصے کے الفاظ سن کر بدکتی نہیں ہے خواہ اس کے حالات وظروف کیسے ہی بن جائیں وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رہنمائی کو ہمیشہ قبول کرنے والی رہتی ہے:

﴿ وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا۝ وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا

كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴾ (بنی اسرائیل: ۱۷/ ۲۳'۲٤)

''اور تیرا پروردگار صاف صاف حکم دے چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا' اگر تیری موجودگی میں ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کے آگے اف تک نہ کہنا' نہ انہیں ڈانٹ ڈپٹ کرنا بلکہ ان کے ساتھ ادب واحترام کے ساتھ بات چیت کرنا اور عاجزی اور محبت کے ساتھ ان کے سامنے تواضع کا بازو پست رکھے رکھنا اور دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار! ان پر ویسا ہی رحم کر جیسا انہوں نے میرے بچپن میں میری پرورش کی ہے۔''

بعض اوقات یوں بھی ہوسکتا ہے کہ والدین دونوں یا ان میں سے کوئی ایک راہ حق وصواب سے دور ہو جائے تو ایسی صورت حال میں نیکوکار مسلمان دوشیزہ پر واجب ہے کہ وہ ان دونوں سے نرمی وموافقت کا راستہ تلاش کرے اور ان کے ساتھ رفق وملائمت اور اطمینان وملاطفت کی راہ اختیار کرے' سنگدلی سے کام لے اور نہ ظلم وجور پر اترے اور نہ ہی ادب وتہذیب کے دائرے سے باہر نکلے' بلکہ انہیں قائل کرنے کی وہ راہیں تلاش کرے کہ جن سے ان کا احترام بھی ملحوظ خاطر رہے' اس ضمن میں اپنے ہدف ومقصد تک رسائی پانے کے لیے صبر' پاکیزہ الفاظ' میٹھی مسکراہٹ' قوی دلیل' منطق سلیم اور حکمت سے معمور مہذب اسلوب کے اسلحہ سے لیس رہنے کی مکمل کوشش کرے۔

مسلمان خاتون سے والدین کے حوالے سے اس احسان کا مطالبہ کیا جا رہا ہے حتیٰ کہ وہ دونوں مشرک ہی کیوں نہ ہوں۔ اور یہ امر بھی پوشیدہ نہیں ہے کہ ان کے شرک کرنے کے باوجود اسے ان سے حسن معاشرت رکھنے کا پابند بنایا گیا ہے اور یہ اچھی طرح جانتی بوجھتی بھی ہے کہ شرک اکبر الکبائر ہے اس کے باوجود بھی اس یکتا' روشن' عالی ظرف شریعت میں والدین سے نیکی کرنے سے کم کوئی امر قابل قبول نہیں ہے:

﴿ وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّ فِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْلِيْ وَلِوَالِدَيْكَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ٥ وَ اِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰۤى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَالَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَ صَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا

﴿وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ﴾

(لقمان: ٣١/١٤، ١٥)

''ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق نصیحت کی ہے' اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے حمل میں رکھا اور اس کی دودھ چھٹائی دو برس میں ہے کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کر' میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ شریک کرے جس کا تجھے علم نہ ہو تو تو ان کا کہنا نہ ماننا، ہاں دنیا میں ان کے ساتھ اچھی طرح بسر کرنا اور اس کی راہ چلنا جو میری طرف جھکا ہوا ہو تمہارا سب کا لوٹنا میری ہی طرف ہے تم جو کچھ کرتے ہو اس سے پھر میں تمہیں خبردار کر دوں گا۔''

یقیناً اسلام میں والدین کے ساتھ نیکی کرنا ایک بہت ہی عظیم کام ہے' کیونکہ یہ رشتہ پختہ ترین رابطوں اور محکم و مضبوط انسانی رگوں سے یعنی اولاد کے پدرانہ اور مادرانہ رابطوں سے پھوٹتا ہے۔ لیکن یہ رابطہ انتہائی جلالت اور شان والا ہے یہ نمبر میں عقیدے کے رابطے کے بعد آتا ہے' اگر والدین مشرک ہوں' اور اپنی بیٹی یا بیٹے کو شرک کا حکم کریں تو اس معاملے میں ان کی اطاعت نہیں کرنی' کیونکہ خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے' اور اس لیے بھی کہ عقیدے کے تعلق سے کوئی تعلق بڑھ کر نہیں ہے اور نہ ہی کوئی رشتہ اس رشتے سے بالاتر ہے۔ اس کے باوجود اولاد کو اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرنے' ان کی خدمت بجا لانے اور ان سے احسان کرنے کا پابند رہنا چاہیے۔

یہی وجہ ہے کہ مسلمان خاتون اپنے تمام حالات میں اپنے والدین سے نیکی کرنے والی رہتی ہے' ان کی خوشحالی اور ان کے دلوں کو مسرت و فرحت دلانے کے لیے اپنی طاقت کے مطابق کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتی اور نہ ہی کوئی ایسا موقع ہاتھ سے جانے دیتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور والدین کی خوشنودی مضمر ہو' گاہے گاہے ان کی احوال پرسی و خبر گیری کرنا' ان کو خوش رکھنے کے لیے خدمات بجا لاتے رہنا' ان کی زیادہ سے زیادہ ملاقات کرنا' ان کی جانب خوش کن مسکراہٹ' ہلکے تبسم' محبت رکھنے والے کشادہ دل' خوشگوار خوبصورت ہدیے اور الفت سے

معمور پاکیزہ کلمات بول ان کی مزاج پرسی کرنا اس کا معمول ہونا چاہیے۔
یہ ان کی زندگی میں بھی ہونا چاہیے اور ان کی موت کے بعد بھی ان کے لیے دعائے مغفرت کرنے' ان کی طرف سے صدقات وخیرات کرنے' ان کے ذمہ واجب الادا قرضے ادا کرنے خواہ وہ اللہ کے ہوں یا لوگوں کے' والدین سے حسن سلوک کے چند اسلامی طریقے ہیں۔
والدین کے ساتھ نیک رویہ رکھنا مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے اخلاق میں سے ایک مستقل عادت ہے' اس بہترین مستقل عادت کو ان کی زندگی میں جاری وساری رہنا چاہیے' خواہ زندگی کی پیچیدگیاں دامن گیر ہوں' یا معاشی پریشانیاں سایہ فگن ہوں یا کاروباری مصروفیات اور ذمہ داریوں کی بھرمار ہی کیوں نہ ہو۔
یہ اس لیے بھی کہ یہ اخلاق قلبی جذبے کی ایک واضح دلیل ہے جو شروع سے مسلمانوں کے ملکوں میں موجود چلا آرہا ہے الحمد للہ' اور وفاداری کی ایک برہان بھی ہے جس سے مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آراستہ نظر آتے ہیں' جو زندگی کے آخر تک دھیان رکھتے ہیں' اور یقیناً اب وہ غمگساری کے ایک بول' محبت بھری گفتگو' الفت والے ہاتھ' پیار کرنے والے دل اور خوابیدہ آرزوؤں کو بیدار کردینے والی مسکراہٹ کے کہیں زیادہ حقدار ہیں۔
بلاشبہ یہ عادت انسان کو' خواہ وہ مرد ہو یا عورت' سنگ دلی سے' جذبات کی خشکی سے اور انکار وناشکری کی تکلیف سے بچانے والی ہے اور پھر اس کے نتیجے میں اس کے لیے جنتوں کے دروازے بھی کھول دینے والی ہے۔

اسلام میں شادی مرد وزن کے مابین ایک مبارک عقد کا نام ہے، جس کے ساتھ ایک، دوسرے کے لیے حلال ہو جاتا ہے اور اس سے دونوں طویل زندگی کا سفر شروع کرتے ہیں، دونوں ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہیں، باہم تعاون کرتے ہیں، باہم دیگر الفت کا برتاؤ کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے عیوب سے چشم پوشی کرنے والے بنتے ہیں۔ دونوں میں سے ہر کوئی دوسرے سے سکون پاتا ہے، دوسرے کی صحبت میں سکینت، انس، امن، اطمینان اور زندگی کی لذت پاتا ہے۔ اور قرآن کریم نے مرد و عورت کے درمیان اس بلند ترین شرعی تعلق کی نہایت ہی شفاف اور دلکش تصویر کشی فرمائی ہے جس پس منظر میں محبت والفت باہمی اعتماد افہام وتفہیم اور رحمت و کرم فرمائی کی بارشیں جھلک رہی ہیں اور جس سے مودت و سعادت اور نعمت و بہجت کی

خوشبوئیں مہک رہی ہیں' ملاحظہ فرمائیں:

﴿ وَ مِنۡ اٰیٰتِہٖۤ اَنۡ خَلَقَ لَکُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ اَزۡوَاجًا لِّتَسۡکُنُوۡۤا اِلَیۡہَا وَ جَعَلَ بَیۡنَکُمۡ مَّوَدَّۃً وَّ رَحۡمَۃً ﴾ (الروم: ۳۰/۲۱)

''اور اس کی نشانیوں میں سے تمہاری ہی جنس کی بیویاں پیدا کرنا ہے تاکہ تم ان سے آرام پاؤ' اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور مہربانی قائم کر دی۔''

بلاشبہ یہ مضبوط ترین رشتوں اور تعلقات میں سے ایک ربانی رشتہ اور تعلق ہے' دو مسلمان مرد و زن کے نفسوں کے درمیان اللہ رب العزت ایک بندھن کے ذریعے انہیں یکجا بنا رہے ہیں جس کے ذریعے دونوں محبت' باہمی افہام و تفہیم' باہم دیگر تعاون اور ایک دوسرے کی خیر خواہی کے جذبات کے ساتھ ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ یہ دونوں ایک مسلم کنبہ کی بنیاد رکھتے ہیں جن میں بچپن بڑی نرم روی کے ساتھ رینگنے لگتا ہے پھر عقلوں کے شگوفے کھلتے ہیں اور جس کے بعد نفوس ایسے مکارم اخلاق کے ساتھ آراستہ ہونے لگتے ہیں جنہیں دین حنیف اسلام لے کر آیا ہے تو اس طریقے سے ایک مسلمان خاندان ایک ہدایت یافتہ مسلمان معاشرے کی بلڈنگ میں ایک پختہ اینٹ کی حیثیت رکھتا ہے جبکہ افرادِ کنبہ اس بلڈنگ کے تیار کنندگان کا مقام پاتے ہیں' جو نیکی اور پرہیزگاری کے امور پر معاونت کرنے والے اور نیک اعمال میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے والے ہوتے ہیں۔

ایک مسلمان خاتون ایک مسلم کنبے کا ستون ہے اس کا انتہائی اہم رکن اور اس کی مضبوط ترین بنیاد ہے اور یہی آدمی کی زندگی میں اس دارِ فانی کا متاع گراں بہا ہے بلکہ اس دنیاوی حیات میں تمام متاع دنیا میں سے سرفہرست قیمتی ترین متاع زیست ہے جس طرح کہ رسول کریم ﷺ کا فرمان گرامی ہے:

((اَلدُّنۡیَا مَتَاعٌ وَخَیۡرُ مَتَاعِ الدُّنۡیَا الۡمَرۡأَۃُ الصَّالِحَۃُ)) [1]

''ساری دنیا ہی ساز و سامان ہے جبکہ ایک نیک بیوی ساری دنیا کے مال و متاع میں سے سب سے بہترین نعمت ہے۔''

---

[1] صحیح مسلم' کتاب الرضاع' باب استحباب نکاح البکر، حدیث: ۱۴۶۹۔

خاوند کے اوپر یہ اللہ تعالیٰ کی نہایت ہی اعلیٰ نعمت ہے' جب وہ زندگی کی سختیوں اور مشقت و تھکاوٹ کی کلفتوں میں اس سے سکون لیتا ہے' وہ اس سے راحت' تسلی' سکون' اطمینان اور ایسا لطف پاتا ہے کہ ویسا لطف دنیا جہان کی کوئی نعمت بھی اسے عطا نہیں کر سکتی۔

ایک بیوی خاوند کے حق میں زندگی کی بیش بہا نعمت' متاع دنیا کی خیر' کامیاب بیوی' اپنی انوشت میں اعلیٰ ترین محبوبہ' معززہ اور محترمہ کس طرح بن سکتی ہے؟ تو بالکل یہی باتیں ہیں جنہیں آئندہ چند صفحات بیان کر رہے ہیں۔

خاوند کے چناؤ میں حسن انتخاب:

اسلام نے عورت کو جو عزت بخشی ہے اس میں سے ایک امر یہ بھی ہے کہ اس نے اسے خاوند کے اختیار کرنے کا حق بھی عطا فرمایا ہے' والدین کو قطعاً یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنی صاحبزادی کو ایسی شادی پر مجبوری کریں جسے وہ نہ چاہتی ہو' اور ہدایت یافتہ نیک سیرت مسلمان خاتون اپنے اس حق کو بخوبی پہچانتی ہے' لیکن اس کے ساتھ ساتھ کسی پیغام نکاح بھیجنے والے کے پیغام بھیجنے کے وقت وہ اپنی مصلحت و خیر خواہی پر مبنی اپنے والدین کی راہنمائی اور خیر خواہی سے بے نیاز بھی نہیں رہ سکتی' کیونکہ وہ دونوں لوگوں اور زندگی کے معاملات کو اس کی نسبت کہیں بڑھ کر جاننے والے ہیں' ایسی صورت حال میں بیٹی اس بات پر راضی نہ ہوگی کہ اس سے یہ حق سلب کر لیا جائے کہ باپ زبردستی کسی ایسے شخص سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دے جسے یہ بالکل چاہتی ہی نہ ہو' اگرچہ اس پر باپ خفا ہی کیوں نہ ہو جائے۔

اس حساس ترین مسئلہ میں نصوص و دلائل ایک مسلمان خاتون کی طرف داری میں کھڑے نظر آتے ہیں' ان میں سے ایک وہ دلیل ہے جسے امام بخاری (رحمہ اللہ) نے سیدہ خنساء بنت خدام رضی اللہ عنہا سے بایں طور روایت فرمایا ہے:

> ''میرے باپ نے اپنے بھتیجے سے میرا نکاح کر دیا جبکہ میں اسے ناپسند کرنے والی تھی' تو میں نے اس بات کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی' تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یوں فرمایا: ''جو تیرے باپ نے کر دیا ہے اسے قبول کر لو۔''

میں عرض پرداز ہوئی: جو کچھ میرے باپ نے کیا ہے اس میں مجھے کوئی رغبت نہیں ہے۔

تب رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا: ''جا اس کا کوئی نکاح نہیں ہے' جس سے تو چاہے نکاح کر لے۔''

میں نے پھر یوں عرض پیش کی ''جو کچھ میرے باپ نے کر دیا ہے اب میں اسے نافذ و جاری رکھتی ہوں لیکن میں عورتوں کو یہ معلوم کروانا چاہتی ہوں کہ وہ جان لیں کہ باپوں کا ان کی اپنی صاحبزادیوں کے امور و معاملات میں کوئی حق و اختیار نہیں ہے۔''[1]

بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے اس فیصلے کی ابتداء میں اس خاتون کو یہی فرمایا تھا کہ اپنے والد محترم کے فیصلے کو نافذ رکھے اور یہی اصل حکم ہے' کیونکہ باپوں کی خواہش و حرص کے حوالے سے ان بیٹیوں کی سعادت و نیک مندی چاہتے ہوئے یہی معروف و معمول ہے' لیکن جب آپ سرکار ﷺ نے اس خاتون کے باپ کو دیکھا کہ وہ اپنی بیٹی کو ایسی جگہ مجبور کر رہا ہے جہاں وہ ناپسند کرتی ہے تو آپ ﷺ نے اسے ''اختیار کی آزادی'' عطا فرما دی' اور آپ نے اسے باپ کے تشدد اور اس کی بے راہ روی سے بچایا جو اپنی بیٹی کو ایسی شادی پر مجبور کر رہا تھا جہاں اس کی جان کو بالکل راحت و آرام میسر نہ تھا۔

یہی باعث ہے کہ اسلام خاتون کو مشقت میں نہیں ڈالتا' اور اسلام اس بات پر بھی راضی نہیں ہے کہ عورت کسی ایسے آدمی کی صحبت میں زندگی بسر کرے جسے وہ نہ چاہتی ہو' کیونکہ اسلام شادی کو ایسی کامیابی سے ہمکنار دیکھنا چاہتا ہے جو زوجین کے مابین ظاہری اور باطنی برابری' مزاجوں' عادتوں' طبعی میلانوں اور مقاصد و اہداف کی باہمی قربت کی مضبوط بنیادوں پر استوار ہو' تو جس وقت شادی کے اس محل کی بلڈنگ میں کوئی دراڑ پیدا ہو جائے تو زوجین کے مابین خوشگوار ماحول برقرار نہیں رہ سکتا۔ مذکورہ خاتون نے اس بات کا احساس کر لیا تھا کہ وہ اپنے خاوند کے ساتھ محبت' خلوص اور وفاداری کو خالص نہیں رکھ سکے گی' اور اسے اپنی جان پر خاوند کی نافرمانی کے گناہ میں واقع ہونے کا اندیشہ لاحق ہو گیا تھا اور خاوند کی مخالفت پر کمربستہ رہنے کا خطرہ لازم ہو رہا تھا جسے وہ ناپسند کر رہی تھی' تو اب اس کا یہ حق بنتا تھا کہ وہ طلاق کا مطالبہ کرے' اور اسی مطالبے کو رسول اللہ ﷺ نے بھی برقرار رکھا ہے' جس کی مثال مندرجہ ذیل واقعے میں موجود ہے۔

سیدنا ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کی بیوی جمیلہ' عبداللہ بن ابی کی ہمشیرہ رسول اللہ ﷺ

---

[1] صحیح بخاری، کتاب النکاح' باب اکراہ البنت علی الزواج، حدیث : ٥١٣٨، ٦٩٤٥ مختصراً۔ ابن ماجۃ، کتاب النکاح' باب من زوج ابنتہ وھی کارھۃ، حدیث : ١٨٧٣۔

کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئی اور یوں عرض پرداز ہوئی: یا رسول اللہ! میں ثابت بن قیس کے اخلاق اور دین میں کوئی کیڑے نہیں نکالتی، لیکن میں یہ ضرور عرض کروں گی کہ میں اسلام میں کفر کو ناپسند کرتی ہوں (یعنی مجھے اس بات کا خطرہ ہے کہ اگر میں اس کے عقد میں رہی تو ایسا کام کر سکتی ہوں جو کفر کا متقاضی ہو) تب رسول کریم ﷺ نے دریافت فرمایا:

''کیا تو اس کا باغ اسے واپس کر دے گی؟'' اس کو حق مہر میں باغ ملا تھا..... وہ بولی: جی ہاں!

تب رسول اکرم ﷺ نے اس کے خاوند کی جانب پیغام بھیجا:

''تو باغ کو قبول کر لے اور اسے ایک طلاق دے دے۔''[1]

اور بخاری کی ایک روایت میں یہ بھی ہے، وہ بولی: ''میں ثابت (رضی اللہ عنہ) کی دینداری اور اخلاق میں کوئی حرف ملامت نہیں کہتی، لیکن میں اسے برداشت نہیں کر سکتی۔''

بلاشبہ اسلام نے عورت کی انسانیت کو بچایا اور اس کی کرامت کی حفاظت فرمائی ہے اور اس مرد کو چننے میں اس کے ارادے کا احترام ملحوظ رکھا ہے جس کے ساتھ اسے زندگی بسر کرنی ہے اور اسلام کسی بھی آدمی پر خوش نہیں ہوتا خواہ وہ کوئی بھی ہو کہ وہ اسے کسی ایسے شخص کے ساتھ نکاح کرنے پر مجبور کرے جسے وہ پسند نہ کرتی ہو، اس امر پر ''بریرہ رضی اللہ عنہا'' کے قصے سے بڑھ کر اور کونسی دلیل ہو سکتی ہے جو ایک حبشی النسل لونڈی تھی اور عتبہ بن ابی لہب کی ملکیت میں تھی، جس نے اسے اپنے ''مغیث'' نامی غلام سے شادی کرنے پر مجبور کیا تھا جبکہ وہ اسے بطور خاوند قبول کرنے پر راضی نہ تھی حالانکہ ان کا معاملہ ان کے اپنے ہی ہاتھ میں تھا۔ تو ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس بیچاری پر ترس کھا کر خرید لیتی ہیں اور پھر آزاد فرما دیتی ہیں۔

ادھر بھی، اس لونڈی نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ وہ اپنی جان کی مالک ہے اور اسے اپنی ازدواجی زندگی کے رخ کو پھیرنے کا اختیار حاصل ہے، اس لیے اس نے اپنے خاوند سے طلاق کا مطالبہ کیا تھا۔ بعد ازاں اس کے خاوند کا یہ حال ہوتا تھا کہ وہ اس کے پیچھے پیچھے روتا پھرتا رہتا تھا جبکہ وہ مسلسل انکار ہی کرتی رہی تھی، تو آیئے ہم اس سلسلے میں امام بخاری رحمہ اللہ کی سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ حدیث کو سنتے اور پڑھتے ہیں جس میں وہ ایک آزاد عورت کی ایسی

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الطلاق، باب الخلع، حدیث: ۵۲۷۳۔

صورت پیش کر رہے ہیں جو ایسے خاوند سے فسخ نکاح پر ہی مصر اور بضد ہے جسے وہ پسند نہیں کرتی اور اس انتہائی اثر انگیز حالت پر رسول عظیم صاحب قلب کبیر ﷺ کی شفاعت اور متعلقہ گفتگو پر کان دھرتے ہیں' سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

''سیدہ بریرہ (رضی اللہ عنہا) کا خاوند ایک غلام تھا' جسے مغیث کہا جاتا تھا' گویا کہ میں اسے دیکھ رہا ہوں وہ اس کے پیچھے گھوم رہا ہے اور روتا جا رہا ہے' اس کے آنسو اس کی داڑھی کے اوپر سے بہتے جا رہے ہیں' نبی اکرم ﷺ نے عباس (رضی اللہ عنہ) سے فرمایا:

''اے عباس! کیا آپ مغیث کے بریرہ سے محبت رکھنے پر اور بریرہ کے مغیث سے نفرت کرنے پر تعجب نہیں کرتے؟!''

تب نبی اکرم ﷺ نے اسے کہا: ''اگر تو اس کی طرف واپس چلی جائے تو......'' وہ بولی: یا رسول اللہ! کیا آپ مجھے حکم دے رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''میں تو فقط سفارش ہی کر رہا ہوں'' وہ بولی: ''مجھے اس کی کوئی حاجت نہیں ہے۔''[1]

رسول کریم ﷺ اس انسانی ہمدردی کے منظر سے کس درجہ متاثر ہوئے، خاوند کی جانب سے اتنی گہری محبت ہے جبکہ بیوی کی جانب سے مسلسل اظہار نفرت ہے' آپ سے رہا نہ گیا تو آپ عورت کو یوں کہتے ہوئے نصیحت فرماتے ہیں: اگر تو اس کے پاس پلٹ جائے تو...... کیونکہ وہ تیرا خاوند اور تیرے بچے کا باپ ہے' تو اس موقع پر ایماندار مسلمہ خاتون یوں دریافت کرتی ہے: کیا آپ مجھے یہ حکماً کہہ رہے ہیں کہ جس کا ماننا میرے لیے واجب ہے؟ تو اس پر رسول معظم ﷺ کا جو کہ عظیم شریعت کے معلم ہیں یوں لب کشائی فرماتے ہیں ''میں تو صرف سفارش ہی کر رہا ہوں'' یعنی یہ بات صرف از روئے سفارش ہے حکم و امر اور الزام و اکراہ کے لحاظ سے بالکل نہیں ہے۔ خبردار بیٹیوں کے حق میں سخت گیر' ظلم کرنے والے اور دلوں کے سخت باپوں کو اس عظیم نبوی ہدایت و منہج کو سن لینا چاہیے!

ایک سمجھدار مسلمان خاتون کے لیے دینی ہدایت و رہنمائی موجود ہے' اس کے لیے خاوند کو انتخاب کرنے میں مضبوط' مستحکم اور حکمت پر مبنی ہدایات ہیں وہ صرف شکل و صورت کی خوبصورتی'

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الطلاق' باب شفاعۃ النبی ﷺ فی زوج بریرۃ، حدیث: ۵۲۸۳۔

اور ظاہری چمک دمک' عہدے کی رفعت و بلندی اور سرمائے کی فراوانی اور ان جیسی دیگر صفات جن پر عموماً عورتیں فریفتہ ہوتی ہیں، پر ہی اکتفا نہیں کرتی بلکہ وہ تو صرف مرد کے اخلاق و کردار اور دینداری پر رک جاتی ہے کیونکہ یہی دونوں باتیں ایک کامیاب شادی شدہ گھرانے کے لیے ستون کی حیثیت رکھتی ہیں اور یہی قیمتی ترین زیورات ہیں جن سے خاوند آراستہ ہوسکتا ہے اور دین حنیف نے پیغام نکاح پیش کرنے والے میں یہی دونوں صفات دیکھنے کی رہنمائی جو فرمائی ہے اس پر واضح دلیل بھی موجود ہے۔ تو جب کسی مرد میں یہ دونوں صفات وافر مقدار میں پائی جائیں تو ایسے مرد سے شادی کرنا واجب کا درجہ رکھتا ہے اگر ایسا نہ کیا جائے تو معاشرے میں عمومی فتنہ اور فساد پھیلنے کا خطرہ ہے۔

((إِذَا أَتَاكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِينَهُ وَخُلُقَهُ فَانْكِحُوهُ' إِلَّا تَفْعَلُوا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِيضٌ)) [1]

''جب تمہارے پاس ایسا شخص آئے (پیغام نکاح پیش کرنے والا) جس کے دین اور اخلاق کو تم پسند رکھتے ہو تو ایسے شخص سے (اپنی بہن بیٹی وغیرہ کا) نکاح کر دینا ورنہ زمین میں وسیع وعریض فتنہ وفساد پھیل جائے گا۔''

تو جس طرح ایک سچا مسلمان نوجوان کوڑے کے ڈھیر پر اُگے ہوئے سبزے سے مسحور و مرعوب نہیں ہوتا...... اس سے مراد بداخلاق اور بدکردار خوبرو دوشیزہ ہے...... بالکل اسی طرح ایک عقلمند ہدایت یافتہ مسلمان لڑکی کو بھی آوارہ اوچھا' کم ظرف اور بے وقوف نوجوان دل گرفتہ نہیں بناتا اگرچہ وہ ظاہری حسن و جمال اور شکل وصورت میں دیدہ منظر ہی کیوں نہ ہو' اسے تو صرف ایسا نوجوان ہی بھاتا ہے جو ایماندار' سمجھدار' بردبار' کشادہ ذہن' صاف باطن' پاکدامن' دین' اخلاق اور سیرت کا حسین پیکر ہو۔ کیونکہ مومنہ طیبہ دوشیزہ کے لائق بھی تو مومن طیب نوجوان ہی ہوسکتا ہے...... ؎

کند ہم جنس باہم جنس پرواز
کبوتر با کبوتر باز با باز

[1] سنن ترمذی، کتاب النکاح، باب (۲۶)، حدیث : ۱۰۸۵۔ سنن ابن ماجه، کتاب النکاح، باب الاکفاء، حدیث : ۱۹۶۷۔

اور خبیث گمراہ لڑکی کے لائق ایک خبیث گمراہ مرد ہی ہوسکتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی بالکل بجا فرمایا ہے:

﴿ اَلْخَبِيْثَاتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثَاتِ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبَاتِ ﴾ (النور: ٢٤/٢٦)

''خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لائق ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لائق ہیں، اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لائق ہیں اور پاک مرد پاک عورتوں کے لائق ہیں۔''

تو اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ مسلمان خاتون شکل وصورت کے حسن و جمال کو بالکل نظر انداز ہی کیے رکھتی ہے اور وہ قبیح شکل، بدصورت اور حقیر حالت والے اشخاص پر ہی راضی ہو جاتی ہے، اس کا حق ہے جیسا کہ قبل ازیں بیان ہو چکا ہے کہ وہ ایسے شخص کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے جو اس کے نفس وروح کو بھرنے والا ہو، اور اس کے احساسات وجذبات کو خوش کرنے والا ہو، یہ خواہ اپنی شکل وصورت کے اعتبار سے ہو اور خواہ اپنی اندرونی اور ذیلی صفات کے لحاظ سے ہو، اندرونی صفات کی بنا پر شکل وصورت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی شکل وصورت کے حسن وجمال کی وجہ سے ذیلی صفات کو ہی رائگاں کیا جاسکتا ہے، اس معاملے میں اصل جوہر اور خلاصہ یہی ہے کہ مسلمان خاتون ایسے آدمی کا انتخاب کرے جس کی شخصیت اس کے نفس کو خوش کرنے والی ہو اور مسلمان خاتون اپنی ذاتی پسند اور اپنے ذاتی اندازوں پر غالب آتی ہے، ایک سمجھدار ہدایت یافتہ مسلمان خاتون کی نگاہوں کو ظاہری چمک دمک خیرہ نہیں کرتی اور نہ اسے حقیقت اور جوہر کو دیکھنے سے ہی ہٹاتی ہے۔

مسلمان خاتون یہ بھی بخوبی جانتی ہے کہ قرآن کریم کی نص کے ساتھ یہ بات موجود ہے کہ عورت کے اوپر نگرانی کا حق صرف مرد ہی کو حاصل ہے:

﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ﴾ (نساء: ٤/٣٤)

''مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں۔''

اسی لیے وہ کسی ایسے آدمی کے ہاں دلہن بن کر جانے کو پسند کرتی ہے جس کی نگرانی اور کفالت و ذمہ داری میں وہ اپنے آپ کو سر بلند اور معزز خیال کرتی ہو' اس کی صحبت میں رہنے سے وہ خوشی اور فرحت پا سکتی ہو' ایسے شخص سے شادی کرنے پر کسی طرح کی کوئی ندامت و پشیمانی اسے لاحق نہیں ہوتی۔ وہ تو ایسے شخص کو چاہتی ہے جس کے ہاتھ میں وہ اپنا ہاتھ دیکر' زندگی میں اپنے ان حقوق و فرائض کو صحیح معنوں میں ادا کرنا چاہتی ہے جو ان دونوں کے کندھوں پر عائد ہونے والے ہیں یعنی مسلمان خاندان کی تعمیر' پاکباز گروہوں کی تربیت' کشادہ جذبات' قلوب وعقول کی درست سمت میں تربیت اور یہ بھی مکمل ذہنی ہم آہنگی' دلی محبت ومودت اور کامل یکسانیت کے ماحول میں پورا کرنا چاہتی ہے۔ اخلاق کا ظاہری فرق' مزاجوں کا قدرتی تضاد' طبائع میں قدرے اختلاف اور دین میں گونا گوں امتیازی فرق ان کی چال و کردار میں کوئی رکاوٹ نہیں بنتے کیونکہ مسلمان ایماندار مردوں اور مسلمان ایماندار عورتوں کے قافلے اپنی ان اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ ذمہ داریوں کو نبھانے کے لیے اور مردوں عورتوں کی گردنوں میں لٹکی ہوئی امانت کی صحیح طور پر رکھوالی کرنے کے لیے دونوں کے قافلے پہلو بہ پہلو ہی رواں دواں رہتے ہیں، اسی انداز کی قرآن کریم نے تصویر کشی کی ہے:

﴿ إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَ الْمُسْلِمٰتِ وَ الْمُؤْمِنِينَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِينَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِينَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِينَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِينَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِينَ وَالصّٰئِمٰتِ وَالْحٰفِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَ الْحٰفِظٰتِ وَ الذّٰكِرِينَ اللّٰهَ كَثِيرًا وَّ الذّٰكِرٰتِ أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ أَجْرًا عَظِيمًا ﴾ (الأحزاب: ٣٣/٣٥)

''بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں' ایمان دار مرد اور ایمان دار عورتیں' فرمانبرداری کرنے والے مرد اور فرماں بردار عورتیں' راست باز مرد اور راست باز عورتیں' صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں' عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں' خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں' روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں' اپنے نفس کی نگہبانی کرنے

والے مرد اور نگہبانی کرنے والیاں بکثرت اللہ کا ذکر کرنے والے اور ذکر کرنے والیاں' ان سب کے لیے اللہ تعالیٰ نے وسیع مغفرت اور بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے۔"

سلامت روی کے لیے اور اس عظیم مقصد اور بڑے ہدف تک پہنچنے کے لیے انتہائی مضبوط ازدواجی تعلق' خاندانی ستونوں کی مضبوطی اور صحت مند بنیادوں پر اس کی تعمیر صرف "خاوند کے حسن انتخاب" ہی سے ممکن ہے۔

ان عظیم مسلمان خواتین میں سے جنہوں نے اپنے آپ کو شخصیت کی قوت' بلند مقاصد اور خاوند کے انتخاب میں بالغ نظری ایسی صفات کا نمونہ پیش کیا ہے ایک سیدہ ام سلیم بنت ملحان رضی اللہ عنہا بھی ہیں' یہ ان عورتوں میں سے ایک ہیں جو انصار کی عورتوں میں سے اسلام کی طرف پہل کرنے والی تھیں۔ ان کی مالک بن نضر سے شادی ہوئی تھی اور انہی سے اپنے صاحبزادے سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی والدہ بنی تھیں' تو جونہی یہ مشرف باسلام ہوئیں تو ان کے اسلام لانے سے ان کا خاوند "مالک" کبیدہ خاطر ہوا اور اس نے غصہ میں انہیں چھوڑ دیا' جبکہ یہ اپنے اسلام پر ہی ثابت قدم رہیں پھر ان کے پاس اس کی خبر مرگ اس حال میں آئی جبکہ ابھی آپ آغاز جوانی اور عنفوان شباب ہی میں تھیں' یہ سارا کچھ آپ نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں برداشت کیا' پھر وہ اپنے دس سالہ صاحبزادے انس رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئیں اور انہیں لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں تاکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری کے لیے وقف ہو جائے۔

بعد ازاں مدینے کے بہترین نوجوانوں میں سے ایک خوبرو' مالدار اور بہادر نوجوان نے آپ کی طرف پیش قدمی کی' اور وہ نوجوان سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ تھے' اور یہ ان کے مسلمان ہونے سے پہلے کی بات ہے' جبکہ وہ اپنی دولت و ثروت' اپنی قوت و بہادری اور اپنی اٹھتی جوانی کی بدولت یثرب کی خوبرو دوشیزاؤں کے دلوں کی آماجگاہ اور دھڑکن بنے ہوئے تھے' ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ ام سلیم رضی اللہ عنہا خوشی سے اڑتی ہوئی ان کے پاس آ پہنچیں گی' لیکن وہ تو ایک نئی صورت حال سے دو چار ہو گئے، وہ آپ سے کہتی ہے: اے ابوطلحہ! کیا تو یہ بات نہیں جانتا کہ تیرا معبود جس کی تو عبادت کرتا ہے وہ تو زمین سے اگنے والا ایک درخت ہے، جسے فلاں کے بیٹوں کے ایک حبشی غلام نے چیرا ہے؟ وہ بولے: ہاں بالکل! وہ کہتی ہیں: کیا تجھے زمین سے اگنے والے ایک درخت

کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہوئے حیا نہیں آتی جسے ایک حبشی غلام نے چیرا ہو؟ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنی برتری اور بڑائی ظاہر کی اور اسے مہنگے ترین حق مہر اور آسودہ حالی کی چمک دکھائی، لیکن وہ اپنے موقف پر بدستور قائم رہیں، اور یہ کہتے ہوئے پھر بہ آواز بلند بولیں: واللہ! اے ابوطلحہ! تیرے جیسے کو واپس تو نہیں بھیجا جا سکتا، لیکن کیا کروں تو کافر آدمی ہے، جب کہ میں ایک مسلمان خاتون ہوں، میرے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ میں تیرے ساتھ شادی کروں، لیکن اگر تو اسلام قبول کر لے تو یہی میرا حق مہر ہے، اس کے علاوہ میرا اور کوئی سوال نہیں ہوگا۔ [1]

دوسرے روز وہ پھر آئے اور بہت بڑی مقدار میں حق مہر دینے اور دیگر کئی قیمتی تحفے دینے کی پیشکش کرنے لگے۔ اب کے بھی ام سلیم رضی اللہ عنہا ثابت قدم رہیں، آپ کی ثابت قدمی، آپ کی آنکھوں میں خوبصورتی، کشش، مضبوطی اور دانش مندی کو مزید بڑھائے جا رہی تھی اور آپ بڑے پر اطمینان لہجے میں انہیں یہ کہے جا رہی تھیں: اے ابوطلحہ! کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارے معبود جن کی تم پرستش کرتے ہو انہیں تو آل فلاں کے غلام نے تراشا اور بنایا ہے؟ اور اگر تم انہیں آگ میں ڈالو تو وہ انہیں جلا بھی ڈالے گی؟ یہ ایسے الفاظ تھے جو براہِ راست دل و دماغ سے ٹکرانے والے تھے جن سے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے احساسات متحرک ہو گئے، ابوطلحہ اپنے نفس سے پوچھنے لگے: کیا رب بھی جل سکتا ہے؟ پھر ان کی زبان بار بار یہ الفاظ دہرانے لگی:

((اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ))

اسی موقع پر سیدہ ام سلیم (رضی اللہ عنہا) نے اپنے لخت جگر سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے یہ فرمایا تھا، جبکہ پورا وجود فرحت و مسرت سے معمور و مخمور تھا: ''اے انس! کھڑے ہو جاؤ، اور ابوطلحہ سے شادی کر دو'' سیدنا انس رضی اللہ عنہ چند گواہوں کو لائے اور شادی اتمام پذیر ہو گئی۔

ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی انتہائی خوشی کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے اپنی دولت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے سامنے ڈھیر کرنے کا عزم کر لیا لیکن ادھر ام سلیم رضی اللہ عنہا ایماندار خواتین، راست باز، پاکباز اور معززات عورتوں کی بلندیوں پر ہی قائم و ثابت رہیں۔ وہ بولیں: اے ابوطلحہ! میں نے آپ سے شادی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے کی ہے، میں اس پر اس کے سوا کوئی اور چیز نہیں لوں گی۔ اور یقیناً وہ جانتی تھیں کہ وہ

---

[1] سنن نسائی، کتاب النکاح باب التزویج علی الاسلام، حدیث: ۳۳۴۲، ۳۳۴۳۔

ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے ساتھ صرف ایک سخی بلند ہمت خاوند کو پانے ہی میں کامیاب نہیں ہوئیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ سے ثواب دارین حاصل کرنے میں بھی کامیاب ہوگئی ہیں' جو دنیا میں سرخ اونٹوں کا مالک بننے سے بھی کئی درجے بہتر عمل ہے' جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کا فرمان ہے:

« لَاَنْ یَهْدِیَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلًا خَیْرٌ مِّنْ اَنْ یَّكُوْنَ لَكَ حُمْرُ النَّعَمِ » [1]

''اگر اللہ تیری وجہ سے کسی ایک آدمی کو بھی ہدایت سے سرفراز فرما دے تو یہ تیرے لیے سرخ اونٹوں (کے ملنے) سے کئی درجے بہتر ہے۔''

اس جیسی عظیم اور صاحب مرتبہ خاتون کو ہی ایک مسلمان عورت کو اپنا آئیڈیل بنانا چاہیے' اور ایسی خاتون ہی سے ایمان کی صفائی' شخصیت کی قوت' عقیدے کی سلامتی اور حسن انتخاب کا طریقہ سیکھنا چاہیے۔

اپنے خاوند کی اطاعت گزار ہوتی ہے:

ہدایت یافتہ مسلمان خاتون معصیت کے علاوہ ہر ایک عمل میں اپنے خاوند کی ہمیشہ اطاعت گزار رہتی اور اس سے نیک سلوک کرنے والی ہوتی ہے' وہ اسے راضی رکھنے اور اس کے نفس میں خوشیوں کو سرایت کرنے کی انتہائی حریص ہوتی ہے' اگر وہ تنگ دست فقیر الحال ہو تو اس کی تنگ دستی سے نالاں نہیں ہوتی اور نہ ہی گھریلو کام کاج میں اپنے حوصلوں کو ہی پست ہمت بناتی ہے بلکہ تاریخ اسلام کی صبر و احسان اور مروت و استقامت کے ساتھ اپنے خاوندوں اور اپنے گھروں کی خدمت گزاری میں رہ کر گزارہ کرنے والی بے شمار صاحب کردار اور صاحب مقام خواتین کو یاد رکھتی ہے' جبکہ ان کے گھروں میں فاقہ کشی' تنگی گزران اور قلت مال جیسی پریشانیاں بھی خیمہ زن تھیں۔ ان مثالی باکردار ازواج میں سے سرفہرست السیدہ فاطمۃ الزہراء' سیدنا محمد سید المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ کی لخت جگر اور سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ ہیں' وہ چکی پیسنے کی وجہ سے اپنے ہاتھوں کو پہنچنے والی تکالیف کی شکایت کر رہی ہیں' تو ایک روز آپ کے شوہر سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ آپ سے یوں کہتے ہیں: تمہارے والد محترم کے پاس کچھ قیدی آئے ہیں' تو بھی جا اور ان سے ایک خادمہ کا سوال کر جو تیری خدمت کے لیے مامور ہو جائے۔ وہ

[1] بخاری، کتاب المغازی: باب غزوۃ خیبر، حدیث: ۴۲۱۰۔ و مسلم، ح: ۲۴۰۶۔

اپنے ابا جان کے پاس آئیں لیکن جس مقصد کے لیے آئی تھیں وہ سوال کرنے سے حیاء آڑے آئی اور ویسے ہی واپس چلی آئیں پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ آپ کے پاس حاضر خدمت ہوئے، انہوں نے اپنے باپ کے دل کی پیاری بیٹی کے لیے ایک خادم کا سوال کیا' لیکن رسول عظیم صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری کائنات سے بڑھ کر اپنی پیاری لخت جگر کی خاطر فرمائش کو قبول کرنے اور مسلمانوں کے فقراء کو محروم کرنے کی بالکل ہمت نہ ہوئی' پھر آپ بذات خود اپنی صاحبزادی اور اپنے داماد کے ہاں تشریف لائے اور یوں گویا ہوئے:

''تم نے مجھ سے جو سوال کیا ہے کیا میں تمہیں اس سے بہتر نہ سکھلا دوں؟ جب تم دونوں اپنی خواب گاہوں پر آ جاؤ تو تینتیس بار "سبحان الله" تینتیس بار "الحمدلله" اور چونتیس بار "الله اکبر" پڑھ لیا کرو' تمہارے لیے یہ عمل خادم سے کہیں بہتر ہوگا۔''

پھر آپ انہیں گھر چھوڑ کر چلے آئے جب کہ آپ ان کے کانوں میں اور ان کے دلوں کی گہرائیوں میں ''مدد ربانی'' کے یہ بول ڈال چکے تھے جن کے باعث تھکاوٹیں کافور اور مشکلیں زائل ہوئی تھیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان فرمودہ کلمات کو پڑھتے رہے' خود فرماتے ہیں: ''جب سے آپ نے مجھے یہ کلمات سکھائے ہیں میں نے کبھی ترک نہیں کیے۔''

آپ کے رفقاء واصحاب میں سے کسی نے یہ سوال کر دیا: کیا جنگ صفین کی شب کو بھی؟''

تب فرمایا ''جی' جنگ صفین کی شب کو بھی نہیں۔''[1]

اور یہ ہیں سیدہ اسماء بنت ابی بکر صدیق (رضی اللہ عنہا) جو اپنے شوہر سیدنا زبیر (رضی اللہ عنہ) کی اور اپنے گھر کی خدمت اور دیکھ بھال میں مصروف ہیں' ان کے خاوند کا ایک گھوڑا ہے' اسکی دیکھ بھال کرتی ہیں' اس کیلئے باہر سے گھاس لا کر ڈالتی ہیں' پانی والے ڈول کو قابل استعمال بناتی ہیں' آٹا گوندھتی ہیں' دور کے ایک مقام سے اپنے سر پر گٹھلیاں اٹھا کر لاتی ہیں۔ آیئے دیکھیں وہ ہمارے سامنے یہ ساری باتیں بزبان خود کس طرح بیان کرتی ہیں۔ ان سے شیخین نے یوں روایت بیان کی ہے۔

---

1. صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب التکبیر والتسبیح عند المنامج حدیث: ٦٣١٨۔
صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء' باب التسبیح اول النهار وعند النوم، حدیث: ٢٧٢٧۔

فرماتی ہیں: مجھ سے سیدنا زبیر (بن العوام) رضی اللہ عنہ نے شادی کر لی' ان کی زمین میں کوئی مال تھا اور نہ ہی کوئی غلام' اور نہ ہی گھوڑے کے سوا کوئی اور چیز تھی' کہتی ہیں: میں ہی ان کے گھوڑے کو چارہ ڈالتی' اور ان کی بجائے ساری دیکھ بھال کی ذمہ داری میں ہی اٹھاتی تھی' ان کے اونٹ کے لیے گٹھلیاں بھی میں ہی پیستی تھی' اسے چارہ ڈالتی' پانی لے کر آتی' پانی والے ڈول کی اصلاح کرتی' آٹا گوندھتی' لیکن میں اچھے طریقے سے روٹیاں پکانا نہ جانتی تھی' تو انصار کی چند لڑکیاں مجھے یہ کام کر دیا کرتی تھیں' وہ واقعی صاحب خلوص عورتیں ہیں' فرماتی ہیں: میں ان کی اس زمین سے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو الاٹ کیا تھا گٹھلیاں اپنے سر پر اٹھا کر لایا کرتی تھی' ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سر راہ جبکہ آپ کے ہمراہ صحابہ کرام کی ایک جماعت بھی تھی، مجھے ملے' آپ نے مجھے بلایا' پھر اپنے اونٹ کو نیچے بٹھانے کے لیے ''اِخ اِخ'' فرمایا یعنی بیٹھ جا بیٹھ جا، تاکہ آپ مجھے اپنے پیچھے سوار کر لیں' فرماتی ہیں مجھے شرم و حیا نے تھام لیا کیونکہ میں اس کی (اپنے شوہر زبیر کی) غیرت کو جانتی پہچانتی تھی وہ فرماتے ہیں: واللہ! اپنے سر پر گٹھلیوں کو اٹھانا آپ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سوار ہونے سے زیادہ گراں ہے۔ پھر فرماتی ہیں: بعد ازاں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے میرے پاس ایک خادم بھیج دیا، اس نے میرے بجائے گھوڑے کی دیکھ بھال کو سنبھال لیا' گویا کہ انہوں نے مجھے آزاد فرما دیا تھا۔ [1]

ایک مخلص راست باز مسلمان اپنے خاوند کی خدمت کرنے اور اپنے گھریلو کام کاج کرنے میں پیش پیش رہتی ہے' کیونکہ وہ یہ جانتی ہے کہ شوہر کا اس پر حق ہے۔ اور یقیناً یہ حق بہت بڑا ہے' جسے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے پرزور انداز میں بیان کیا ہے:

''کسی بھی بشر کو دوسرے بشر کے سامنے سجدہ ریز ہونا جائز اور روا نہیں ہے' اگر کسی بشر کو کسی دوسرے بشر کے روبرو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کے سامنے سجدہ کرے' اس کے اس کے اوپر عظیم حق رکھنے کی بنا پر۔'' [2]

آپ کا ایک فرمان گرامی ان الفاظ میں بھی ہے:

---

1. صحیح بخاری، کتاب النکاح' باب الغیرۃ، حدیث: ٥٢٢٤۔
2. مسند أحمد: (١٥٩/٣) والبزار اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں' دیکھئے مجمع الزوائد: 9/9 باب حق الزوج علی المرأۃ۔

«لَوْ كُنْتُ اٰمِرًا اَحَدًا اَنْ يَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَّاَمَرْتُ الْمَرْاَةَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا» [1]

''اگر میں کسی کو کسی دوسرے کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دینے والا ہوتا تو میں بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا کہ عورت پر تمام لوگوں میں سے کس کا حق سب سے بڑھ کر ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جواب دیا تھا: ''اس کے خاوند کا'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: مرد پر تمام لوگوں میں سے کس کا حق سب سے بڑھ کر ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً فرمایا: ''اس کی ماں کا۔'' [2]

ایک عورت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنی کسی حاجت کے لیے حاضر ہوئی' تو جب وہ اپنی اس حاجت کے متعلق بات کر کے فارغ ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا: کیا تو خاوند والی ہے؟ وہ بولی: جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تو اس کے حق میں کیسی ہے؟ وہ بولی: میں اس کے حق میں کوئی کوتاہی نہیں کرتی الا کہ میں اس کام سے عاجز ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«اُنْظُرِىْ اَيْنَ اَنْتِ مِنْهُ' فَاِنَّهٗ جَنَّتُكِ وَنَارُكِ» [3]

''دیکھ لے! تو اس سے کس درجے میں ہے' کیونکہ وہی تیری جنت بھی ہے اور تیری دوزخ بھی۔''

کیا مسلمان خاتون اس بات کی ہمت رکھتی ہے کہ وہ اپنے شوہر کی خدمت گزاری اور اپنی خانہ داری سے پس و پیش کرے جبکہ وہ اس عمدہ ترین نبوی ہدایت کو سن رہی ہو؟ بلاشبہ وہی اپنی گھریلو ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے والی اور اپنے اوپر عائد ہونے والے اپنے خاوند کے حق کو نبھانے والی ہے' اس کے باوجود اس کا دل مسرتوں اور خوش خبریوں سے معمور ہی رہتا ہے' جب وہ اس امر کا احساس رکھتی ہے کہ وہ کوئی بھاری ذمہ داری تو ادا نہیں کر رہی جس سے نفس بھاگتا

---

1. حسن صحيح' الترمذي، ابواب الرضاع، باب ما جاء في حق الزوج على المرأة: ١١٥٩ـ
2. رواه البزار، باسناد حسن' دیکھیے مجمع الزوائد: ٣٠٨/٤' باب حق الزوج على المرأة۔
3. مسند أحمد: (٣٤١/٤) والنسائي باسنادين جيدين' ورواه الحاكم' وقال: صحيح الاسناد' ملاحظہ فرمائیں: الترغيب والترهيب للمنذري: ٥٢/٣ كتاب النكاح۔

ہو یا اس کو بوجھل تصور کرتا ہو بلکہ وہ تو صرف اپنے گھر کے کام کاج کو ہی ادا کرتی ہے جس سے وہ ثواب الٰہی کی حقدار بھی بن رہی ہوتی ہے۔

بلاشبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اور جو ان کے راستے پر گامزن ہوئے ہیں سبھی نے یہ ''اسلامی ادب'' سمجھا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسے آگے نقل کیا ہے کہ جب بھی وہ کسی عورت کو اس کے خاوند کے ہاں دلہن بنا کر روانہ فرماتے تو اسے اپنے خاوند کی خدمت کرنے اور اس کے حقوق کی نگہداشت رکھنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ یہیں سے مسلمان خاتون اپنے خاوند کے حوالے سے اپنی ذمہ داری کی معرفت کرتی چلی آ رہی ہے' حتیٰ کہ خاوند کی نگہداشت اور اپنے شوہر سے حسن معاملہ مدتیں گزرنے کے باوجود عورت کے اخلاق میں سے ایک اعلیٰ خلق اور اس کی خوبیوں میں سے ایک کمال خوبی چلی آ رہی ہے' اس ضمن میں ایک سادہ سی مثال جسے مشہور حنبلی فقیہہ ابن جوزی (رحمہ اللہ) نے اپنی کتاب ''احکام النساء'' میں ذکر کیا ہے کہ دوسری صدی ہجری میں ایک نہایت ہی پارسا شخص نے جو شب زندہ دار اور روزے دار تھا جس کو شعیب بن حرب کہا جاتا تھا' ایک خاتون سے شادی کرنے کا ارادہ ظاہر کیا اور نہایت تواضع وانکساری سے اسے یوں بولتا ہے: میں نہایت بداخلاق اور زود رنج ہوں' تو اس کے جواب میں عورت نہایت خوش اسلوبی' فطانت اور حاضر جوابی سے یوں کہتی ہے: وہ شخص جو تجھ اشتعال دلاتا ہے وہ تجھ سے بھی بڑھ کر بداخلاق اور تنگ مزاج ہے۔ تو اس جواب پر آدمی سمجھ گیا کہ وہ ایک سمجھدار' پختہ عقل اور ذہین وفطین عورت کے سامنے کھڑا ہے تو وہ فی الفور پکار اٹھتا ہے: تب تم ہی میری شریک حیات بننے کے لائق ہو۔

بلاشبہ حقوق زوجیت کی ادائیگی کے لیے یہ دور اندیشی' ذہانت، فطانت اور دانش مندی ہے' جسے اس خاتون نے پالیا تھا' اس خاتون ہوش مند نے اپنے نفس کو پیغام نکاح پیش کرنے والے مرد کے سامنے اس امر کو پر زور طریقے سے ثابت کر دیا ہے کہ جب کوئی عورت اپنے خاوند کی نفسیات کو سمجھ جائے' اس کی عادات کی معرفت حاصل کر لے' اسے راضی کرنے والے اور اسے ناراض بنانے والے امور کی شناسائی کر لے' تو وہ اپنے شوہر کا دل جیتنے کی اور اس کی پسند ومعیار کا احاطہ کرنے کی اور ہر اس شگاف کو بند کرنے کی ہمت وقدرت پالے گی جس سے اختلافات

کی ہوا اندر آ سکتی اور ازدواجی زندگی کے صاف و پاکیزہ ماحول کو مکدر بنا سکتی ہے۔ اور جو عورت ان حقائق کا ادراک نہ کر پائے تو وہ کامیاب بیوی ہونے کے قابل بھی نہیں بنی بلکہ وہ تو اپنے خاوند کو اپنی جہالت' نادانی' کم عقلی اور حماقت کے باعث برے اخلاق و کردار کی طرف کھینچے گی اور پھر وہ بذات خود اخلاق میں اس سے بھی بدکردار اور سوء اخلاق کا نمونہ بنے گی کیونکہ اسی نے تو اسے بداخلاقی کی جانب چلنے پر مجبور کر دیا ہے۔

خوش اسلوبی اور ہدایت کی پیکر مسلمان خاتون ایسی نہیں ہوتی' بلکہ وہ تو حسن خلق اور خوش اخلاقی پر اپنے خاوند کی مددگار ہوتی ہے کیونکہ وہ اپنے معاملات کو طے کرنے میں ذہانت و فطانت اور فہم و فراست کی تیزی کی مختلف راہوں کو زیر عمل لائے گی جن سے دلوں کے تالے کھلیں گے اور جن سے نفوس راحت و آرام محسوس کریں گے۔ وہ اس بندش سے بھی آزاد ہوتی ہے کہ حق زوجیت کی بہترین انجام دہی صرف معاشرتی خوبی ہی نہیں ہے کہ جس کی بناء پر وہ اپنی سہیلیوں میں فخر و غرور کر سکتی ہو بلکہ یہ تو اس کا دین ہے' جس پر اللہ تعالیٰ اس کا محاسبہ کرے گا اگر وہ نیک روش ہوئی تو اسے ثواب سے نوازے گا اور تقصیر کی مرتکب ہونے پر اس کا مواخذہ بھی فرمائے گا۔

مسلمان بیوی کی اپنے خاوند کی اطاعت کرنے اور اس سے نیکی کرنے کی ظاہر اور نمایاں ترین وجوہات میں سے اس کا اپنے خاوند کی جائز من پسند ترغیبات و اشتیاقات پر لبیک کہنا ہے جن میں رہن سہن' میل جول' خورد و نوش' لباس پہننے' گفتگو کرنے اور اسی طرح کی روزمرہ کے عمومی حالات میں ازدواجی حیات میں لطف اندوز ہونا ہے' جوں جوں ایسے امور میں بیوی خاوند کی ہاں میں ہاں ملاتی جائے گی اسی مقدار اور تناسب سے ان کی ازدواجی زندگی میں سعادت' خلوص اور خوشگواری بڑھتی جائے گی اور اسی شرح سے روحِ اسلام اور ہدایت قریب ترین بھی ہوتی جائے گی۔

ایک مسلمان سمجھدار خاتون کے دل و دماغ سے یہ امر بھی اوجھل نہیں رہتا کہ اپنے خاوند کی اطاعت کرنے سے اسے جنت کا داخلہ بھی نصیب ہونا ہے' جس طرح کہ رسول کریم ﷺ نے اس حقیقت سے بایں الفاظ آگاہ فرمایا ہے:

((إِذَا صَلَّتِ الْمَرْأَةُ خَمْسَهَا' وَصَامَتْ شَهْرَهَا' وَاَطَاعَتْ زَوْجَهَا' وَحَفِظَتْ فَرْجَهَا' قِيلَ لَهَا: أُدْخُلِي الْجَنَّةَ مِنْ أَيِّ الْأَبْوَابِ شِئْتِ))[1]

''جب عورت اپنی پانچوں نمازیں ادا کرے' اپنے مہینے کے روزے رکھے' اپنے خاوند کی اطاعت گزاری کرے' اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے تو اسے کہا جائے گا: تو جنت کے جس دروازے میں سے چاہے داخل ہو جا۔''

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

((أَيُّمَا امْرَأَةٍ مَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَنْهَا رَاضٍ دَخَلَتِ الْجَنَّةَ))[2]

''جو عورت اس حال میں فوت ہو کہ اس کا شوہر اس سے راضی ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگی۔''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک' محبت کرنے والی' روادار' اچھے خلق والی' بیوی کے لیے ایک نہایت روشن' صاف واضح تصویر اس طرح کھینچی ہے' فرماتے ہیں:

((اَلَا أُخْبِرُكُمْ بِنِسَآئِكُمْ فِي الْجَنَّةِ))

''کیا میں تمہیں تمہاری جنتی عورتوں کی بابت نہ بتا دوں؟'' ہم نے عرض کی:

''ہاں کیوں نہیں یا رسول اللہ!''

تو آپ نے فرمایا: زیادہ بچے جننے والی' بہت زیادہ محبت کرنے والی' جب وہ خود ناراض ہو جائے' یا اس کے ساتھ بدسلوکی کی جائے' یا اس کا شوہر اس سے خفا ہو جائے تو وہ یوں کہتی ہے: میرا یہ ہاتھ آپ کے ہاتھ میں ہے' میں تب تک بالکل نہ سوؤں گی جب تک آپ راضی نہ ہو جائیں۔''[3]

بلاشبہ ہدایت یافتہ مسلمان خاتون جانتی ہے کہ جس اسلام نے خاوند کی اطاعت گزاری کرنے پر اسے اجر جزیل اور داخلۂ جنت کی بشارتیں دی ہیں' بالکل اسی اسلام نے یہ وعیدیں بھی

---

1. مسند أحمد: ۱۹۱/۱ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ مجمع الزوائد: ۳۰۶/۴۔ باب حق الزوج علی المراۃ۔
2. ابن ماجہ۔ کتاب النکاح' باب حق الزوج علی المراۃ، حدیث: ۱۸۵۴ والحاکم ۱۷۳/۴ کتاب البر والصلۃ' وقال: صحیح الاسناد
3. طبرانی' اس کے تمام راوی صحیح میں حجت یافتہ ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں: مجمع الزوائد ۳۱۲/۴۔

ہیں کہ جو بھی خاوند کی اطاعت شعاری سے کنارہ کشی کرے گی' اس سے روگردانی کرے گی' اس کی کوئی پروا نہ کرے گی تو اسے گناہ' اللہ کی ناراضی اور فرشتوں کی لعنتوں کا سامنا بھی کرنا پڑے گا۔

صحیحین میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا ہے:

((إِذَا دَعَا الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ إِلَى فِرَاشِهِ فَلَمْ تَأْتِهِ' فَبَاتَ غَضْبَانَ عَلَيْهَا لَعَنَتْهَا الْمَلَائِكَةُ حَتَّى تُصْبِحَ)) ①

''جب خاوند اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے لیکن وہ نہ آئے' اور وہ ناراض رہتے ہوئے رات بسر کرے تو فرشتے صبح ہونے تک اس (عورت) پر لعنتیں کرتے رہتے ہیں۔''

صحیح مسلم میں ایک فرمان پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ان الفاظ سے بھی مروی ہے' فرمایا:

((وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا مِنْ رَجُلٍ يَدْعُوا امْرَأَتَهُ إِلَى فِرَاشِهِ' فَتَأْبَى عَلَيْهِ إِلَّا كَانَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ سَاخِطًا عَلَيْهَا' حَتَّى يَرْضَى عَنْهَا)) ②

''مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کوئی بھی خاوند ایسا نہیں ہے جو اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلاتا ہے لیکن وہ انکار کرتی ہے مگر وہ ذات جو آسمان میں ہے اس عورت پر ناراض رہتی ہے حتیٰ کہ وہ خاوند اس سے راضی ہو جائے۔''

یقیناً یہی لعنت اڑیل' بدمزاج اور خاوند سے بدسلوکی کرنے والی عورت پر بھی اترتی ہے' اس طرح دانستہ دیر کرنے والیاں' سستی کا مظاہرہ کرنے والیاں اور اپنے خاوندوں کے سامنے لیت و لعل اور پس و پیش کرنے والیاں بھی اس سے بچ نہ سکیں گی۔

((لَعَنَ اللّٰهُ الْمُسَوِّفَاتِ الَّتِي يَدْعُوهَا زَوْجُهَا إِلَى فِرَاشِهِ فَتَقُولُ: سَوْفَ' حَتَّى تَغْلِبَهُ عَيْنَاهُ)) ③

---

❶ صحیح بخاری، کتاب النکاح' باب اذا باتت المراة مهاجرة فراش زوجها' حدیث : ۵۱۹۳۔ ومسلم، کتاب النکاح' باب تحریم امتناعها من فراش زوجها، حدیث : ۱۴۳۶۔

❷ صحیح مسلم، کتاب النکاح' باب تحریم امتناعها من فراش زوجها، حدیث : ۱۴۳۶۔

❸ حدیث صحیح' رواه الطبرانی فی الاوسط والکبیر' دیکھئے مجمع الزوائد: ۲۹۶/۴ باب فیمن یدعوها زوجها فتعتل۔

''اللہ ان لیت ولعل کرنے والیوں پر لعنت کرتا ہے کہ جسے اس کا خاوند اپنے بستر پر بلاتا ہے لیکن وہ کہتی ہے' ابھی آئی' حتیٰ کہ اس کی آنکھیں اس پر غالب آ جاتی ہیں (یعنی اسی کے انتظار میں سو جاتا ہے)''

یقیناً اسلام میں شادی مرد و زن دونوں کو یکساں طور پر پاکدامن بنانے کے لیے ہے اسی لیے عورت کے ذمے یہ لازم آتا ہے کہ جب بھی اس کا خاوند اس کے نفس کا سوال کرے وہ خاوند کی رغبت کو قبول کرے' اور عذر لنگ نہ تراشے' اس سے فرار کی راہیں تلاش نہ کرے' اسی کے پیش نظر احادیث مبارکہ میں عورت کو اپنی استطاعت کے مطابق اس قبولیت کے لیے ترغیب دی گئی ہے' اسے خواہ کیسی مصروفیات اور رکاوٹیں ہوں الا کہ اسے کوئی زبردست عذر اور مجبوری ہو' اس سلسلے میں وارد احادیث مبارکہ میں سے یہ فرمان رسول اکرم ﷺ ملاحظہ ہو:

« إِذَا دَعَا الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ إِلَى فِرَاشِهِ فَلْتُجِبْ وَإِنْ كَانَتْ عَلَى ظَهْرِ قَتَبٍ »[1]

''جب آدمی اپنی بیوی کو اپنی حاجت کے لیے بلائے تو اسے چاہیے کہ وہ لبیک کہے اگرچہ وہ پالان کے اوپر ہی ہو''

ایک اور فرمان اقدس یہ ہے:

« إِذَا دَعَا الرَّجُلُ زَوْجَتَهُ لِحَاجَتِهِ، فَلْتَأْتِهِ، وَإِنْ كَانَتْ عَلَى التَّنُّورِ »[2]

''جب خاوند اپنی زوجہ کو اپنی حاجت پوری کرنے کے لیے بلائے تو اسے آ جانا چاہیے اگرچہ وہ تنور پر ہی ہو۔''

بلاشبہ خاوند کو پاکدامن رکھنا اور اسے فتنہ سے دور رکھنا ہی وہ اہم ترین عمل ہے جسے عورت کو نبھانا ہے' کیونکہ اسلام مرد و زن دونوں کو ہی یکساں طور پر ایسی فضا میں، لا کر زندگی گزارنے کا خواہشمند ہے۔ جو مکمل طور پر پاکیزہ' صاف ستھری اور ہر طرح کے فتنوں کی آلائشوں سے دور ہو اور جو حرام کاری کی لذتوں کی طرف جھانکنے سے پاک رکھنے والی ہو' کیونکہ آتش شہوت کو

❶ رواہ البزار' اور اس حدیث کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں مجمع الزوائد: ٤/٣١٢۔

❷ حدیث حسن صحیح' رواہ الترمذی' ابواب الرضاع، باب ماجاء فی حق الزوج علی المرأۃ، حدیث: ١١٥٩۔ وابن حبان فی صحیحہ۔ ٩/٤٧٣، حدیث: ٤١٦٥۔

ٹھنڈا نہیں کر سکتی اور طبیعت کو حرام کاری کی طرف سوچنے سے باز نہیں رکھ سکتی مگر صرف اور صرف یہی چیز کہ طبعی قوت کو جائز مشروع طریقے سے استعمال میں لاتے ہوئے اسے فارغ البال رکھا جائے۔ یہی وہ بات ہے جس کی طرف رسول کریم ﷺ نے رہنمائی فرمائی ہے جسے امام مسلمؒ نے باب النکاح میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے بایں الفاظ ذکر کیا ہے:

''جب تم میں سے کسی ایک کو کوئی عورت اچھی لگے اور اس کے دل میں گھر کر جائے تو اسے چاہیے کہ اپنی بیوی کا قصد کرے اور اس سے مباشرت کرے کیونکہ یہ عمل اس کے دل میں آنے والے خیال کو دفع کر دے گا۔''[1]

ایسی عورت کے لیے جس کا خاوند اس پر ناراض ہو وعید اس حد تک زیادہ ہو رہی ہے کہ ایک صاحب تقویٰ بیوی کا دل جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہے، دہل جاتا ہے جب اس کی نماز ہی قبول نہیں کی جاتی اور نہ اس کی کوئی نیکی ہی آسمان کی جانب بلند ہوتی ہے، حتیٰ کہ اس کا شوہر اس سے راضی ہو جائے، یہی بات اس حدیث مبارکہ میں وارد ہے جسے سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے' کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے یوں ارشاد فرمایا ہے:

''تین اشخاص ایسے ہیں جن کی نماز قبول نہیں کی جاتی اور نہ ہی ان کی کوئی نیکی آسمان کی طرف چڑھتی ہے: بھگوڑا غلام حتیٰ کہ اپنے مالکوں کی طرف پلٹ آئے اور پھر اپنے ہاتھ کو ان کے ہاتھوں میں تھما دے اور وہ خاتون جس پر اس کا خاوند ناراض ہو جائے حتیٰ کہ وہ اس پر راضی ہو جائے اور نشہ باز حتیٰ کہ وہ نشہ سے صحت یاب ہو جائے۔''[1]

خاوند کے اپنی زوجہ پر ناراض ہونے سے یہ مقصود ہے کہ جب خاوند حق پر قائم ہو اور بیوی اس کے برعکس ہو لیکن جب حالت اس کے برخلاف ہو یعنی خاوند ظالم ہو تو اس کی ناراضی کچھ مضر اور نقصان دہ نہ ہو گی' بلکہ اللہ تعالیٰ ایسی صورت حال میں بیوی کو اجر و ثواب سے نوازے گا' البتہ بیوی کو غیر معصیت میں خاوند کی اطاعت گزار اور اس کی بھلائی اور بہتری کی متمنی رہنا چاہیے۔

---

1. صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب ندب من رأی امرأۃ فوقعت فی نفسه الی ان یاتی امراته، حدیث: ١٠/٣/١٤٠٣۔
2. ابن حبان فی صحیحه، کتاب الاشربة ۲ فصل فی الاشربة ۱۲/۱۷۸، حدیث: ٥٣٥٥۔

شریعت اسلامی میں جہاں خالق کی معصیت لازم آتی ہو وہاں مخلوق کی اطاعت کرنا ضروری نہیں ہے اور یہ بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان گرامی سے ثابت ہو رہا ہے۔

''ایسی بیوی کے لیے جو اللہ تعالی پر ایمان رکھتی ہے یہ جائز نہیں ہے کہ خاوند کے گھر میں کسی ایسے کو اندر آنے کی اجازت دے جسے وہ ناپسند کرتا ہو' اور نہ ہی وہ خود گھر سے باہر نکلے جب کہ وہ ناپسند کرتا ہو' اور نہ ہی خاوند کے معاملے میں کسی کی بات مانے' اور نہ ہی وہ اس کے بستر سے الگ رہے' اور نہ ہی اسے مارے پیٹے۔ لیکن اگر وہ ظالم ہی ہو پھر بھی اس کے پاس آئے حتی کہ اسے راضی کرے' اگر تو وہ اس سے راضی ہو جائے تو خوب اور کیا ہی بہتر ہے' اللہ تعالیٰ بھی اس کا عذر قبول فرمالے گا اور اس کی دلیل کو قوی و غالب فرما دے گا' اس پر کچھ گناہ بھی نہیں ہو گا' لیکن اگر وہ اس پر راضی نہ ہوا تو بلاشبہ اس نے اپنا عذر بارگاہِ ایزدی میں پیش کر دیا ہے۔''[1]

خاوند کی فرماں برداری اور اس کے ساتھ حسن سلوک میں سے یہ امر بھی ہے کہ رمضان المبارک کے علاوہ بیوی اس کی اجازت کے بغیر روزے نہ رکھے اور نہ کسی کو اس کی اجازت اور رضا مندی کے بغیر گھر میں داخلے کی اجازت دے اور نہ ہی اس کی کمائی میں سے اس کی اجازت کے بغیر خرچ ہی کرے۔ اگر وہ بلا اجازت کچھ خرچ کرے گی تو اس خرچ اور نفع کا نصف اجر اس کے خاوند کو بھی ملے گا' سمجھدار مسلمان بیوی اس حکم شرعی کی پابند رہے گی جسے رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان کیا ہے:

((لَا يَحِلُّ لِلْمَرْأَةِ اَنْ تَصُومَ وَزَوْجُهَا شَاهِدٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ' وَلَا تَأْذَنُ فِيْ بَيْتِهٖ اِلَّا بِاِذْنِهٖ' وَمَا اَنْفَقَتْ مِنْ نَفَقَةٍ عَنْ غَيْرِ اَمْرِهٖ' فَاِنَّهٗ يُؤَدّٰى اِلَيْهِ شَطْرُهٗ))[2]

''کسی عورت کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ روزہ رکھے جبکہ اس کا خاوند گھر میں موجود ہو مگر اس کی اجازت سے اور نہ ہی یہ حلال ہے کہ کسی کو اس کے گھر میں آنے

---

1. الحاکم، کتاب النکاح' وقال: صحیح الاسناد۔
2. صحیح بخاری، کتاب النکاح' باب لا تاذن المراۃ فی بیت زوجھا الاحد الا باذنہ، حدیث: ۵۱۹۵۔

کی اجازت دے مگر اس کی اجازت کے ساتھ' اور جو کچھ وہ بغیر حکم کے خرچ کرے گی تو اسے بھی نصف ثواب دیا جائے گا۔"

جبکہ صحیح مسلم کی روایت میں الفاظ اس طرح ہیں:

''عورت روزہ نہ رکھے جبکہ اس کا خاوند گھر موجود ہو مگر اس کی اجازت کے ساتھ' اور نہ ہی اس کے گھر میں کسی کو آنے کی اجازت دے جبکہ وہ گھر موجود ہو مگر اس کی اجازت کے ساتھ' اور جتنا مال وہ اس کی کمائی میں سے اس کی مرضی کے بغیر خرچ کرے گی تو اس کا آدھا ثواب اس کو بھی ملے گا۔'' ①

تو اس مسئلے میں قابل اعتماد بات فقط خاوند کی اجازت اور اس کی رضا مندی ہے اگر تو بیوی بطور خیرات اس کے مال میں سے کوئی چیز اس کی اجازت و رضا مندی کے بغیر خرچ کرے گی تو اس بیوی کو کوئی بھی نیکی نہ ملے گی بلکہ الٹا اسے گناہ ہوگا' اور اگر اس کی عدم موجودگی میں اس کے مال میں سے کچھ خرچ کرنے کا ارادہ کرے گی اور اسے یہ بھی یقین ہو کہ جب اسے اس خرچ کی بابت علم ہوگا تو اسے اجازت بھی دے دے گا اور اس پر راضی بھی ہوگا تو اس کیلئے جائز ہے بصورت دیگر ناجائز۔

زوجین کے مابین باہمی اتفاق رائے اور ہم آہنگی متحقق نہیں ہو سکتی مگر ایسے ہی امور میں باہمی سمجھداری اور یکسانیت کے ساتھ ہی' وہ بھی اس انداز سے کہ دونوں میں سے کسی ایک کو کوئی ضرر یا تنگی لاحق نہ ہو' کہ جس سے ازدواجی زندگی کی فضا مکدر ہو کیونکہ اس زندگی کو اسلام نے مودت اور رحمت کی بنیادوں پر قائم کیا ہے اور وہ دائمی یگانگت' نگہداشت اور دلوں کی صفائی کا خواہشمند ہے۔

البتہ جب خاوند کنجوس ہو' اخراجات کے معاملے میں بیوی اور اس کی اولاد پر بخل کرتا ہو تو پھر بیوی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ خاوند کے مال میں سے اپنی ذات اور اپنے بال بچوں کے لیے معروف کے ساتھ' اسے بتائے بغیر اتنی مقدار میں خرچ کر لے کہ ان کی جائز ضروریات کے لیے کافی ہو'

---

① صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب ما انفق العبد من مال مولاہ، حدیث: ۱۰۲۶۔

اس امر کی رسول اللہ ﷺ نے سیدہ ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی کے سامنے صراحت فرمائی تھی جب انہوں نے حاضر خدمت ہو کر یہ عرض کی تھی: یارسول اللہ! بلاشبہ ابوسفیان ایک بخیل اور کنجوس آدمی ہے وہ مجھے اتنا مال بھی نہیں دیتا جو مجھے اور میری اولاد کو کفایت کرے اسی لیے میں اس کے علم کے بغیر اس کے مال ومتاع میں سے لے لیتی ہوں۔ تب رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تھا:

((خُذِیْ مَا یَکْفِیْكِ وَوَلَدَكِ بِالْمَعْرُوْفِ)) [1]

''معروف کے ساتھ اتنا لیا کر جو تجھے اور تیری اولاد کو کافی ہو۔''

اسی بات کا اسلام نے اسے ذمہ دار ٹھیرایا ہے کہ گھریلو امور میں نیکی پر قائم رہتے ہوئے حسن تصرف کا مظاہرہ کرے۔

دانشمند مسلمان خاتون اپنی اس ذمہ داری کو سمجھتی ہے جو اسلام نے اس کے خاوند اور اس کی اولاد کے حوالے سے اس کے کندھوں پر ڈالی ہے کہ اسلام نے اسے خاوند کے گھر اور خاوند کی اولاد کی راعیہ (نگران) ٹھیرایا ہے اور اسے اس ذمہ داری اور نگہبانی میں خصوصاً الگ طور پر ذکر کیا ہے' اس ذمہ داری کو اٹھانے میں عورت کی قدر افزائی اور شان نوائی بھی ہے اور یہ تذکرہ اس فرمان رسول مقبول ﷺ میں موجود ہے جو متفق علیہ ہے جس میں آپ ﷺ نے معاشرے کے ہر فرد کی اپنے اپنے دائرہ کار اور اپنے اپنے ماحول کے حوالے سے ذمہ داری کو بیان فرمایا ہے جس کے تحت معاشرے کا کوئی فرد بھی خواہ مرد ہے یا عورت' اس ذمہ داری اور مسئولیت سے بچ نہیں سکتا۔

((کُلُّکُمْ رَاعٍ' وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِهٖ: اَلْاِمَامُ رَاعٍ وَمَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِهٖ' وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِیْ اَهْلِهٖ وَمَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِهٖ' وَالْمَرْأَةُ رَاعِیَةٌ فِیْ بَیْتِ زَوْجِهَا وَمَسْئُوْلَةٌ عَنْ رَعِیَّتِهَا وَالْخَادِمُ رَاعٍ فِیْ مَالِ سَیِّدِهٖ وَمَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِهٖ فَکُلُّکُمْ رَاعٍ وَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِهٖ))

---

1. صحیح بخاری، کتاب النفقات، باب اذا لم ینفق الرجل فللمرأة ان تاخذ، حدیث: ٥٣٦٤۔ صحیح مسلم، کتاب الأقضیة، باب ہند، حدیث: ١٧١٤۔
2. بخاری، کتاب الجمعة، باب الجمعة في القری و المدن، حدیث: ٨٩٣۔ مسلم: ١٨٢٩۔

''تم سبھی نگران ہو اور تم میں سے ہر کوئی اپنی اپنی رعیت کے بارے میں جوابدہ ہوگا' امام نگران ہے اور اپنی رعایا کی بابت مسئول ہوگا' آدمی اپنے اہل خانہ میں نگران ہے اور اپنی رعیت کے بارے میں ذمہ دار ہے' عورت اپنے خاوند کے گھر میں نگران ہے اور اپنی رعیت کے بارے میں جوابدہ ہے' اور خادم اپنے آقا کے مال میں نگران ہے اور اپنی رعیت کے بارے میں ذمہ دار ہے' تم سبھی نگران ہو اور ہر کوئی اپنی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔''

سچی مسلمان خاتون ہمیشہ اپنی اولاد پر شفقت و مہربانی کرنے اور اپنے خاوند کی خدمت گزاری کرنے میں متصف نظر آتی ہے اور یہ ان اعلیٰ ترین صفات میں سے دو صفات ہیں جن سے عورت ہر زمان و مکان میں خوبصورتی حاصل کرتی رہی ہے اور رسول اکرم ﷺ نے قریش کی خواتین میں انہی دونوں صفات کی تعریف بیان فرمائی ہے' جو اولاد پر شفقت کرنے میں اور اپنے خاوند کے مال کی نگہداشت کرنے' ان میں امانت و دیانت رکھنے' اخراجات میں حسن تدبیر کا مظاہرہ کرنے اور انہیں ضائع ہونے سے بچانے میں پورے عرب کی مستورات میں ضرب المثل تھیں:

''شتر سوار مستورات میں سے بہترین عورتیں قریش کی عورتیں ہیں' جو اپنے بچوں کی صغر سنی میں انتہائی مہربان ہوتی ہیں اور اپنے خاوندوں کے پاس موجود مالوں کی بہت زیادہ نگہبانی کرنے والی ہوتی ہیں۔''[1]

یہ سرکار دو عالم ﷺ کی جانب سے انتہائی قیمتی شہادت ہے جو قریش خاندان کی مستورات کی گردنوں میں قیمتی اور نفیس ترین فضائل سے آراستہ ہار کی حیثیت رکھتی ہے جس سے ان کے حسن و جمال' فضل و مقام اور چمک و زیبائش میں مزید چار چاند لگ رہے ہیں۔ اس شہادت رسول ﷺ میں عام مسلمان خواتین کے لیے ایک دعوت بھی ہے کہ وہ بھی اپنی اولاد پر شفقت و مہربانی کرنے میں اور اپنے ازواج کی رو رعایت کرنے میں ان جیسی بن جائیں۔ انہی دونوں عظیم ترین خوبیوں کی بنا پر شادی کامیاب' فرد خوش بخت' خاندان خوشحال اور معاشرہ ترقی

---

[1] صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الی من ینکح، حدیث: ۵۰۸۲۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل نساء قریش، حدیث: ۲۵۲۷۔

پذیر بنتا ہے' بلاشبہ عورت کا اپنے خاوند پر توجہ دینا' اس کے معاملات ذاتیہ کا اہتمام کرنا اور اس کی رو رعایت رکھنا بہت ہی بڑا شرف و فضل ہے' اس کے صبح و شام کا خیال رکھنا' اس کی نشست و برخاست کا خیال رکھنا' اور عورت کا اپنے خاوند کو اپنے ذوق' اپنی رقت اور اپنی انس و محبت میں سے اتنا حظ وافر عطا کرنا چاہیے کہ جس سے اس کی زندگی خوشیوں' سعادتوں' سکون و اطمینان اور امن و چین سے معمور ہی معمور نظر آئے۔ ایک عام مسلمان خاتون کے لیے ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا میں بہترین نمونہ موجود ہے' جب وہ سفر حجۃ الوداع میں رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم رکاب تھیں' وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری اور وفا شعاری میں کس قدر پیش پیش نظر آتی ہیں کہ دیکھو احرام باندھنے سے قبل اور احرام اتارنے کے بعد طواف افاضہ کرنے سے قبل آپ کو خوشبو لگا رہی ہیں' اپنے دست خاص سے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو مل رہی ہیں اور پھر اپنی استطاعت کے مطابق بہترین خوشبو کا انتخاب فرما رہی ہیں۔ انہوں نے خود ان باتوں کی متعدد صحیح احادیث میں، جنہیں امام بخاری اور امام مسلم رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے صراحت فرمائی ہے' ان میں سے چند ایک ملاحظہ فرمائیں:

« طَيَّبْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ بِيَدِي لِحُرْمِهِ حِينَ أَحْرَمَ وَلِحِلِّهِ حِينَ أَحَلَّ قَبْلَ أَنْ يَّطُوفَ بِالْبَيْتِ »[1]

''میں نے بدست خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو لگائی' آپ کے احرام باندھنے سے قبل جب آپ نے احرام باندھا اور آپ کے احرام اتارنے کے وقت جب آپ نے بیت اللہ کا طواف کرنے سے قبل اتارا۔''

آپ ہی کا فرمان گرامی ہے:

''میں نے اپنے ان دونوں ہاتھوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو ملی تھی' جب آپ نے احرام باندھا تھا اور آپ کے احرام اتارتے وقت جب آپ نے بیت اللہ کا طواف کرنے سے قبل احرام اتارا تھا اور پھر آپ (رضی اللہ عنہا) نے دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر دکھایا۔''[2]

---

1. صحیح مسلم، کتاب الحج، باب استحباب الطیب قبل الاحرام، حدیث: ۱۱۸۹۔
2. صحیح بخاری، کتاب الحج، باب الطیب بعد رمی الجمار، حدیث: ۱۷۵۴۔

سیدنا عروہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہتے ہیں: میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے استفسار کیا: آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو احرام باندھتے وقت کونسی خوشبو لگائی تھی' فرمانے لگیں:

''سب سے اعلیٰ اور نفیس خوشبو۔''[1]

صحیح مسلم ہی میں آپ سے یہ روایت بایں طور موجود ہے:

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے احرام باندھتے وقت جب آپ نے احرام باندھا اور آپ کے حلال ہونے پر طواف افاضہ فرمانے سے قبل اپنے پاس موجود بہترین خوشبو لگائی۔''[2]

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حالت اعتکاف میں بھی اپنے سر مبارک کو جھکاتے تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کو کنگھی کیا کرتیں اور سر مبارک کو دھویا کرتی تھیں۔ ان باتوں کو بخاری ومسلم میں موجود صحیح احادیث بیان کرتی ہیں جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے فرامین سے منقول ہیں آپ کا ایک فرمان اس طرح ہے:

((كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا اعْتَكَفَ يُدْنِي إِلَيَّ رَأْسَهُ فَأُرَجِّلُهُ، وَكَانَ لَا يَدْخُلُ الْبَيْتَ إِلَّا لِحَاجَةِ الْإِنْسَانِ))[3]

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حالتِ اعتکاف میں اپنا سر (حجرے کے اندر) میری طرف جھکایا کرتے تو میں آپ کو کنگھی کر دیا کرتی اور آپ گھر میں داخل نہیں ہوا کرتے تھے، ماسوائے رفع حاجت کے۔''

اور آپ کا یہ فرمانِ گرامی:

''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کو دھویا کرتی تھی جبکہ میں ماہواری کے ایام میں ہوتی تھی۔''[4]

---

1. صحیح مسلم، کتاب الحج: باب استحباب الطیب قبل الاحرام، حدیث: ۱۱۸۹/۳۶۔
2. صحیح مسلم، حوالہ مذکورہ، حدیث: ۱۱۸۹/۳۸۔
3. صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب جواز غسل الحائض راس زوجها وترجیله، ح: ۲۹۷۔
4. صحیح بخاری، کتاب الحیض، باب مباشرة الحائض، حدیث: ۲۹۵ و صحیح مسلم، ۳/۹۔۲ کتاب الحیض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها، حدیث: ۲۹۷/۱۰۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا عورتوں کو ان کے خاوندوں کے بارے میں بڑی سختی اور شدت سے وصیت فرمایا کرتی تھیں کہ وہ اپنے اپنے خاوندوں کے اپنے اوپر عائد ہونے والے حقوق کی معرفت حاصل کریں حتیٰ کہ آپ ان حقوق کی عظمت' شان اور اہمیت کو اس قدر زیادہ خیال کیا کرتی تھیں کہ عورت کو اپنے خاوند کے پاؤں پر لگے ہوئے غبار کو اپنے رخساروں سے صاف کرنا چاہیے اور یہ بات اس حدیث میں موجود ہے جسے آپ نے یوں بیان فرمایا ہے:

((يَامَعْشَرَ النِّسَآءِ! لَوْ تَعْلَمْنَ بِحَقِّ أَزْوَاجِكُنَّ عَلَيْكُنَّ لَجَعلَت الْمَرْأَةُ مِنْكُنَّ تَمْسَحُ الْغُبَارَ عَنْ قَدَمَيْ زَوْجِهَا بِحُرِّ وَجْهِهَا)) [1]

''اے گروہ مستورات! اگر تم اپنے اوپر خاوندوں کے حقوق کی عظمت کو جان لو تو یقیناً تم میں سے ہر عورت اپنے خاوند کے قدموں پر پڑے ہوئے غبار کو اپنے رخساروں سے صاف کرے۔''

بلاشبہ یہ کلام بیوی پر خاوند کے حق کی اہمیت کو بیان کر رہا ہے' ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سے بیوی پر اس کے خاوند کے حق کی عظمت وشان کو عورتوں کے ذہنوں کے قریب ترین لانے کی سعی فرمائی ہے اور انہوں نے بعض ایسی تکبر کرنے والی اور اپنے خاوندوں کے سروں پر سوار رہنے والی عورتوں کے دلوں سے اس بے رحم' کرخت اور ناخوشگوار احساس کو نکالنے کی کوشش کی ہے جو ازدواجی زندگی میں اکثر تو تکار پیدا کرنے اور اس ماحول کو نکالنے کی کوشش کی ہے جہنم نما بنانے کا کردار ادا کرتا ہے۔

یقیناً خاوند سے سلوک' اس کا ادب واحترام اور اس کی عزت افزائی ہماری امت میں انتہائی عمدہ واعلیٰ اخلاق شمار ہوتا ہے اور یہ ان مکارم اخلاق میں سے ہے جو دور جاہلیت میں بھی مروج تھے اور جنہیں اسلام نے بھی برقرار رکھا ہے اور مسلمان عرب نسلیں جس کی وارث بنی ہیں' اور بلاشبہ ہماری عربی وراثت نے ایسی بہت سی نادر مثالیں یاد رکھی ہیں جن میں مائیں اپنی بیٹیوں کو خاوندوں کی خدمت گزاری' ان سے حسن سلوک اور ان کی عزت افزائی کرنے میں نصیحت فرمایا کرتی تھیں جنہیں ترقی یافتہ معاشرے میں اعلیٰ ترین دستاویزات شمار کیا جاتا ہے۔

---

[1] رواہ ابن حبان فی صحیحه، حدیث : والبزار باسناد جید' اس کے تمام راوی ثقہ اور مشہور ہیں أحکام النساء ابن الجوزی: ص ۳۱۱۔

ان میں سے ایک روشن ترین اور خوبصورت ترین نصیحت جسے دوسری صدی ہجری کے علم ومعرفت کے یگانۂ روزگار عبدالملک بن عمیر القرشی نے امامہ بنت حارث سے روایت کیا ہے، جو اپنے دور کی فصاحت وبلاغت اور رائے وعقل کی ممتاز ترین خواتین میں سے ایک تھی۔ عبدالملک نے اس امامہ کی اپنی لخت جگر کو جب کہ وہ شادی کی دہلیز پر کھڑی تھی اس دلکش پیرائے میں کی ہوئی نصیحت کو یوں رقم کیا ہے جو کہ سونے کے پانی سے لکھے جانے کے قابل ہے۔

عبدالملک نے لکھا ہے: جب عوف بن محلم شیبانی نے' جو کہ زمانہ جاہلیت میں عربوں کے سرداروں میں سے ایک سردار اور قابل اطاعت شخص تھا' اپنی صاحبزادی ام ایاس کی' حارث بن عمرو کندی سے شادی کی' جس وقت دلہن کو رخصتی کے لیے تیار کر کے حاضر کیا گیا' تو دلہن کی والدہ امامہ اسے پندونصائح کرنے کیلئے اس کے پاس آئی اور یوں بولی: ''اے میری لخت جگر! اگر ادب وفصاحت میں برتری کی بنا پر یا حسب ونسب میں عالی مقام کے حامل ہونے کی بنا پر پندو نصائح کو ترک کرنا ہوتا تو یقیناً تو اس قابل تھی کہ تجھے پندونصائح نہ کیے جاتے' لیکن یہ تو غافل کے لیے یاددہانی کا ذریعہ ہیں اور عاقل کے لیے وسیلہ معاونت ہیں۔

اے میری ہونہار بیٹی! اگر کوئی عورت اپنے باپ کی دولت وثروت اور اس کی جانب انتہائی حاجت مند ہونے کے باعث اپنے خاوند سے بے نیاز ہوتی تو تو اس قابل تھی کہ سب لوگوں سے بڑھ کر تو خاوند سے بے نیاز رہتی لیکن عورتیں تو پیدا ہی مردوں کی خاطر ہوتی ہیں جس طرح کہ ان کی خاطر مردوں کو پیدا کیا گیا ہے۔

اے میری لاڈلی صاحبزادی!.....تو اس فضا اور ماحول سے جدا ہو چکی ہے جس میں تو نے جنم لیا تھا' اور اس آشیانے سے باہر آچکی ہے جس میں تو پروان چڑھی تھی اور ایک ایسے آشیانے کی طرف جارہی ہے جسے تو جانتی نہیں ہے اور ایک ایسے ساتھی کی جانب بڑھ رہی ہے جس سے تو مانوس نہیں ہے جو تیرے اوپر قبضہ پانے سے ''بادشاہ'' بن جائے گا' اب تو اس کی لونڈی اور خدمت گزار بن کر رہے گی تو وہ تیرا غلام بن جائے گا۔

مجھ سے دس باتیں یاد کرلے' یہ تیرے لیے انمول خزانہ اور نصیحت ہیں:

پہلی اور دوسری نصیحت یہ ہے: اس کی صحبت پر قناعت کرنا اور اس کے ساتھ حسن سمع وحسن اطاعت سے معاشرت (رہن سہن) رکھنا' یقیناً قناعت سے راحت قلبی اور حسن سمع واطاعت سے رضائے ربانی نصیب ہوگی۔

جبکہ تیسری اور چوتھی نصیحت یہ ہے کہ اس کی ناک کی خاطر خوشبو کا استعمال کرنا اور اس کی چشم کی خاطر صفائی ستھرائی کا پورا اہتمام کرنا' اس کی آنکھ تیرے وجود میں کوئی بھی قبیح منظر نہ دیکھے اور اس کی ناک تیرے پیکر سے بجز بہترین خوشبو کے اور کچھ نہ سونگھے۔ بلاشبہ ''سرمہ'' کائنات میں موجود بہترین اشیاء میں سے سب سے بڑھ کر ہے اور کائنات کی نایاب خوشبوؤں میں سے سب سے بہترین ''پانی'' ہے۔

پانچویں اور چھٹی نصیحت یہ ہے کہ اس کے وقت طعام کا خصوصی خیال رکھنا اور اس کے لمحات نیند میں مکمل خاموشی کا اہتمام کرنا' یقینا بھوک کی شدت جوش دلانے والی ہے اور نیند میں خلل ڈالنا غضب ناک بنانے والا ہے۔

ساتویں اور آٹھویں نصیحت کچھ اس طرح ہے کہ اس کی جاہ وحشمت اور اس کے اہل خاندان کا خصوصی خیال رکھنا اور اس کے مال ومتاع کی خصوصی نگہداشت رکھنا کیونکہ مال کی خصوصی نگہداشت حسن تقدیر (بہترین عزت افزائی) ہے اور جاہ وحشمت اور اہل خاندان کی خصوصی دیکھ بھال حسن تدبیر ہے۔

جبکہ نویں اور دسویں نصیحت یوں ہے کہ اس کا کوئی راز افشانہ کرنا اور اس کی کسی بھی حکم میں نافرمانی نہ کرنا' بلاشبہ اگر تو اس کے کسی راز کو افشا کرے گی تو تو اس کی بے وفائی سے محفوظ نہ رہ سکے گی اور اگر تو اس کے حکم کی نافرمانی کرے گی تو اس کے سینے میں غصے کی آگ بھڑکا دے گی۔

اے لخت جگر سن! جب وہ رنجیدہ اور کبیدہ خاطر ہو اس کے پاس اظہار فرحت سے بچ کر رہنا اور جب وہ خوش وخرم ہو اس کے پاس اظہار افسردگی سے بھی بچ کر رہنا کیونکہ پہلی حالت تقصیر (کوتاہی) میں سے ہے اور جبکہ دوسری حالت تکدیر (گدلا کرنے' پریشانی لاحق کرنے) میں سے ہے۔

اس کی جس قدر بھی زیادہ تعظیم بجالا سکتی ہے بجالا' تو اس کے عوض میں وہ جس قدر بھی

ممکن ہو سکے گا تیرا اکرام کرے گا۔ جس قدر بھی ممکن ہو تو اس سے موافقت پیدا کر اس کے جواب میں جس قدر بھی ہو سکے گا وہ تیرے ساتھ مرافقت (رفاقت وصحبت) رکھے گا۔

یہ بھی ذہن نشین کر لے اے میری چہیتی بیٹی!... تو اس سے اپنی پسندیدہ اور محبوب ترین خواہشوں اور تمناؤں کو ہرگز ہرگز نہیں پا سکتی حتیٰ کہ تو اپنی خوشی کو اس کی خوشی پر اور اپنی پسند کو اس کی پسند پر قربان نہ کر دے اور یہ اصول اپنی پسند ونا پسند اور رضاء واکراہ ہر معاملہ میں مدنظر رکھ اللہ تعالیٰ تیرے لیے خیر کے فیصلے کرے گا اور تیری حفاظت فرمائے گا۔ [1]

بالآخر وہ دلہن اس خاوند کے ساتھ رخصت کر دی گئی۔ اس کا مقام ومرتبہ اس خاوند کے ہاں نہایت ہی اعلیٰ وارفع رہا۔ اس جوڑے سے بعدازاں بادشاہان وقت پیدا ہوئے جنہوں نے ملکوں پر حکمرانی کی ہے۔

یہ بالکل واضح ہے کہ پند ونصائح کا یہ مرقع اتنا جامع ہے کہ دل پر کھٹکنے والے ہر خطرے کو محیط ہے اور مکارم اخلاق میں سے ہر اس اہم اصول پر مبنی ہے جسے ایک دوشیزہ کو اپنی ازدواجی زندگی میں حاجت وضرورت ہے مزید برآں حسن معاشرت اور باہمی معاملات میں حکیمانہ تصرف کے ضوابط کا بھی احاطہ کیے ہوئے ہے اس بنا پر ہر اس دوشیزہ کے لیے یہ رہنما اصول کی حیثیت رکھتے ہیں جو بھی شادی کروانا چاہتی ہے۔

سمجھدار صاحب تقویٰ مسلمان خاتون' اگر وہ صاحب مال ہو تو اس کی نظریں اس مال' سرمایہ اور اقتصادی خود مختاری کے فتنے میں اندھی نہیں ہوتیں جس سے وہ مستفید ہو رہی ہوتی ہے بلکہ اس کے باوجود بھی وہ اپنے خاوند کے حقوق کی نگہداشت کرنے والی اور اس کے ساتھ رہنے سہنے کو نیکی پر مبنی رکھنے والی ہی رہتی ہے اگرچہ اس کے ہاں رزق اور سرمائے کی فراوانی اور ریل پیل ہی کیوں نہ ہو' وہ اپنے اس اللہ عزوجل کا شکر ادا کرنا بھی جانتی پہچانتی ہے جس نے اسے اپنی بے پناہ نعمتوں سے مالا مال فرما رکھا ہے' وہ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے حصول کے لیے صدقہ وخیرات بھی بکثرت کرنے والی ہوتی ہے' اور اس کی کثیر سخاوت اور بہت زیادہ عطاؤں کی سب سے بڑھ کر حقدار شخصیت صرف اس کا خاوند ہے' جب وہ تنگ دست اور مفلس ہو' تو اسے دوہرا اجر وثواب ملے گا' قرابت کا اجر وثواب اور صدقہ کا اجر وثواب' جس طرح کہ رسول کریم ﷺ نے یہی

---

1. جمهرة خطب العرب: ١/ ١٤٥۔

بات اس حدیث میں باحسن انداز بیان فرمائی ہے جسے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ سیدہ زینب ثقفیہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے، فرماتی ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا: اے گروہ مستورات! صدقہ و خیرات کرو، خواہ اپنے زیورات میں سے ہی ہو۔''

فرماتی ہیں: میں عبداللہ بن مسعود کی طرف واپس آئی، میں نے عرض کی: یقیناً آپ تنگ دستی والے ہیں جبکہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ و خیرات کرنے کا حکم دیا ہے، لہٰذا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوں اور ان سے سوال پوچھیں اگر تو میرا صدقہ و خیرات آپ کے لیے کفایت کرسکتا ہے تو بہتر ورنہ میں یہی صدقہ کسی دوسرے کو دے دوں۔

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بلکہ تو خود ہی جا۔ چنانچہ میں بذات خود چلی آئی، تو کیا دیکھتی ہوں کہ انصار کی ایک عورت جس کی حاجت میرے والی حاجت ہی تھی دروازۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کھڑی ہے، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دبدبہ اور وقار ڈالا گیا تھا (یعنی کوئی آپ سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بلا جھجک گفتگو کرنے کا یارانہ نہ پاتا تھا) بالآخر سیدنا بلال رضی اللہ عنہ ہمارے پاس باہر تشریف لائے ہم دونوں نے انہیں عرض کی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائیں، اور آپ کو اطلاع کریں کہ دو عورتیں مسئلہ دریافت کرنے کے لیے دروازۂ اقدس پر حاضر خدمت ہیں، کیا ان دونوں کی طرف سے اپنے خاوندوں کو دیا ہوا صدقہ اور ان کی گودوں میں پرورش پانے والے یتیموں پر خیرات انہیں کفایت کر جائے گی؟ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری بابت مت بتانا کہ ہم کون ہیں؟

فرماتی ہیں: سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور مسئلہ دریافت کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا: وہ دونوں کون ہیں؟ تو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے جواباً عرض کی: انصار کی ایک خاتون اور دوسری زینب ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کونسی زینب؟ انہوں نے کہا: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَهُمَا أَجْرَانِ أَجْرُ الْقَرَابَةِ وَأَجْرُ الصَّدَقَةِ)) [1]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب الزکاۃ علی الزوج والایتام فی الحجر، حدیث: ١٤٦٦۔ وصحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب فضل النفقۃ والصدقۃ علی الأقربین، حدیث: ١٠٠٠۔

''ان کے لیے دوہرا اجر وثواب ہے: قرابت داری کا اجر اور صدقہ کا اجر۔''

بخاری کی ایک روایت میں یہ الفاظ آتے ہیں:

((زَوْجُكِ وَوَلَدُكِ اَحَقُّ مَنْ تَصَدَّقْتِ بِهِ عَلَيْهِمْ)) ①

''تیرا شوہر اور تیرے بچے ان سب سے زیادہ حقدار ہیں جن پر تو صدقہ کرے۔''

یقیناً ایک صاحب فہم وفراست مسلمان خاتون ہمیشہ نعمتوں پر شکریہ ادا کرنے کو یاد رکھتی ہے اگر اسے خوشحالی اور فراوانی میسر ہو اور وہ صبر کرنے سے بھی پیچھے نہیں رہتی اگر اسے کوئی تکلیف اور پریشانی لاحق ہو جائے' اور اس کی نگاہوں سے رسول اللہ ﷺ کی وہ تنبیہ بھی اوجھل نہیں رہتی جو آپ نے عموماً سب عورتوں کے لیے ارشاد فرمائی ہوئی ہے' جب آپ نے دوزخ میں عورتوں کی کثیر تعداد کو مشاہدہ فرمایا تھا' وہ تو اس سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتی رہتی ہے' اور یہ باتیں رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث مبارکہ میں ہیں جسے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے شیخین (بخاری ومسلم) نے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''اے عورتوں کی جماعت! صدقہ خیرات کرو' بلاشبہ میں نے تمہیں اہل دوزخ میں سب سے زیادہ دیکھا ہے۔ عورتوں نے پوچھا: یارسول اللہ! وہ کس وجہ سے؟ آپ ﷺ نے جواباً فرمایا: تم لعنت بکثرت کرتی ہو اور خاوندوں کی ناشکری کرتی ہو۔'' ②

بخاری ہی کی ایک روایت میں یوں ہے:

((يَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ، وَيَكْفُرْنَ الْاِحْسَانَ، لَوْ اَحْسَنْتَ اِلَى اِحْدَاهُنَّ الدَّهْرَ، ثُمَّ رَأَتْ مِنْكَ شَيْئًا، قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ)) ③

''یہ خاوندوں کی ناشکری کرتی ہیں اور احسان فراموشی بھی کرتی ہیں' اگر تو ان میں سے کسی ایک کے ساتھ زندگی بھر احسانات کرتا رہے' پھر وہ تجھ سے کوئی ایسی بات دیکھ لے تو کہہ اٹھے گی: میں نے تو تجھ سے کبھی کوئی بھلائی دیکھی ہی نہیں۔''

---

① صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب الزکاۃ علی الاقارب، حدیث: ١٤٦٢۔

② صحیح بخاری، حوالہ مذکورہ و صحیح مسلم، کتاب الایمان باب بیان نقصان الایمان بنقص الطاعات، حدیث: ٧٩، ٨٠۔

③ صحیح بخاری، کتاب الایمان: باب کفران العشیر، حدیث: ٢٩۔

اور مسند احمد کی روایت میں اس طرح بھی ہے:

''ایک آدمی نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا وہ ہماری مائیں ہماری بہنیں اور ہماری بیویاں نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا: بالکل بجا' لیکن جب وہ عنایات دی جاتی ہیں تو شکریہ ادا نہیں کرتیں اور جب وہ مبتلائے پریشانی ہوتی ہیں تو صبر کا مظاہرہ نہیں کرتیں۔''①

ہدایت یافتہ متقی مسلمان خاتون' جب ان صحیح احادیث مبارکہ پر غور و فکر کرتی ہے جو آخرت میں عورتوں کی اکثریت کے انجام کو متعین کر رہی ہیں تو وہ ان گناہوں میں یعنی خاوندوں کی ناشکری کرنے' لعنتوں کی بہتات کرنے' احسان فراموشی کرنے' خوشحالی میں شکریہ ادا کرنے کو بھول جانے اور پریشانی میں صبر کا دامن چھوڑ دینے والے گناہوں میں پڑنے سے ہمیشہ ڈرتی ہی رہتی ہے بلکہ وہ ہر لحہ اس صدقہ کی جانب ہی جلدی کرتی رہتی ہے جس کی طرف رسول اللہ ﷺ نے سب عورتوں کو ترغیب دلائی ہے' اس بات کی امید رکھتے ہوئے کہ وہ اس خوف ناک انجام سے بچ سکتی ہے' جس سے پراگندہ ذہنوں والی' اللہ تعالیٰ کے ذکر اور یوم آخرت کی فکر سے بے پروائی کرنے والی اور ان جیسی دیگر بری صفات والی خواتین دوچار ہونے والی ہیں۔ بلکہ ہدایت یافتہ مسلمان خاتون تو خاوند کی عزت کرنے میں' اس کے فضائل کو سراہنے میں' اس کے شمائل کو بیان کرنے میں اور اس کے محاسن کو عام ذکر کرنے میں ایک ضرب المثل کی حیثیت رکھتی ہے، اور یہی ایک وفادار مسلمان خاتون کی فطری وفاداری ہے جو اپنے شوہر کے حقوق کا احترام کرتی ہے اور اپنے شریکِ حیات کے فضل و مرتبہ کو فراموش اور نظر انداز نہیں کرتی۔

مسلمان خاتون کی تاریخ میں بہت سے واقعات ہیں جن سے وفاداری' فضل و مرتبہ کا اعتراف' اپنے خاوندوں کے بلند اخلاق و کردار کا تذکرہ جیسے اوصاف حمیدہ ٹپک رہے ہیں' ان میں سے ایک واقعہ جسے تاریخ اسلام نے اپنے دامن میں محفوظ رکھا ہے سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کی نسبت سے ہے جو اسلام کی عظیم ترین خواتین میں سے ایک ہیں اور اسلام کی طرف سبقت لے جانے والیوں' ہجرت مدینہ کرنے والیوں اور ستودہ صفات ہونہار بیبیوں میں سے ایک ہیں'

① مسند أحمد: ۳/۴۲۸، و رجاله رجال الصحیح۔

جو اول تو سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں' پھر ان کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجہ بنیں۔ پھر ان دونوں کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان سے عقد کر لیا۔ رضی اللہ عنہم۔

ایک روز ان کے دونوں صاحبزادوں یعنی محمد بن جعفر اور محمد بن ابوبکر نے باہم ایک دوسرے پر فخر کرنا شروع کر دیا' دونوں میں سے ہر کوئی یہی کہہ رہا تھا: میں تجھ سے زیادہ عزت والا ہوں' اور میرا باپ تیرے باپ سے بدرجہا بہتر تھا۔ اس موقع پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس خاتون سے کہا (یعنی اپنی زوجہ اور شریک حیات سے کہا) اے اسماء! ان دونوں کے مابین فیصلہ کرو' وہ فرمانے لگیں: میں نے عربوں میں سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی نوجوان نہیں دیکھا اور نہ ہی میں نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بہتر کوئی بوڑھا آدمی ہی دیکھا ہے۔ تب سیدنا علی رضی اللہ عنہ (فرطِ مسرت سے) بولے: تو نے ہمارے لیے کچھ بھی باقی نہیں چھوڑا' اور اگر تو ان باتوں کے علاوہ کوئی اور بات کرتی تو یقیناً میں تجھ سے خفا ہو جاتا! تب سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا یوں فرماتی ہیں: بلاشبہ تم تینوں ہی بہتر ہو لیکن آپ ان سے بہتری میں کم تر ہیں، یعنی بس انیس بیس کا فرق ہے۔ [1]

کیا ہی دانشمندانہ جواب تھا جو اس حاضر جواب عقلمند خاتون نے دیا، اس نے اپنے تمام خاوندوں کو ان کا وہ وہ حق دے دیا ہے جس کے وہ حق دار تھے' اور اس نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھی راضی کر لیا۔ اگرچہ وہ ان میں سب سے کم عمر ہی تھے' لیکن اس نے تینوں کو ہی بہترین لوگوں کے زمرے میں داخل کر دکھایا ہے۔

اپنے خاوند کے اہل خانہ بالخصوص اپنی ساس سے نیک سلوک کرتی ہے:

ذی ہوش مسلمان خاتون کی نیکی اور اس کی اپنے خاوند کے ساتھ حسن معاشرت میں سے یہ بھی ہے کہ اپنی ساس کا ادب واحترام اور اس کی تعظیم وتکریم بھی کرے، یہ اس وجہ سے کہ سمجھدار مسلمان خاتون اپنے دین کی راہنمائی میں یہ بات بخوبی سمجھتی ہے کہ مرد پر سب لوگوں میں سے صرف اس کی ماں کا حق سب سے بڑھ کر ہے' جس طرح کہ ہم نے ابھی سیدہ عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی سابق الذکر حدیث مبارکہ میں دیکھا ہے اس لیے بیوی خاوند کی معاونت کرتی ہے اور اپنی

---

[1] الطبقات الکبری: ۸/۲۰۸، ۲۰۹۔

ساس کا ادب و احترام ملحوظ خاطر رکھتی ہے تو اس طرز عمل سے وہ اپنی ذات سے بھی نیکی کرتی ہے اور اپنے خاوند سے بھی نیک رویے کا مظاہرہ کرتی ہے اور اس نیکی' تقویٰ اور عمل صالح پر مددگار بھی بنتی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن کریم میں حکم دیا ہے' تو اس طرح وہ اسی وقت اپنے خاوند کے دل کی محبوبہ بھی بن جاتی ہے جو اس امر کا مشاہدہ کرتا ہے کہ یہ میری والدہ کی بالخصوص اور میرے اہل خانہ کی بالعموم تعظیم وتکریم بجالارہی ہے' کیونکہ ایک نیک معزز باوقار آدمی کے دل کو سب سے زیادہ ٹھنڈا کرنے والی اس سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں ہوتی کہ وہ محبت' احترام' عزت' صلہ رحمی وغیرہ کے رشتے اپنی بیوی اور اپنے اہل خانہ کے درمیان استوار دیکھتا ہے' اسی طرح ایک معزز آدمی کے دل کو سب سے زیادہ غضب ناک کرنے والی چیز یہ ہے کہ وہ ان رشتوں اور تعلقات کو پارہ پارہ ہوتا دیکھتا ہے اور اپنی بیوی اور اپنے خاندان والوں کے درمیان برائی' بغض' کینہ' مکر اور فریب جیسی قلبی بیماریوں کو مستحکم دیکھتا ہے۔

ایک مسلمان خاندان ایمان باللہ کے راستے پر چل کر اطمینان وسکون پاتا ہے اور اس کے افراد کی عقلیں اور ان کے دل اسلامی ہدایات اور دین حنیف سے روشنی پاتے ہیں' اور دور جاہلیت کی ان عادات کے کیچڑ میں لت پت ہونے سے مکمل طور پر دور رہتے ہیں جو عام طور پر اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور دین حق کی تعلیمات سے دور رہنے والے معاشروں میں ڈیرے ڈال لیتی ہیں۔

بعض اوقات مسلمان خاتون کو ایسی ساس یا ایسے دیوروں سے سابقہ پڑتا ہے جو ''خلق حسن'' کے حامل نہیں ہوتے تو ایسی صورت حال میں اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ان سے خوش اسلوبی' عقلمندی' نیک رویے' نرم لہجے اور احسن طریق سے معاملات طے کرتی رہے' وہ اس طرح کہ اپنے خاوند اور اپنے دیوروں اور اپنی ساس سے تعلقات میں توازن برقرار رکھے۔ وہ اپنی ذات اور اپنی ازدواجی حیات کو مذکورہ صورتِ حال میں منعکس ہونے سے بچائے رکھے اور اس توازن میں بگاڑ نہ آنے دے۔

ایک مسلمان خاتون یہ خیال نہ کرے کہ صرف اس اکیلی ہی سے خاوند سے نیکی کرنے' اس کی دیکھ بھال کرنے اور اس سے حسن سلوک سے پیش آنے کا مطالبہ کیا گیا ہے' اور اس سلسلے میں

خاوند پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی' اور اس پر کوئی سرزنش نہیں ہو گی اگر وہ رہن سہن کو برا بنائے یا ازدواجی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں کوتاہی کا ارتکاب کرے۔

بلاشبہ اس عظیم اسلام نے جس نے ازدواجی تعلق کو منظم فرمایا ہے اس نے میاں بیوی دونوں کے حقوق کے ساتھ ساتھ دونوں کے فرائض بھی مقرر فرمائے ہیں۔ بیوی کے خاوند کے حوالے سے فرائض اور اس کی تکریم بجالانے اور اس کی دیکھ بھال کرنے کے مقابلے میں اس کے خاوند پر اس کے چند حقوق بھی ہیں۔ اور بلاشبہ یہ حقوق ایسے ہیں جو اس کی عزت نفس کی حفاظت کرتے اور اس کی شخصیت کی ہر عبث فعل یا بے کاری یا ذلت وحقارت یا ظلم سے نگہداشت بھی کرتے ہیں اور یہی حقوق ہی بیوی کے حوالے سے اس کے خاوند کے فرائض ہیں لہٰذا اس پر بھی لازم ہے کہ وہ ان کا احترام کرے' انہیں اختیار کرے اور انہیں مکمل صورت میں نافذ کرنے اور انہیں منطبق کرنے میں پوری پوری کوششیں کرے۔

مسلمان خاوند کے فرائض میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنی بیوی پر حاکمیت اور نگرانی کرنے کو احسن انداز میں چلائے اور یہ احسن انداز اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے گھر اور اپنے خاندان کی قیادت کرنے میں ایک کامیاب فرد نہ بنے' اس میں مردانگی کی وہ تمام صفات جو بیوی کی پسندیدہ ہوں بدرجہ اتم موجود ہوں' یعنی: بلا شدت شخصیت کی قوت' بلا ضعف نرم دلی' عمدہ اور بلند اخلاق' عالی ظرفی' لغزشوں سے چشم پوشی کرنا' ازدواجی زندگی کے حوالے سے ماہرانہ' حکیمانہ اور خوش اسلوبانہ قیادت کی موجودگی' فضول خرچی اور اسراف سے بچتے ہوئے جود وسخا کی بہترین روش' بیوی کے جذبات واحساسات کا احترام کرنا اور گھریلو معاملات کی تدبیر کرنے میں' بچوں کی تربیت کرنے میں اور ایک ایسے ترقی یافتہ مسلمان خاندان کی تعمیر کرنے میں اسے ذمہ داریوں کا احساس دلاتے رہنا جس کی اسلام خواہش رکھتا ہے کہ ایک مسلمان خاندان ان بنیادوں پر استوار ہو۔

خاوند کی جان جاناں بن کر اس کی رضا مندی کی متلاشی رہتی ہے:

ایک متقی' صاحب عقل مسلمان خاتون ہمیشہ اپنے خاوند سے محبت کرنے والی ہوتی ہے اور ہمیشہ اس کی رضا مندی کی حریص رہتی ہے کہ اس کی زندگی کو کوئی چیز بے کیف و بے لذت نہ

بنے اور نہ ہی اس کی خوش بختی کو کوئی چیز گدلا ہی کرے بلکہ وہ اسے فرحت بخش شیریں گفتگو ہی سناتی ہے اور اذیت دہ دل کو زخمی کرنے والی طبیعت کو مکدر بنانے والی گفتگو سے زبان روکے رکھتی ہے وہ اپنی استطاعت کے مطابق خوش کن خبریں اسے سناتی اور پریشان کن اطلاعات اسے سنانے سے پہلو تہی کرتی ہے یا پھر انہیں مناسب وقت کے آنے تک لیٹ کر لیتی ہے تاکہ ان کا غم والم قدرے ہلکا ہو جائے اور جب وہ ایسی خبریں سنانے کے علاوہ کوئی چارہ کار اور کوئی دوسرا راستہ نہیں پاتی جن سے طبیعت میں رنج و ملال اور پریشانی آتی ہو تو وہ ایسا اسلوب گفتار اور انداز گفتگو اور ایسی تمہیدی باتیں تلاش کرتی ہے جن سے طبیعت پر کم اثر ہو۔ یہ انداز تکلم ایک سمجھدار اور بیدار مغز عورت کا ایسا زیور ہے جس سے وہ آراستہ ہو کر حسن موافقت عقل کی پختگی اور تصرف کی ذکاوت کا ثبوت فراہم کر سکتی ہے اگرچہ یہ ایک مشکل مرحلہ اور پر مشقت گھاٹی ہے لیکن اسے صاحب فضیلت عورتیں، جو تعداد میں کم اور نادر ہیں، پانے میں کامیاب ہو جاتی ہیں۔

اور بلاشبہ اس بلند مقام کی چوٹی پر عظیم مسلمان خاتون سیدہ ام سلیم بنت ملحان رضی اللہ عنہا ابوطلحہ الانصاری کی زوجہ محترمہ چڑھ چکی ہیں۔ وہ اپنے جگر گوشے کی وفات سے دوچار ہوئی تھیں جبکہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سفر پر گئے ہوئے تھے تب انہیں یہ بلند مقام نصیب ہوا تھا اگر اس بات کا ثبوت ''صحیح مسلم'' میں نہ ہوتا تو ہم اسے قصے کہانیوں میں ہی شمار کرتے۔ آیئے ہم انہی کے صاحبزادے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی زبانی اس عجیب قصے اور منفرد واقعے کو سنتے ہیں فرماتے ہیں: ''ابوطلحہ کا وہ بیٹا جو ام سلیم سے تھا فوت ہو گیا تب ام سلیم نے اپنے اہل وعیال سے یوں کہا: ''ابوطلحہ کو ان کے لخت جگر کے بارے میں کچھ نہ بتانا حتیٰ کہ میں خود ہی اسے بتاؤں؟'' سیدنا انس کہتے ہیں: وہ آئے تو انہوں (ام سلیم) نے رات کا کھانا پیش کیا چنانچہ انہوں نے کھایا پیا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے پھر انہوں (ام سلیم) نے اپنے خاوند کے لیے ایسا دیدہ زیب میک اپ کیا جو وہ اس سے قبل کیا کرتی تھیں چنانچہ وہ ان سے ہمبستر ہوئے پھر جب انہوں نے خیال کیا کہ وہ (ابوطلحہ) ان سے سیر ہو چکے ہیں تو یوں کہنے لگیں: اے ابوطلحہ! آپ کا کیا خیال ہے اگر کسی قوم نے اپنی کوئی چیز کسی گھر والے کو ادھار دی ہوئی ہو پھر وہ اپنی مستعار چیز کا مطالبہ کریں کیا انہیں اسے روکنے کا حق پہنچتا ہے؟ وہ بولے: بالکل نہیں تب وہ بولیں: تو پھر آپ بھی اپنے بیٹے (کی وفات) پر اللہ

سے ثواب کی امید رکھیں۔

سیدنا انس فرماتے ہیں: اب وہ غضب ناک ہو گئے اور بولے: تو نے مجھے پہلے کچھ نہیں بتایا حتیٰ کہ میں غسل جنابت کے قابل ہو گیا ہوں' تب جا تو نے مجھے میرے جگر گوشے کے بارے میں آگاہ کیا ہے۔ چنانچہ پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو سب ماجرا بیان کیا' تو رسول اللہ ﷺ نے یوں ارشاد فرمایا:

((بَارَكَ اللّٰهُ لَكُمَا فِيْ غَابِرِ لَيْلَتِكُمَا))

''اللہ تعالیٰ تمہاری گزشتہ رات میں برکت نازل فرمائے۔''

سیدنا انس فرماتے ہیں چنانچہ وہ حاملہ ہو گئیں۔ پھر فرماتے ہیں: ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ حالت سفر میں تھے اور سیدہ ام سلیم آپ کے ہمراہ تھیں' رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ جب سفر سے مدینہ واپس پلٹتے تو آپ شب کی تاریکی میں مدینہ داخل نہ ہوا کرتے تھے' صحابہ کرام مدینہ کے قریب آ چکے تھے کہ اچانک سیدہ ام سلیم کے درد زہ شروع ہو گئی' بالآخر ابوطلحہ ان کے ساتھ رک گئے' اور رسول اللہ ﷺ محو سفر رہے۔ سیدنا انس کہتے ہیں: ابوطلحہ یوں دعا کرنے لگے: ''اے میرے پروردگار! یقیناً تو جانتا ہے کہ مجھے یہ بات کتنی محبوب اور پسند ہے کہ جب تیرا رسول سفر پر روانہ ہو تو میں بھی آپ کے ہمراہ روانہ ہوں اور جب آپ شہر میں داخل ہوں تو میں بھی آپ کے ہمراہ ہی داخل ہوں' اور اب میں ادھر رک گیا ہوں جیسا کہ تو دیکھ رہا ہے۔''

سیدنا انس فرماتے ہیں: ام سلیم بولتی ہیں: اے ابوطلحہ! اب مجھے وہ درد محسوس نہیں ہو رہا جو میں پا رہی تھی' لہٰذا چلو' چنانچہ ہم بھی چل پڑا۔

سیدنا انس کے بقول جس وقت وہ دونوں مدینہ میں پہنچ گئے تو انہیں درد زہ پھر شروع ہوا' تو انہوں نے ایک لڑکے کو جنم دیا' مجھے میری والدہ نے پکارا: اے انس! اس بچے کو کوئی دودھ نہ پلائے حتیٰ کہ علی الصبح تو اسے رسول کائنات ﷺ کی خدمت میں لے جائے' تو جونہی صبح ہوئی۔ میں اس (بھائی) کو اٹھائے ہوئے رسول رحمت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہونے کے لیے چل پڑا۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب میں آپ سرکار ﷺ کے سامنے آیا تو آپ کے دست

مبارک میں داغ لگانے والا آلہ تھا' تو جونہی آپ نے مجھے دیکھا تو فوراً فرمایا:

''شاید کہ ام سلیم کے ہاں ولادت ہوئی ہے۔'' میں نے عرض کی: جی ہاں' چنانچہ آپ نے وہ آلہ نیچے رکھ دیا۔ اور بچے کو گود میں لے لیا رسول اکرم ﷺ نے مدینہ کی ایک عجوہ کھجور منگوائی' پھر اسے منہ میں ہلکا ہلکا چبایا حتیٰ کہ وہ بالکل نرم و ملائم ہوگئی پھر آپ ﷺ نے اسے بچے کے منہ میں ڈال دیا' تو فوراً بچے نے منہ میں زبان پھیرنا شروع کر دی۔

سیدنا انس فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے تب فرمایا:

((اُنْظُرُوا اِلَى حُبِّ الْاَنْصَارِ التَّمْرَ))

''انصار کی کھجور سے محبت کو ملاحظہ کرو۔''

سیدنا انس فرماتے ہیں پھر آپ ﷺ نے اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور اس کا نام ''عبداللہ'' رکھا۔[1]

اے ام سلیم! تو نے اللہ کی خاطر کیا کچھ کر دکھایا ہے! تیرا ایمان کس قدر عظیم ہے! تیرا صبر کس درجہ عالی شان ہے! تیرا فضل کس مرتبہ بڑا ہے! اور تیرا اپنے خاوند کی خاطر میک اپ کرنا اور تیرا اس سے اظہار محبت کرنا کس درجہ خوبصورت ہے! تجھے یہ طاقت کہاں سے مل گئی کہ اپنے جگر گوشے کی وفات پر اپنے غم و الم کی سب کیفیات کو نگل گئی ہے؟ تیرے دل کو یہ ڈھارس کیسے بندھی کہ بیٹے کو گم پانے والی' غموں سے نڈھال' جگر گوشے کی جدائی میں بے چین کس درجہ استقامت کا پہاڑ بنی ہوئی ہے؟ اور تو کس طریقے سے یہ لحات غم صابرہ بن کر' ثواب کی نیت رکھتے ہوئے اپنے شریک حیات کے ساتھ گزار رہی ہے تو تو اپنے صبر کے ساتھ' اپنی نیت ثواب کے ساتھ اپنے شوہر کے حق زوجیت ادا کرنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کو تلاش کر رہی ہے!! بلاشبہ یقیناً یہی انتہائی گہرا' سچا' برحق ایمان ہے!

اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے اور تیرے خاوند کے لیے رسول برحق ﷺ کی دعا کو قبول فرمایا اور تو اسی ایک رات سے بچے کی امید سے ہوگئی پھر جب تیرا حمل بھاری ہوگیا تو تو نے دیکھا

---

[1] صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب فضائل ابی طلحة الانصاری، ح: ۲۱۴۴۔

کہ تیرا شوہر تو ایک تازہ غزوے کے لیے رسول کائنات ﷺ کی ہمراہی میں رخت سفر باندھ رہا ہے تو تو بھی اس بات پر بضد ہوگئی کہ رسول اللہ ﷺ کی ہمرکابی میں تو بھی یہ جہاد کی عظمتیں حاصل کرے گی حالانکہ تو اپنے حمل کے مہینوں میں تھی' اور تیرا خاوند راستے کی مشقتوں میں سفر کی صعوبتوں' چلنے کی کلفتوں' سواری کی دقتوں' اور تپتی ریت کی شدتوں میں تیرا کس قدر خیال کرتا ہو گا' پھر اس نے رسول اللہ ﷺ سے تیرے اپنے ساتھ ہم سفر رکھنے کے لیے اجازت مانگی ہوگی' تب نبی اکرم ﷺ نے تیرے جذبات کی قوتوں اور جہاد کے لیے تیری محبتوں کو دیکھتے ہوئے تجھے اجازت مرحمت فرمائی ہوگی۔

تو نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام کی شان و شوکت کا بچشم خود مشاہدہ کیا' پھر غزوۂ حنین میں مسلمانوں کی آزمائش کو بھی دیکھا' اور تو اپنے خاوند کے ساتھ اور مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ رسول مکرم ﷺ کے گردا گرد ایک بلند ترین ٹیلے کی طرح ثابت کھڑی رہی جبکہ تو حاملہ تھی' اس آڑے وقت میں جب مسلمانوں کے بہت سے جری بہادر پشتیں پھیر کر پیچھے پلٹ گئے تھے' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی خصوصی تائید و نصرت اپنے رسول پر اور اہل ایمان پر نازل فرمائی۔ مجاہدین کا لشکر مدینہ کی جانب رواں دواں ہوا' حتیٰ کہ جب وہ مدینہ کے قریب پہنچا تو تجھے دردزہ لاحق ہو گیا' اور تو نے شدید آلام و اوجاع کو محسوس کیا' پھر تو اور تیرا خاوند تھوڑی دیر کے لیے رک گئے' لیکن تیرے خاوند نے ظلمت شب میں اپنے پروردگار سے مناجات کیں کہ وہ تو رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ہی نکلنے کو اور آپ کے ہمراہ ہی مدینہ میں داخل ہونے کو محبوب رکھتا ہے' تو اچانک تجھ سے ولادت کی دردیں ختم ہو جاتی ہیں' اور تو اپنے خاوند کو اس کی اطلاع دیتی ہے' پھر تم دونوں اس لشکر اسلام کے پیچھے پیچھے چل پڑتے ہو جو کہیں آگے جا چکا تھا' اور پھر تم اس سے جا ملتے ہو' اور مدینہ منورہ پہنچ جانے کے بعد تجھے دوبارہ دردزہ لاحق ہوتا ہے اور تو ایک لڑکے کو جنم دیتی ہے جسے اس کا اخیافی بھائی انس (رضی اللہ عنہ) اٹھائے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لاتا ہے' آپ سرکار ﷺ اسے گھٹی دیتے ہیں اور اس نومولود کا نام عبداللہ رکھتے ہیں' اور تو اس نومولود کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی دعا کی برکت کو بچشم خود مشاہدہ کرتی ہے جب اس کی نسل سے دس بہترین علمائے کرام دنیا میں آئے تھے۔

یقیناً اللہ تعالیٰ نے تیرے ایمان کی صداقت و حقانیت کو جان لیا ہے' تبھی تو تیرے لیے زبانِ رسول ﷺ سے جنت کی بشارتیں صادر ہوئی ہیں:

((دَخَلْتُ الْجَنَّةَ، فَسَمِعْتُ خَشْفَةً، فَقُلْتُ مَنْ هٰذَا؟ قَالُوْا: هٰذِهِ الْغُمَيْصَآءُ بِنْتُ مِلْحَانَ، أُمُّ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ))[1]

''میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے کسی کی آہٹ سنی' میں نے دریافت کیا یہ کون ہے؟ فرشتوں نے بتایا: یہ غمیصاء بنت ملحان یعنی انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔''

مسلمان خاتون کی اپنے خاوند سے محبت رکھنے کے پاکیزہ ترین اور محبت سے بھرپور و معمور واقعات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ ایک ماہ تک اپنی ازواج مطہرات سے الگ رہنے کے بعد ان کے پاس واپس آئے تھے تو ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ سے جو فرمایا تھا حالانکہ آپ نے ان کی جانب سے انتہائی کوفت پانے پر یہ فرمایا ہوا تھا:

''میں ان کے پاس ایک ماہ تک داخل نہیں ہوں گا۔''

تو جب انتیس دن گزر گئے تو آپ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لائے اور انہی سے گفتگو اور ملاقات کا آغاز فرمایا' تب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے یہ عرض کی تھی: آپ نے تو ہمارے پاس ایک ماہ تک نہ آنے کی قسم کھائی ہوئی تھی اور آج تو ہم نے انتیسویں شب کی صبح کی ہے' میں انہیں پوری احتیاط سے گنتی رہی ہوں تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا:

''مہینہ انتیس یوم کا ہے۔''[2]

اور وہ مہینہ انتیس ایام کا تھا۔

سیدہ عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کے اس بول میں ''اور آج تو ہم نے انتیسویں شب کی صبح کی ہے' میں انہیں پوری احتیاط سے گنتی رہی ہوں'' اپنے خاوند سے محبت و مودت رکھنے والی بیوی کی دلی تعلق کی والہانہ تعبیر ہے' اور اس کے اپنے خاوند کی شب بہ شب' اور گھنٹہ بہ گھنٹہ اپنے پاس آنے کی انتظار کی کیفیت کی کہانی ہے اور اس میں محبت رکھنے والے مشتاق خاوند کے دل کی

---

1. صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب فضائل ام سليم، حديث: ٢٤٥٦۔
2. بخاری و مسلم کی طویل حدیث کا اقتباس ہے' صحيح بخاري، كتاب المظالم، باب الغرفة والعلية ح: ٢٤٦٨۔ و مسلم، كتاب الصيام، باب بيان ان الشهر يكون تسعاً وعشرين، حديث: ١٠٨٣۔

کیفیت محبت' صورت مودت اور قلبی میلان کی وہ تصویر کشی بھی ہے کہ جب آپ ﷺ دوسری ازواج کو چھوڑ کر سب سے پہلے انہی کے پاس جلوہ افروز ہوئے تھے۔

ایک دانش مند محبت رکھنے والی مسلمان خاتون اپنے خاوند کے میلانات' اس کی ترجیحات اور اس کی عادات سے بخوبی آشنا ہو جاتی ہے' اور پھر اپنی استطاعت کے مطابق ان کی رعایت رکھتے ہوئے کام سرانجام دیتی ہے' صرف ازدواجی زندگی کے سفر میں باہمی افہام وتفہیم اور خوش اسلوبی کو تلاش کرتے ہوئے اور اپنے سلیقے اور انتظام سے اکتاہٹ اور گزشتہ واقعات پر ملامت کو دور ہٹاتے ہوئے' ہر پاکیزہ دین دار' سمجھدار' بیدار مغز خاتون ایسے ہی کرتی ہے' مشہور فقیہہ قاضی شریح سے یہ مروی ہے کہ انہوں نے بنوحنظلہ کی ایک عورت سے شادی کر لی' شب زفاف میں دونوں میاں بیوی نے دو دو رکعت نماز ادا کی' پھر دونوں نے اللہ تعالیٰ سے خیر و بھلائی کا سوال کیا' پھر بیوی قاضی صاحب کی طرف یہ کہتے ہوئے متوجہ ہوئی: میں ایک اجنبی اور ناآشنا خاتون ہوں' مجھے آپ کے اخلاق و کردار کا کچھ علم نہیں ہے' مجھے آپ کھول کر ارشاد فرما دیں جو چیزیں آپ کی پسندیدہ ہیں تاکہ میں انہیں بجا لاؤں اور جو چیزیں آپ کی ناپسندیدہ ہیں تاکہ میں ان سے کنارہ کش رہوں...... قاضی شریح فرماتے ہیں: وہ خاتون میرے ہاں بیس برس تک رہی' میں نے کبھی کسی کام میں اسے سرزنش نہیں کی' ماسوائے ایک بار کے اور اس میں بھی زیادتی میری نکلی۔

یہی وہ محبت کرنے والی نیکوکار بیوی ہے جسے اسلام چاہتا ہے جو گھر کی نگرانی کرنے والی ہو' اپنے خاوند کی وفادار ہو' اپنے باہمی تعلقات کو ہمیشہ استوار رکھنے والی ہو' جونہی کبھی ان کی ازدواجی زندگی میں فضا کو مکدر کرنے والی ہوائیں چلیں تو وہ سچی محبت اور حکیمانہ تفاہم سے اس فضا کو پاکیزہ بنانے کی کوشش کرتی ہو' وہ شیطانی وسوسوں اور نفس امارہ کے برے چوکوں پر کان لگا کر اپنے خاوند سے طلاق کا مطالبہ کرنے میں جلد بازی سے کام نہیں لیتی' وہ اس لیے کہ ازدواجی تعلق اور نکاح کا بندھن اس بات سے کہیں بلندتر اور بڑا ہے کہ اس کی گرہوں کو کسی عارضی اختلاف یا کسی بدگمانی اور سوءِ فہم کی بنا پر کھول دیا جائے' اسی لیے تو رسول اللہ ﷺ نے کم سمجھ' اوچھی' بے وقوف عورت کو جو بغیر کسی زبردست شرعی مجبوری کے اپنے خاوند سے طلاق کا مطالبہ کرنے میں جلدی

کرتی ہے جنت کی خوشبو سے محرومی کی وعید سنائی ہے' جیسے کہ آپ نے یہ فرمایا ہے:

((أَيُّمَا امْرَأَةٍ سَأَلَتْ زَوْجَهَا طَلَاقَهَا مِنْ غَيْرِ بَأْسٍ فَحَرَامٌ عَلَيْهَا رَائِحَةُ الْجَنَّةِ)) ①

''جو خاتون اپنے خاوند سے بلا مجبوری اپنی طلاق کا سوال کرے گی تو اس پر جنت کی خوشبو بھی حرام ہو گی۔''

وہ شوہر کے راز افشا نہیں کرتی:

پرہیزگار ہوش مند مسلمان بیوی اپنے خاوند کے راز کو افشا نہیں کرتی' وہ اپنے اور اپنے خاوند کے درمیان طے پانے والے رازوں اور باہم سرانجام پانے والے عملوں کو کسی کے سامنے بیان نہیں کرتی' وہ اس لیے کہ سمجھدار باشعور مسلمان خاتون اس بات سے کہیں بلند تر ہے کہ وہ حماقت اور بے ہودگی کی سطح تک نیچے اترے اور نہ ہی ان سطحی اور گھٹیا باتوں میں ہی مگن ہوتی ہے جو حقیر و ذلیل ماحولوں میں چلتی رہتی ہیں' یقیناً اس کا وقت اس سے کہیں قیمتی ہے کہ وہ ایسے کمینے اعمال میں اپنے وقت کو ضائع کرے جو اعمال صرف آوارہ مردوں عورتوں اور حقیر و ذلیل لوگوں سے سرزد ہوتے ہیں' اسی وجہ سے وہ اپنے نفس کو بلند سطح پر رکھتی ہے کہ کہیں وہ اس قسم کے لوگوں میں سے نہ بن جائے جنھیں رسول اکرم ﷺ نے اپنے اس فرمان میں تمام لوگوں میں سے بدترین قرار دیا ہے:

((إِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً يَّوْمَ الْقِيَامَةِ الرَّجُلَ يُفْضِيْ إِلَى امْرَأَتِهِ وَتُفْضِيْ إِلَيْهِ، ثُمَّ يَنْشُرُ أَحَدُهُمَا سِرَّ صَاحِبِهِ)) ②

''بلاشبہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے ہاں تمام لوگوں میں بدترین وہ مرد ہو گا جو اپنی بیوی سے ملتا ہے اور بیوی اس سے ملتی ہے' پھر ان دونوں میں سے ایک اپنے ساتھی کے راز لوگوں میں پھیلاتا ہے۔''

---

① حديث حسن صحيح، الترمذي، ابواب الطلاق، باب ما جاء في المختلعات، حديث: ١١٨٧- وابن حبان: (حديث: ٤١٨٤) كتاب النكاح، باب معاشرة الزوجين-

② صحيح مسلم، كتاب النكاح: باب تحريم افشا سر المرأة، حديث: ١٤٣٧-

بلاشبہ میاں بیوی کے درمیان ہونے والی گفتگو کے متعلق باتیں کرنا رازوں کے افشا کرنے میں سب سے گھناؤنا جرم ہے' اور اس کا ارتکاب صرف لوگوں میں سے بدترین قسم کے لوگ ہی کرتے ہیں ہاں یہ بات بھی ہے کہ زندگی کے دوسرے رازوں کو افشا کر دینا اس درجہ قبیح اور ناشائستہ نہیں ہوتا لیکن ازدواجی خصوصی راز کو افشا کرنا ہر حال میں بذات خود مکروہ اور قابل نفرت فعل ہے کیونکہ رازوں کی حفاظت رکھنا بذات خود فضائل اور کمالات میں شمار ہوتا ہے اور انہیں افشا کرنا خامیوں' برائیوں اور عیوب میں گنا جاتا ہے جن سے بجز کسی معصوم کے کوئی دوسرا بشر سلامت و محفوظ نہیں ہے۔ اسی سلسلے میں ایک وہ راز بھی ہے جو نبی اکرم ﷺ نے اپنی زوجہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا تھا' انہوں نے اسے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کر دیا' اس افشائے راز نے اور پھر اس کے معاً بعد رسول اللہ ﷺ کے گھر میں باہم مشورہ بازیوں اور حیلہ سازیوں نے معاملہ یہاں تک پہنچا دیا تھا کہ آپ نے ان ازواج پر اظہار غصہ کے لیے ایک ماہ تک ان سے الگ رہنے کی ٹھان لی تھی۔ [1] اور اسی بات کے متعلق اللہ تعالیٰ یوں فرماتے ہیں:

﴿ وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ أَنْبَأَكَ هَٰذَا قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ ﴾ (التحريم: ٦٦/٣)

''اور یاد کر جب نبی نے اپنی بعض عورتوں سے ایک پوشیدہ بات کہی' پس جب اس نے اس بات کی خبر کر دی اور اللہ نے اپنے نبی کو اس پر آگاہ کر دیا تو نبی نے تھوڑی سی بات تو بتا دی اور تھوڑی سی ٹال گئے' پھر جب نبی نے اپنی اس بیوی کو یہ بات بتائی تو کہنے لگی اس کی خبر آپ کو کس نے دی؟ کہا: سب جاننے والے پوری خبر رکھنے والے اللہ نے مجھے یہ بتلا دیا۔''

پھر اللہ تعالیٰ ان دونوں ازواج کو ان کی خطا و غلطی پر آگاہ فرماتا ہے اور انہیں توبہ کرنے کی دعوت دیتا ہے' تاکہ ان دونوں کے دل اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ آئیں' جب کہ وہ ان کے اس

---

1. نبی اکرم ﷺ کے اپنی ازواج مطہرات سے الگ رہنے والی حدیث کو بخاری' مسلم اور دیگر ائمہ نے روایت کیا ہے' ملاحظہ فرمائیں: بخاری، كتاب المظالم، باب الغرفة والعلية، حديث: ٢٤٦٨۔ و مسلم، كتاب الصيام: باب بيان ان الشهر يكون تسعاً و عشرين، حديث: ١٠٨٣۔

عمل کی وجہ سے جو ان سے سرزد ہوا تھا اللہ تعالیٰ سے کچھ دور ہو گئے تھے' بصورت دیگر اللہ تعالیٰ' جبریل' صالح المومنین اور ملائکہ اس نبی کے مددگار ہوں گے:

﴿ اِنْ تَتُوْبَا اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ﴾

(التحريم: ٦٦/٤)

''اے نبی کی دونوں بیویو! اگر تم اللہ کے سامنے توبہ کر لو (تو بہت بہتر ہے) یقیناً تمہارے دل کج ہو گئے ہیں' اور اگر تم نبی کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرو گی پس یقیناً اس کا کارساز اللہ ہے اور جبریل ہیں اور نیک ایمان دار اور ان کے علاوہ فرشتے بھی مدد کرنے والے ہیں۔''

پھر اللہ تعالیٰ ان ازواج کو ایک عمومی وارننگ دیتے ہیں اور اگر وہ اپنی اس غلطی پر بضد اور مصر رہیں گی تو وہ رسول اکرم ﷺ کی رفاقت وصحبت کے شرف سے محروم بھی ہو سکتی ہیں:

﴿ عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمَاتٍ مُّؤْمِنَاتٍ قَانِتَاتٍ تَائِبَاتٍ عَابِدَاتٍ سَائِحَاتٍ ثَيِّبَاتٍ وَّاَبْكَارًا ﴾ (التحريم: ٦٦/٥)

''اگر پیغمبر تمہیں طلاق دے دیں تو بہت جلد انہیں ان کا رب تمہارے بدلے میں تم سے بہتر بیویاں عنایت فرمائے گا' جو اسلام والیاں' اللہ کے حضور جھکنے والیاں' توبہ کرنے والیاں' عبادت بجا لانے والیاں' روزے رکھنے والیاں ہوں گی' بیوہ اور کنواریاں۔''

یقیناً اس واقعے میں مسلمان خاتون کے لیے ایک انتہائی بلیغ رہنمائی ہے اور اسے سمجھایا گیا ہے کہ عورت کے لیے خاوند کے راز کی نگہداشت وحفاظت کرنی کس درجہ ضروری اور قیمتی ہے اور پھر اس نگہداشت کے ساتھ نفوس' ضمائر اور سیرت پر اس کی کس قدر اثر آفرینی ہے' بلاشبہ مسلمانوں پر بالخصوص اور عام انسانوں پر بالعموم اللہ تعالیٰ کا یہ عظیم احسان ہے کہ اس نے اپنے رسول معظم ﷺ کی خاص اور عام زندگی کو آپ کی امت اور ساری انسانیت کے لیے ایک کھلی کتاب بنا دیا ہے' جس میں سلامی عقیدے کی اقدار کو پڑھا جا سکتا ہے' اور اس عقیدے کی عملی تطبیقات کو واقعاتی

زندگی میں دیکھا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں کوئی مخفی راز ہے اور نہ ہی کوئی لپٹا ہوا پردہ' بلکہ ان حالات و واقعات کو قرآن و حدیث پر پیش کیا جا سکتا ہے جنہیں لوگ اپنی عمومی زندگی میں پاتے ہیں اور جنہیں لوگ دوسروں سے چھپانے کی کوشش کرتے ہیں' حتیٰ کہ انسانی کمزوری کے وہ مقامات جن میں انسان کے لیے کوئی حیلہ اور چارہ کار نہیں ہوتا انہیں بھی اسلامی نصوص لوگوں کے سامنے بیان کر دیتی ہیں' تاکہ وہ باطل سے حق کی پہچان' خطا سے درست اور گمراہی سے ہدایت کی معرفت حاصل کر لیں۔

اور بلاشبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس بات کو سمجھ لیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری کی ساری زندگی اللہ کے لیے اور اس کی طرف دعوت دینے کے لیے ہے' وہ کس لیے آپ کی حیات مبارکہ میں سے کوئی پہلو اوجھل رکھ سکتے تھے یا اسے چھپا سکتے تھے؟ اور بلاشبہ آپ کی زندگی' آپ کے گھر اور آپ کی ازواج مطہرات کے بارے میں روایت کردہ تمام حقائق ان احکام کی عملی تطبیق ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے صادر فرمائے تھے' اسی لیے تو انہوں نے (جزاھم اللہ خیرا) لوگوں کے سامنے آپ کی زیست مبارک کے معمولی معمولی حالات کی تفاصیل کو نقل فرمایا ہے' انہوں نے آپ کی عمومی زندگی میں کوئی چھوٹا بڑا واقعہ نہیں چھوڑا مگر اسے تحریر کیا اور اسے آگے روایت کیا ہے' اور رسول مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو احاطۂ تحریر میں محفوظ کر دینا اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا ایک پہلو ہے یا عقیدۂ اسلام کی باریکیوں کو احاطۂ تحریر میں قلمبند کر دینا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ایک نمونہ ہے اور یہ ساری باتیں ان باتوں کے علاوہ ہیں جنہیں قرآن کریم نے حیات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت بیان فرمایا ہے جو تمام انسانیت کے لیے جب تک آسمان و زمین قائم ہیں نوشتہ صورت میں محفوظ و موجود رہیں گی۔

اس کے ساتھ مشورہ میں شامل ہوتی اور اس کا ساتھ دیتی ہے :

یقیناً اس زندگی میں مرد اور عورت کا اس دنیا کو ایک ساتھ اکٹھے آباد رکھنا اور اس میں دنیاوی معاملات کو چلانا اللہ تعالیٰ کی قدرتوں میں سے ہے' مرد عورت سے بے نیاز نہیں رہ سکتا اور عورت مرد سے لاتعلق نہیں رہ سکتی' اسی لیے اسلام کے تمام قوانین اور اس کی تمام ہدایات مرد و زن کے باہمی تعاون کے ساتھ ہی وارد ہوئی ہیں' اور اسلام نے مرد کو حتیٰ المقدور اپنی بیوی کی معاونت

کرنے اور اس کا ہاتھ بٹانے کی ترغیب دی ہے' اور رسول اللہ ﷺ اپنے اہل خانہ کا ہاتھ بٹاتے میں رہتے، حتیٰ کہ آپ نماز کی ادائیگی کے لیے باہر تشریف لے جاتے' جس طرح کہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: [1]

اسلام میں جس طرح کوئی آدمی کسی عمل یا گھریلو تدبیر کے دوران عورت کو ساتھ ملا سکتا ہے بالکل اسی طرح عورت بھی دنیا کے کام کاج میں اور زندگی کی ترقی کے لیے قول' رائے اور عمل میں اسے ساتھ ملا سکتی ہے۔

ہمیں تاریخ اسلام نے جہاد کرنے والی مسلمان خواتین میں سے مسلمان خاتون کی بابت بیان کیا ہے کہ وہ غزوات اور معرکوں میں مرد کے پہلو بہ پہلو چلتی' پیاسوں کو پانی پلاتی' زخمیوں کا علاج کرتی' شکستہ ہڈی والوں کی مرہم پٹی کرتی' جاری خون کو خشک کرتی' حمیت کو بڑھاتی' غیرت کو بھڑکاتی' اور بعض اوقات لڑائی کے ہجوم کو ڈھانپ لیتی' اس کی آگ کو تاپتی' اس میں داخل ہو جاتی اور تلواروں اور نیزوں کے درمیان جا گھستی' اور اس عالم میں بھی ثابت قدم رہتی، جب کئی مرد میدان راہ فرار اختیار کر لیتے تھے' مسلمان خاتون کے ایسے بے شمار سچے واقعات ہیں اور ایسی خواتین کی رسول اللہ ﷺ نے مدح و ستائش بھی فرمائی ہے جس کی قبل ازیں اسی کتاب کی گزشتہ فصول میں تفصیل گزر چکی ہے۔

مسلمان خاتون کی عوامی زندگی میں شراکت عالم جنگ میں مرد کی پشت پناہی کرنے پر ہی موقوف و منحصر نہیں ہے بلکہ وہ تو عالم امن میں بھی اس کے پہلو میں کھڑی نظر آتی ہے' اس کی پختہ رائے سے مدد کرتی ہے، سختی کے لمحات میں اس کی ڈھارس بندھاتی ہے اور آڑے اوقات میں اس کی قوت بازو کو مضبوط کرتی ہے۔

یقیناً تاریخ نے بہت سے مسلمان عظیم سپوتوں کے نام یاد داشت میں محفوظ رکھے ہیں جو اپنی بیویوں سے مشورے لیا کرتے تھے' ان میں سرفہرست رسول اکرم ﷺ نظر آتے ہیں' آپ کبھی کبھار سیدہ خدیجہ' سیدہ ام سلمہ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہن وغیرہ کی آراء سے مدد حاصل کیا کرتے تھے' سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اپنی والدۂ ماجدہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کی رائے سے مدد لیتے تھے'

[1] دیکھیے فتح الباری: ٢/ ١٦٢ کتاب الاذان: باب من کان فی حاجة اهله۔

ولید بن عبدالملک اپنی زوجہ ام البنین بنت عبدالعزیز بن مروان کی آراء سے اور ہارون رشید اپنی بیوی زبیدہ کی آراء سے مدد لیا کرتے تھے' اسی طرح تاریخ اسلام میں اور بھی بہت سی شخصیات ہیں۔

ہوش مند ہدایت یافتہ مسلمان خاتون اس مسئولیت اور ذمہ داری کے بوجھ کو محسوس کرتی ہے جو اسلام نے اس کے کندھوں پر ڈالی ہے' جب اس نے اسے اپنے خاوند کے حق زوجیت کو احسن انداز میں نبھانے کا مکلّف ٹھیرایا ہے اور اسے ہر وہ کام سرانجام دینے کی پابند بنایا ہے جو اس کی بشریت کو راضی کرے' اس کے دل کو غذا فراہم کرے' اس کے وجدان کو متمتع بنائے' اس کی خوشی کو تازہ بنائے' اور اسے اس قابل بنا دے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے قادر بن جائے۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ اپنی رائے دینے کی ضرورت محسوس کرتی ہے تو اپنی بہترین رائے پیش کرنے میں بخل کا مظاہرہ نہیں کرتی اور نہ ہی اس کے پہلو میں کھڑے ہونے میں سستی کا اظہار کرتی ہے بلکہ وہ تو اسے جرأت دلاتی' ثابت قدم رکھتی' اور اسے مکمل رہنمائی دیتی ہے۔

پہلی مسلمان خاتون یعنی ام المومنین سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا اپنے خاوند کی زندگی میں اثر انداز ہونے والی مسلمان خاتون کے لیے انتہائی اعلیٰ مثال ہیں' جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس دن ان کے ہاں گھبرائے ہوئے اور پریشان تشریف لائے تھے جس دن آپ پر نزول وحی کی ابتدا ہوئی تھی۔ آپ کے گردن اور کندھوں کے درمیانی حصے کپکپا رہے تھے اور آپ کے جوڑ کانپ رہے تھے اور آپ فرما رہے تھے: مجھے چادر اوڑھا دو' مجھے چادر اوڑھا دو' چنانچہ آپ فی الفور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تقویت پہنچانے کے لیے اور اپنی رائے' کام' تدبیر سے نوازنے اور حوصلہ بڑھانے کے لیے آپ کے پہلو میں کھڑی ہوگئیں۔ آیئے ہم سیدہ عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی بات سنتے ہیں جو ہمارے سامنے رسول الٰہی صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کے ابتدائی واقعے کو اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی دلکش خدمت گزاری کو' اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کے دلنشین اور بہترین موقف کو بیان فرماتی ہیں جس طرح کہ امام بخاری اور امام مسلم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''وہ ابتدائی چیزیں جن کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز ہوا وہ سوتے میں سچے

خواب آتا تھے' آپ رات کو کوئی خواب نہ دیکھتے تھے مگر وہ طلوع صبح کی مثل پورا ہو جاتا تھا' پھر آپ کو خلوت نشینی محبوب ہوتی گئی تو آپ غار حرا میں عبادت گزاری کے لیے خلوت گزیں ہو گئے۔ آپ گھر والوں کی طرف پلٹنے سے قبل کئی کئی راتیں ادھر عبادت الٰہی میں مشغول رہا کرتے' آپ اس مقصد کے لیے خورد ونوش کا سامان ساتھ لے جاتے' پھر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف پلٹ آتے اور اتنا ہی سامان خوردونوش پھر لے جاتے' حتیٰ کہ آپ کے پاس حق آ گیا جبکہ آپ ابھی غار حرا ہی میں تھے' آپ کے پاس فرشتہ آیا اور بولا: پڑھیے! آپ نے فرمایا: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ آپ فرماتے ہیں: اس نے مجھے پکڑا اور اپنے ساتھ ملایا (چمٹایا) حتیٰ کہ مجھے کافی مشقت پہنچی۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور پھر بولا: پڑھیے۔ آپ فرماتے ہیں: میں نے کہا: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ آپ فرماتے ہیں: اس نے مجھے پھر پکڑا اور دوسری مرتبہ مجھے اپنے ساتھ ملایا حتیٰ کہ مجھے انتہائی تکلیف پہنچی' اس نے مجھے پھر چھوڑ دیا' اور پھر بولا: پڑھیے' میں نے پھر کہا: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں' اس نے مجھے تیسری بار پکڑا اور دبایا حتیٰ کہ مجھے بہت زیادہ تکلیف پہنچی پھر اس نے مجھے چھوڑا اور بولا:

﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ﴾

(القلم ۹۶/۱۔۵)

''اپنے رب کا نام لے کر پڑھ جس نے (سب کو) پیدا کیا' جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا' تو پڑھتا رہ تیرا رب بڑے کرم والا ہے' جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا' جس نے انسان کو وہ سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا۔''

تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان آیات کے ساتھ اس حال میں واپس آئے کہ آپ کا جسم تھرتھر کانپ رہا تھا' حتیٰ کہ آپ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آ پہنچے تو آپ نے فرمایا: مجھے کمبل اوڑھا دو' مجھے کمبل اوڑھا دو' چنانچہ انہوں نے آپ کو کمبل اوڑھا دیا' حتیٰ کہ آپ سے خوف جاتا رہا' پھر آپ نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اے خدیجہ! مجھے کیا ہوا ہے؟ تب آپ نے انہیں سارا واقعہ سنا دیا' آپ نے فرمایا: مجھے تو اپنی جان کی فکر لاحق ہوگئی ہے۔ تو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے یوں فرمایا:

((كَلَّا، اَبْشِرْ، فَوَاللّٰهِ لَا يُخْزِيْكَ اللّٰهُ اَبَدًا، وَاللّٰهِ اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَصْدُقُ الْحَدِيْثَ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ، وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ))

''ہرگز یوں نہیں ہوگا خوش ہو جائیے اللہ کی قسم! اللہ آپ کو کبھی بھی رسوا نہیں کرے گا' اللہ کی قسم! آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں' راست بازی کا دامن تھامے رکھتے ہیں' محتاجوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں' اور بے کس کو کمائی کر کے دیتے ہیں' مہمان نوازی کرتے ہیں' اور حق پر آنے والے مصائب پر مدد کرتے ہیں۔''

بالآخر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کو ساتھ لے کر ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ کے پاس چلی آئیں' وہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا برادر عم زاد تھا یعنی ان کے باپ کے بھائی کا بیٹا تھا' اور یہ شخص دور جاہلیت میں مذہب نصاریٰ قبول کر چکا تھا اور یہ کتاب کو عربی میں لکھا کرتا تھا' اور یہ انجیل کو عربی میں جتنا لکھنا اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا لکھا کرتا تھا' اور یہ اب انتہائی بوڑھا اور نابینا ہو گیا تھا۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اسے کہا: اپنے بھتیجے کی بات سنو! ورقہ بن نوفل نے پوچھا: ارے میرے بھتیجے! تو کیا دیکھتا ہے؟ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دیکھا تھا سب اسے بتا دیا' تب آپ سے ورقہ بن نوفل نے یوں کہا: یہ وہی ناموس (فرشتہ جبرائیل) ہے جو سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر اتارا گیا تھا' کاش کہ میں اس وقت قوی نوجوان ہوں' کاش کہ میں اس وقت تک زندہ رہوں جس وقت آپ کو آپ کی قوم شہر بدر کر دے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا وہ مجھے شہر بدر کر دیں گے؟ ورقہ بولا: جی ہاں! کوئی شخص بھی کبھی یہ پیغام نہیں لایا جو آپ لائے ہیں مگر اس سے دشمنی کی گئی ہے اگر مجھے آپ کا وہ دن مل گیا تو میں بالیقین آپ کی پرزور اور بھرپور مدد کروں گا۔[1]

یقیناً اس نص میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے کمال درجہ کی عظیم بیوی ہونے کی بہت بڑی دلیل اور ایک زبردست حجت موجود ہے' اسی طرح ان کی رائے کی زیادتی' شخصیت کی قوت' دل کی پختگی' سمجھداری کی عظمت اور بعید نظری بھی عیاں ہو رہی ہے' بلاشبہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

1. صحيح بخاری، كتاب بدء الوحی: باب كيف كان بدء الوحی الی رسول الله ﷺ، حديث: ٣۔ و مسلم، كتاب الايمان' باب بدء، الی رسول الله ﷺ، حديث: ١٦٠۔

مکارم اخلاق، شمائل عظیمہ اور چال چلن کی طہارت اور ضمیر کی نظافت کو دیکھا ہوا تھا، جنہوں نے انہیں اس یقین پر لا کھڑا کیا تھا کہ محمد (علیہ الصلاۃ والسلام) جیسے شخص کو اللہ تعالیٰ کبھی بھی ذلیل و رسوا نہیں کرے گا، اور نہ ہی آپ پر برے حالات آسکتے ہیں، انہوں نے اپنی فطانت اور دور اندیشی سے اس حقیقت کا ادراک کر لیا تھا کہ جس معاملے نے رسول اللہ ﷺ کو آ لیا ہے اس نئی صورت حال کے پیچھے کوئی عظیم معاملہ ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول معظم ﷺ کے لیے تیار کر رکھا ہے، چنانچہ ان کی پر درد، مہربان اور شیریں آواز آپ کو خوشخبری دینے کے لیے بولنا شروع کرتی ہے جو آپ کے دل اطہر میں خود اعتمادی، امن، سکون اور یقین کو مضبوط کرتی ہے:

« اَبْشِرْ يَا ابْنَ عَمِّ، وَاثْبُتْ، فَوَالَّذِي نَفْسُ خَدِيجَةَ بِيَدِهِ اِنِّي لَاَرْجُوْ اَنْ تَكُوْنَ نَبِيَّ هٰذِهِ الْاُمَّةِ »①

''اے میرے برادرِ عم زاد! خوش ہو جاؤ اور ثابت رہو، مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں خدیجہ کی جان ہے مجھے یقین ہے کہ آپ اس امت کے نبی ہیں۔''

پھر وہ آپ کو اپنے چچا کے بیٹے ورقہ بن نوفل کے پاس لے کر چلی آئیں جس کے پاس تورات اور انجیل کا علم تھا، جس پر اس نے رسول کریم ﷺ کو اس حقیقت سے آگاہ کیا جو آپ نے دیکھا تھا۔

بلاشبہ یہ پہلی ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا رسول اکرم ﷺ کے لیے اسلام کی خاطر سچی وزیر تھیں، آپ کے شرف، بلندیٔ مقام اور آپ کے دائمی ذکر کے لیے یہی کافی ہے کہ آپ ہی وہ پہلی شخصیت ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائی ہیں، اور اپنے خاوند رسول الٰہی ﷺ کے پہلو میں کھڑی ہوئی ہیں، جو آپ کی نصرت فرماتیں آپ کی پشت پناہی کرتیں اور ان گوناگوں اقسام کی اذیتوں اور ظلم و ستم کو برداشت کرنے میں آپ کی مدد کرتیں جو آپ کو دعوت الٰہی پیش کرنے میں لاحق ہوتی تھیں، سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی ان مصائب، آلام، زخموں، تھکاوٹوں اور مشقتوں

① السيرة: ١/ ٢٥٤۔

کو آپ کے ساتھ برابر برداشت کرتی تھیں جو آپ کو اس راہ میں پیش آتی تھیں۔

ابن ہشام رحمہ اللہ سیرۃ میں رقمطراز ہیں:

''سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا ایمان لائیں' اللہ کی طرف سے جو آپ پر آیا تھا اس کی آپ نے تصدیق فرمائی' اس معاملے میں آپ کی بھرپور معاونت فرمائی' وہ پہلی شخصیت ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائی تھیں' اور انہوں نے ہر اس بات کی تصدیق کی تھی جو بھی آپ لائے تھے' تو آپ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے کچھ بوجھ ہلکا فرما دیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بھی تردید اور تکذیب والی بات' جو آپ کو غمناک بنا دیتی تھی' نہ سنا کرتے تھے' مگر جب بھی آپ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس گھر تشریف لاتے تو اللہ تعالیٰ آپ کی وجہ سے اس لاحق ہونے والے غم کو ختم فرما دیتے تھے' وہ آپ کو ثابت قدم رکھا کرتیں آپ سے بوجھ کو ہلکا کیا کرتیں' آپ کی ہر بات میں تصدیق کیا کرتیں' آپ پر لوگوں کے معاملے کو آسان بنایا کرتیں' اللہ تعالیٰ آپ پر رحمت کا نزول فرمائے۔''[1]

یقیناً آپ عورتوں میں سے صدیقہ ہیں اور آپ نے صدیقیت کی عبا کو برحق زیب تن کیا ہے لہٰذا اس پر کوئی تعجب نہیں ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تکریم' رضوان اور عزت افزائی کی مستحق ٹھیرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے دو رسولوں کے ذریعے یعنی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور جبریل امین کے ذریعے اپنا سلام بھیجتا ہے اور انہیں جنت کے محلات کی بشارت سناتا ہے جس طرح کہ بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث میں ہے:

''جبریل امین علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض پرداز ہوئے: یا رسول اللہ! یہ خدیجہ جو ابھی آپ کے پاس ایک برتن لیے آئے گی اس میں کھانے پینے کا سامان ہوگا' تو جونہی وہ آپ کے پاس آئے تو انہیں ان کے رب کا اور میرا سلام عرض کرنا' اور انہیں جنت میں ایک موتی کے بنے ہوئے گھر کی خوشخبری سنانا جس میں نہ شور ہوگا اور نہ ہی کوئی مشقت ہوگی۔''[2]

---

1. السیرۃ: ۱/ ۲۵۷۔
2. صحیح بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب تزویج النبي صلی اللہ علیہ وسلم، خدیجۃ رضی اللہ عنہا، حدیث: ۳۸۱۹۔ مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل خدیجۃ، حدیث: ۲۴۳۲۔

بلاشبہ مسلمان خاتون اپنی عقل کو استعمال کرتی ہے اور اپنی فکر کے چقماق سے آگ جلاتی ہے' اور اپنے خاوند کو اوقات و واقعات کی مناسبت سے رہنمائی دیتی ہے اور بعض اوقات وہ ایسے شخص کا انتہائی زیادہ حاجت مند ہوتا ہے جو اسے رہنمائی دے سکے' اس طرح وہ اپنے خاوند کے ساتھ بہت بڑی نیکی اور بہت بڑا احسان کرتی ہے۔ ایسے ہی ہمیشہ رہنے والے واقعات میں سے جن میں عورت کا مشورہ بالکل درست اور صحیح سامنے آیا ایک وہ وقت بھی ہے جو صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمانوں پر بنا تھا' اور جس وقت ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنی دور اندیشی' حکمت عالیہ اور پختہ ترین رائے کا اظہار فرمایا تھا۔

ہجرت کے چھٹے سال جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کرنے کے ارادہ سے مکہ کی جانب محوِ سفر تھے' سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا آپ کے ہمراہ تھیں' اور یہی وہ سفر ہے جس میں قریش مکہ نے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو بیت الحرام میں داخل ہونے سے روک دیا تھا۔ اور پھر اسی سفر میں رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے مابین حدیبیہ کا صلح نامہ احاطۂ تحریر میں لایا گیا تھا' اور اسی عہد نامے میں یہ شروط طے کی گئی تھیں کہ آپس میں عرصہ دس برس تک جنگ بندی رہے گی' ان میں لوگ امن و سلامتی سے رہیں گے' ایک، دوسرے سے دست کش رہے گا۔ اور اس میں یہ بات بھی موجود تھی کہ جو شخص قریش میں سے اپنے سرپرست اور مالک کی اجازت کے بغیر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آجائے گا آپ اسے قریشیوں کو واپس کر دیں گے' لیکن جو شخص مسلمانوں میں سے قریش کے پاس آجائے گا اسے وہ واپس نہیں کریں گے' اور اس بات کو بھی مانا گیا تھا کہ مسلمان اس برس واپس چلے جائیں اور مکہ میں داخل نہیں ہوں گے...... الخ

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی روشن بصیرت کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ کی ہدایت و رہنمائی سے روشنی پا رہی تھی، یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ صلح مسلمانوں کے حق میں خیر محض اور اسلام اور مسلمانوں کے لیے پُر زور تائید الٰہی ہے اگرچہ اس سے مسلمانوں کی بظاہر حق تلفی نظر آ رہی تھی۔

رہے صحابہ کرام تو جونہی انہیں اس عہد نامے کا مسودہ ملا ان کا ایک عظیم معاملہ بن گیا تھا' انہوں نے اس میں اپنے حقوق میں کمی اور اپنی حق تلفی دیکھی' جبکہ وہ تو غالب آنے والے اور انتقام لینے والے تھے اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے غضب ناک صحابہ کرام کے جذبات کی یوں

ترجمانی کی تھی' وہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور یوں دریافت کیا:

کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول نہیں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: جی ہاں، کیوں نہیں آپ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر پوچھا: کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ فرمایا: جی ہاں! کیوں نہیں۔ پھر دریافت کیا: کیا وہ مشرکین نہیں ہیں؟ جواب دیا: جی ہاں! بالکل ہیں۔ پوچھا: تو پھر ہمیں اپنے دین میں یہ توہین آمیز پستی کیوں دی جا رہی ہے؟

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ کہتے ہوئے خبردار کیا: اے عمر! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر راضی ہو جا' یقیناً میں تو گواہی دیتا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اور میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ چلے اور سیدھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ سے بھی بالکل وہی سوالات دہرائے جو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کیے تھے۔ یہاں تک کہ جب اس بات پر پہنچے ''تو پھر ہمیں اپنے دین میں یہ اہانت اور پستی کیوں دکھلائی جا رہی ہے؟ تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں جواب دیا:

((اَنَا عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ' لَنْ اُخَالِفَ اَمْرَهٗ وَلَنْ يُّضَيِّعَنِيْ))[1]

''میں اللہ کا بندہ اور اسی کا رسول ہوں' میں ہرگز اس کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا' وہ مجھے ہرگز ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔''

اس بات پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بات چیت کو جاری رکھنے والی اپنی غلطی کا ادراک کیا' وہ فرمایا کرتے تھے: پھر میں پیہم صدقہ خیرات کرتا رہا' روزے رکھتا رہا' نماز نفل ادا کرتا رہا اور غلاموں کو آزاد کرتا رہا' اس پر جو میں نے اس دن جسارت کی تھی' اس جملے اور کلام پر خوف کھاتے ہوئے جو میری زبان سے اس وقت نکلے تھے حتیٰ کہ مجھے امید ہوگئی کہ اب خیر ہو جائے گی۔[2]

تو جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس عہد نامے کو پختہ کرنے سے فارغ ہوئے تو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کھڑے ہو کر جانور ذبح و نحر کرنے کا اور پھر سر منڈوانے کا حکم دیا' تو ان

[1] السیرۃ: ۳/۳۲۱۔ صحیح بخاری، کتاب الجزیۃ والموادعۃ، حدیث: (۱۸)، حدیث: ۳۱۸۲۔ مسلم، کتاب الجہاد والسیر: باب صلح الحدیبیہ، حدیث: ۱۷۸۵۔

[2] السیرۃ: ۳/۳۲۱۔

میں سے کوئی ایک بھی کھڑا نہ ہوا' آپ نے یہ حکم تین مرتبہ دہرایا' لیکن ان میں سے کوئی بھی قبول نہیں کر رہا تھا' تب آپ اپنی زوجہ محترمہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور ان سے یہ کوفت بیان کی جو لوگوں سے آپ کو پہنچی تھی' تو یہاں پر سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ذہانت و فطانت چمکتی ہے اور آپ کی سمجھداری روشن ہوتی ہے' جب یوں فرماتی ہیں: ''یارسول اللہ! آپ باہر تشریف لے جائیں اور کسی سے بھی کوئی بات نہ کریں حتیٰ کہ آپ بذات خود اپنے اونٹ کو نحر فرما دیں اور اپنا سر منڈوا لیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا مشورہ قبول فرمایا اور جیسے انہوں نے ارشاد فرمایا تھا ویسے ہی کر دیا' تو جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ سب کچھ بچشم ایشاں مشاہدہ کر لیا تو سبھی جلدی سے ایک دوسرے کو دھکے دیتے ہوئے اٹھے' سبھی نے نحر کیا' اور ایک دوسرے کے سر مونڈنے لگے حتیٰ کہ بعض کی حالت غم و پشیمانی کی وجہ سے یہ نظر آتی تھی کہ ایک دوسرے کو قتل ہی کر ڈالے گا۔ ①

اس کے بعد مسلمان اپنی ہدایت اور راہِ راست کی جانب پلٹ آئے' اور انہوں نے اس صلح کے منعقد کرنے میں جو واقعی ایک عظیم فتح تھی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دور اندیشی اور عمیق نظر کو سمجھ لیا' جب انہوں نے دیکھا کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دین میں صلح حدیبیہ کے بعد اس کثرت سے داخل ہو رہے ہیں کہ قبل صلح اتنی تعداد میں داخل اسلام نہ ہوئے تھے صحیح مسلم میں ہے کہ اس موقع پر یہ فرمانِ الٰہی نازل ہوا تھا:

﴿ إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ﴾ (الفتح : ٤٨/١)

''بے شک (اے نبی!) ہم نے آپ کو ایک ظاہر فتح دی ہے۔''

اور یہ فتح ''صلح حدیبیہ'' ہی ہے' تب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا' اور انہیں خصوصی طور پر یہ پڑھوایا تو انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ! کیا واقعی یہ فتح ہے؟ فرمایا: ہاں! تو ان کا دل خوش ہو گیا اور طبیعت بحال ہو گئی۔ ②

---

❶ زاد المعاد : ٣/٢٩٥' والطبری: ٢/١٢٤۔

❷ صحیح مسلم، کتاب الجھاد، باب صلح الحدیبیه، حدیث : ١٧٨٦۔

وہ اسے فی سبیل اللہ خرچ کرنے پر ابھارتی ہے:

ہدایت یافتہ مسلمان خاتون کے اپنے خاوند کے پہلو میں کھڑے رہنے میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اسے فی سبیل اللہ نیکی کرنے، صدقہ کرنے اور خرچ کرتے رہنے پر ابھارتی اور رغبت دلاتی ہے، نہ کہ بے جا خرچ کرنے، فضول خرچی کرنے اور آسودہ حالی، بے وقوفی و نادانی اور تکبر و غرور کی مختلف جگہوں میں مال بکھیرنے کا کہتی ہے جس طرح کہ ہم بہت سی جاہل، گھٹیا ذہن اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے گم گشتہ عورتوں کو دیکھتے ہیں۔

یہ اس لیے کہ سمجھدار، پرہیزگار مسلمان خاتون تو ہمیشہ اپنے خاوند کے لیے نیکی، خیر اور فلاح کی خواہشمند رہتی ہے اور وہ اسے صالح اعمال کرنے پر ابھارتی ہے بلکہ ایسے کاموں کو بکثرت کرنے پر انگیخت کرتی رہتی ہے، صرف اس حقیقت پر ایمان رکھتے ہوئے کہ اس کے خاوند کے نیک اعمال زیادہ کرنے سے اس کی اپنی دنیاوی عزت و عظمت اور اخروی بے پناہ اجر داری میں ہی اضافہ ہوگا۔

بیوی کے اپنے خاوند کو فی سبیل اللہ خرچ کرنے پر ابھارنے کی بڑی پیاری مثال سیدہ ام دحداح رضی اللہ عنہا کی ہے، جس وقت ان کے خاوند نے ان کے پاس آ کر اس باغ کو جس میں وہ اور ان کی اولاد رہائش پذیر تھی، اس امید پر اسے صدقہ کر دینے کا بتایا کہ اس کے بدلے میں انہیں جنت میں کھجوروں کے گچھے ملیں گے[1] تو ان کا جواب یوں تھا: کامیاب تجارت ہے، کامیاب تجارت ہے، اور پھر اس سلسلے میں رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

«كَمْ مِنْ عِذْقٍ رِدَاحٍ لِأَبِي الدَّحْدَاحِ فِي الْجَنَّةِ»[2]

''ابوالدحداح کو جنت میں کتنے ہی بھاری اور بکثرت گچھے ملیں گے۔''

یہ بات آپ نے کئی بار ارشاد فرمائی۔

---

1. ''عذق'' کھجوروں کا گچھا ہوتا ہے جس طرح انگوروں کے گچھے کے لیے ''عنقود'' کا لفظ آتا ہے، دیکھئے صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب رکوب المصلی علی الجنازۃ، حدیث: ۹۶۵۔
2. مسند أحمد: (۹۱/۵، ۹۵) والطبراني، اور ان دونوں کے راوی صحیح حدیث کے راوی ہیں، ملاحظہ فرمائیں مجمع الزوائد: ۳۲۴/۹، کتاب المناقب باب ما جاء في أبي الدحداح۔

اطاعت الٰہی پر اس کی معاونت کرتی ہے:

ہدایت یافتہ مسلمان خاتون کے قابل تحسین اعمال میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اطاعت الٰہی کی مختلف اقسام میں اپنے خاوند کی مدد کرتی رہتی ہے، بالخصوص قیام اللیل پر، بلاشبہ وہ اس طریقے سے اسے نفع عظیم کا حقدار بناتی ہے، جب وہ اسے وہ کام یاد کرواتی ہے جن سے وہ غافل ہو رہا ہو یا سستی کا ارتکاب کر رہا ہو یا اس سے کاہلی برت رہا ہو، اس طرح وہ اسے اور اپنے آپ کو رحمتِ ایزدی کے سائے میں لانے کا سبب بنتی ہے۔

وہ پسندیدہ صورت جسے رسول اللہ ﷺ نے زوجین کے اطاعت الٰہی پر باہم تعاون کرنے کے سلسلے میں ہمارے سامنے رکھی ہے جس کے ذریعے دونوں تبادلۂ خیر کے ایک دوسرے کے لیے ضامن بنتے اور دونوں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حقدار ٹھہرتے ہیں، وہ حدیث مبارکہ ہے جسے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے، کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

«رَحِمَ اللّٰهُ رَجُلًا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلّٰى، وَأَيْقَظَ امْرَأَتَهُ فَصَلَّتْ، فَإِنْ أَبَتْ نَضَحَ فِيْ وَجْهِهَا الْمَاءَ وَرَحِمَ اللّٰهُ امْرَأَةً قَامَتْ فَصَلَّتْ، وَأَيْقَظَتْ زَوْجَهَا فَصَلّٰى، فَإِنْ أَبٰى نَضَحَتْ فِيْ وَجْهِهِ الْمَاءَ» [1]

''اللہ تعالیٰ اس آدمی پر رحم فرمائے جو رات کو بیدار ہو اور نماز پڑھے اور اپنی بیوی کو بھی جگا لے تاکہ وہ بھی نماز پڑھ لے، اگر وہ انکار کرے تو اس کے چہرے پر پانی چھڑکے اور اللہ تعالیٰ اس عورت پر بھی رحم فرمائے جو رات کو کھڑی ہو اور نماز پڑھے اور پھر اپنے خاوند کو بھی جگائے تاکہ وہ بھی نماز پڑھ لے، لیکن اگر وہ انکار کرے تو اس کے چہرے پر پانی چھڑکے۔''

اس کے دل کو محبت اور خوشی سے بھر دیتی ہے:

ہوش مند، سمجھدار مسلمان خاتون کے دل و دماغ سے یہ بات پوشیدہ نہیں رہتی کہ اس کی زندگی میں اہم ترین اعمال میں سے، اپنے مالک و خالق کی عبادت کرنے کے بعد، یہ عمل ہے کہ اپنے خاوند کے دل میں داخل ہو جانے میں اور اس کا دل محبت سے بھر دینے میں کامیاب ہو جائے، وہ اس

[1] سنن أبوداوٗد، كتاب الصلاة، باب قيام الليل، حديث: ١٣٠٨۔ والحاكم: ٣٠٩/١ كتاب صلاة التطوع، وقال: صحيح على شرط مسلم

طرح کہ وہ اپنے دل کی گہرائی میں یہ محسوس کرے کہ وہ اسے اپنے پاس رکھ کر خوش قسمت ہے' اور وہ اس کے ساتھ زندگی گزارتے ہوئے انتہائی مبارکوں کا حقدار ہے اور اس کی صحبت میں رہ کر نہایت انعام یافتہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے ذرائع' اسباب اور راستے جاننے میں اپنی ذہانت کو استعمال کرتی رہتی ہے جن سے وہ اپنے خاوند کے دل کے تالے کھول لے اور تا کہ وہ بڑی آہستگی' نرمی اور خوشحالی کے ساتھ سرایت کر جائے اور تا کہ وہ اس کے تخت پر بڑی ناز و نعمت کے ساتھ اور بڑی خوشگواری کے ساتھ نیک بخت بن کر بیٹھ جائے۔

وہ اس بات کا ادراک رکھتی ہے کہ وہ خاوند کے احساسات میں دنیاوی مال و متاع میں سے سب سے بڑھ کر اور سب سے بہترین ہے' جس طرح کہ اس حدیث پاک میں آیا ہے جسے سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے:

((اَلدُّنْيَا مَتَاعٌ، وَخَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ)) [1]

''ساری دنیا مال و متاع ہے' اور دنیاوی مال و متاع میں سے سب سے بہترین نیک بیوی ہے۔''

اس سے یہ امر مخفی نہیں رہتا کہ وہی متاع دنیا میں سے بہترین ہے اگر اس نے یہ معرفت حاصل کر لی کہ کس طرح وہ اپنے خاوند کے دل میں داخل ہو سکتی ہے اور کس طرح اس کی محبوبہ بن سکتی ہے۔ لیکن اگر وہ اس حقیقت کا ادراک نہ کر پائی کہ کس طرح اپنے خاوند کے دل میں داخل ہوگی اور کس طرح اس کی محبوبہ بن سکے گی تو بلاشبہ وہ اپنے خاوند کی بدبختی' تباہی' پریشانی اور نحوست میں سب سے بڑی وجہ ہوگی۔ اور یہی وہ بات ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس فرمان میں بیان کیا ہے:

''ابن آدم کی نیک بختی میں سے تین چیزیں ہیں اور ابن آدم کی بدبختی میں سے بھی تین چیزیں ہیں۔ ابن آدم کی خوش بختی ان میں سے یہ ہے: نیک بیوی' اچھا گھر اور اچھی سواری۔ اور ابن آدم کی بدبختی ان میں ہے: بری بیوی' برا گھر' اور بری سواری۔'' [2]

یہی وجہ ہے کہ عورت کا اپنے خاوند کے حقوق زوجیت کو ادا کرنا اور اس کے دل میں داخل

---

1. صحيح مسلم، كتاب الرضاع: باب خير متاع الدنيا، حديث: ١٤٦٩۔
2. أحمد: ١/١٦٨ اور اس کے راوی صحیح حدیث کے راوی ہیں۔

ہو جانا دین ہے' کیونکہ اس میں مرد کی عفت اور پاکدامنی پنہاں ہے' خاندان کی بنیادوں کی پختگی اور مضبوطی ہے' اس کی اپنی' اس کے خاوند کی اور اس کی اولاد کی خوشحالی ہے۔

تو جب عورت فطری طور پر مرد کی لاڈلی اور چہیتی بننا پسند کرتی ہے ایسا کرنے کے لیے وہ ایک ایسا طریقہ اختیار کرتی ہے جس کے ذریعے وہ اپنے نسوانی حسن اور کشش کو بروئے کار لا سکے لیکن مسلمان خاتون انہی جذبات' میلانات اور اسباب کے پاس ہی کھڑی نہیں رہتی بلکہ وہ تو ان کو اپنے خاوند کے دل کو جھکانے' مائل کرنے اور ڈھالنے میں استعمال کرتی ہے' تا کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا پا لے جس نے حق زوجیت کی بہترین ادائیگی کو دین بنایا ہے' وہ اس عمل پر ثواب پاتی ہے' یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے خاوند سے محبت رکھنے کی کوشش میں اور اس کی محبوبہ بنے رہنے میں ظاہری حسن' پاکیزہ باتوں اور دل کو لبھانے والی پسندیدہ طرز زندگی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتی۔

اس کے لیے تزئین و آرائش کرتی ہے:

بلا شبہ وہ اپنے خاوند کے لیے زیبائش و زینت اور زیورات کی تمام قسموں کو استعمال کرتی ہے' تا کہ وہ خوبصورت' خوشنما' باسلیقہ اور مسحور کن نظر آئے' اپنے خاوند کی آنکھوں کو ٹھنڈا کر دے اور خوشیوں کو اس کے دل میں داخل کر دے' اور اس کے نفس کو سعادتوں اور خوشیوں کی طرف لپکا دے، یہی وہ طرز عمل تھا جس پر ہماری سلف صالحات اپنے پروردگار کی عبادت پر جمی رہنے والیاں اور اسکی کتاب کی تلاوت کرنے والیاں عمل پیرا تھیں۔ ان میں سے سرفہرست ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دیگر خواتین نظر آتی ہیں' یہ قیمتی اور نفیس ملبوسات زیب تن فرمایا کرتیں اور سفر و حضر میں زیورات پہنا کرتی تھیں تو صرف اپنے خاوند کے لیے حسن و جمال کی نمائش کرنے کو۔

بکرہ بنت عقبہ' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ام المومنین کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر مہندی کی بابت استفسار کرتی ہے تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''پاکیزہ درخت سے ہے اور اس کا پانی بھی پاک ہے۔'' پھر اس نے بالوں کو زائل کرنے کی بابت سوال اٹھایا' تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اگر تمہارا کوئی خاوند ہے تو اگر طاقت رکھتی ہے کہ اپنی دونوں آنکھوں کو نکال کر ان سے احسن و اجمل لگا سکتی ہے تو پھر ایسا بھی کر لے۔''[1]

[1] احکام النساء لابن الجوزی ۳۴۳۔

خبردار! وہ بیویاں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی رہنمائی کو سن لیں جو اپنے خاوندوں کے لیے زینت و زیبائش کو اختیار کرنے میں تساہل و سستی کا مظاہرہ کرتی ہیں اور انہیں یہ جان لینا چاہیے کہ ان کی زینت و آرائش کے اظہار کی سب سے اولین جگہ صرف ان کے خاوند ہیں' نہ کہ ان کی سہیلیاں اور دیگر عورتیں' اور یہ بھی یقین کر لیں کہ خاوندوں کے لیے زیبائش اختیار کرنے میں سستی کرنے والیاں اور اس میں کوتاہی کرنے والیاں گناہ گار بن رہی ہیں کیونکہ وہ اپنی ازدواجی ذمہ داریوں میں سے ایک انتہائی اہم ذمہ داری میں کوتاہی کی مرتکب ہو رہی ہیں اور بعض اوقات تو ان کی یہی سستی اور کوتاہی ان کے خاوندوں کی بے راہ روی اور انحراف کا سبب بن جاتی ہے کہ ان کی نظریں ان کے علاوہ غیر عورتوں کی طرف اٹھنے لگتی ہیں۔

یقیناً ایسی بیوی کہ جس کے خاوند کی نگاہ اس پر اس حال میں پڑتی ہے کہ وہ بکھرے ہوئے پراگندہ بالوں والی، زرد پھیکے چہرے' کم درجہ بوسیدے کپڑے والی ہے تو بلاشبہ وہ بیوی بدسلوک' کند ذہن اور بے وقوف ہے' اسی طرح یہ عمل ذرہ بھر بھی نفع مند نہیں ہے کہ وہ مہمانوں کی آمد کے روز جلدی جلدی میک اَپ کرے یا عورتوں کی کسی محفل میں جانے کے لیے زینت اختیار کرے اور باقی ایام میں اپنے حسن و جمال کو اور اپنے خاوند کے سامنے اظہار زیبائش کو مہمل ہی چھوڑے رکھے۔ میرا گمان ہے کہ جو مسلمان خاتون اپنی رہنمائی اپنے دین سے لیتی ہے وہ اس کوتاہی سے بچی رہتی ہے کیونکہ وہ اپنے خاوند کے ساتھ نیکوکار رہتی ہے۔ خاوند سے نیکی اور اس کے حق میں کوتاہی کسی بھی ہوشمند سمجھدار محبت رکھنے والی مسلمان بیوی کے دل میں یکجا نہیں ہو سکتیں۔

عورت کے لیے اس دین حنیف کی رہنمائی میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ اپنے خاوند کے لیے زیب و زینت اختیار کرے' وہ اس طرح کہ خاوند اس بیوی میں بجز اپنی پسندیدہ چیز کے اور کچھ نہ دیکھے۔ اسی طرح اسلام نے عورت پر حرام رکھا ہے کہ وہ تین ایام سے زیادہ ماتمی کپڑوں میں نظر آئے سوائے اپنے خاوند کے' اس پر اسلام نے اسے چار ماہ اور دس دن سوگ منانے کی اجازت دی ہے' اس بات کو ہم اس حدیث میں موجود پاتے ہیں جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدہ زینب بنت ام سلمہ سے روایت کیا ہے' کہتی ہیں: میں سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا زوجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت حاضر ہوئی تھی جب کہ ان کا بھائی فوت ہوا تھا' انہوں نے خوشبو منگوائی اور

اسے ملا' پھر فرمانے لگیں: مجھے خوشبو لگانے کی چنداں ضرورت نہ تھی' سوائے اس بات کے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر یوں فرماتے ہوئے سنا تھا:

((لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُحِدَّ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ إِلَّا عَلٰى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا))[1]

''کسی بھی عورت کے لیے، جو اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتی ہے، یہ حلال نہیں ہے کہ وہ بجز اپنے خاوند کے تین راتوں سے زیادہ سوگ منائے' کیونکہ خاوند پر چار ماہ اور دس دن ہیں۔''

اسے خوشی' انس و محبت اور شکر گزاری کے انداز سے ملتی:

جن چیزوں سے ایک ذی ہوش مسلمان خاتون زیبائش و آرائش کا حصول کر سکتی ہے ان میں سے خوشی' شادمانی' انس و محبت' دانائی اور ہوشمندی والی چیزیں بھی ہیں وہ ان چیزوں سے اپنے خاوند کی زندگی کو بھرپور رکھے' تاکہ اس کی زندگی خوش قسمتی' انس و پیار اور مسرتوں سے معمور رہے' اسے اس وقت ملے جب وہ پلٹ کر گھر آتا ہے' اپنے کسی محنت و مشقت والے کام سے تھکا ہوا ہو' یا کسی فکری سوچ سے تھک ہار کر بیٹھا ہوا ہو' اپنے پر رونق چہرے' خندہ پیشانی' چمکدار مسکراہٹ' پاکیزہ اور نرم گرم گفتگو کے ساتھ' کہ وہ ملاقات کے پہلے ہی لمحے اس کے تمام فکر و غم کو لپیٹ کر رکھ دے اور اس کے کچھ غموں کو غلط کر دے' اور اس موقع پر اپنی استطاعت کے مطابق پوری دانشمندی' دانائی' شادمانی اور رونق کو استعمال میں لائے۔ تاکہ اس کے دل پر سعادت مندی اور زندگی کی مسرتوں کے دروازے کھول دے اور اسے شکرانے کے اور اعتراف احسان کے بول سنائے' جس قدر جلد وہ یہ کام کرے گی اتنی جلد ہی وہ خیر کو لے آئے گی' یا پھر اس کے سامنے کوئی خوبصورت سی چیز پیش کرے' یا کوئی ایسا کام پیش کرے جس پر وہ شکریے اور تعریف کا حقدار ٹھہرتا ہو۔

یہ اس لیے کہ ایک سمجھدار مسلمان خاتون وفادار اور انصاف کرنے والی ہوتی ہے' وہ تو لوگوں

[1] صحیح بخاری، کتاب الطلاق، باب تحد المتوفی عنها اربعة، حدیث: ٥٣٣٤، ٥٣٣٥۔

میں سے کسی کے لیے بھی ناشکری' ناسپاسی اور بے قدری کو نہیں جانتی' کیونکہ اسے دینی راہنمائی کی گئی ہے جو نیکی کو فراموش کرنے والے' کسی کے فضل واحسان کا انکار کرنے والے رذیل اخلاق میں گرنے سے اسے بچائے رکھتی ہے، تو وہ اپنے انتہائی پیارے خاوند کے ساتھ اور اپنے اس شریک حیات کے ساتھ جو اس کا طویل عرصے سے مشتاق ہے کیسے برتاؤ کرسکتی ہے؟

اس نے اپنے دین کی رہنمائی سے یہ فرمان رسول ﷺ بھی تو یاد کر رکھا ہے:

((لَا يَشْكُرُ اللّٰهَ مَنْ لَّا يَشْكُرُ النَّاسَ))[1]

''وہ اللہ تعالیٰ کا شکریہ بھی ادا نہیں کرتا جو لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا۔''

اس نے اس عظیم دین سے یہ بات بھی سیکھی ہے کہ لوگوں میں ہر نیک سلوک کرنے والا اچھا برتاؤ کرنے والا اور بھلائی سے پیش آنے والا بھی اس کے شکریے اور تعریف کا حقدار ہے' تو وہ کس طرح اپنے شوہر کا شکریہ ادا کرنے میں سستی کرسکتی ہے یا کسی ہچکچاہٹ سے کام لے سکتی ہے یا کسی طرح کا کوئی تردد اور شک کرسکتی ہے' حالانکہ وہ رسول اکرم ﷺ کا یہ فرمان اقدس بھی تو سن رہی ہے:

((لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ إِلَى امْرَأَةٍ لَّا تَشْكُرُ لِزَوْجِهَا، وَهِيَ لَا تَسْتَغْنِي عَنْهُ))[2]

''اللہ تعالیٰ ایسی عورت کی طرف نہیں دیکھے گا جو اپنے خاوند کا شکریہ ادا نہیں کرتی' حالانکہ وہ اس سے (کسی لحہ بھی) بے نیاز نہیں رہ سکتی۔''

اس کی خوشیوں اور غمیوں میں برابر شریک ہوتی ہے:

جن امور سے عورت اپنے خاوند کے دل میں داخل ہوسکتی اور اس کے نفس کو اپنی محبتوں سے بھر سکتی ہے ایک امر یہ بھی ہے کہ وہ اس کی خوشیوں اور غمیوں میں اور اس کے دکھوں اور راحتوں میں برابر شریک ہوتی ہے۔

بلاشبہ وہ اس کے روز مرہ کے کاموں اور پسندیدہ مشغلوں میں شریک ہوتی ہے' جیسے کہ

---

1. اخرجه البخاري في الادب المفرد، باب من لا يشكر الناس، سنن أبي داوٗد، كتاب الأدب، باب في شكر المعروف، حديث : ٤٨١١۔
2. اخرجه الحاكم في مستدركه: ٢/ ١٩٠ كتاب النكاح' وقال: حديث صحيح الاسناد

پڑھنا' ورزش کرنا اور بعض مفید باتیں سننا وغیرہ۔ وہ اس طرح کہ خاوند کو شعور ہو جائے کہ وہ زندگی کے پر مسرت لمحات سے لطف اندوز ہونے میں تنہا نہیں ہے' بلکہ ان مسرتوں میں مرغوب' پسندیدہ اور بھرپور جاموں کے تبادلے کرنے کے لیے اس کی وفادار' خوش کن' ہوشمند اور محبت کرنے والی بیوی بھی موجود ہے۔

اور رسول کریم صلوات اللہ علیہ وسلامہ کے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کئی بار ''مقابلۂ دوڑ'' لگانے میں اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام نے دونوں میاں بیوی کو ایک دوسرے کی خوشیوں' مسرتوں اور زندگی کی لطف اندوزیوں میں شراکت کرنے کی ترغیب دی ہے' یقیناً اس شراکت کا ازدواجی تعلق کو سیراب کرنے' اس کے رشتوں کو پائیدار بنانے اور اس کی کڑیوں کو مضبوط پرونے میں انتہائی گہرا اثر ہے۔

جس طرح اس کی خوشیوں اور مسرتوں میں شریک ہوتی ہے بالکل اسی طرح اس کی پریشانیوں اور مصیبتوں اور دکھوں میں بھی شریک ہوتی ہے' تو اس طرح وہ پاکیزہ شیریں بول اور انس و پیار اور خیر خواہی کے چند الفاظ کے ساتھ اس کے غم کو غلط کرتی ہے' اس کے سامنے اپنی مضبوط' پکی اور خیر خواہی والی رائے کو اور اپنے سچے' ملائم' پاکیزہ قلبی تعلق کو اس کے دامن میں ڈالتی ہے۔

اس کے علاوہ دوسروں سے نگاہیں نیچی رکھتی ہے:

پرہیز گار مسلمان خاتون اپنے خاوند کے علاوہ دوسروں سے نگاہیں نیچی رکھتی ہے۔ وہ غیر محرم مردوں کی جانب التفات نہیں کرتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ ﴾ (النور: ۲۴/۳۱)

''مسلمان عورتوں سے کہو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔''

اور جب وہ اپنے شوہر کے علاوہ دوسروں سے نگاہیں نیچی رکھنے کا التزام کرتی ہے تو وہ نگاہیں نیچی رکھنے والیوں میں سے بن جاتی ہے اور عورت کی یہ خوبی ایسی ہے جو مردوں کو انتہائی زیادہ محبوب ہے' کیونکہ یہ اس کے شعور کی طہارت و عفت اور اس کی نظروں کی سلامتی و امانت داری پر دلالت کرتی ہے' بلکہ یہ ایک پاک باز' عفت مآب' پاکدامن مسلمان خاتون کی خوبصورت ترین صفات میں سے ہے۔ اس لیے تو قرآن کریم نے جنتی عورتوں کے تذکرے میں اور بیویوں

کی مردوں کے ہاں پسندیدہ و محبوب صفات کے سیاق میں اسے سراہا ہے:

﴿ فِيهِنَّ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ﴾

(الرحمن: ۵۵/۵۶)

''وہاں شرمیلی نیچی نگاہ والی حوریں ہیں جنہیں ان سے پہلے کسی جن وانس نے ہاتھ نہیں لگایا۔''

اس کے سامنے کسی غیر عورت کے اوصاف بیان نہیں کرتی:

دانا مسلمان خاتون کے عمدہ اخلاق میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنی جان پہچان والی عورتوں یا اپنی سہیلیوں میں سے کسی کی خوبیوں کو اپنے خاوند کے سامنے بیان نہیں کرتی' کیونکہ فرمان رسول مکرم ﷺ کے ساتھ اس عمل کو اسلام میں حرام کیا گیا ہے:

((لَا تُبَاشِرُ الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ، فَتَنْعَتَهَا لِزَوْجِهَا، كَأَنَّهُ يَنْظُرُ إِلَيْهَا)) [1]

''کوئی عورت کسی دوسری عورت کے بارے میں اپنے خاوند کے سامنے اس کے حسن و جمال کا نقشہ نہ کھینچے' گویا کہ وہ اس کی طرف دیکھ رہا ہے۔''

یہ اس وجہ سے ہے کہ اسلام چاہتا ہے کہ ضمائر ٹھنڈے اور دل پرسکون رہیں' اور افکار' جذبات اور بھڑکیلے تخیلات اپنی حدوں میں رہیں تاکہ انسان اپنی زندگی میں معتدل' پرسکون' مطمئن اور خوشگوار ماحول میں فارغ البالی کے ساتھ چلتا پھرتا رہے' اس کے لیے وہ مشقتیں اور اعمال آسان بنا دیے گئے جن کے لیے وہ تخلیق کیا گیا ہے' اس کی فکر پھیکے' بے مزہ اور حقیر تعلقات و اتصالات میں بیان کرنے والی اور بیان شدہ عورت کے درمیان مشغول نہیں ہوتی' اور نہ ہی اس کی درست سوچ ان تعلقات کے آراستہ و مزین کردہ خیالات کے پیچھے بے ہودہ ہی ہوتے ہے' نہ اس کا نفس بے چین ہوتا ہے اور نہ اس کی صلاحیتیں' مہارتیں' اعمال اور کمالات کسی لغو قول اور فضول کلام کے پیچھے معطل اور ناکارہ ہی ہوتے ہیں' اگرچہ یہ فضول باتیں بعض اوقات سننے والے کو گمراہی' فتنے اور ضلالت میں مبتلا بھی کر دیتی ہیں۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب النکاح: باب لا تباشر المراۃ المراۃ فتنعتھا لزوجھا، حدیث: ۵۲۴۰۔

اس کے لیے آرام' راحت اور سکون کو یقینی بناتی ہے:

سمجھدار مسلمان خاتون صرف اپنے خاوند کے لیے آراستہ ہونے پر اور اس کے پسندیدہ مشغلوں اور کاموں میں اس کے ساتھ شرکت کرنے پر ہی اکتفا نہیں کرتی بلکہ گھر کی چار دیواری کے اندر اس کے لیے آرام' راحت' خاموشی اور سکون و اطمینان کو یقینی بنائے رکھنے کی حریص بھی ہوتی ہے۔ اسی طرح وہ اس بات کی بھی حریص و متمنی ہوتی ہے کہ گھر کے اندر اس کی نظر صرف اور صرف سلیقہ سے رکھی ہوئی اور صاف ستھری اشیاء پر ہی پڑے جس سے اس کا دل خوش ہو جائے' وہ گھر کے اندر نظام اور ذوق کا مشاہدہ کرے' اور مہذب' مؤدب اور صاف و نظیف بچوں کو دیکھے' اور خوبصورت آراستہ دستر خوان کو دیکھے' ان کے علاوہ ہر وہ چیز جسے عقلمند' ذہین' خوش طبع عورت اپنی مہارت' اپنے ذوق اور اپنے بلند جذبات سے پیش خدمت کر سکتی ہے۔ اور یہ ساری چیزیں مسلمان خاتون کے ان حقوق زوجیت کی بہترین ادائیگی میں شمار ہوتے ہیں جن کی اسلام نے اسے تلقین فرمائی ہے۔

ایک مسلمان خاتون کے دل و دماغ سے یہ امر بھی اوجھل نہیں ہوتا کہ اسلام میں شادی بھی اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے ایک آیت اور اس کی قدرت کاملہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے' جبکہ اللہ تعالیٰ نے بیوی کو خاوند کے لیے سکون' راحت' طمانیت اور انس و پیار کا ایک ذریعہ بنایا ہے:

﴿ وَ مِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا وَ جَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً ﴾ (الروم: ۳۰/ ۲۱)

''اور اس کی نشانیوں میں سے تمہاری ہی جنس کی بیویاں پیدا کرنا ہے تاکہ تم ان سے آرام پاؤ' اس نے تمہارے درمیان محبت اور مہربانی قائم کر دی۔''

یقیناً شادی ایک نفس کا دوسرے نفس سے گہرا ترین تعلق ہے جسے اللہ تعالیٰ دونوں جانوں کے درمیان باندھتا ہے تاکہ دونوں سکون' اطمینان' استقرار اور پاکیزہ حلال لطف اندوزی کی نعمتوں سے مالا مال ہوسکیں۔ بلاشبہ بیوی مرد کے لیے باعثِ سکون' سبب امن اور جائے پناہ ہے ایسے شادی شدہ گھر کے اندر جو خالص مودت و محبت کی بنیاد پر آباد اور انتہائی مشقت و رحمت کے

جذبے سے موجزن ہو۔ ہدایت یافتہ مسلمان خاتون وہ بہترین شخصیت ہے جو ان بلند ترین معانی سے آشنا ہوتی ہے اور وہ بہترین ہستی ہے جو ان معانی کو واقعی انس و پیار' رونق و جمال اور خوش دلی سے عملی جامہ پہناتی ہے۔

چشم پوشی اور درگزر کرنے والی ہوتی ہے:

مسلمان خاتون چشم پوشی اور درگزر کرنے والی ہوتی ہے' اگر اس کے خاوند سے لغزشیں سرزد ہو جائیں تو وہ نظر انداز کر دیتی ہے' اس کے لیے وہ لغزشیں یاد نہیں رکھتی اور نہ وقفے وقفے سے اسے یاد کراتی ہے۔ درگزر کرنے والی' معاف کرنے والی اور نظر انداز کرنے والی صفت سے بڑھ کر کوئی ایسی بری صفت نہیں ہے جو آدمی کے دل کے تالوں کو کھولنے والی ہو اور معمولی درجے کے عیوب کو یاد رکھنے والی' برائیوں کو شمار کرنے والی اور لغزشوں غلطیوں کو یاد کروانے والی عادت سے بڑھ کر کوئی ایسی بری عادت نہیں ہے جو مرد کے دل کے دروازوں کو بند کرنے والی ہو۔

اللہ تعالیٰ کے دین کی پوری پوری پابندی کرنے والی اور اللہ تعالیٰ کے فرمان ذیل:

﴿ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ﴾ (النور: ٢٤/ ٢٢)

''بلکہ معاف کر دینا اور درگزر کر لینا چاہیے کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف فرما دے۔''

پر عمل پیرا ہونے والی مسلمان خاتون ہی اس بات کی اہل ہوتی ہے کہ وہ اپنے خاوند کے عرش قلب پر چہار زانو ہو کے بیٹھ سکے اور بلاشبہ وہی ایسی طبیعت والی ہے کہ وہ اس کے نفس کو بشارتوں' سعادتوں اور خوشیوں سے بھر سکتی ہے۔

اعلیٰ کردار کی حامل اور شخصیت کی قوی ہوتی ہے:

بلاشبہ مسلمان خاتون کو جو اپنے دین سے ہمہ وقت روشنی لینے والی ہو ممتاز بنانے والی اشیاء میں سے سب سے نمایاں چیز اس کی شخصی قوت' اس کی سوچ کی پختگی اور اس کے کردار کی عمدگی ہے۔ یہ ایسی بلند ترین صفات ہیں جن سے مسلمان عورت اپنی شادی سے قبل اور اس کے بعد آراستہ رہتی ہے' کیونکہ یہ صفات اس کے دین کے فہم اور مقصدِ زندگی کو یاد رکھنے کا نتیجہ ہیں۔

یقیناً وہ خاوند کے انتخاب کے مرحلے میں بھی شخصیت کی قوت کا مظاہرہ کرتی ہے' اگر اس

کے والدین حق سے دور جا رہے ہوں تو اپنے والدین کی رغبت کے سامنے نہ تو اس کی شخصیت پگھلتی ہے اور نہ ہی مضمحل ہوتی ہے' اگر وہ دونوں اسے ایسی شادی پر مغلوب کرنا چاہیں جس میں اس کی رغبت شامل نہ ہو' اور نہ ہی اس کی شخصیت اس آدمی کے سامنے جو اسے پیغام نکاح دینے والا ہے، جب کہ اس میں برحق مسلمان خاوند کی صفات جمع نہ ہوں۔ کمزوری کا اظہار کرتی ہے' اگر چہ وہ دنیاوی جاہ وجلال اور مال ومنال میں انتہا کو پہنچا ہوا ہے۔

اس کی شخصیت کی قوت شادی کے بعد بھی قائم رہتی ہے اور بالخصوص ایسی بنیادوں پر جو اس کی شخصیت کو مزید نکھار بخشتی ہیں مثلاً پسندیدہ اخلاق' نرم مزاجی اور خاوند کی پسندیدہ اطاعت وغیرہ اور پھر خصوصاً اس کی شخصیت کی قوت ایسے معاملے میں بخوبی نمایاں ہوتی ہے جو اس کے عقیدے اور دین سے متعلق ہوتا ہے وہاں وہ اپنے پائے ثبات میں لغزش نہیں آنے دیتی' جس طرح کہ ہم نے ام سلیم بنت ملحان اور ان کے بیٹے سیدنا انس رضی اللہ عنہما کے اسلام پر مستقل مزاج رہنے میں دیکھا ہے' جبکہ اس کا خاوند مالک بن نضر شرک پر اور اسلام دشمنی پر بضد رہا ہے[1] جس طرح کہ ہم نے ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو اپنے عقیدے اور اپنے دین پر ثابت قدم دیکھا ہے جس دن کہ ان کا خاوند عبیداللہ بن جحش الاسدی مرتد ہو کر حبشیوں کے دین کو اختیار کر گیا تھا۔[2] جس طرح کہ ہم نے سیدہ بریرہ رضی اللہ عنہا کو اپنے اس خاوند (مغیث)' جس سے وہ محبت نہ رکھتی تھی' کی جدائی پر دیکھا ہے حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس معاملے میں سفارش بھی کر چکے تھے[3] اور جس طرح کہ ہم نے ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کی بیوی کو اپنے غیر پسندیدہ خاوند سے خلع کرتے دیکھا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مطالبہ طلاق کو قبول فرماتے ہیں۔[4]

یقیناً ان صاحب فضیلت عورتوں کے پاس ان کے قوی موقف میں ایک بنیادی محرک اور اساسی سبب موجود ہے۔ دینی سلامتی کی حرص' عقیدے کی صفائی وخلوص اور اس سلسلے کی انتہا میں رضائے الٰہی۔

---

1. سنن نسائی، کتاب النکاح، باب التزویج علی الاسلام، حدیث : ۳۳۴۳، ۳۳۴۲ مختصراً
2. طبقات ابن سعد (۸/۹۶، ۹۷) اسد الغابۃ (۶/۱۱۵، ۱۱۶)
3. صحیح بخاری، کتاب الطلاق، باب شفاعۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی زوج بریرۃ، حدیث : ۵۲۸۳۔
4. صحیح بخاری، کتاب الطلاق، باب الخلع، حدیث : ۵۲۷۳۔

ان عورتوں میں سے ہر ایک عورت اپنی ازدواجی زندگی میں حلال کی متلاشی ہے اور حرام میں واقع ہونے سے ڈرتی ہے اگر وہ زندگی گزارنے کے لیے ایسے خاوند کے ساتھ رہتی ہے جو اس بیوی کے دین وعقیدے پر ایمان نہیں رکھتا' یا پھر وہ اس خاوند کے حق میں کوتاہی کی مرتکب ہوتی ہے جسے وہ پسند ہی نہیں کرتی' یا اس کے ساتھ وہ زندگی گزارنے کی طاقت ہی نہیں رکھتی۔ اگر اس کی شخصیت کی قوت نہ ہوتی اور اسے اپنے ایماندار نفس کی عزت کا شعور نہ ہوتا تو یقیناً وہ اپنے گمراہ خاوند کے معاملے میں بدی کا ارتکاب کر لیتی' اور اس کی گمراہیوں کی تہوں میں ہی گم ہو جاتی' یا اپنے اس خاوند کے ساتھ تباہی اور بدبختی کے کڑوے گھونٹ پیتی رہتی جس کے ساتھ زندگی گزارتے ہوئے اس کے دل کا پھول کھل ہی نہیں رہا ہے' تو ایک مسلمان خاتون کی جو اپنے دین سے روشنی لینے والی ہے ہر زمان ومکان میں یہی حالت ہوتی ہے۔

تو یہ شخصی قوت' جس کے ساتھ مسلمان خاتون آراستہ و پیراستہ رہتی ہے' اسے کسی صورت بھی امتیازی صفات وخصائل سے یعنی خاوند کی اطاعت' اس سے حسن معاشرت' اس سے نیک رویہ اور اس کی تعظیم وتوقیر وغیرہ صفات سے باہر نہیں نکالتی' بلکہ اس کی شخصی قوت اسے خاوند کے ساتھ بولے جانے والے اقوال میں اور اس کے ساتھ طے پائے جانے اعمال میں متوازن اور دانا بنائے رکھتی ہے' جن میں نہ بے ہودگی ہوتی ہے' نہ لاپروائی اور نہ ہی حق تلفی ہوتی ہے' حتیٰ کہ لحات غضب و ناراضی میں بھی جن سے زوجین کی زندگی خالی نہیں ہو سکتی' مسلمان خاتون اپنے نفس کو قابو اور اپنی زبان کو کنٹرول میں رکھتی ہے' اس سے اپنے خاوند کے لیے کوئی بھی نازیبا لفظ نہیں بولتی جو اس کے خاوند کے جذبات کو مجروح کرنے والا ہو، تو یہ ہوتی ہے ایک متوازن' حوصلہ مند' نفس پر کنٹرول رکھنے والی مسلم خاتون کی شخصی قوت کی شان۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا اس فطرت میں بہت ہی اہم حصہ ہے جس کی ہر مسلمان عورت کو پیروی کرنی چاہیے' کیونکہ وہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راضی ہوتیں تو اللہ کے نام کی قسم کھانے کی عبارت روا رکھتیں' لیکن جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خفا و ناراض ہوتیں تو قسم کی عبارت کو بدل لیتیں' جبکہ دونوں عبارتوں میں ادب و احترام' ذوق اور تعظیم وتکریم ملحوظ رکھتیں'

رسول اللہ ﷺ ان کی ترجمانی کرتے ہوئے یوں فرماتے ہیں:

''یقیناً مجھے معلوم ہو جاتا ہے جب تو مجھ سے راضی ہوتی ہے' اور جب تو مجھ سے خفا ہوتی ہے' تو آپ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: آپ اس کیفیت کو کیسے پہچان لیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: البتہ جب تو مجھ سے راضی ہوتی ہے تو تو اس طرح کہتی ہے: مجھے محمد (ﷺ) کے رب کی قسم! اور جب تو مجھ سے ناراض ہوتی ہے تو کہتی ہے: مجھے ابراہیم کے رب کی قسم! تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: بالکل جی ہاں اللہ کی قسم یارسول اللہ! میں اس صورت میں بھی فقط آپ کا نام ہی چھوڑتی ہوں (اور کچھ نہیں)۔''[1]

کیا خوب ہے عالی مقام ادب! واہ رے خالص محبت کیا کہنے ہیں تیرے اے بلند ذوق!

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی شخصی قوت تو ''بہتان کی آزمائش'' کے دنوں میں بھرپور طور پر کھل کر سامنے آ گئی تھی یہی وہ آزمائش تھی جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم ﷺ اور آپ کی ساری امت کے لیے امتحان و ابتلا کا ایک ذریعہ بنایا تھا' تاکہ اس کے باعث اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو سربلند فرمائے اور دوسروں کو پست کر دکھائے اور اللہ تعالیٰ ہدایت پانے والوں کی ہدایت اور ایمان کو مزید بڑھاتے ہیں اور ظالموں کو بجز خسارے کے کسی چیز میں بھی نہیں بڑھاتے۔

اس قصے سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی شخصیت کی قوت خوب خوب ظاہر ہوئی اور آپ کا اللہ تعالیٰ پر گہرا ایمان نمایاں ہوا اور آپ کا اس کی ذات یکتا پر بھروسہ و اعتماد مکمل طور پر اجاگر ہوا کہ خود باری تعالیٰ آپ کی براءت کو ظاہر کرتا ہے' میں اس سے بڑھ کر واضح اور خوبصورت انداز نہیں پاتا جس انداز کو امام ابن القیم الجوزی (رحمہ اللہ) نے اس نورانی صفحے کے متعلق گہرے سچے ایمان کو پیش کرنے کے لیے اختیار فرمایا ہے جس سے ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا متصف ہیں' اور جس سے ان کی وہ شخصی قوت جلا پاتی ہے جو اللہ تعالیٰ سے عزت پانے والی اور اس کے عدل و انصاف پر بھروسا رکھنے والی ہے۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: ''امتحان و آزمائش کی تکمیل اس طرح پوری ہوئی کہ اس

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الادب، باب ما یجوز من الهجران لمن عصی، حدیث: ٦٠٧٨۔ مسلم، کتاب فضائل الصحابة باب فضائل ام المومنین عائشه (رضی اللہ عنہا)، حدیث: ٢٤٣٩۔

نیا پہرہ نہیں ہے دوران مسلسل ایک ماہ تک رسول اللہ ﷺ سے وحی الٰہی منقطع رہی' اس مدت کے دوران آپ ﷺ پر کچھ بھی وحی نازل نہ ہوئی' تاکہ اللہ تعالیٰ کی وہ حکمت مکمل ہو جائے جو اس نے مقدر اور فیصل فرما رکھی تھی اور وہ حکمت اپنی کامل ترین صورت میں ظاہر ہو جائے اور تاکہ راست باز اہل ایمان کے ایمان بڑھ جائیں' عدل وصداقت پر ان کا ثبات بڑھ جائے' اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر حسن ظن میں اضافہ ہو جائے علاوہ ازیں آپ کے اہل بیت کے متعلق' اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے صدیقین کے متعلق حسن ظن میں اضافہ ہو جائے' اور اس کے برعکس منافقین جھوٹ اور نفاق میں زیادہ ہو جائیں' اور تاکہ اللہ تعالیٰ منافقین کے خبث باطن کو اپنے رسول کریم ﷺ کے سامنے اور سچے ایمانداروں کے سامنے ننگا کر دے' اور تاکہ اس صدیقہ (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا) کی اور اس کے والدین کریمین کی بندگی درجہ کمال پر پہنچ جائے' اور تاکہ ان پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتِ خاص مکمل ہو سکے' تاکہ اس صدیقہ کی اور اس کے والدین کی رغبت و حاجت اور اشتیاق ووابستگی مضبوط تر ہو سکے' اللہ تعالیٰ کی جانب ان کی محتاجی' اس کے حضور عاجزی وذلت' اس کے ساتھ حسن ظن' اس سے امیدوں کی وابستگی پہلے سے زیادہ قوی ومضبوط ہو جائے' اس (صدیقہ) کی امید مخلوقات سے یکسر منقطع ہو جائے اور مخلوقات میں سے کسی ایک کے ہاتھ پر حصولِ نصرت اور کشادگی سے ناامیدی یقینی ہو جائے' اس لیے تو اس صدیقہ نے اس مقام کا حق ادا کر دکھایا ہے جب اس کے والدین نے اسے یوں کہا تھا: اس کی طرف کھڑی ہو جا' (یعنی نبی اکرم ﷺ کی طرف کھڑی ہو اور آپ کا شکریہ ادا کر) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تیری براء ت اور بے گناہی کو آپ پر نازل فرمایا ہے تو وہ یوں پکار اٹھتی ہیں:

((وَاللّٰهِ! لَا اَقُوْمُ اِلَيْهِ، وَلَا اَحْمَدُ اِلَّا اللّٰهَ، هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ بَرَاءَتِیْ))

''اللہ کی قسم! میں آپ کی طرف کھڑی نہ ہوں گی' میں تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی بھی تعریف وستائش نہ کروں گی' کیونکہ اسی ذات نے میری بے گناہی کو نازل فرمایا ہے۔''

مسلسل ایک ماہ تک وحی کی بندش میں یہ حکمت بھی پنہاں ہے کہ اس مقدمے کو نقص وعیب سے پاک بنا دیا گیا' اس میں اہل ایمان کے دل اللہ تعالیٰ کی اس وحی کی طرف جو وہ اپنے رسول کی طرف فرماتا تھا کہیں زیادہ جھانکنے لگے اور اس کی جانب خالص ہو گئے اور انتہائی شدت کے

ساتھ انتظار کرنے لگے' تب وحی الٰہی ایسی صورت حال میں آئی جب کہ رسول اللہ ﷺ' آپ کے اہل بیت' سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل خانہ' رسول اللہ ﷺ کے صحابہ و اہل ایمان انتہائی زیادہ حاجت مند تھے' تو وحی الٰہی ان پر ایسے نازل ہوئی کہ جیسے انتہائی حاجت مند زمین کے لیے بارش اترتی ہے' تو اس وحی نے ان سے نہایت ارفع و اعلیٰ مقام پایا' اس کے آتے ہی وہ پیکرِ مسرت و سرور بن گئے، انہیں انتہا درجے کی خوشی نصیب ہوئی' اگر اللہ تعالیٰ اس پوری حقیقت حال کی پہلے ہی مرحلے میں اطلاع بہم پہنچا دیتا اور فوراً نزول وحی فرما دیتا تو یہ سب حکمتیں بلکہ ان کی دو چند حکمتیں بلکہ چار گنا حکمتیں میسر نہ آتیں۔ اور یہ بات بھی پنہاں تھی کہ اللہ تعالیٰ اپنے ہاں اپنے رسول کے مرتبے کو اور آپ کے اہل بیت کے مقام کو اور ان پر اپنی نوازشات کو ظاہر کرنے کو پسند فرماتا تھا' اور یہ چاہتا تھا کہ بذات خود اپنے رسول مقبول ﷺ کو اس مقدمے سے بری فرمائے' اسی لیے بذات خود دفاع کرنے اور آپ کی طرف داری کرنے کو اپنی ذمہ داری اور سرپرستی میں لے لیا اور یہ بھی چاہا کہ بنفس نفیس آپ ﷺ کے دشمنوں کی تردید اور مذمت کرے اور اس عمل سے آپ ﷺ کو بری الذمہ قرار دے دیا جس میں ان کا عملاً یا نسبتاً کوئی بھی کردار نہیں تھا بلکہ تن تنہا ہی اس پورے معاملے کی کمان کرے' اور اپنے رسول مقبول ﷺ اور آپ کے اہل بیت کا خود ہی انتقام لے۔

اور ایک یہ حکمت بھی پوشیدہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ ہی اس اذیت سے، جو آپ کی زوجہ محترمہ کو بصورت تہمت پہنچی تھی، مقصود بالذات تھے' یہ بات آپ کے بس میں نہ تھی کہ آپ اپنے علم کے مطابق یا ظن غالب کے ساتھ اپنی زوجہ کی براءت کی گواہی دے دیتے' جس کے بارے میں کبھی بھی آپ نے برا خیال نہ سوچا تھا' اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کی زوجہ محترمہ کو اس سے اپنی پناہ میں رکھا ہوا تھا' اس لیے تو آپ ﷺ نے ''اہل افک'' کے معاملے میں عذر خواہی کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''اس شخص کے بارے میں میرا عذر خواہ[1] کون ہوگا جس کے متعلق مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ اس نے میرے اہل کے بارے میں مجھے اذیت پہنچائی ہے اللہ کی قسم! مجھے اہل کے

[1] عذر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے یہ الزام لگایا ہے اگر میں اسے سزا دوں تو دوسرا شخص مجھے حق بجانب سمجھے اور مجھے ملامت نہ کرے۔

بارے میں ماسوائے خیر و نیکی کے کچھ بھی معلوم نہیں ہے' ان لوگوں نے ایک ایسے آدمی کا ذکر کیا ہے جس کی بابت مجھے خیر کے سوا دوسری بات معلوم نہیں' اور وہ شخص میرے اہل بیت کے پاس صرف میری معیت ہی میں آتا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کے پاس صدیقہ کائنات کی براءت کی گواہی دینے کے لیے ایسے ایسے شواہد و قرائن موجود تھے جو ایمان داروں کے پاس موجود شواہد سے کہیں زیادہ تھے' لیکن آپ کا کمال درجے کا صبر و ثبات' آپ کی نرمی' آپ کا اپنے رب کے متعلق حسن ظن اور اس پر کامل بھروسا اس مقام پر کامل طور پر سامنے آیا کہ آپ نے صبر و ثبات کا دامن تھام کر رکھا اور اپنے رب پر حسن ظن کے حق کو ادا کر دکھایا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی آئی جس نے آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک بخشی' آپ کے دل کو سرور عطا فرمایا' جس نے آپ کی عظمت کو دوبالا کر دیا' اور وحی الٰہی کی آمد نے پروردگار عالم کی آپ کی عزت افزائی کرنے اور انعام و اکرام سے نوازنے کو بھی آپ کی امت کے سامنے ظاہر فرمایا اور اس حقیقت کو بھی عیاں فرما دیا کہ اللہ رب العزت کے ہاں آپ کی کیا قدر و منزلت ہے!!

اور جو شخص صدیقہ کائنات رضی اللہ عنہا کے اس فرمان پر غور و فکر کرے گا حالانکہ آپ کی بے گناہی اتر چکی ہے' ان کے والدین ان سے یہ کہہ چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف کھڑی ہو جا اور وہ جواب میں یہ فرما چکی ہیں: ''اللہ کی قسم! میں آپ کی طرف کھڑی نہیں ہوں گی' میں تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی بھی تعریف و ستائش نہیں کروں گی'' وہ شخص جان لے گا آپ کی معرفت' آپ کی قوت ایمان' آپ کی اپنے پروردگار کی نعمتوں سے مالا مال ہونے کی کیفیت' اور اس مقام میں فقط اس اکیلے رب کی تعریفوں کو بیان کرنے کو اور آپ کی توحید کو خالص کرنے والی ذہنیت کو' آپ کی قوت نفس کو اور آپ کے قلبی لگاؤ کو جو اس براءت کے اترنے کے ساتھ مزید مضبوط ہوا' اور یہ کہ آپ نے وہ کام نہیں کیا جس مقام کا کوئی علم میں رغبت رکھنے والا اور اس کا طالب کرنا چاہتا ہے اور وہ شخص یہ بھی جان لے گا کہ آپ کا رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی کی محبت پر مکمل اعتماد تھا آپ نے کہا جو کچھ بھی کہا یہ ایک محبوب کی اپنے محبوب کے لیے انتہائی قلبی کیفیت کا غماز ہے' بالخصوص یہ مقام جو قلبی تعلق کے اظہار کا سب سے بہترین موقع و مقام تھا اور آپ نے بروقت

ایسے بول بولے کہ اپنے محبوب ترین خاوند سے بھی وہ اظہار نہیں کر رہی جب آپ یہ فرماتی ہیں: ''میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی بھی تعریف نہیں کروں گی کیونکہ اسی ذات ہی نے میری براءت و بے گناہی کو نازل فرمایا ہے'' اس مقام پر ثابت قدمی اور وقار و سنجیدگی پر بھی اللہ تعالیٰ کی خاص تعریف ہے حالانکہ آپ ﷺ انہیں انتہائی محبوب تھے وہ آپ ﷺ سے کنارہ کش اور دور نہ رہ سکتی تھیں، لیکن باوجود اس کے ایک ماہ تک ان کے دل کا اپنے محبوب سے دور رہنا' پھر آپ کا ان کی طرف پلٹنا اور ان سے اظہار رضا مندی کرنا' لیکن ان کا آپ ﷺ کی جانب اٹھنے میں جلدی نہ کرنا' آپ کی رضا مندی اور قربت سے خوش ہونے میں جلدی نہ کرنا' جبکہ آپ کی رسول اللہ ﷺ سے انتہائی زیادہ محبت تھی' تو یہ کیفیت آپ رضی اللہ عنہا کی انتہائی زیادہ ثابت قدمی اور قوت شخصی کی دلیل ہے۔[1]

جی ہاں یہ انتہا درجے کی ثابت قدمی' سنجیدگی اور حسی قوت ہے' ایک سمجھدار مسلمان خاتون اپنے خاوند کی تواضع کرنے والی' اس کے ساتھ نیک سلوک رکھنے والی' اس کے ساتھ محبت کے جذبات سے پیش آنے والی اور اس کی اطاعت بجالانے والی ہوتی ہے' لیکن اس کی شخصیت اس کے سامنے پگھلتی نہیں ہے اگرچہ وہ اس کا غایت درجے کا محبوب و پیارا ہی کیوں نہ ہو اور ساری مخلوق میں سے سب سے بڑھ کر معزز و مکرم ہی کیوں نہ ہو' جب تک وہ حق پر قائم اور مضبوط حلقے کو تھامے ہوئے ہے۔ بلاشبہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ایسی مسلمان خاتون کی شخصیت کے لیے ایک بلند مثال کے طور پر پیش کی جا سکتی ہیں جو اپنے عقیدے اور اپنے دین کے ذریعے عزت و مقام پانے والی ہو' اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی حقیقی بندگی کو پانے والی ہو' کیونکہ یہ بندگی تو صرف اور صرف اسی اللہ واحد لاشریک کے لیے ہی ہو سکتی ہے۔

کوئی مسلمان خاتون سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس مؤقف کو برتری' تکبر خیال نہ کرے اور اس عمل سے، جو خاوند کو راضی کرنے والا تھا، سے باز رہنے کو کوئی منفی معنی نہ دے کیونکہ ان امور کا بیان قبل ازیں بالوضاحت ہو چکا ہے کہ مسلمان خاتون کا اپنے خاوند سے نیکی کرنا' اس کی اطاعت گزاری اختیار کرنا' اس سے محبت رکھنا' اس کی رضا مندی کی حریص رہنا اور ایسے دیگر امور

---

[1] زاد المعاد: ۳/۲٦۱۔ ۲٦٤۔ نیز دیکھیے۔ بخاری، کتاب المغازی، باب حدیث الافك، حدیث: ٤١٤١۔ صحیح مسلم، کتاب التوبة، باب فی حدیث الافك، حدیث: ۲۷۷۰۔

میں جلدی دکھانا یہ سب اس عورت پر دین حنیف کے حکم کی بجا آوری کرتے ہوئے واجب ہیں۔ بلکہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے موقف سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ انہوں نے وہ عزت مدنظر رکھی ہے جو اسلام نے ایک مسلمان خاتون کو عطا فرمائی ہے اور وہ تکریم جو خصوصاً اسلام ہی نے اسے ودیعت کی ہے' جب تک کوئی عورت اس الٰہی شریعت کا دامن تھامے رکھے گی' اپنے دین حق کی ہدایت کو مضبوطی سے تھامے رکھے گی اس کی کشادہ اور روشن تعلیمات کو اپنے اوپر لاگو کیے رکھے گی تو اس کی عزت برقرار رہے گی بلکہ ایسی خاتون تو اپنی شخصیت کی قوت وعزت اور کرامت وحکمت کو بہت زیادہ پانے والی بنے گی۔

بلاشبہ اسلام نے مسلمان خاتون کو ایسے حقوق عطا فرمائے ہیں اور ایسی عزت وتکریم بخشی ہے کہ مغربی عورت اس پر رشک کرتی ہے' جوں جوں وہ اسلام میں حقوق نسواں کے متعلق سنتی جانتی ہے اس کا رشک بڑھتا جاتا ہے بلادِ عرب میں آزادی نسواں کے داعی حضرات بھی اس حقیقت کا اعتراف کر چکے ہیں بلکہ ان کی کثیر تعداد اس دعوے سے رجوع کر چکی ہے کہ مسلمان عورت آزادی کی محتاج ہے' ان میں سے ایک ڈاکٹر نوال السعداوی بھی ہے جن سے کویت کے اخبار ''الوطن'' نے ۱۹۸۹ء کا نصف اگست گزرنے پر یہ سوال پوچھا تھا ''کیا یورپ کی کسی خاتون کے پاس آپ کوئی ایسی مثال یا عمدہ نمونہ دیکھتی ہیں جو قابل تقلید اور لائق اتباع ہو؟' انہوں نے یوں جواب دیا تھا:

''نہیں بالکل نہیں۔ یورپی خاتون بعض میدانوں میں پیش رفت کر چکی ہے تو بعض دوسرے میدانوں میں وہ بہت پیچھے جا چکی ہے۔ یورپ کے ازدواجی قوانین تو عورت پر ظلم کر رہے ہیں' ان کے ہاں آزادی کی تحریکوں کے اٹھنے اور جنم لینے کا یہی سبب ہے اور اسی طرح امریکا میں یہ تحریکیں بہت طاقتور ہیں لیکن بدمزاج اور جھگڑالو ہیں۔''

انہوں نے جواب کو جاری رکھتے ہوئے یہ بھی کہا:

''ہمارا دین اسلام دیگر تمام ادیان سے بڑھ کر عورتوں کو حقوق عطا کرنے والا ہے' وہ اس کی کرامت وعزت کا ضامن بنتا ہے' مگر وہ صورت حال جو کچھ عرصے سے سامنے آئی ہے وہ یہ کہ مرد نے اس دین کے کچھ پہلوؤں کو ایسا پابند بنا رکھا ہے تاکہ ایسے پدرانہ

طبقاتی معاشرے کو بھی یکجا کر لیا جائے جس میں مردوں کا عورتوں پر تسلط اور قبضہ رہے۔''

اور بالکل واضح ہے کہ یہ پدری بے راہ روی اور دھاندلی جس کا ڈاکٹر سعداوی نے ذکر کیا ہے اگر کسی معاشرے میں مرد نے عورت پر ظلم و زیادتی کا ارتکاب کیا ہے تو اس کی وجہ روشن دین اسلام کی تعلیمات سے جہالت اور اس کی چمکدار وضوء افشاں ہدایت سے دوری کے باعث ہے۔

کامیاب ترین بیوی:

سابقہ صفحات میں بیان شدہ ذہانت و فطانت والی مسلمان خاتون کی عادات اور اس کی فکری' بدنی' معاشرتی اور جمالیاتی صفات سے عیاں ہو رہا ہے کہ وہی کامیاب بیوی ہے' بلکہ وہ تمام بیویوں سے کامیاب ترین بیوی ہے ان سب سے بڑھ کر مرد کے لیے خیر و برکت والی اور سعادت مندی و نیک بختی والی خاتون ہے۔

اس وجہ سے کہ اس نے اپنے خاوند کے حوالے سے اپنے اوپر عائد ہونے والی ذمہ داریوں اور فرائض کو اپنے دین کی رہنمائی میں یاد کر لیا ہے اور وہ اپنے خاوند کی زندگی میں خاوند کے لیے بہترین متاع حیات بن چکی ہے یعنی جب اس کا خاوند گھر کی دہلیز پر قدم رکھتا ہے تو چمکدار مسکراہٹ و تبسم سے' نہایت گرم جوشی سے اور اپنے پاکیزہ سلام سے اس کا استقبال کرتی ہے اور موسم بہار کی آمد کی مانند اس کی طرف رخ کرتی ہے' شیرینی گفتار سے پرتپاک انداز سے' انس و محبت سے' ماہرانہ التفات سے' میٹھی خوش طبعی اور جانفزا دل لگی سے' پر رونق زیبائش سے' پرکشش اور دلفریب شکل و صورت سے' صاف ستھرے اور سلیقے والے گھر سے' پر لذت اور خوش کن باتوں سے اور لذیذ کھانوں سے، بھرپور دستر خوان سے اس کی زندگی کو تر و تازہ بنا ڈالتی ہے' اس کی تمام ترجالتوں میں یہی عنصر نمایاں نظر آتا ہے جس سے اس کا خاوند خوش ہو سکے اور اس کے دل میں خوشی و مسرت داخل ہو سکے۔

بلاشبہ وہ اپنے خاوند کی اطاعت شعار رہتی ہے' اس کے ساتھ نیک سلوک کرنے والی' اس سے محبت رکھنے والی اور اس کی رضا مندی کی حرص رکھنے والی ہوتی ہے' اس کے رازوں کو افشا کرتی ہے اور نہ ہی اس کے کسی کام کو خراب کرتی ہے' سختی کے لمحوں اور آڑے اوقات میں اس کا ساتھ دیتی، اسے پختہ رائے سے مدد دیتی اور خالص نصیحت سے نوازتی ہے' اس کی خوشی سے

خوش ہوتی اور اس کے غم سے غمگین ہو جاتی ہے۔ اپنے ظاہری حالات اور زبان و بیان سے اس کے نفس و قلب کو معمور کر دیتی ہے' اس کی زندگی کو سعادت، بہجت اور مسرت سے بھرپور رکھتی ہے' اسے مختلف انواع و اقسام کی اطاعت گزاریوں پر ابھارتی رہتی ہے' اور اپنی خصوصی شراکت کے ساتھ ان امور کی انجام دہی کے لیے اسے چست و چالاک بنائے رکھتی ہے' اس کے والدین سے نیک رویہ اور اس کے اہل و اقارب سے ادب و احترام سے بات کرتی ہے' غیر محرم مردوں سے نگاہیں نیچی رکھتی ہے' لیت و لعل سے' لغو اور ردی گفتگو سے اپنے آپ کو بالاتر رکھتی ہے اپنی اولاد اور اپنے خاوند کے لیے گھریلو فضا کو پرسکون' آرام و راحت اور سکون و استقرار والی رکھنے کی خواہشمند رہتی ہے۔ ان تمام امور کے علاوہ وہ کسی اکھڑ پن کا مظاہر کیے بغیر شخصی قوت کی مالکہ نظر آتی ہے۔ وہ کسی کمزوری اور عاجزی کے بغیر رحم دلی اور نرمی کا انداز اپنائے رکھتی ہے' جو اسے عزت و احترام سے مخاطب کرے اسے عزت سے نوازتی ہے' وہ عیوب سے چشم پوشی کرنے والی اور نقائص سے درگزر کرنے والی ہوتی ہے' وہ اپنے ساتھ ہونے والی برائی کو فراموش کرنے والی اور کینے حسد کو دور پھینکنے والی ہوتی ہے۔

مذکورہ اوصاف و خصائل کی بنا پر مسلمان بیوی حق بجانب ہے کہ وہ تمام دنیا کی بیویوں میں سے کامیاب ترین بیوی کہلائے' اور یہی تو مرد پر اللہ تعالیٰ کی عظیم و کبیر نعمت ہے' اور خاوند کا ایسا متاع گراں بہا ہے کہ اس کی زندگی میں کوئی چیز بھی اس کی ہم وزن اور ہم پلہ نہیں ہے بالکل بجا فرمایا ہے رسول الٰہی ﷺ نے:

((اَلدُّنْيَا مَتَاعٌ' وَخَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ))[1]

"دنیا ساری کی ساری ہی ساز و سامان ہے' اور ساری دنیا کے ساز و سامان میں سے بہترین نیک عورت ہے۔"

❀❀❀

[1] صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب خیر متاع الدنیا، حدیث : ۱۴۶۹۔

مثالی مسلمان عورت کا تعلق
اپنی اولاد کے ساتھ

اس امر میں کوئی اختلاف واعتراض نہیں ہے کہ اولاد ہی انسان کی آنکھ کی ٹھنڈک‘ اس کی سعادت کا مرکز اور اس کی زندگی کی رونق ہے۔ انہی کے ساتھ زندگی شیریں بنتی‘ گزران میں خوشگواری آتی‘ حصول رزق کی کوششیں بڑھائی جاتیں‘ انہی سے امیدیں وابستہ کی جاتیں اور دلوں کو دولت اطمینان حاصل ہوتی ہے۔ جہاں باپ اپنی اولاد سے تعاون‘ امداد‘ آمدنی میں اضافہ‘ کاروبار میں فراخی اور دست و بازو بننے کی امیدیں رکھتا ہے‘ وہاں ماں بھی ان سے زندگی کی آس‘ دل کی تسلی‘ رہن سہن کی رونق اور مستقبل کا امان وابستہ رکھتی ہے۔ ان تمام باتوں امیدوں کا انحصار اولاد کی حسن تربیت اور صحت و سلامتی کے ساتھ تربیت کرنے پر ہی موقوف ہے۔

وہ اس طرح کہ ان ہی بچوں نے مستقبل کے معمار اور معاشرے کے فعال کارکن بننا ہوتا ہے‘ ان کی بھلائی ان کے والدین کی طرف اور ان کے معاشرے کی طرف بلکہ سب

لوگوں کی طرف لوٹتی ہے۔ اسی طریقے سے وہ اس طرح بن سکتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے: ''مال واولاد تو دنیا کی ہی زینت ہے۔'' (الکہف: ۱۸/ ۴۶)

لیکن اگر ان کی تربیت ادھوری کی جائے اور ان کی شخصیت سازی میں کوتاہی کی جائے تو یہ والدین کے لیے وبال جان بن جاتے ہیں اور معاشرے کے لیے بلکہ تمام لوگوں کے لیے بڑھتا ہوا ناسور بن جاتے ہیں۔

اپنی اولاد سے متعلقہ ذمہ داریوں کا ادراک رکھتی ہے:

مسلمان خاتون کے ذہن سے یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ تربیت اولاد میں اور ان کی شخصیت سازی میں ماں کی ذمہ داری باپ کی ذمہ داری سے کہیں بڑھ کر ہے' ماں سے بچوں کی قربت کے باعث' اس وقت کی کثرت کے باعث جو وہ اس کے پاس گزارتے ہیں' ان کے احوال کو گہری نگاہ سے جاننے کے باعث' تربیتی مراحل میں ان کی حرکات کو قریب سے دیکھنے کے باعث اور بچوں کی عقل' جذباتی اور اخلاقی زندگی میں خطرناک آغازِ جوانی کو ملاحظہ کرنے کے باعث والدہ کی ذمہ داری زیادہ بنتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اپنی دینی ہدایت کو یاد رکھنے والی خاتون' زندگی میں اپنی تربیتی ذمہ داریوں کا اندازہ لگانے والی خاتون اپنی اولاد کی تربیت کرنے میں اپنی کامل ذمہ داری کا احساس کرتی ہے جس طرح کہ قرآن کریم نے اسے یوں بیان کیا ہے:

''اے ایمان والو! تم! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔'' (التحریم: ۶۶/ ۶)

اور نبی کریم ﷺ نے اپنے اس فرمان میں اسے بیان کیا ہے:

((كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ: اَلْإِمَامُ رَاعٍ وَمَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِي أَهْلِهِ وَمَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا وَمَسْئُوْلَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا وَالْخَادِمُ رَاعٍ فِي مَالِ سَيِّدِهِ وَمَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَمَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ))[1]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى والمدن، حدیث: ۸۹۳۔ صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب فضیلة الامیر العادل، حدیث: ۱۸۲۹۔

''تم سبھی نگران ہو' اور تم میں سے ہر کوئی اپنی اپنی رعیت کے بارے میں جوابدہ ہو گا' امام نگران ہے اور اپنی رعایا کی بابت مسئول ہو گا' آدمی اپنے اہل خانہ میں نگران ہے اور اپنی رعیت کے بارے میں ذمہ دار ہے' عورت اپنے خاوند کے گھر میں نگران ہے اور اپنی رعیت کے بارے میں جوابدہ ہے' اور خادم اپنے آقا کے مال میں نگران ہے اور اپنی رعیت کے بارے میں ذمہ دار ہے' تم سبھی نگران ہو اور ذمہ دار ہو اپنی رعیت کے بارے میں پوچھے جاؤ گے۔''

بلاشبہ یہ ایک ایسی جامع مسئولیت ہے جس کو اسلام نے تمام زندہ لوگوں کی گردنوں میں ڈال دیا ہے' اس نے کسی کو بھی نہیں چھوڑا' اور اس کے تقاضے پورے کرنے کے لیے والدین کو اپنی اولاد کی تربیت کرنے کا..... بالخصوص ماں کو..... عمدہ اسلامی تربیت کرنے کا ذمہ دار ٹھیرایا ہے' اور ان کی مکارم اخلاق کے اصولوں پر قائم رہتے ہوئے صالح تربیت کرنی ہے جس کی بابت رسول کریم ﷺ نے خبر دی ہے کہ آپ کو صرف اور صرف مکارم اخلاق کی تکمیل اور انہیں لوگوں کی زندگی میں رچانے بسانے کے لیے مبعوث فرمایا گیا ہے:

''مجھے تو صرف صالح اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہے۔''[1]

اولاد کے حوالے سے والدین کی عظیم ترین ذمہ داری کی عظمت پر اس سے بڑھ کر کونسی دلیل ہو سکتی ہے' علماء کرام کی تائید کے مطابق مسلمانوں کو پرہیز گاری کے قابل اور لائق بنانے کی تربیت دینا ان کی ذمہ داری ہے۔ فرمان نبوی ﷺ ہے:

''اپنی اولاد کو نماز کا حکم دو' جبکہ وہ سات برس کے ہو جائیں اور انہیں اس پر سزا بھی دو جب وہ دس برس کے ہو جائیں.....''[2]

علماء کرام نے لکھا ہے ہر وہ گھرانہ جو اس فرمان اقدس کو سنتا ہے' پھر بھی اس گھر کے والدین اس حدیث کے مطابق عملی زندگی بنانے کی اور اس حدیث مبارکہ کو کامل طریقے سے نافذ کرنے کی کوشش نہیں کرتے یعنی اپنی اولاد کو سات سال کے ہونے پر بھی نماز کا نہیں کہتے اور نہ ہی دس سال کا ہونے پر ترکِ نماز پر انہیں مارتے ہیں' تو ایسا گھرانہ قصوروار' گناہ گار اور کوتاہی کا مرتکب

---

1. رواه البخاري في الادب المفرد ١/٣٧١: باب حسن الخلق۔
2. ابو داؤد، كتاب الصلاة، باب متى يؤمر الغلام بالصلاة، حديث: ٤٩٥،٤٩٣ و اسناده حسن۔

ہے' روز قیامت یہ دونوں ماں باپ اللہ تعالیٰ کے روبرو اپنی اس تقصیر اور کوتاہی پر جوابدہ ہوں گے۔

ایک گھر جس میں کوئی خاندان زندگی گزار رہا ہے وہ ایک چھوٹا سا معاشرہ ہے جس میں افراد کی نفسیات ڈھالی جاتی ہیں' ان کی عقلیں' مزاج اور ان کے میلان طبع کی تکمیل کی جاتی ہے کیونکہ بچے تو نئے نئے بال و پر والے چوزے ہوتے ہیں' جنھیں ایسی ہدایت والی باتیں اور درست رہنمائی قبول کرنے کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ یہیں سے خاندان میں والدین کی بہت بڑی اور اہم ترین ذمہ داری کا فریضہ سمجھ میں آتا ہے جو انہوں نے اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کی نفسیات کو ڈھالنے میں اور ان کی رشد و ہدایت اور فضائل اعمال کی جانب درست رہنمائی کرنے اور ان میں پختگی پیدا کرنے میں سرانجام دینا ہے۔

تربیت اولاد کے حوالے سے مسلمان خاتون نے جو اپنی ذمہ داری کو یاد رکھنے والی ہے مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ اس کا مکمل ادراک کیا ہے اور مردوں کی کردار سازی میں' ان میں مؤثر نتائج پیدا کرنے میں' ان کے دلوں میں اعلیٰ اخلاق کا بیج بونے میں اور ان کے نفوس میں عمدہ اقدار کی آبیاری کرنے میں نہایت ہی اعلیٰ خدمات سرانجام دی ہیں' اور اس پر اس سے بڑھ کر اور کونسی دلیل ہوسکتی ہے کہ بیدار مغز اور نمایاں کردار کی حامل خواتین نے اپنی بیدار مغز اور ممتاز اولاد کی اعلیٰ اور کمال تربیت کی ہے' حتیٰ کہ آپ ہماری امت کے عظماء میں سے کوئی بھی ایسا عظیم آدمی نہیں پائیں گے جس نے زمانے کے خطرات سے مزاحمت کی ہے اور اس کے مخالف سمت چلنے پر راضی رہا ہو' جس کی مردانگی و رجولت کے آگے حادثات کی پیشانی بھی جھک گئی' مگر وہ اپنی عظیم ماں کی بدولت ہی اس مقام بلند تک پہنچا ہے۔

دیکھیے سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اپنی ماں صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا کی عظمت کے احسان مند ہیں جنھوں نے اپنے بیٹے میں اپنی طبع کی سادگی اور اپنی خوبصورت عادات و خصائل کو منتقل کر دیا تھا۔

عبداللہ' منذر اور عروہ سیدنا زبیر کے صاحبزادگان اپنی ماں سیدہ اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما کی محنت کے ثمرات ہیں' ان تینوں کا اپنا اپنا اثر اور مقام ہے۔

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے حکمت' فضل اور مکارم اخلاق اپنی ماں فاطمہ بنت اسد رحمہا اللہ کے حکمت سے بھرپور اور شاندار سینے سے حاصل کیے تھے۔

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ...... عرب کے سخیوں کے سرخیل اور ان کے نوجوانوں میں سب سے عالی ظرف...... بچپن ہی میں باپ کے سایہ عاطفت سے محروم ہو گئے تھے' تو ان کی ماں سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے ان کی پرورش کی' انہوں نے اپنے بیٹے کو وہ تمام فضائل و اخلاق سکھائے جن میں وہ خود مسلمان مستورات میں بلند مقام رکھتی تھیں۔

سیدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ اپنی ماں ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا سے قوتِ شخصیت اور تیزی ذہانت کے وارث بنے تھے' یہ چیزیں انہیں اپنے باپ ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے وراثت میں نہ ملی تھیں۔ جب انہوں نے کم سنی میں آپ کے خدوخال میں ظرافت' شرافت اور ذہانت کے آثار دیکھے' تو آپ کی والدہ سے کہا گیا: اگر یہ زندہ رہا تو اپنی قوم کا سردار ہوگا' ماں بولی: اگر یہ صرف اپنی قوم کی ہی سرداری سنبھالے تو میں اس کو گم پاؤں۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے اور اپنے جانشین یزید کو وہ قوت فیصلہ' عقلمندی اور سیاست ودیعت نہ کر سکے جن سے وہ خود متمتع ولطف اندوز ہو رہے تھے' کیونکہ اس کی ماں اعرابی اور سادہ لوح تھی' سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کے حسن و جمال اور اس کے قبیلے و کنبے کی بنا پر اس سے شادی کر لی تھی۔ اسی طرح سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھائی زیاد بن ابی سفیان بھی جو ذہانت' ذکاوت اور چالاکی میں ضرب المثل تھے لیکن وہ بھی اپنے فضائل ومحاسن اپنے بیٹے عبیداللہ کو منتقل نہ کر پائے' وہ بے وقوف' بے ہنر' عاجز و درماندہ اور کند ذہن ہی رہا' کیونکہ اس کی ماں ''مرجانہ'' ایک ایرانی خاتون تھی' اس میں وہ صلاحیتیں اور فضائل موجود نہ تھے کہ وہ کسی عظیم مرد کی ماں بن سکتی۔

تاریخ نے بنوامیہ کے دو عظیم سپوتوں کو محفوظ کیا ہے' جن میں سے ایک تو صلاحیت' مہارت' دولت مندی عقلمندی' دانائی اور دور اندیشی میں معروف ہیں اور دوسرے عدل و انصاف' خیر و صلاح اور تقوی کی راہوں پر گامزن ہوئے' یہ دونوں ہی زیرک اور انتہائی سمجھدار خواتین کی محنتوں کا ثمرہ تھے۔

ان دونوں میں سے پہلے تو عبدالملک بن مروان ہیں' جن کی ماں عائشہ بنت مغیرۃ بن ابوالعاص بن امیہ تھیں جو شخصی قوت' فیصلے کے نفاذ اور قلبی دور اندیشی میں معروف تھیں۔

جبکہ ان میں سے دوسرے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ ہیں جو پانچویں خلیفہ راشد ہیں' ان کی

ماں ام عاصم بنت عاصم بن عمر بن خطاب تھیں' جو اپنے دور کی عورتوں میں سے کمال میں سب سے آگے اور دلی دوستی میں سب سے ممتاز تھیں' جس کی عبادت گزار اور پرہیزگار ماں کو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے عاصم کے لیے پسند کیا تھا' جب آپ رضی اللہ عنہ نے اسے پیکرِ صداقت اور قوت گویائی میں صاحبِ استقامت دیکھا تھا یعنی جس دن اس کی ماں نے اسے دودھ میں پانی ملانے کا کہا تھا لیکن وہ ایسا کرنے پر رضا مند نہ ہوئی تھی' کیونکہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔

اور جب ہم اپنا رخ اندلس کی طرف کرتے ہیں تو ہم بلند خیال اور روشن دماغ امیر المومنین عبدالرحمٰن الناصر کو پاتے ہیں جو یتیمی کی گود سے چلا تھا تاکہ مغرب میں ایک سلطنت کی بنیاد رکھے' جس سلطنت کے سامنے یورپ کے کئی بادشاہ زیر نگین ہو گئے تھے' اس کی یونیورسٹیوں اور تعلیمی اداروں میں امت کے سائنس دان اور فلاسفہ آمد و رفت رکھنے لگے، اس سلطنت کا اسلامی امت کی تہذیب سازی میں بہت بڑا کردار ہے۔

جونہی ہم اس آدمی کی عظمت و سر بلندی کے پیچھے مخفی راز کو تلاش کرتے ہیں تو ہم ایک عورت' اس کی عظیم ماں کو پاتے ہیں جو جانتی پہچانتی تھی کہ کس طرح اپنے لختِ جگر میں جھپٹنے' جست لگانے' سربلند رہنے اور عظیم بننے کی روح سرایت کرنی ہے۔

عہد عباسی کی دو عظیم عورتیں ہمیں نظر آ رہی ہیں' جنھوں نے اپنے بیٹوں کو سربلندی فوقیت اور فصاحت کی روح ودیعت فرما دی تھی۔ ان میں سے ایک تو جعفر بن یحییٰ' خلیفہ ہارون الرشید کے وزیر کی ماں ہے' اور دوسری امام شافعیؒ کی ماں ہے' وہ امام جنھوں نے اپنے باپ کو بھی نہ دیکھا تھا' کیونکہ وہ ان کی شیر خوارگی کے ایام میں ہی فوت ہو گئے تھے' صرف ان کی ماں ہی نے ان کی تربیت و نگہداشت کی ذمہ داری پوری کی تھی۔

ہماری تاریخ کے نمائندگان میں لاتعداد اور بے شمار عورتیں موجود ہیں' جنھوں نے اپنے بیٹوں میں فوقیت و سربلندی کے ہنر پیدا کیے تھے' ان میں عظمت کی روح سے پیار پیدا کر دیا تھا' اور یہ خواتین ان تمام کاموں میں پیچھے پیچھے نظر آتی ہیں جو بھی ان کے صاحبزادگان نے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے یا جن مکارم اخلاق بھی پر وہ فائز ہوئے۔

ان کی تربیت میں نفع مند اسلوب اختیار کرتی ہے :

با ہوش اور سمجھدار مسلمان خاتون 'اپنے بچوں کی نفسیات کو پہچانتی ہے' ان کے مزاج اور میلان طبع کے اختلافات کا انداز و لگاتی ہے پھر ان کے دلوں کی تہوں تک داخل ہونے اور ان کے صاف شفاف اور بے عیب نفوس میں بہت دور تک سرایت کرنے میں بڑی دور اندیشی سے کام لیتی ہے تاکہ ان میں اعلیٰ اقدار' بلند اخلاق اور حسین کردار کی جڑیں گہری کر سکے' اس ضمن میں وہ ان کے نفوس وقلوب کو پالش کرنے کے لیے سودمند اسلوب اور پاکیزہ ترین انداز کو اختیار کرتی ہے۔

ماں کی شخصیت اپنی طبیعت کے اعتبار سے اپنی اولاد کے قریب تر' ان سے محبت رکھنے والی اور ان کے لیے پرکشش ہوتی ہے۔ اس کے لیے ان کے نفوس وقلوب کے دریچے کشادہ ہو جاتے ہیں' اور ان میں اٹھنے والے جذبات واحساسات کے لیے اسی کو راز دار بناتے ہیں' اس طرح ماں ہی ان کو راہ راست پر رکھنے اور ان کی طباع و جذبات کو صیقل کرنے کی فکر کرتی ہے' ان کی عقلی وذہنی سطح کا خیال رکھتی ہے' کبھی ان سے کھیلتی' کبھی ان سے ہنسی مذاق کرتی اور پھر کبھی ان سے حسن سلوک کرتی ہے' ان کے کانوں میں محبت' مہربانی' نرمی اور ایثار کی باتیں ڈالتی ہے' تو اس طرح وہ اس سے زیادہ محبت کرنے لگتے ہیں اور اس کی ہدایات وتوجیہات کی طرف دلی محبتوں سے پیش قدمی کرتے ہیں' اس کے حکموں پر خوشی سے اور اس کی ہدایات پر بڑی عمدگی سے عمل پیرا ہوتے ہیں' کیونکہ دل کی گہرائی سے اٹھنے والی سچی اطاعت میں جو محبت' احترام' عزت اور اعتماد پر قائم ہوتی ہے اور اس جھوٹی اطاعت کے درمیان بہت فرق ہوتا ہے جو ناراضی' سختی' غصے اور ڈانٹ ڈپٹ سے منوانے سے ہوتی ہے' کیونکہ پہلی اطاعت دائمی' پائیدار اور ثمرآور ہوتی ہے جبکہ دوسری وقتی' بھربھری اور بے ثمر ہوتی ہے' جو جلد ہی زوال پذیر ہو جاتی ہے اور شدت' سختی' غصے' ڈانٹ اور قہر کے ختم ہوتے ہی معدوم ہو جاتی ہے۔

ان پر اپنی محبت ومہربانی نچھاور کرتی ہے :

روشن دماغ مسلمان خاتون کے ذہن سے یہ بات اوجھل اور مخفی نہیں رہتی کہ اولاد نرم گداز، پرجوش گود کی' گہری پرتپاک محبت کی اور سچی بے انتہا شفقت کی محتاج ہوتی ہے تاکہ وہ عمدہ'

صحت مند' بیماریوں' بحرانوں اور پیچیدگیوں سے خالی اور پاک تربیت پاسکیں' اعتماد نفس ان کے قلوب کو ڈھانپے رہے تاکہ ان کے اذہان امید و سربلندی سے معمور نظر آئیں۔ یہی وجہ ہے کہ سمجھدار مسلمان ماں اپنی اولاد کو ہر موقع پر محبت' مہربانی اور نرمی کا شعور و احساس دلاتی ہے جو اس کے عظیم دل سے پھوٹتے ہیں اور ان کی زندگی میں خوشیوں اور سعادتوں کو لاتے اور ان کے دلوں کو خود اعتمادی اور اطمینان سے بھرتے ہیں۔

پرہیز گار مسلمان ماں اپنی اولاد کے ساتھ رحم کرنے والی ہوتی ہے' رحم تو ایک بنیادی اسلامی اخلاق کا جزو ہے' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اقوال و افعال کے ذریعے اس کی رغبت دلائی ہے' اور اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں رحم سب سے نمایاں تھا اور بالخصوص اولاد کے ساتھ جیسے کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے آپ کے بارے میں ہمیں خبر دی ہے:

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر اولاد پر رحم کرنے والا کوئی نہیں دیکھا' کہتے ہیں: ابراہیم رضی اللہ عنہ مدینہ کے بالائی حصے میں رضاعی ماں کا دودھ پیتے تھے' آپ تشریف لے جاتے' ہم بھی آپ کے ساتھ ہوتے' آپ گھر میں داخل ہوتے' بچے کو اٹھاتے' اسے چومتے' پھر واپس آ جاتے۔''[1]

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت نوخیز کلیوں کے لیے بہت زیادہ تھی' جن کا سایہ دار سائبان مزید لمبا ہو جاتا ہے' جو کھیلتے کودتے چھوٹے بچوں کو بھی سایہ فراہم کرتا ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مہربانی اور کرم گستری سے انہیں ڈھانپ لیا کرتے' جس طرح کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی بچوں کے پاس سے گزرتے تو انہیں دیکھ کر فرحت محسوس کرتے اور انہیں سلام کہتے۔[2]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت کرنے والے پائیدار اقوال میں سے ایک یہ بھی ہے:

((لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَيَعْرِفْ حَقَّ كَبِيرِنَا))[3]

---

1. صحيح مسلم، كتاب الفضائل: باب رحمته صلى الله عليه وسلم وتواضعه، حديث: ٢٣١٦۔
2. صحيح بخاری، كتاب الاستيذان: باب التسليم على الصبيان، حديث: ٦٢٤٧۔ صحيح مسلم، كتاب السلام، باب استحباب السلام على الصبيان، حديث: ٢١٦٨۔
3. رواه احمد ٢/١٨٥، والحاكم ١/٦٢ كتاب الايمان، واسناده صحيح۔

''وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو چھوٹے پر رحم نہ کھائے اور ہمارے بڑے کا حق نہ پہچانے۔''

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) کو چوما' تو سیدنا اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ بول اٹھے: میرے تو دس بیٹے ہیں میں نے کبھی بھی کسی کو نہیں چوما' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں ہوتا۔''[1]

بلاشبہ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم' جو عظیم مربی ہیں' ہمیشہ اسی کی کوشش کیا کرتے تھے کہ آپ نفوس کو اس انداز سے تیار کریں کہ ان میں رحمت کے سرچشمے پھوٹیں اور ان میں محبت و نرمی کے پوشیدہ اسرار کھل کر سامنے آئیں جو انسانیت کے خصائص میں سے اعلیٰ ترین خصوصیت ہے۔

ایک روز آپ کے پاس ایک اعرابی آیا اور بولا: کیا تم اپنے بچوں کو چومتے ہو' ہم تو اپنے بچوں کو اس طرح نہیں چومتے۔ تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اگر اللہ تعالیٰ نے تیرے دل سے رحمت چھین لی ہو تو میں تیرے لیے کیا کر سکتا ہوں؟''[2]

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: ''سیدہ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لیے کھڑے ہو جاتے' انہیں مرحبا کہتے' انہیں چومتے پھر اپنی نشست پر بٹھاتے' اور جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لے جاتے تو وہ بھی آپ کی طرف کھڑی ہو جاتیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کو پکڑتیں' خوش آمدید کہتیں' آپ کو بوسہ دیتیں اور آپ کو اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) آپ کی اس بیماری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں تشریف لائیں جس میں آپ فوت ہو گئے تھے' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مرحبا کہا اور آپ کو بوسہ دیا۔''[3]

---

1. صحیح بخاری، کتاب الادب، باب رحمة الولد و تقبیله، حدیث: ۵۹۹۷۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب رحمته ﷺ الصبیان والعیال، حدیث: ۲۳۱۸۔
2. صحیح بخاری، کتاب الاستیذان، باب التسلیم علی الصبیان، حدیث: ۵۹۹۸۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب رحمته ﷺ الصبیان، حدیث: ۲۳۱۷۔
3. صحیح بخاری، کتاب المغازی: باب مرضه ﷺ ووفاته' حدیث: ۴۴۳۳۔ وابوداؤد، کتاب الادب: باب ما جاء فی القیام، حدیث: ۵۲۱۷۔

اور رسول اللہ ﷺ قریش کی خواتین کی تعریف فرمایا کرتے' کیونکہ وہ سب عورتوں سے بڑھ کر اپنی اولاد سے محبت و شفقت کرنے والیں اور سب سے زیادہ ان کی تربیت' پرورش کرنے والیں' ان کے امور و معاملات کی دیکھ بھال اور ان کے لیے قربانیاں دینے والی تھیں' علاوہ ازیں وہ اپنے خاوندوں کی بھی انتہائی نگہداشت کرنے والی تھیں' اور یہ باتیں اس حدیث مبارکہ کی بنیاد پر ہیں جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

((نِسَآءُ قُرَيْشٍ خَيْرُ نِسَآءٍ رَكِبْنَ الْإِبِلَ' اَحْنَاهُ عَلٰى طِفْلٍ' وَاَرْعَاهُ عَلٰى زَوْجٍ فِي ذَاتِ يَدِهِ)) ①

''اونٹ سوار عورتوں میں قریش کی مستورات سب سے بہترین ہیں جو بچوں پر انتہائی مشفق ہیں اور خاوند کے مال کی حتی المقدور نگہداشت کرنے والی ہیں۔''

مسلمان خاتون جو اپنے دین کی ہدایت سے فیض یاب ہونے والی ہے وہ بلند ترین نبوی ہدایت کے بالمقابل اس بات کی طاقت نہیں رکھتی کہ وہ اپنی اولاد پر سخت دلی' ترش روئی اور بدکلامی کا مظاہرہ کرے' اگرچہ اس کی طبیعت میں سختی' قساوت اور خشکی ہی کیوں نہ ہو' کیونکہ یہ نبوی ہدایت تو چیز ہی ایسی ہے جو ماں کے دل کی گہرائیوں سے جا چھوتی ہے' پھر اس میں تڑپ' ترس اور مہربانی کے سوتے اور چشمے جاری کر دیتی ہے بلکہ محبت کی گرمائش کو مزید تیز کر دیتی ہے' بچے تو جگر گوشے ہوتے ہیں جو زمین کی سطح پر چلتے پھرتے نظر آتے ہیں جس طرح کہ شاعر حطان بن معلیٰ کہتا ہے:

وَ اِنَّمَا اَوْلَادُنَا بَيْنَنَا
اَكْبَادُنَا تَمْشِي عَلَى الْاَرْضِ
اِنْ هَبَّتِ الرِّيحُ عَلٰى بَعْضِهِمْ
تَمْتَنِعُ الْعَيْنُ مِنَ الْغَمْضِ

---

① صحيح بخاري، كتاب احاديث الانبياء باب (٤٦)، حديث : ٣٤٣٤ـ صحيح مسلم، حديث : ٢٥٢٧ـ

''ہمارے بچے ہمارے درمیان ایسے ہیں جیسے ہمارے جگر کے ٹکڑے جو ہمارے ساتھ زمین پر چل پھر رہے ہیں۔ اگر ان میں سے کسی پر بادسموم کا ہلکا سا جھونکا بھی چلتا ہے تو آنکھوں سے نیند ہی اڑ جاتی ہے۔''①

ماں اور باپ محبت وشفقت میں سونے کا پانی' پیار ونگہداشت میں فوارے کا جوش' دھیان کرنے' قربانی دینے اور گود میں لینے میں سمندر کی موج ہیں۔

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ یہ جوشِ محبت جسے مسلمان ماں اپنی اولاد کے حوالے سے محسوس کرتی ہے وہ زندگی میں اس کی سعادت وخوش بختی کا بہت بڑا داعیہ ہے' اور اس چیز سے مغربی عورت محروم ہے جسے مادی زندگی نے چوس لیا ہے' اسے اس کے روز مرہ کے معمولات نے تھکا کر چور کر دیا ہے وہ اس خاندانی جوشِ محبت کے شعور سے محروم ہے۔ اس پوری صورت حال کی محترمہ سلمیٰ الحفار نے جو کہ ''تحریک نسواں شام'' کی ممبر ہیں امریکہ سے واپسی پر یوں منظر کشی کی ہے' کہتی ہیں:

یقینی افسوس کی بات ہے کہ مغربی خاتون نے اس بلند و بالا مقام ومرتبے کو گم کر لیا ہے جو قدرت الٰہیہ نے اسے عطا فرمایا تھا' اس سے میری مراد اس کی اپنی نسوانیت اور اپنی سعادت مندی ہے کیونکہ روز مرہ کے تھکا دینے والے کام نے اسے ان چھوٹی چھوٹی جنتوں سے بھی محروم کر دیا ہے جو میاں بیوی دونوں کے لیے یکساں طور پر طبعی پناہ گاہیں ہیں' جو جنتیں ماں اور گھر کی مالکہ کے بغیر پھل نہیں دے سکتیں' ان کے شگوفے کھلنے ممکن ہیں اور نہ ہی ان کی تیز مہک ہی پھیل سکتی ہے۔ حالانکہ معاشرے اور افراد کی سعادت مندی گھروں میں اور خاندان کی گود میں ہی مضمر ہے، اس کے علاوہ تخلیق کا مصدر و مرکز اور خیر وبھلائی کے سرچشمے یہی مقامات ہیں۔''②

اپنے بچوں اور بچیوں کے درمیان مساوی سلوک کرتی ہے:

سمجھدار سیانی مسلمان خاتون اپنی اولاد کے درمیان عدل ومساوات کرتی ہے، وہ ان میں

---

① الحماسة لأبي تمام: ۱/۱٦۷۔

② مقاله "سلمى الحفار" اخبار "الايام الدمشقية" مؤرخه ۳-۹-۱۹٦۲۔

سے کسی کو دوسرے پر امور و معاملات میں فضیلت نہیں دیتی، کیونکہ وہ جانتی ہے کہ شریعت اسلام میں کسی ایک کو دوسرے پر برتری دینے میں کراہت و ناپسندیدگی موجود ہے، کیونکہ اس برتری کا سلوک کرنے میں اس بچے کے ذہن پر برا اثر پڑتا ہے جس پر اس کے دوسرے بھائی کو ترجیح دی گئی ہے، بنا بریں وہ بچہ جو اپنے بھائیوں اور بہنوں کے درمیان عدم مساوات کا رویہ ملاحظہ کرتا ہے وہ قلق و اضطراب اور کینہ و بغض لیے پروان چڑھتا ہے، غیرت، حقد، بغض اور حسد اس کے دل کو کھاتے رہتے ہیں۔ لیکن اس کے برخلاف وہ بچہ جو مساوات کی فضا میں پروان چڑھتا ہے وہ صحت مند، صاف ستھری اور ہر طرح کی پیچیدگی سے مبرا ماحول میں پروان چڑھتا ہے، جو کہ حقد، بغض، حسد اور غیرت سے انتہائی دور ہوتا ہے، اس کا نفس، رضا مندی، محبت، ایثار اور درگزر کا عادی ہو جاتا ہے، یہی وہ چیز ہے جس کا اسلام والدین سے تقاضا کرتا ہے اور انھیں جس کی ترغیب دیتا ہے۔

شیخین وغیرہ نے سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ ان کا باپ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر آیا اور یوں عرض پرداز ہوا: ''میں نے اپنے اس برخوردار کو اپنا ایک غلام خوشی میں عنایت کر دیا ہے۔'' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تو نے اپنے تمام بچوں کو اس طرح کے غلام دیے ہیں؟'' وہ بولا: ''نہیں!'' تب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اس سے بھی واپس لے لو۔'' اور ایک دوسری روایت میں یوں بھی ہے: ''کیا تو نے اپنے تمام بچوں کے ساتھ ایسا سلوک کیا ہے؟'' اس نے کہا: نہیں! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْدِلُوا فِيْ أَوْلَادِكُمْ))

''اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل کرو۔''

میرے باپ واپس آئے تو اس صدقے کو واپس لے لیا۔

ایک روایت میں اس طرح ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے بشیر! کیا تیرے اس کے علاوہ بھی بچے ہیں؟'' انہوں نے کہا: ''جی ہاں!'' پوچھا: ''کیا تو نے ان سب کو اس طرح کے غلام عطا کیے ہیں؟'' بولے: جی نہیں!'' فرمایا: ''تو پھر مجھے گواہ مت بناؤ، کیونکہ میں ظلم و جور پر گواہ نہیں بن سکتا۔'' پھر آپ نے فرمایا: ''کیا تو یہ بات پسند کرتا ہے کہ وہ سب تیرے ساتھ

یکساں طور پر نیک رویہ رکھیں؟'' بولے: ''ہاں کیوں نہیں۔'' فرمایا: ''پھر ایسے نہ کرو۔''[1]

یہی وجہ ہے کہ متقی، ہوشمند مسلمان خاتون اپنی ساری اولاد میں عدل و انصاف کرنے والی ہوتی ہے، کسی ایک کو دوسرے پر کوئی فضیلت نہیں دیتی، خواہ یہ خرچہ میں ہو یا ہبہ کرنے میں یا معاملہ میں، تو اس کے نتیجے میں ان سبھی کے دل اس کے لیے کشادہ ہو جاتے ہیں اور ان کی زبانیں اس کے لیے دعا کی دلدادہ بن جاتی ہیں اور پھر ان کے نفوس اس کے ساتھ نیکی کرنے میں اور اس کی تعظیم و تکریم سے معمور ہو جاتے ہیں۔

وہ بچوں اور بچیوں کے درمیان شفقت و نرمی میں امتیاز نہیں کرتی:

راست باز مسلمان خاتون اپنی شفقت و محبت اور نگہداشت میں اپنے بچوں اور بچیوں کے درمیان امتیاز نہیں کرتی، جس طرح بعض وہ عورتیں کرتی ہیں جو جاہلی ذہنیت سے باہر نہیں نکلیں، بلکہ وہ اپنے بچوں اور بچیوں کو رحمت و عدل اور رعایت و شفقت کی ایک ہی آنکھ سے دیکھتی ہے، اس کا یہ یقین و عقیدہ ہوتا ہے کہ اولاد اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک عطیہ اور عنایت ہے اور اللہ تعالیٰ کا بیٹوں یا بیٹیوں کی صورت میں عطیہ ایک نعمت ہی ہے جسے کوئی لوٹا سکتا ہے، نہ تبدیل کر سکتا ہے اور نہ ہی اسے رد کر سکتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ○ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴾ (الشوریٰ: ۴۹-۵۰)

''جس کو چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے، یا انہیں جمع کر دیتا ہے بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی اور جسے چاہے بانجھ کر دیتا ہے (یعنی کچھ بھی نہیں دیتا بیٹا اور نہ بیٹی) وہ بڑے علم والا اور کامل قدرت والا ہے۔''

مسلمان خاتون کے ذہن سے، جو اپنے دین کی ہدایت سے ضیاء لینے والی ہے، وہ عظیم اجر و ثواب اوجھل نہیں ہوتا جو اللہ تعالیٰ نے بیٹیوں کی تربیت کرنے والے اور ان کی بہترین پرورش کرنے والے کے لیے تیار فرما رکھا ہے، جس طرح کہ متعدد صحیح احادیث میں یہ بات وارد ہے

---

[1] صحيح بخاري، كتاب الهبة، باب الهبة للولد، حديث: ۲۵۸۶، ۲۶۵۰۔ صحيح مسلم، كتاب الهبات، باب كراهية تفضيل بعض الاولاد في الهبة، حديث: ۱۶۲۳۔

ان میں سے ایک وہ روایت ہے جسے بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، فرماتی ہیں:

''میرے پاس ایک عورت آئی جس کے ساتھ دو بچیاں تھیں، اس نے مجھ سے سوال کیا، تو مجھے گھر میں ایک کھجور کے سوا کچھ نہ ملا، میں نے وہی اسے دے دی، اس نے وہ لے کر اپنی دونوں بچیوں میں تقسیم کر دی، اور اس میں سے خود کچھ نہ کھایا، پھر وہ اٹھی اور باہر چلی گئی اس کی دونوں بچیاں بھی ہمراہ چلی گئیں، پھر نبی اکرم ﷺ میرے ہاں تشریف لائے تو میں نے آپ سے اس کا پورا واقعہ بیان کیا، اس وقت نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنِ ابْتُلِیَ مِنَ الْبَنَاتِ بِشَیْءٍ فَأَحْسَنَ إِلَیْهِنَّ، کُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ» [1]

''جو شخص بیٹیوں سے آزمایا گیا اور اس نے ان کے ساتھ نیک سلوک کیا تو وہ اس کے لیے آگ سے پردہ بن جائیں گی۔''

صحیح مسلم کی دوسری روایت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی مروی ہے: ''میرے پاس ایک مسکین عورت آئی جو اپنی دو بچیوں کو اٹھائے ہوئے تھی، میں نے اسے کھانے کو تین کھجوریں دیں، اس نے انہیں ایک ایک کھجور دے دی، اور ایک کھجور کھانے کے لیے اپنے منہ کی طرف اٹھائی، اس کی بچیوں نے اس سے وہ بھی مانگ لی، چنانچہ اس نے وہ کھجور بھی جو خود کھانا چاہتی تھی ان دونوں میں بانٹ دی، اس کا یہ انداز مجھے انتہائی متعجب لگا، میں نے اس کام کو جو اس نے کیا تھا رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَوْجَبَ لَهَا بِهَا الْجَنَّةَ، أَوْ أَعْتَقَهَا بِهَا مِنَ النَّارِ» [2]

''اللہ تعالیٰ نے اس پر اس کے عوض جنت واجب کر دی ہے یا اس کے بدلے میں اسے آگ سے آزاد فرما دیا ہے۔''

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب اتقوا النار ولو بشق تمرۃ، حدیث: ۱۴۱۸۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب فضل الاحسان الی البنات، حدیث: ۲۶۲۹۔

[2] صحیح مسلم، کتاب البر والصلة: باب الاحسان الی البنات، حدیث: ۲۶۳۰۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''جس آدمی کی تین بیٹیاں ہوں پھر وہ ان کو مشقت' سختی اور خوشحالی میں صبر و تحمل سے برداشت کرتا رہے' اللہ تعالیٰ اسے ان کی وجہ سے اپنی خصوصی رحمت سے جنت میں داخل فرمائے گا' ایک شخص بولا: یا دو بھی یارسول اللہ! فرمایا: یا دو بھی' ایک شخص پھر بولا: یا ایک بھی اے اللہ کے رسول! فرمایا: یا ایک بھی۔''①

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ وُلِدَتْ لَهُ ابْنَةٌ فَلَمْ يَئِدْهَا وَلَمْ يُهِنْهَا' وَلَمْ يُؤْثِرْ وَلَدَهُ عَلَيْهَا...... يَعْنِي الذُّكُورَ...... اَدْخَلَهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ بِهَا الْجَنَّةَ))

''جس شخص کے ہاں بیٹی کی پیدائش ہو پھر وہ اسے زندہ درگور کرے اور نہ ہی اس کی اہانت کرے' اور نہ ہی اپنی اولاد...... یعنی بیٹوں...... کو اس پر ترجیح دے تو اللہ تعالیٰ اس کے عوض اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔''②

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت عورتوں کے ساتھ انتہائی وسیع و کشادہ تھی' جو بیٹیوں کے علاوہ بہنوں کو بھی شامل ہے' یہ بات اس حدیث مبارکہ میں موجود ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے ''الادب المفرد'' میں سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

((لَا يَكُونُ لِاَحَدٍ ثَلَاثُ بَنَاتٍ اَوْ ثَلَاثُ اَخَوَاتٍ فَيُحْسِنُ اِلَيْهِنَّ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ))③

''کسی شخص کی تین بیٹیاں' یا تین بہنیں ہوں پھر وہ ان سے حسن سلوک کرے تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔''

طبرانی کی روایت میں ہے: ''میری امت میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہوگا جس کی تین بیٹیاں یا تین بہنیں ہوں اور وہ ان کی پرورش کرے حتیٰ کہ وہ بالغ ہو جائیں مگر وہ جنت میں

---

❶ رواه احمد ٢/٣٣٥' والحاكم ٤/١٧٦ كتاب البر والصلة' وقال صحيح الاسناد۔

❷ رواه الحاكم في المستدرك ٤/١٧٧ كتاب البر والصلة وقال صحيح الاسناد۔

❸ اخرجه البخاري في الادب المفرد ١/١٦٢ باب من عال ثلاث اخوات

میرے ساتھ اس طرح ہو گا اور آپ ﷺ نے اپنی دو انگلیاں یعنی انگشت شہادت اور درمیانی انگشت کو جمع کر کے دکھایا۔''[1]

کونسی عقلمند' ہوشمند اور بردبار ماں ایسی ہو گی جو بچیوں کی تربیت کرنے سے تنگ آ ئے گی' یا لڑکوں کو ان پر ترجیح و برتری دے گی' جبکہ وہ نبی کریم ﷺ کی اعلیٰ ترین ہدایت و رہنمائی' جو کہ بچیوں کی تربیت کرنے کے حوالے سے ہے' سن رہی ہے' جو اس شخص کو ان جنتوں کی یقین دہانی کروا رہی ہے جن کی وسعتیں آسمانوں و زمین کے برابر ہیں اور پھر رسول کریم ﷺ کی صحبت و معیت میں !!

بلاشبہ مسلمان گھرانے میں اور ہدایت یافتہ اسلامی معاشرے میں ایک بچی محفوظ' محبوب اور قابل احترام ہوتی ہے' وہ ہمیشہ اپنے والدین کے ہاں...... بالخصوص اپنی ماں کے ہاں...... پرتپاک گوشۂ محبت پاتی ہے اور اسے مکمل حفاظت اور کامل نگہداشت بھی ملتی ہے' جب تک بھی وہ اپنے والدین یا اپنے بھائیوں کے' یا ان کے گھروں میں مقیم رہے جن کے ذمے اس کی کفالت ہو' خواہ وہ ازدواجی گھر میں منتقل ہو جائے یا نہ ہو' اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام نے اس کی حفاظت' کفالت اور ناموس کی کفالت کرنے کا ذمہ لیا ہے اور اسے بے وقاری' ذلت' معاشی محتاج اور ضیاع والی زندگی سے بچایا ہے جن کا گمراہ اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے سرکشی کرنے والے معاشروں کی عورتوں کو سامنا کرنا پڑ رہا ہے' جن میں صورت حال کچھ اس طرح کی ہے کہ جونہی بچی اٹھارہ برس کی ہوتی ہے تو وہ والدین کے پرتپاک گوشۂ محبت و شفقت سے نکل جاتی ہے۔ تاکہ مادی تند و تیز زندگی میں داخل ہو جائے جو مکروہات اور خطرات سے بھری پڑی ہے حالانکہ اس عمر میں اسے انتہائی درجے کی حمایت' رعایت' نگہداشت' مہربانی' شفقت اور حفاظت کی حاجت ہوتی ہے۔

بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ کی اس شریعت کے درمیان جو انسان کی سعادت کے لیے آئی ہے اور کوتاہ علم انسانی شریعت کے درمیان واضح فرق ہے جس کے باعث انسان بدبختی اور شقاوت سے دوچار ہے۔ یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے جو ہم مغرب میں اس انسانی قانون کے نتیجے میں پاتے ہیں کہ

---

1. الطبرانی فی الاوسط باسنادین' و رجال احدھما رجال الصحیح۔ مجمع الزوائد ۸/۱۵۷۔

بے لگام آوارہ نوجوانوں کے گروہوں کے گروہ ہیں اور ایسی پریشان حال بے آبرو دوشیزاؤں کے گروہ ہیں جو شادی کے بغیر ہی مائیں بنی بیٹھی ہیں' اور اس پر مستزاد کہ ان کی تعداد وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہی جا رہی ہے۔

اپنی اولاد کو بددعائیں نہیں دیتی:

معزز و شریف مسلمان خاتون اپنی اولاد کو بددعائیں نہیں دیتی' رسول اکرم ﷺ کے اس فرمان اقدس پر عمل پیرا رہتے ہوئے جس میں آپ نے اولاد کے حق میں بددعا کرنے سے منع فرمایا ہے' اس اندیشے کے پیش نظر کہ کہیں دعا قبولیت کے وقت سے موافق ہو جائے' اور یہ بات اس طویل حدیث میں موجود ہے جو سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' اس میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

> ''تم اپنی جانوں کے لیے بددعا نہ کرو' نہ تم اپنی اولاد کے لیے بددعائیں کرو' اور نہ ہی تم اپنے مالوں کے لیے بددعا کرو' کہیں تم اللہ تعالیٰ سے اس گھڑی سے موافقت نہ کر لو جس میں کوئی چیز مانگی جاتی ہے پھر وہ تمہاری بات کو قبول کر لے گا۔''[1]

اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ اولاد کے لیے بددعا کرنا کوئی اچھی عادت اور عمدہ اخلاق بھی نہیں ہے اور جو بھی ماں غصے کے عالم میں یہ حرکت کر لیتی ہے تو جونہی اس کا غصہ ٹھنڈا ہوتا ہے اور وہ راہ حق کی طرف پلٹ آتی ہے تو وہ اپنے کیے پر نادم ہوتی ہے۔ میں یہ تصور بھی نہیں کر سکتا کہ وہ خاتون جس نے اپنے دین کی رہنمائی سے روشنی حاصل کی ہوئی ہے وہ اپنی سمجھداری اور سنجیدگی کو کھو کر اپنی اولاد کو بددعائیں دے گی، خواہ ان کی کوئی حرکت بھی دیکھے، اور نہ ہی وہ اپنی ذات کے لیے اس بھنور میں پھنسنا پسند کرے گی جس میں کم عقل' آوارہ اور بیہودہ عورتیں پھنسی ہوئی ہیں۔

ان کی رہنمائی و کردار سازی میں ہر ممکن و مؤثر کام بجا لاتی ہے:

سمجھدار مسلمان خاتون اپنی اولاد پر آنکھیں کھلی رکھتی ہے' ان کی حرکات' سرگرمیوں اور دلچسپیوں کی نگرانی کرتی ہے' جو کچھ وہ پڑھتے لکھتے ہیں ان کی معرفت رکھتی ہے' ان کے دوستوں کی اور فارغ اوقات میں جہاں کہیں وہ آتے جاتے ہیں ان مقامات کی جان پہچان رکھتی ہے اور

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الزھد، باب حدیث جابر الطویل، حدیث: ۳۰۰۹۔

یہ سارا کچھ اس طرح کرتی ہے کہ انہیں اپنی خفیہ نگرانی کا احساس بھی نہیں ہوتا' پھر جہاں کہیں ان کے کردار میں' رائے میں' رخ میں' مطالعہ میں' کسی دلچسپی میں' یا کسی برے دوست سے تعلق داری میں' یا کسی غیر پسندیدہ جگہوں میں آمد ورفت رکھنے میں' یا بعض نقصان دہ عادات میں مثلاً سگریٹ نوشی وغیرہ کو اختیار کرنے میں' یا مکروہ حرام کھیلوں میں وقت گزارنے میں کجی و انحراف دیکھتی ہے' جو مسلمان کے اخلاق کے منافی ہو' یا اس کے مستقبل کو تباہ کر رہا ہو' اس کی طاقت کو ضائع کر رہا ہو یا مبتدی نوجوان کو بے کاری' لہو اور گھٹیا پن کا عادی بنا رہا ہو' تو والدہ جونہی اپنی اولاد میں مذکورہ افعال قبیحہ وامور شنیعہ میں سے کوئی کام دیکھتی یا محسوس کرتی ہے تو اس کجی کو درست کرنے اور انہیں صحیح رہنمائی دینے میں جلد بازی سے کام لیتی ہے اور بڑی حکمت' دانائی' احتیاط' دور اندیشی اور نرمی سے کام لیتے ہوئے انتہائی مہارت' سمجھداری' تسلی اور پوری کوشش سے انہیں راہ راست پر لاتی ہے' مذکورہ امور پر وہ باپ کی نسبت زیادہ قادر ہوتی ہے کیونکہ وہ اولاد کے زیادہ قریب ہوتی ہے اور وہ اولاد کے درمیان زیادہ دیر تک رہنے والی ہوتی ہے' اور ان کے دل اس کی موجودگی سے زیادہ خوش رہتے ہیں اور اپنا مافی الضمیر باپ سے بڑھ کر والدہ کی موجودگی میں کھل کر بیان کرنے والے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بچوں کی صحت مند اور متوازن ومتعدل تربیت کرنے میں اور اسلام کی مبادی تعلیمات اور اس کی اقدار کی جانب ان کے نرم و ملائم نفوس کو ڈھالنے میں ماں ہی بہت بڑی ذمہ داری اٹھائے ہوئے ہے۔

اور یہ اس لیے بھی ہے کہ ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اسے یہودی' نصرانی یا مجوسی بنا ڈالتے ہیں' جس طرح کہ اس حدیث صحیح میں یہ بات آتی ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

یہ امر کسی طرح بھی مخفی نہیں ہے کہ نومولود کی عقل کو ڈھالنے' اس کی شخصیت کو سنوارنے اور اس کی تربیت کرنے میں والدین کا بہت بڑا اثر ہے کیونکہ اس کے ابتدائی مراحل سے لے کر سن رشد اور عمر بلوغت تک اس کی شخصیت پر اثر انداز ہونے والے تمام تربیتی عوامل ان کی آنکھوں کے سامنے ہوتے ہیں۔

وہ کتاب جس کے مطالعہ پر اولاد جھکی نظر آئے وہ ایسی ہونی چاہیے جو ان کے اذہان وعقول

کو جلا بخشنے والی' ان کے نفوس کو مکارم اخلاق کا درس دینے والی اور ان کی شخصیات کو اعلیٰ مثالوں سے فیض یاب کرنے والی ہو' اور ایسی نہ ہو جو ان کی عقلوں کو دھوکا دینے والی' ان کی فطرت وعادت کو خراب کرنے والی اور ان کے نفوس میں پوشیدہ وخوابیدہ خیر و بھلائی کی شمعوں وقندیلوں کو بجھانے والی ہو۔

اور ان کی دلچسپیاں ایسی ہونی چاہئیں جو ان کے نفوس میں شر وفساد کے پہلوؤں کو اجاگر کرنے کے بجائے خیر و صلاح کے پہلوؤں کو جلا بخشنے والی ہوں ان کے دلوں میں حق کے شراروں کو بھڑکانے والی ہوں نہ کہ باطل کے شراروں کو' ان میں ذوق سلیم کی تربیت کرنے والی ہوں نہ کہ ذوق سقیم کی۔

دوست یار ایسے ہونے چاہئیں جو جنت کی طرف لے جانے والے ہوں نہ کہ آگ کی طرف' حق کی طرف رہنمائی کرنے والے ہوں نہ کہ باطل کی طرف' ہدایت' بلندی' کامیابی اور نیکی کی راہ دکھانے والے ہوں نہ کہ گمراہی' تنزلی' ناکامی اور والدین کی نافرمانی کی طرف لے جانے والے ہوں' کیونکہ کتنے ہی دوست ایسے ہیں جنھیں ان کے دوست ہی برائی کی آماجگاہوں اور شر کی گہرائیوں اور رذالت کی گھائیوں میں کھینچ کر لے گئے ہیں جبکہ ماں اور باپ اپنی اولاد سے غافل ہی رہے ہیں' شاعر عدی بن زید العبادی کا قرین وہمنشین کے بارے میں یہ کہنا پائیدار اور مناسب ہے۔[1]

إِذَا كُنْتَ فِيْ قَوْمٍ فَصَاحِبْ خِيَارَهُمْ
وَ لَا تَصْحَبِ الْأَرْدٰى فَتَرْدٰى مَعَ الرَّدِيْ
عَنِ الْمَرْءِ لَا تَسْأَلْ وَسَلْ عَنْ قَرِيْنِهٖ
فَكُلُّ قَرِيْنٍ بِالْمُقَارِنِ يَقْتَدِيْ

''جب تو کسی گروہ میں ہو تو ان کے بہترین کی ہم نشینی اختیار کر' ان کے گھٹیا آدمی کے پاس مت بیٹھو کیونکہ اس طرح تو بھی ردی کے ساتھ ردی ہو جائے گا۔ کسی آدمی کے متعلق مت پوچھو بلکہ اس کے ہم نشین کے بارے میں دریافت کر لے کیونکہ ہر دوست اپنے ساتھیوں ہی کی پیروی کرتا ہے۔''

بس اسی طرح والدہ کی آنکھ اپنی اولاد پر کھلی رہتی ہے' ان کی تربیت ورہنمائی میں کتاب' رسالے' دلچسپی' سکول' اساتذہ' مجلس، دوست' اور ذرائع ابلاغ پر آنکھ رکھتی ہے' اس طرح ہر اس چیز پر جو اس کے بچوں کی شخصیات کے سنوارنے ان کی عقلوں' نفسوں اور عقیدوں کی اصلاح میں اثر انداز ہو سکتی ہو' اس کے کردار میں مثبت یا منفی اثرات پیدا کرنے کیلئے اس کے افعال میں دخل انداز ہوتی ہے مزید جب اسے ضرورت محسوس ہو تو بچوں کے باپ سے بھی مدد لیتی ہے' اس ضمن میں وہ حکیمانہ نفع مند اسلوب اختیار کرتی ہے جو اولاد کی عملی تربیت کی سلامتی کا ضامن ہوتا ہے۔

کتنے ہی خاندان ایسے ہیں جن میں اولاد کی کامیاب تربیت کا سہرا سمجھدار' بیدار مغز' ماہر اور ذہین ماں کے سر ہے جس نے اپنی اولاد کے حوالے سے اپنی ذمہ داری کا ادراک کیا ہے اور بہترین کردار ادا کیا ہے' اس طرح اس نے بچوں کو والدین کے لیے' معاشرے کے لیے بلکہ تمام لوگوں کے لیے خیر وصلاح لانے والا بنا دیا ہے۔

کتنے ہی خاندان ایسے ہیں جن میں اولاد کی تربیت میں ناکامی نظر آتی ہے کیونکہ ماں نے اپنی اولاد کے حوالے سے اپنی ذمہ داری کا ادراک نہیں کیا' تو اس طرح اس نے انہیں ناکارہ بنا دیا' بالآخر وہ والدین کے لیے' معاشرے کے لیے حتیٰ کہ سب لوگوں کے لیے پھیلتے ہوئے شر اور دائمی عذاب بن گئے ہیں۔

اگر والدین..... بالخصوص مائیں..... اپنی اولاد کے حوالے سے اپنی ذمہ داری کا احساس کر لیں پھر اس ذمہ داری کو باحسن طریق نبھانے کی ٹھان لیں تو اولاد کسی طرح بھی شر و فساد کا موجب نہیں بن سکتی۔

ان میں مکارم اخلاق کے بیج بوتی ہے:

سمجھدار مسلمان خاتون اپنے بچوں کے نفوس میں عمدہ اخلاق کے بیج بونے کی مکمل حریص رہتی ہے یعنی دوسروں سے محبت' صلہ رحمی' کمزوروں پر مہربانی' بڑوں کا احترام' چھوٹوں پر شفقت' فعل خیر پر اظہار اطمینان' قول وفعل میں صداقت' ایفائے عہد اور بات چیت میں عدل و انصاف' اس طرح دوسرے عمدہ اخلاق اور اعلیٰ ترین صفات کی طرف ترغیب دلاتی رہتی ہے۔

بلاشبہ ذہین ہوشمند مسلمان خاتون جانتی ہے کہ اپنے بیٹوں کے دلوں کی گہرائی میں کس

طرح سرایت کر جائے اور ان کے دلوں میں کس طرح یہ روشن صفات اور خوبصورت عادات کا بیج بوئے' اس ضمن میں وہ عمدہ ترین اور پاکیزہ ترین اسلوب اختیار کرتی ہے' پسندیدہ اعلیٰ نمونہ' کشادہ روئی' حسن معاملہ' مہربانی' نرمی' نگرانی' تواضع' درگزر' محبت' شفقت' نگہداشت' ترغیب' حوصلہ افزائی' ہمدردی' مساوات' عدل' خیر خواہی' پختگی اور رہنمائی کے ساتھ ان سے برتاؤ کرتی ہے۔ یہ سب کام انتہائی نرمی سے جس میں کمزوری شامل نہیں ہوتی' سختی کے ساتھ جس میں تشدد نہیں ہوتا' مناقشہ اور محاسبہ کے ساتھ جس میں اکتاہٹ نہیں ہوتی' ان کی بعض لغزشوں سے چشم پوشی کے ساتھ جس میں بے وفائی نہیں ہوتی سرانجام دیتی ہے۔ اس طرح اولاد کی درست' سیدھی' عقول کو جلا بخشنے والی' افکار میں پختگی لانے والی' نیک بنانے والی' وفاداری سکھانے والی' نیکی پسند کرنے والی' عطیات بخشنے والی' زندگی کے مختلف پہلوؤں میں تعمیر وتہذیب کے لیے تیار رہنے والی اولاد پروان چڑھتی ہے۔ اور اس میں کوئی انوکھی بات نہیں ہے کیونکہ ہر مسلمان ماں کی تربیت ہی عمدہ ترین پکے ہوئے پھل لاتی ہے' قوموں کی تربیت کرنے میں ماں ہی پہلا مدرسہ ہے' تہذیبوں کو پروان چڑھانے والی عبقری سپوتوں کی اولین استاذ ماں ہی ہوتی ہے' جس طرح کہ استاذ ابراہیم شاعر اپنی زبان میں یوں کہتے ہیں:[1]

اَلْاُمُّ مَدْرَسَةٌ إِذَا أَعْدَدْتَّهَا
أَعْدَدْتَّ شَعْبًا طَيِّبَ الْأَعْرَاقِ

اَلْاُمُّ أُسْتَاذُ الْأَسَاتِذَةِ الْأُلَى
شَغَلَتْ مَآثِرُهُمْ مَدَى الْآفَاقِ

''ماں ایک سکول ہے جب تو اس کا مقام ومرتبہ شمار کرے گا' تو اس کے ذریعے پاکیزہ نفوس والی قوم تیار کرے گا۔''

''ماں تو استادوں کی استاد ہے جن کے کارہائے نمایاں نے افق کے کناروں کو بھر رکھا ہے۔''

---

[1] دیوان حافظ ابراهیم: ۲۸۲ مطبوعه دار الکتب المصریه۔

مثالی مسلمان عورت کا تعلق

اپنی بہو اور داماد کیساتھ

اپنی بہو کے لیے اس کا نقطہ نظر:

مسلمان خاتون جو اپنے دین کی ہدایت کو یاد رکھنے والی اور اس کے بلند ترین اخلاق و عادات سے اپنے آپ کو آراستہ کرنے والی ہے وہ اپنی بہو کو اپنی بیٹیوں میں سے ایک بیٹی کی جگہ پر دیکھتی ہے' جسے تقدیر نے اس کے بیٹے کی بیوی بنا کر اس کے گھر میں لا بٹھایا ہے' وہ اس خاندان میں آ گئی ہے' اور ان کے افراد میں سے ایک فرد ہو گئی ہے۔ جس طرح ایک مسلمان دوشیزہ جس نے اسلامی اقدار اور اس کے اخلاق پر قائم رہتے ہوئے پرورش پائی ہے وہ اپنی ساس کو اپنی ماں کی جگہ دیکھتی ہے بعد اس کے کہ اس نے اپنے والدین کے گھر کو اس نئے نویلے ازدواجی گھر کے لیے خیر باد کہہ دیا ہے۔

بہو کے انتخاب میں اچھائی کو اختیار کرتی ہے:

اسی لیے دونوں (ساس اور بہو) شادی سے قبل حسن اختیار کی حریص رہتی ہیں اور وہ اپنے بیٹے یا اپنی بیٹی کی شادی کرنے کے لیے ایسے لوگوں کو تلاش کرتی ہے جو دین داری' اخلاق' عمدہ تربیت اور نیک شہرت کے حامل ہوں۔

بلاشبہ ہوشمند ذہین مسلمان خاتون جب اپنے بیٹے کے لیے پیغام نکاح دیتی ہے اور اپنے لخت جگر کے لیے کسی لائق ترین دوشیزہ کی تلاش کرتی ہے' تو اس کے ذہن میں ہمیشہ یہی بات ہوتی ہے کہ وہ اپنے خاندان کی بیٹیوں میں ایک نئی بیٹی کا اضافہ کر رہی ہے' اس کے لیے بھی وہی اعزاز' احترام اور محبت ہوگی جو اس کی اپنی حقیقی بیٹیوں کے لیے ہے اور اس کے بھی وہی فرائض وواجبات ہوں گے جو اس کی اپنی صاحبزادیوں کے ہیں' وہ اپنی نئی نویلی بہو کے لیے جو ازدواجی زندگی میں قدم رکھنے والی ہے کامیابی' خوش بختی اور قرار وسکون کی خواہاں ہوتی ہے۔ اسی لیے وہ اپنے بیٹے کے لیے دوشیزہ کے دلکش مناظر یعنی ظاہری خوبصورتی' خوش مزاجی اور جاذبیت کو ہی دیکھ کر فریفتہ نہیں ہو جاتی بلکہ ان تمام پہلوؤں کے ساتھ ساتھ بلکہ سب سے پہلے دین سے وابستگی' خلق حسن' باوقار متوازن شخصیت کو بھی تلاش کرتی ہے۔ ان تمام امور میں وہ رسول کریم ﷺ کی سیرت سے، جو یہ فرمان جاری کر رہے ہیں' ہدایت لینے والی ہے:

((تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ : لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِينِهَا' فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّينِ' تَرِبَتْ يَدَاكَ))[1]

''عورت سے چار باتوں کی بنا پر نکاح کیا جاتا ہے۔ اس کے مال کی وجہ سے' اس کے حسب ونسب کی بنیاد پر' اس کے حسن وجمال کے باعث اور اس کے دین کے پیش نظر' تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں تو صرف دین والی کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جا۔''

ازدواجی گھر میں اس کے وجود کو قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے:

بہو کو ازدواجی گھر میں اور اس کے وجود کو اپنے بیٹے کے گھر میں اور اس جدید خاندان کے افراد

1 صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الاکفاء فی الدین، حدیث: ٥٠٩٠۔ صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب استحباب نکاح ذات الدین، حدیث: ١٤٦٦۔

کے درمیان، جس میں بہو قدم رکھ رہی ہے، ساس اپنی بہو کے ساتھ حسن معاملہ کرتی ہے' گھریلو واقعات تصرفات اعمال اور ردعمل میں انصاف کا دامن تھام کر رکھتی ہے۔

متقی' آداب اسلام سے مزین اور اس کی اعلیٰ اقدار کی حامل مسلمان ساس کے دل پر یہ خیال نہیں گزرتا کہ اس کی بہو نے اس سے اس کے اس بیٹے کو چھین لیا ہے جسے اس نے کئی برس پالا پوسا ہے' جس کی تربیت کرنے میں اس نے مال کثیر خرچ کر ڈالا ہے' جس کے لیے دنوں کے اجالے اور راتوں کی تاریکی میں جاگتی رہی ہے' حتیٰ کہ اسے بھرپور جوانی کی عمر میں لا کھڑا کیا ہے' وہ عطا کرنے' خرچ کرنے اور قربانی پیش کرنے پر قادر مردِ جوان بن گیا ہے' تو بیوی اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے خوشگوار ازدواجی گھرانے میں لے کر چلی گئی ہے جہاں وہ اس گھر کی معطر لہلہاتی فضاؤں میں اپنی ماں کو' اس کے تمام اخراجات کو' دورانِ پرورش اس کی جاں نثاریوں کو اور اس کی طویل ترین کاوشوں کو بھول جاتا ہے۔ صالح مسلمان خاتون کے دل میں یہ شیطانی خیال تک نہیں گزرتا کیونکہ اس زندگی کے متعلق وہ سنت الٰہی کو جانتی ہے' اور اس امر کا بھی ادراک رکھتی ہے کہ اس نے اپنے بیٹے کو بچپن ہی سے اسلام کا دودھ فراہم کیا ہے' یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ اسے اس کی حسین وخوبرو زوجہ اس کی ماں کو فراموش کروا دے گی جس طرح یہ ممکن نہیں کہ اس کی بہو جسے اس نے بے شمار پاکیزہ سیرت' ایماندار دوشیزاؤں میں سے خود اختیار کیا ہے وہ اپنے خاوند کے لیے اس ''مادر فراموشی'' کو پسند کرلے گی جو کہ عین نافرمانی ہے اور جسے اسلام نے حرام قرار دیا ہے۔

جب کبھی ساس پر اپنی بہو کے بارے میں غیرت کا شعور و احساس بتقاضائے ضعفِ بشری حملہ آور ہوتا ہے تو وہ اپنے دین' تقویٰ اور پرہیزگاری سے پناہ لے لیتی ہے اور اس قابل نفرت شعور و احساس سے اپنا دامن کھینچ لیتی ہے، پھر وہ اپنی ایمانی بیداری اور پرہیزگاری کی جانب پلٹ آتی ہے اور اپنی بہو کے لیے اپنے سیدھے اور پختہ نظریے کی جانب رجوع کر لیتی ہے' اور ایمان دار مردوں اور عورتوں میں سے صاحبِ تقویٰ حضرات کا یہی حال اور مقام ہے کہ جب بھی انہیں کوئی شیطانی وسوسہ چھو لیتا ہے تو وہ یاد میں لگ جاتے اور فوراً بیدار ہو جاتے ہیں پھر ہدایت یافتہ اور صاف روشن حقیقت کو دیکھنے لگتے ہیں:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴾ (الاعراف: ۷/ ۲۰۱)

''یقیناً جو لوگ پرہیز گار ہیں جب ان کو کوئی خطرہ شیطان کی طرف سے آ جاتا ہے تو وہ (اللہ کریم کی) یاد میں لگ جاتے ہیں سو یکا یک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔''

تو اس طریقے سے خاندانی زندگی میں بہو، ساس اور خاوند کے درمیان توازن قائم رہتا ہے اور معاملات طبعی خوشگواری سے چلتے رہتے ہیں' خواہشات، جذبات' شہوات اور ضلالت کو ان میں خود رائے و خودسر ہونے کا موقع نہیں ملتا بلکہ ان میں دین' عقل' حکمت اور راستی مستحکم ہوتی ہے۔

وہ نصیحت تو کرتی ہے لیکن بہو کی شخصی زندگی میں دخل نہیں دیتی:

پرہیز گار دانشمند مسلمان خاتون اپنے اس پہلے ہی لمحے سے، جس میں اس کی بہو اس کے صاحبزادے کی زوجہ کی حیثیت سے قدم رکھتی ہے، اپنے ذہن میں یہ بات بٹھا لیتی ہے کہ اس کی بہو کا حق ہے کہ وہ اپنی عائلی زندگی میں مکمل آزادی سے رہے' جب تک وہ حلال کے دائرے میں رہے' شرعی اور مباح حدود میں زندگی گزارے' کسی کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ میاں بیوی کے ذاتی اور خصوصی تعلقات میں بجز کسی ضروری حاجت و ضرورت کے اور وہ بھی ازراہ نصیحت دخل انداز ہو' اور رسول کریم ﷺ کے فرمان اقدس پر عمل پیرا ہوتے ہوئے یہ خیر خواہی تو ہر مسلمان سے مطلوب ہے:

((اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ.....)) ''دین خیر خواہی اور نصیحت کا نام ہے۔''[1]

پرہیز گار مسلمان ساس کے ہاں، یہ حکمت سے معمور طرز اور ضابطہ ذہن میں جاگزیں رہنا چاہیے کہ جس طرح وہ اپنی حقیقی صاحبزادی سے سلوک کرتی ہے ویسا ہی اپنی بہو سے کرے' جس طرح وہ اپنی بیٹی کے بارے میں چاہتی ہے کہ وہ اپنی ازدواجی زندگی میں مکمل اطمینان' سعادت' رضامندی اور آزادی سے زندگی گزارے' اس کی شخصی حیات اور خصوصیات میں کوئی پریشان کن دخل اندازی اس کی زندگی کو بے کیف و مکدر نہ بنائے بالکل اسی طرح اسے اپنی بہو کے بارے میں بھی بلا استثناء یہی سوچنا چاہیے۔

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان ان الدین النصحیة، حدیث: ۵۵۔

بہو کی عزت نفس کا خیال کرتی ہے:

دانشمند مسلمان ساس اپنی بہو سے نیکی' حسن معاملہ اور عزت و احترام کا برتاؤ کرتی ہے' اسے اپنی محبت کا احساس دلاتی ہے' اس کی آراء کو بڑے غور اور توجہ سے سنتی ہے' پھر درست اور ٹھیک رائے کو برقرار رکھتی' اسے مضبوط بناتی اور اس پر اسے سراہتی ہے' لیکن غلط رائے کی تردید کرنے اور اس کی تصحیح کرنے میں نرمی کا رویہ اختیار کرتی ہے' دونوں صورتوں میں عدل و انصاف اور احسان کو تلاش کرتی ہے اور اس طرح فیصلہ کرتی ہے جیسے اپنی بیٹی کے متعلق فیصلہ کرتی اگر وہ اس کی بہو کی جگہ پر ہوتی اور اس کی ماں اس کے بارے میں اپنا اظہار خیال کرتی' صرف اللہ تعالیٰ کے فرمان سے رہنمائی لیتے ہوئے:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَ قُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴾ (الاحزاب: ۳۳/ ۷۰)

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سیدھی سچی باتیں کیا کرو۔''

اس سے یہ امر اوجھل نہیں رہتا کہ وہ اپنی اس خوش بختی کو بیان کرے جو وقتاً فوقتاً اس کے دل کو فرحاں و شاداں رکھتا ہے جب وہ اپنے لخت جگر کو اپنی بیوی کے ساتھ خوش و خرم دیکھتی ہے' اس انداز سے وہ اپنے بیٹے اور اپنی بہو کے خوبصورت ترین خیالات اور عمدہ احساسات کو مزید بڑھا دیتی ہے' بالکل اسی طرح وہ اسے مختلف پروگراموں میں لے جانے کو بھی نہیں بھولتی جس طرح وہ اپنی بیٹیوں کے ساتھ سلوک روا رکھتی ہے' وہ اپنی بہو کو بھی ان کے ہمراہ لے جاتی ہے اور اسے یہ احساس دلاتی ہے کہ وہ بھی اس کی بیٹیوں میں سے ایک ہے' بلکہ وہ اس کے افراد کنبہ میں سے ایک محبوب اور پیارا فرد ہے جس دن سے وہ ازدواجی گھرانے میں داخل ہوئی ہے اور اس کے پیارے دلارے بیٹے کے ساتھ مل کر رہ رہی ہے۔

اس طرز عمل سے ساس اپنی بہو کی انتہائی پیاری بن جاتی ہے کیونکہ اس نے اپنی بہو کو اپنے دل میں انتہائی گہری جگہ دی ہوئی ہے برخلاف ان ساسوں کے جو جاہل' پسماندہ اور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہدایت سے باغی و سرکش معاشروں میں ہوتی ہیں' جہاں ساس اور بہو کے مابین بغض' کینہ اور نفرت کے جذبات پائے جاتے ہیں حتیٰ کہ یہی چیزیں ظاہری' روایتی عداوت کی صورت

اختیار کر لیتی ہیں جن کے بارے میں کئی ضرب الامثال بن چکی ہیں اور گانے نغمے گائے جا رہے ہیں گویا کہ ساس اور بہو کے درمیان یہ روایتی عداوت ہے جس سے چھٹکارا نہیں ہو سکتا اور نہ ہی کوئی راہ نجات ہو سکتی ہے۔ ان مذکورہ چیزوں میں سے کوئی چیز بھی نہیں ہو سکتی اگر ساس اور بہو دونوں میں سے ہر کوئی دوسرے کے حق کو اس طرح تسلیم کرے جس طرح اسلام نے زندگی گزارنے کے لیے متعین فرما دیے ہیں اور اس حد کے پاس ہی رک جائے جہاں پر اسے اسلام نے روکا ہے۔ تو اس طرح عقلمند ساس اور بہو کے درمیان اسلامی ماحول میں اس روایتی عداوت کا خاتمہ ہو سکتا ہے' جو اپنی دینی روایات کو تھامتی، اس کی اقدار اور اس کے طریقوں کو لازم پکڑ لیتی ہے۔

اپنی بہو کے خلاف حکمت اور عدل سے فیصلہ کرتی ہے:

بعض اوقات ساس کا بہو کے ناشائستہ اخلاق و کردار سے آزمایا جانا بھی ممکن ہے بلکہ بسا اوقات تو وہ بدزبانی اور برے معاملات کی حامل بھی ہو سکتی ہے اور اس صورت میں اسے حکمت' دانائی اور دانشمندی کا ثبوت فراہم کرنا چاہیے اور اچھے کردار کا مظاہرہ کرنا چاہیے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان گرامی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے:

﴿ وَلَا تَسْتَوِى الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِى هِىَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِىْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِىٌّ حَمِيْمٌ ○ وَمَا يُلَقّٰهَا اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقّٰهَا اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴾ (حم السجدة ٤١/ ٣٤ـ٣٥)

''نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی' برائی کو بھلائی سے دفع کرو پھر تیرا دشمن ایسا ہو جائے گا جیسے دلی دوست' اور یہ بات انہی کو نصیب ہوتی ہے جو صبر کریں اور اسے سوائے بڑے نصیبہ والوں کے کوئی نہیں پا سکتا۔''

برائی کو بھلائی سے دفع کرنے میں ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ساس حتی الوسع اپنی بہو کے منفی کردار اور اس کی خطاؤں کو اپنے صاحبزادے سے مخفی رکھے' اسے تنہائی میں سمجھائے' اس کے سامنے اپنی اس حرص و امید کو ظاہر کرے کہ وہ اس کا گھر خیر' محبت اور عمل صالح سے بھرپور دیکھنا چاہتی ہے لہٰذا اس کی مسلسل خیر و خواہی اور اسے پیہم نصیحت کرتی رہے حتیٰ کہ وہ ان منفی پہلوؤں

سے بالکل دامن کش یا کسی حد تک پیچھے ہٹ جائے۔ اس طرز عمل سے بہو محسوس کرتی ہے کہ اس کی ساس اس کے لیے ایک محبت رکھنے والی دلی دوست ہے وہ اس سے جھگڑنے والی' اس کی دشمن' اور اس کے لیے آفات زمانہ کا انتظار کرنے والی بھی نہیں ہے۔

متقی دانا مسلمان ساس جب کبھی بھی اپنے بیٹے کی بہو کے برخلاف کوئی زیادتی یا حق تلفی دیکھتی ہے تو ان کے درمیان فیصلہ کرتے ہوئے اپنے فیصلوں جات میں عدل کا دامن تھام کر رکھتی ہے۔ وہ اس لیے کہ اس کا تقویٰ اور اس کی پرہیزگاری اسے اپنے بیٹے کی بے جا حمایت اور طرفداری کرنے میں آڑے آجاتی ہے' بلکہ اسے حق پر لانے کی پوری کوشش کرتی ہے' وہ ظلم و تعدی پر اپنے بیٹے سے محبت نہیں کرتی اور نہ ہی باطل معاملے پر اس کی مدد ہی کرتی ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر عمل کرتی ہے:

﴿ وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ﴾ (الانعام: ٦/١٥٢)

''اور جب تم بات کرو تو انصاف کرو گو وہ شخص قرابت دار ہی ہو۔''

اور اللہ کے اس فرمان گرامی کو بھی یاد رکھتی ہے:

﴿ وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ﴾ (النساء: ٤/٥٨)

''اور جب لوگوں کا فیصلہ کرو تو عدل و انصاف سے فیصلہ کرو۔''

سمجھدار' ہدایت یافتہ اور اس عظیم ہدایت پر غور و فکر کرنے والی مسلمان خاتون ظلم کی وادی میں نہیں گرتی اور نہ ہی اپنے فیصلے میں بجز عدل و انصاف کے کسی دوسرے فیصلے پر راضی ہوتی ہے' اگرچہ وہ فیصلہ اس کی بہو کے حق میں اور اس کے لخت جگر کے برخلاف ہی کیوں نہ ہو۔

(ب) اپنے داماد کے ساتھ

داماد کے متعلق اس کا نقطہ نظر:

اپنے دین کی ہدایت سے روشنی لینے والی مسلمان خاتون کا اپنے داماد کے متعلق نظریہ' اپنی بہو کے بارے میں نظریے سے کچھ بھی مختلف نہیں ہے۔ بالکل جس طرح وہ اپنی بہو کو اپنی بیٹی کے مرتبے میں دیکھتی ہے اسی طرح وہ اپنے داماد کو اپنے بیٹے کے رتبے میں دیکھتی ہے' اور جس

طرح وہ اپنے صاحبزادے کے متعلق چاہتی ہے کہ وہ لوگوں میں سے بہترین بن جائے اسی طرح اپنے داماد کے بارے میں بھی یہی چاہتی ہے کہ وہ بھی لوگوں میں سے بہترین ہو۔

اس کا حسن انتخاب کرتی ہے:

اسی لیے وہ اپنی بیٹی کے لیے اس کا اچھا انتخاب کرتی ہے وہ دیندار لوگوں میں سے صاحب اخلاق اور پاکیزہ شہرت والا آدمی چنتی ہے جس طرح کہ رسول کریم ﷺ نے اپنے اس فرمان اقدس میں ترغیب دی ہے:

((إِذَا أَتَاكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِينَهُ وَخُلُقَهُ فَزَوِّجُوهُ، إِلَّا تَفْعَلُوا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِيضٌ)) ①

''جب تمہارے پاس ایسا شخص پیغام نکاح کے لیے آئے جس کے دین و اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اس سے شادی کر دو' اگر تم نے ایسا نہ کیا تو زمین پر فتنہ اور بہت لمبا چوڑا فساد پھیل جائے گا۔''

اسے اپنی بیٹی کے منگیتر کا صرف خوش منظر یا بلند عہدہ پر فائز ہونا' یا سرمایہ دار ہونا ہی مسحور نہیں کرتا کیونکہ وہ اس بات کا اچھی طرح ادراک رکھتی ہے کہ وہ اپنی لخت جگر کی اس سے شادی کر کے اسے اپنی اولاد میں، ایک لڑکا سمجھ کر شامل کر رہی ہے' اسے اپنی بیٹی کی عزت' زندگی اور سعادت کا امین ٹھیرا رہی ہے تو اس کے لیے بجز صاحب اخلاق' دین دار' اور اعلیٰ اقدار کے حامل شخص کے کوئی دوسرا اس کا اہل نہیں ہے۔

اس سے نیک رویہ اپناتی ہے:

یہ کوئی نئی بات نہیں ہے کہ اس کا داماد اس کے ہاں نیکی' تکریم اور عزت کی جگہ پر ہو' وہ اسے ہر موقع پر یہی شعور دیتی ہے کہ وہ تو جب سے اس کی بیٹی کے ساتھ بندھا ہے اس کے افراد کنبہ میں سے ایک فرد بن گیا ہے' وہ اس کے لیے اور اپنی بیٹی کے لیے ان کے طویل راستے کی خاطر سعادت مندی اور توفیق الٰہی ہی کی چاہت رکھتی ہے اور بلا شبہ وہی معزز اور اس کی گرانقدر عزت

① سنن ترمذی، کتاب النکاح، حدیث : ۱۰۸۵۔ و سنن ابن ماجه، کتاب النکاح: باب الاکفاء، حدیث : ۱۹۶۷۔

کا امین ہے' اس کی بیٹی کی پیاری پیاری آسوں، امیدوں اور بڑی بڑی تمناؤں کو عملی جامہ پہنانے والا ہے جنہیں وہ پورا کرنے کے لیے مشتاق نظر آتی ہے۔ یہی داماد ہی تمام تر توقعات اور امیدوں کی آماجگاہ ہوتا ہے' اسے یہ بھی احساس فراہم کرتی ہے کہ وہ اس کی دوسری ماں ہے' اسے کسی طرح کی نصیحت کرنے سے بخیلی نہیں کرتی اور نہ ہی اسے' اس کی بیوی کو' اور اس کی اولاد کو مسرت وفرحت اور سعادت مندی کے اسباب فراہم کرنے میں کوئی کسر ہی اٹھا رکھتی ہے۔

بہترین عائلی زندگی گزارنے کے لیے اپنی بیٹی کی مدد کرتی ہے:

ہوشمند سمجھدار مسلمان خاتون اپنی بیٹی کو نصیحت کرنے سے نہیں رکتی' اس کے گھریلو کام کاج، اسکے خاوند اور اس کی اولاد کے ہر نفع مند پہلو میں اسے اشیائے ضرورت فراہم کرتی رہتی ہے' وہ تو ہمیشہ ہر کام میں اپنی بیٹی کی آنکھوں کو کھلا رکھنے کی کوشش کرتی ہے جس میں اس کے خاوند کی خوش بختی مضمر ہو' وہ اسے گھریلو' ازدواجی اور خاندانی فرائض و امور کو بااحسن طریق انجام دینے کے لیے ترغیب وتحریص دیتی رہتی ہے' اگر وہ اپنی بیٹی میں کوتاہی' تاخیری حربے یا کوئی بے پروائی دیکھتی ہے تو گزشتہ کوتاہی کی تلافی کرنے کیلئے اسے سمجھانے' راہ راست پر لانے اور اس کی مدد کرنے میں بڑی جلدی کرتی ہے' تاکہ اسکے داماد کو اس کی بیٹی پر کوئی ایسا موقع ہاتھ نہ آئے جس سے اسکی قدر ومنزلت میں فرق پڑ جائے یا اس کی نظروں سے گر جائے۔ وہ اس امر کو بھی فراموش نہیں کرتی کہ وقتاً فوقتاً اپنی بیٹی کی موجودگی میں اپنے داماد کے مثبت پہلوؤں اور اس کی صفات حسنہ کی تعریف وتوصیف کرتی رہتی ہے تاکہ اسکا اس سے رشتہ مضبوط و گہرا ہو جائے' اس سے محبت بڑھ جائے اور بیٹی ان چیزوں پر رضا مندی کا اظہار کرے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے مقدر میں رکھا ہے۔ اس طرح ماں اپنی بیٹی کی عائلی زندگی کو دوام بخشنے کے لیے' ان کی فضاؤں میں سعادت مندی کو عام کرنے کیلئے اور ان کے رشتے کو باقی رکھنے کے لیے بہترین مددگار ثابت ہوتی ہے۔

اپنی بیٹی کی طرفداری کرنے کے بجائے عدل کرتی ہے:

مسلمان ساس اپنے حکموں اور اپنے رویوں میں عدل وانصاف کا التزام کرتی ہے جب کبھی اس کی بیٹی اور اس کے خاوند کے مابین کوئی غلط فہمی یا اختلاف رونما ہو جاتا ہے' یا اپنی بیٹی کے کردار میں خاوند کے حقوق کی ادائیگی میں کسی تقصیر وکوتاہی کو دیکھتی ہے' یا گھریلو امور کی انجام دہی

میں یا خاوند کی جائز مرغوبات کا خیال رکھنے میں کوئی کمی دیکھتی ہے تو بیٹی کی طرف داری کرنے کے بجائے کلمہ حق اور فیصلہ عدل کرتی ہے' اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر عمل پیرا رہتے ہوئے:

﴿ وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ﴾ (الانعام: ٦/١٥٢)

''اور جب تم بات کرو تو انصاف کرو گو وہ شخص قرابت دار ہی ہو۔''

اور اس فرمان گرامی پر: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴾ (الأحزاب: ٣٣/٧٠)

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سیدھی سیدھی سچی باتیں کیا کرو۔''

اگر وہ اپنی بیٹی میں زبردستی کوئی چیز چھیننے' فضول خرچی کرنے اور بغیر حساب کے خرچ کرنے کی طرف میلان دیکھتی ہے اور اس کی بیٹی کو کوئی نصیحت بھی فائدہ مند نہیں ہوتی' تب وہ کلمہ حق کہتی اور اپنی صاحبزادی کو اس کی غلطی اور شرعی حد سے تجاوز کرنے سے آگاہ کرتی ہے جسے دین حنیف نے خرچ کرنے کے بارے میں واضح بیان کیا ہے' اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ہدایت لیتے ہوئے جو اس نے رحمٰن کے ہدایت یافتہ معزز ین بندوں کے اوصاف میں بیان کیا ہے:

﴿ وَ الَّذِيْنَ اِذَاۤ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَ لَمْ يَقْتُرُوْا وَ كَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴾

''اور جو خرچ کرتے وقت بھی نہ تو اسراف کرتے ہیں اور نہ بخیلی' بلکہ ان کی ان دونوں راستوں کے درمیان معتدل راہ ہوتی ہے۔'' (الفرقان: ٢٥/٦٧)

وہ اپنی بیٹی کی شخصیت میں سرکشی اور ایسا میلان طبع دیکھتی ہے جو شوہر کی قدر و منزلت اور ذمہ داری و نگرانی کو کم درجہ بنانے والی ہو تو وہ واضح لفظوں میں بیٹی کو سمجھانے میں جلدی دکھاتی ہے کہ بیٹی! مرد عورتوں پر محافظ و نگران ہیں' اللہ کے فرمان ذیل سے مطابقت پیدا کرنے کے لیے:

﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَاۤ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ﴾ (النساء: ٤/٣٤)

''مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں۔''

عورت پر مرد کی نگرانی و حاکمیت دو جوہری اسباب کی بنا پر ہے عورت کو انہیں کبھی بھی بالائے طاق نہیں رکھنا چاہیے جو یہ ہیں: افضلیت اور خرچ کرنا۔

﴿ وَ لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ﴾ (البقره ۲/۲۲۸)

''ہاں مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے۔''

ذہین ماہر اپنے دین کی ہدایت سے ہدایت لینے والی مسلمان ساس اپنے اس حکیمانہ عادلانہ موقف میں اپنے بیٹے اور اپنے داماد کے درمیان کچھ فرق نہیں کرتی وہ جس طرح یہ چاہتی ہے کہ اس کے بیٹے کی اس کی بیوی پر حاکمیت ونگرانی پکی رہے اور وہ یہ بھی چاہتی ہے کہ وہ اپنی ازدواجی زندگی کی گاڑی کا پہیہ مردانگی' احتیاط' منطق اور حکمت سے چلاتا رہے بالکل اسی طرح وہ یہ باتیں اپنے داماد کے لیے بھی چاہتی ہے' خواہ اس کی بیٹی کو اس داماد سے کسی طرح کی سختی اور شدت کا سامنا بھی کرنا پڑے' کیونکہ اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والی ہر خاتون سے عدل وانصاف کا تقاضا یہی مطالبہ کرتا ہے۔

جس طرح مسلمان ساس اپنے بیٹے پر شفقت ومہربانی کرتے ہوئے اپنی بہو کی فضول خرچی پر اگر وہ فضول خرچ ہو تو اس پر حرف گیری کرتی ہے بالکل اسی طرح وہ اپنی بیٹی کے لیے ایسے عمل پر اعتراض بھی کرتی ہے جب وہ اسراف کرتی اور حد کو پھلانگتی ہے' صرف عدل وانصاف کے تقاضے پورے کرنے کے لیے اور قرآن عظیم کی ہدایت کی پیروی کرتے ہوئے:

﴿ وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ﴾ (الانعام: ۶/۱۵۲)

''اور جب تم بات کرو تو انصاف کرو گو وہ شخص قرابت دار ہی ہو۔''

مشکلات میں حکمت ومہارت کو کام میں لاتی ہے:

بعض اوقات داماد خاص ذہنیت کا حامل بھی ہو سکتا ہے جس سے بیوی مطمئن ہو اور نہ ہی ساس خوش ہو' وہ ایسے مزاج والا ہو جس سے دونوں کے مزاج میل نہ کھاتے ہوں' تو پھر یہاں سے باہمی نفرت' اختلاف اور دوری جنم لیتی ہے' اپنے دین کی ہدایت سے فیض یاب ہونے والی مسلمان ساس کیلئے ایسی صورت حال میں یہ واجب ہے کہ وہ اپنے داماد سے بات کرتے ہوئے انتہائی بردباری سے کام لے' اس کے ساتھ معاملہ طے کرتے ہوئے حکمت کو کام میں لائے' اس کی نفسیات اور ذہن تک رسائی پانے کیلئے دانشمندی اور دانائی سے بات کو آگے چلائے اور اپنے مقصد تک پہنچنے کے لیے مایوسی کا اظہار کرنے کی بجائے صبر' مداومت اور حسن تصرف سے کام لے۔

وہ اپنے داماد کے منفی پہلوؤں کو اپنی بیٹی کے سامنے بڑا بنا کر پیش کرنے سے مکمل اجتناب کرتی ہے بلکہ حتیٰ المقدور انہیں کم تر الفاظ میں بیان کرنے کی کوشش کرتی ہے' ان منفی پہلوؤں کو سلجھانے کے لیے جب تک وہ منفی اور سلبی پہلو برداشت کی حد تک ہوں' مشروع وسائل اور حکیمانہ اسلوب اختیار کرتی ہے' جو خاوند کی اخلاقی اور دینی شخصیت کو داغدار نہ بناتے ہوں اور نہ ہی ازدواجی زندگی کے محل کو منہدم کرنے کا باعث بنتے ہوں۔

اس طرح اپنے دین کی ہدایت سے روشنی لینے والی مسلمان خاتون اپنی بیٹی اور اس کے خاوند کے لیے خیر و برکت کا باعث بنتی ہے اور ازدواجی زندگی کے ستونوں میں سے ایک مضبوط ترین ستون ثابت ہوتی ہے' وہ اپنے عدل و انصاف اور تقویٰ و پرہیزگاری کے ساتھ دوسری ماں ہونے پر دلیل فراہم کرتی ہے' وہ داماد کو بیٹی کے لیے روایتی دشمن کے طور پر پیش نہیں کرتی' جس طرح کہ بعض پسماندہ اور جاہلی معاشروں میں لطیفہ گو مسخرے ان کی دائمی دشمنی کی دلچسپ کہانیاں سناتے رہے ہیں۔ یہ درحقیقت مسلمانوں کے اپنے دینی احکام کی عدم تطبیق اور اپنے دین اسلام کے اخلاق و اعلیٰ اقدار کا عدم التزام کرنے کا ہی نتیجہ ہے۔

ہمارے ذمہ یہ کام ہے کہ ہم اس عظیم سعادت مندی کا تصور کریں جس کا اس مومنہ' متقیہ' نرم مزاج اور دانشمند ساس کے لیے دونوں خاندان محسوس کرتے ہیں یعنی اس کے لڑکے کا خاندان اور اس کی بیٹی کا خاندان' جس وقت ساس اپنے داماد یا اپنی بہو کے ساتھ یکساں طور پر محبت کرنے والی اور سچ بولنے والی بن جاتی ہے' پھر اسی محبت کا عکس دونوں خاندانوں کی سعادت کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔

بلاشبہ ساس اپنے داماد اور اپنی بہو کے ساتھ اپنی حکمت' اپنے تقویٰ' عدل' مہارت اور حسن معاملہ کے باعث اپنے بیٹے اور اپنی بیٹی کی زندگی کی سعادت و فلاح کی فضاؤں میں اضافہ کر دیتی ہے' اور دونوں خاندانوں کے لیے دلی صفائی' راحت اور اطمینان کو یقینی بناتی ہے اور ان دونوں کو عمومی نفع سے مالا مال کر دیتی ہے جو داماد یا بہو بنانے سے قبل وہ اپنے بیٹے یا بیٹی کے لیے سوچے رکھتی تھی...... ایماندار سمجھدار ذہین و فطین ساس کا کردار کس قدر خوبصورت کردار ہے اور بیٹے اور بیٹیاں اس کے کس قدر محتاج ہیں!!

❀❀❀

مثالی مسلمان عورت کا تعلق

اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ

اپنے دین کی ہدایت سے روشنی لینے والی مسلمان خاتون کے ذہن سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہوتی کہ اس کے قرابت داروں کا بھی اس پر حق ہے' اور اس سے دین اسلام یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ ان سے صلہ رحمی کرے' ان سے نیکی کرے اور ان کے ساتھ احسان کرے۔ قرابت داروں سے مراد وہ تمام افراد ہیں جن کا نسب کے ذریعے انسان سے رابطہ و تعلق بنتا ہے خواہ وہ وراثت میں حصہ دار ہوں یا نہ ہوں۔

اسلام کے ہاں صلہ رحمی کا مقام:

اسلام نے صلہ رحمی کا منفرد انداز میں اکرام و خیر مقدم کیا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر ادیان' قوانین' ضابطے اور فلسفے اس سے عاری ہیں بلکہ انسانیت اس سے نا آشنا تھی' اسلام نے صلہ رحمی کا حکم دیا ہے' اور اس کی ترغیب دی ہے اور اسے قطع کرنے والے

پر شدید اعتراض کیا ہے۔ اسلام کا رشتہ داری و صلہ رحمی کے بارے میں جس قدر مبالغہ کے ساتھ اکرام کرنا ظاہر ہوتا ہے اس دلکش کیفیت کو رسول اللہ ﷺ نے بزبان نبوت بیان فرمایا ہے کہ جس روز اللہ تعالیٰ نے خلقت کو پیدا کیا تو اس بہت بڑے میدان میں یہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑی ہوتی ہے اور قطع رحمی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتی ہے تو مولیٰ کریم عزوجل اس کے سوال کا یہ جواب ارشاد فرماتے ہیں کہ میں اس سے ملوں گا جو اس رشتہ داری سے ملے گا اور اس سے تعلق منقطع کروں گا جو اس سے منقطع ہو گا' اور یہ بات اس صحیح حدیث میں موجود ہے جسے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے' کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''بے شک اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا' حتیٰ کہ جب ان سب سے فارغ ہوا تو ''رحم'' (رشتہ داری) کھڑی ہوگئی اور بولی: یہ وہ مقام ہے جس میں، میں قطع رحمی سے تیری پناہ مانگتی ہوں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بالکل ٹھیک' کیا تو اس فیصلے پر راضی نہیں ہے کہ میں بھی اس سے ملوں گا جو تجھ سے ملے گا اور میں اس سے قطع تعلق کرلوں گا جو تجھ سے قطع تعلق ہو گا؟ بولی: جی ہاں! تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو یہ فیصلہ ہے تیرے لیے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تم چاہو تو یہ پڑھ لو:

﴿ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ﴾

(محمد : ۲۲-۲۳)

''اور تم سے یہ بھی بعید نہیں کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد برپا کر دو اور رشتے ناتے توڑ ڈالو۔ یہ وہی لوگ ہیں جن پر اللہ کی پھٹکار ہے اور جن کی سماعت پھر ان کو بہرا کر دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا۔''[1]

اس موضوع پر قرآن کریم کی آیات بکثرت موجود ہیں جو اسلام میں صلہ رحمی کے مرتبے و مقام کو پرزور الفاظ میں بیان کر رہی ہیں اور یہ آیات اس کے ساتھ احسان کرنے کی ترغیب دیتی ہیں اور اس کے ساتھ برا رویہ رکھنے سے خبردار کرتی ہیں جو بھی اس کو مجروح کرے یا اسے اذیت

[1] صحیح بخاری، کتاب الادب، باب من وصل وصله الله، حدیث : ۵۹۸۷۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب صلة الرحم، حدیث : ۲۵۵۴۔

پہنچائے اسے ڈراتی ہیں، اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ اس کے حق کو پورا کرنے کی تعلیم دیتی ہیں۔

ان آیات میں سے ایک اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔

﴿ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِی تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ ﴾ (النساء: ٤/١)

''اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رشتے ناطے توڑنے سے بھی بچو۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنا تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور دوسرے نمبر پر رشتہ داروں کا بیان فرمایا ہے' ان کی تعظیم' اہمیت اور ان رشتہ داریوں کے مقام و مرتبہ کو بڑی تاکید سے واضح کیا ہے۔

مسلمان کے شعور میں صلہ رحمی کی یاد و تذکرے کو تر و تازہ رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے بہت سی آیات کریمہ میں صلہ رحمی کا' نیکی کرنے کا اور احسان کرنے کا حکم ایمان باللہ کے ساتھ دیا ہے۔ والدین کے ساتھ نیکی کرنے کا ذکر ملاحظہ:

﴿ وَ قَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ﴾

''اور تیرا پروردگار صاف صاف حکم دے چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا۔'' (بنی اسرائیل: ٢٣)

پھر کچھ آگے جا کر یوں فرماتے ہیں:

﴿ وَ اٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِیْنَ وَ ابْنَ السَّبِیْلِ وَ لَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا ﴾

''اور رشتے داروں کا اور مسکینوں کا اور مسافروں کا حق ادا کرتے رہو اور اسراف اور بے جا خرچ سے بچو۔'' (بنی اسرائیل: ١٧/ ٢٦)

ایک جگہ یوں فرمایا ہے:

﴿ وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِی الْقُرْبٰى وَ الْیَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ الْجَارِ ذِی الْقُرْبٰى وَ الْجَارِ الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ ﴾ (النساء: ٤/ ٣٦)

''اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو' اور ماں باپ کے ساتھ سلوک و احسان کرو اور رشتہ داروں سے اور یتیموں سے اور مسکینوں سے اور قرابت

دار ہمسایہ سے اور اجنبی ہمسایہ سے اور پہلو کے ساتھی سے اور راہ کے مسافر سے۔"

بلاشبہ رشتہ داروں کا مقام و مرتبہ نیکی میں والدین کے بعد آیا ہے' قرآن حکیم کی رہنمائی بتدریج اعلیٰ سے ادنیٰ بیان ہوئی ہے جو انسانی تعلقات کی سیڑھی کو بیان کر رہی ہے' ان کے مراتب کی حد بندی بیان کرتے ہوئے والدین سے آغاز کیا ہے' پھر رشتہ دار' پھر یتیم' مسکین' مسافر اور پھر ہمسائے' جب نیکی بڑھے اور اس کا دائرہ وسیع ہو تو اس کی خیر قریبی پھر اس کے بعد کے قریبی تک پہنچے گی' حتیٰ کہ انسانوں کے بہت بڑے کنبے میں تمام محتاجوں تک اس کا سلسلہ پہنچے گا اس میلان طبع کا خیال رکھتے ہوئے جس کی طرف انسانی طبائع جھکتی ہیں کہ نیکی قریبی سے شروع کی جائے اسکے بعد دوسرے سے۔ اسلامی معاشرے کی تنظیم میں اجتماعی ذمہ داری کو اس طرح تقسیم کیا گیا ہے کہ اسلام اسے خاندانی دائرے سے شروع کرتا ہے پھر اسے قرابت داروں تک پھیلاتا ہے' پھر جماعتی دائرے تک (بچت اور آسانی کے ساتھ) اسے دراز کرتا ہے' بنی آدم کے درمیان صلہ رحمی' باہمی الفت اور رحمدلی کے جذبات کو یقینی بناتا ہے' اور زندگی میں رونق' سرور اور نیک نامی کو عام کرتا ہے۔

اسلام نے صلہ رحمی کا اس قدر بلند مقام بنایا ہے کہ صلہ رحمی کو اسلام کے ابتدائی اور بنیادی اصولوں میں رکھا ہے' جن کے ساتھ اسلام عالم بشریت پر اپنی تعلیمات کے ساتھ طلوع ہوا ہے یعنی اپنے روز اول ہی سے جن اصولوں اور ضابطوں کو رسول اکرم ﷺ نے اپنے پروردگار کے حکم سے دوٹوک لفظوں میں اور واشگاف طور پر بیان کیا ہے' جن کے ساتھ آپ ﷺ نے اس نئے دین کی بنیادوں کو بیان کیا' اس کے نشانات کو واضح کیا اور صلہ رحمی کو ان نشانات میں سے واضح تر اور اس روشن شریعت میں نمایاں تر رکھا ہے ہم یہ بات اس طویل حدیث میں پاتے ہیں جس میں ابوسفیان نے ہرقل کے سوال پر یوں جواب دیا تھا:

ہرقل: تمہارا نبی تمہیں کن امور کا حکم دیتا ہے؟

ابوسفیان: وہ کہتا ہے: تم اللہ واحد کی عبادت کرو' اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ' اپنے آباؤ اجداد کے اقوال چھوڑ دو' وہ ہمیں نماز' سچائی' پاکدامنی اور صلہ رحمی کا بھی حکم دیتا ہے۔ [1]

---

[1] بخاری، کتاب بدء الوحی۔ باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ حدیث: ۷، صحیح مسلم۔ کتاب الجهاد، باب کتب النبی ﷺ الی هرقل ملك الشام حدیث: ۱۷۷۳۔

دیکھ لیجیے اس دین حنیف کے بڑے بڑے امتیازی نشانات میں صلہ رحمی کا شمار بھی آیا ہے یعنی توحید الٰہی' اقامت صلاۃ اور صداقت و پاکدامنی کے شمار میں صلہ رحمی کو بھی ذکر کیا ہے۔ یہاں سے ظاہر ہوا کہ صلہ رحمی دین کے ان امتیازی پیغامات میں سے ایک ہے جنہیں ابوسفیان نے ہرقل کے سامنے پیش کیا تھا جس نے اسلام کی بابت پہلے پہل سوال کیا تھا تاکہ اس نبی کے لائے ہوئے دین کے اہم ترین احکامات کو سمجھ لے۔

سیدنا عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث میں ہے جو اسلام کے جملہ قواعد و آداب پر مشتمل ہے' اس میں سیدنا عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں مکہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا یعنی نبوت کے ابتدائی دور میں' میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: آپ کیا ہیں؟ فرمایا: نبی ہوں۔ میں نے کہا: نبی کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے۔ میں نے عرض کی: آپ کو کس چیز کے ساتھ بھیجا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں کہا:

« اَرْسَلَنِیْ بِصِلَةِ الْاَرْحَامِ' وَكَسْرِ الْاَوْثَانِ' وَاَنْ يُّوَحَّدَ اللّٰهُ لَا يُشْرَكُ بِهٖ شَيْءٌ...... »①

''اس نے مجھے صلہ رحمی' بت شکنی اور اللہ تعالیٰ کو یکتا ماننے اور اسے شرک سے مبرا رکھنے کے احکامات کے ساتھ بھیجا ہے۔''

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبادئ اسلام کی اہم ترین جزئیات اور اس کے بنیادی قواعد کی مختصر ترین تشریح کرنے سے واضح اور نمایاں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ''صلہ رحمی'' کو ان تمام بنیادی قواعد و مبادی میں سب سے مقدم بیان فرمایا ہے' صرف اس بنا پر کہ جس دین کو اللہ تعالیٰ نے جہانوں کے لیے رحمت قرار دے کر نازل کیا ہے اس دینی منہج میں اس کا مقام کتنا ارفع ورمرتبہ کتنا بلند تر ہے۔

کتنی ہی ایسی نصوص ہیں جو پیہم اور بالوضاحت صلہ رحمی پر ابھار رہی' اس کا حکم دے رہی اور س کی رغبت دلا رہی ہیں' مزید قطع رحمی سے ڈرا رہی اور بے رخی برتنے والے کو وعیدیں سنا رہی ہیں۔

---

① صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب اسلام عمرو بن عبسة، حدیث: ۸۳۲.

سیدنا ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے عرض کی: یارسول اللہ! مجھے ایسے اعمال بتادیں جو مجھے جنت میں داخل کروادیں' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((تَعْبُدُ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا' وَتُقِيمُ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ، وَتَصِلُ الرَّحِمَ)) ①

''تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرائے' تو نماز قائم کرے' زکوٰۃ ادا کرے اور صلہ رحمی کرے۔''

صلہ رحمی کا کس قدر بلند و عظیم مقام ہے! انسان کے اعمال کے وزن میں یہ کس قدر بھاری ہے! یہ عبادت الٰہی' توحید باری تعالیٰ' اقامت نماز اور ادائے زکوٰۃ کے ساتھ ایک ہی سیاق میں آرہی ہے' اس سے ثابت ہوا کہ ان عظیم نیک اعمال میں صلہ رحمی بھی شامل ہے جو آدمی کو جنت میں داخل کرنے والے اور اسے دوزخ سے بچانے والے ہیں۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

((مَنْ اَحَبَّ اَنْ يُّبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ' وَيُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ' فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ)) ②

''جو شخص یہ پسند رکھتا ہے کہ اس کے رزق میں فراخی کردی جائے اور اس کے مرنے کے بعد اس کا ذکر خیر تادیر باقی رہے' اسے چاہیے کہ صلہ رحمی کرے۔''

بلاشبہ صلہ رحمی کرنے والے کے رزق میں یہ باعث برکت ہے' اور اس کی عمر میں بھی باعث برکت ہے' اس کے مال کو بڑھاتی اور اس کی افزائش کرتی ہے اس کی موت کو آگے (مؤخر) کرتی اور اسے بابرکت بناتی ہے۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے: ''جو شخص اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرے' اور صلہ رحمی کرے' اس کی موت کو آگے کردیا جاتا ہے' اس کا مال بڑھ جاتا ہے اور اس کے اہل خانہ اس

---

① صحیح بخاری، کتاب الادب، باب فضل صلة الرحم، حدیث: ٥٩٨٣، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان الایمان الذی یدخل به الجنة، حدیث: ١٣۔

② صحیح بخاری، کتاب الادب، باب من بسط له فی الرزق لصلة الرحم، حدیث: ٥٩٨٦۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب صلة الرحم، حدیث: ٢٥٥٧۔

سے محبت کرتے ہیں۔"[1]

مسلمان خاتون کے ذہن و دماغ سے یہ امر اوجھل نہیں رہتا کہ صلہ رحمی یکساں طور پر عورت سے بھی بالکل اسی طرح مطلوب ہے جس طرح مرد سے مطلوب ہے' اس میں خطاب اگرچہ انسان مسلمان سے ہے وہ خواہ مرد ہو یا عورت' مسلمان تو ہے' شرعی امور واحکام سب کے لیے عام ہیں۔ اس لیے مسلمان خاتون بھی صلہ رحمی کے لیے دل کی صداقت' اپنی پوری کوشش اور قلبی حرارت سے لپکتی ہے' دنیاوی مصروفیات و خانگی' ذمہ داریاں خواہ جس قدر بھی زیادہ ہوں وہ اسے صلہ رحمی سے پھیر نہیں سکتیں۔

اپنے دین کی ہدایت یاد رکھنے والی مسلمان خاتون اس بات کا ادراک کر لیتی ہے کہ عورت کا صلہ رحمی کرنا اس کی روزی اور عمر میں برکت کا باعث ہے اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے جو اسے دنیا و آخرت میں ڈھانپ لے گی' یہ اس کے لیے لوگوں کی محبت اور ان کی تعریفیں حاصل کرنے کا ذریعہ ہے' جب کہ اس کے مدمقابل قطع رحمی نحوست' بلا اور اللہ تعالیٰ کی اور لوگوں کی ناراضی کا سبب ہے بلکہ اسے جنت دارالقرار سے دور لے جانے کا باعث بھی ہوگی۔ عورت کے لیے قطع رحمی کرنے والے کی بابت رسول اللہ ﷺ کا اتنا فرمان سن لینا ہی کافی ہوگا:

《لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعُ رَحِمٍ》[2]

"قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔"

اور اس کے لیے اتنا جان لینا بھی کافی ہوگا کہ رحمت الٰہی قاطع رحم سے کنارہ کش رہتی ہے' اس پر نہیں اترتی بلکہ ایسی قوم پر بھی نہیں اترتی جس میں کوئی قطع رحمی کرنے والا موجود ہو' جس طرح کہ اس حدیث میں یہ بات موجود ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے "الادب المفرد" میں بیان کیا ہے:

《إِنَّ الرَّحْمَةَ لَا تَنْزِلُ عَلَى قَوْمٍ فِيهِمْ قَاطِعُ رَحِمٍ》[3]

---

1. اخرجه البخاري في الادب المفرد ١/١٤٠ باب من وصل رحمه احبه الله۔
2. صحیح بخاری، کتاب الادب، باب اثم القاطع، حدیث: ٥٩٨٤، صحیح مسلم، کتاب البر والصلة۔ باب صلة الرحم، حدیث: ٢٥٥٦۔
3. الادب المفرد ١/١٤٤ باب لا تنزل الرحمة على قوم فيهم قاطع رحم۔

''بلاشبہ رحمت ایسی قوم پر نہیں اترتی جن میں کوئی قطع رحمی کرنے والا ہو۔''

اسی لیے تو جلیل القدر صحابی رسول سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ایسی مجلس میں دعا کرنا بھی پسند نہیں کرتے تھے جس میں قاطع رحم موجود ہوتا' کیونکہ وہ شخص نزول رحمت اور قبولیت دعا میں آڑے آتا ہے' ایک دفعہ جمعرات کی شام اور شب جمعہ آپ نے ایک مجلس میں یوں اعلان فرمایا: ''اس مجلس میں جو کوئی قطع رحمی کرنے والا ہے وہ اٹھ کر چلا جائے۔''

کوئی شخص بھی کھڑا نہ ہوا' حتیٰ کہ آپ نے یہی اعلان تین مرتبہ کیا۔ ایک نوجوان اپنی پھوپھی کے پاس آیا جسے اس نے عرصہ دو برس سے چھوڑ رکھا تھا' اس کے پاس حاضر ہوا' وہ بولی: اے میرے بھتیجے! تجھے یہاں کون سی چیز لے آئی ہے؟ وہ بولا: میں نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو ایسے ایسے فرماتے سنا ہے' پھر وہ بولی: ان کے پاس جاؤ اور سوال کرو کہ آپ نے ایسا کیوں کہا ہے؟ وہ کہتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

((اِنَّ اَعْمَالَ بَنِیْ اٰدَمَ تُعْرَضُ عَلَی اللّٰہِ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی عَشِیَّۃَ کُلِّ یَوْمِ خَمِیْسٍ لَیْلَۃَ الْجُمُعَۃِ' فَلَا یُقْبَلُ عَمَلُ قَاطِعِ رَحِمٍ)) [1]

''بنی آدم کے اعمال ہر جمعرات کی شام اور شب جمعہ کو اللہ تبارک و تعالیٰ کے حضور پیش کیے جاتے ہیں' قطع رحمی کرنے والے کا عمل قبول نہیں کیا جاتا۔''

بے شک اسلامی تعلیمات نے اس کے احساسات کو تیز کر دیا ہے اور اسے صالح اعمال کا مشتاق بنا دیا ہے۔ یہ نصوص اسے دل کی گہرائیوں تک ہلا کر رکھ دیتی ہیں اور اس کے سامنے قطع رحمی کی قباحت و کراہت کو نمایاں کرتی ہیں' کیونکہ رحمت الٰہی قطع رحمی کرنے والی سے روک لی جاتی ہے' دعا رد کر دی جاتی ہے اور عمل ضائع کر دیے جاتے ہیں۔ یقیناً یہ بہت بڑی بلا اور مصیبت ہے جو قطع رحمی کرنے والی کو گھیر لیتی ہے' وہ دعائیں مانگتی ہے لیکن اس کی دعائیں قبول نہیں کی جاتیں' وہ عمل کرتی ہے لیکن کوئی عمل اوپر نہیں جاتا' وہ اپنے رب کی رحمت کی طرف لوٹتی ہے لیکن وہ اس سے دور ہی دور چلی جاتی ہے۔ یہاں سے معلوم ہوا یہ ناممکن بات ہے کہ مسلمان خاتون جس کے دل میں اسلام کی چمک دمک رچ بس گئی ہو وہ قطع رحمی کرنے والی بنے۔

---

[1] اخرجه البخاري في الأدب المفرد ١٤٢/١ بر الأقرب فالأقرب۔

قطع رحمی کا گناہ وہ خاتون نہیں اٹھا سکتی' جو اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو' جس کا نفس ہدایت ربانی کے لیے کشادہ ہو چکا ہو' جس کی روح اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی حلاوت کو دیکھ چکی ہو' بلکہ وہ ایسے گناہ کی طرف لپکنے اور جھانکنے سے کنارہ کش رہتی ہے' بالخصوص جب اسے علم ہو چکا ہو کہ قطع رحمی کا گناہ ایسا زبردست ہے کہ اس کی سزا اللہ تعالیٰ آخرت میں دینے سے قبل دنیا میں بھی دیتا ہے' جس طرح کہ حدیث مبارکہ میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے:

﴿ مَا مِنْ ذَنْبٍ اَجْدَرُ اَنْ يُّعَجِّلَ اللّٰهُ لِصَاحِبِهِ الْعُقُوْبَةَ فِي الدُّنْيَا..... مَعَ مَا يَدَّخِرُ لَهُ فِي الْآخِرَةِ..... مِنَ الْبَغْيِ وَقَطِيْعَةِ الرَّحِمِ ﴾ [1]

''ظلم اور قطع رحمی سے بڑھ کر کوئی بھی گناہ اس لائق نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے مرتکب کو دنیا میں جلد سزا دے..... علاوہ ازیں اسکے لیے آخرت میں بھی ذخیرہ کرے.....''

یہ اس لیے کہ قطع رحمی اور ظلم دونوں جڑواں (دو شاخہ) ہیں' اسی لیے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی حدیث مبارکہ میں ان دونوں کو جمع فرمایا ہے قطع رحمی اور ظلم کے درمیان تعلق اور رشتے کو تاکید سے بیان کیا ہے' میں یہ بات قسم کھا کر کہتا ہوں کہ قطع رحمی بہت بڑا ظلم ہے' اس سے بڑھ کر اور کونسا ظلم ہوگا کہ قریبی رشتوں کو کاٹ رہی ہے' محبت کے حلقوں کو توڑ رہی ہے اور پیار کی رسی کو کاٹ رہی ہے؟

البتہ تحقیق رسول اللہ ﷺ نے رحم کی اللہ تعالیٰ کے حضور، ظلم اور قطع تعلقی کی شکایت کرنے کی صورت کو بایں الفاظ بیان کیا ہے کہ یہ دونوں جرم اس پر واقع ہو رہے ہیں' تب اللہ تعالیٰ اس کے سوال پر جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ اس سے تعلق جوڑے گا جو اس سے جوڑے گا اور وہ اس سے تعلق توڑ لے گا جو اس سے توڑے گا: ''رحم'' رحمٰن کی جانب سے ایک گھنی ٹہنی ہے، وہ کہتی ہے: اے میرے پروردگار! بلاشبہ میں ظلم کا شکار ہوں' اے میرے رب! مجھے توڑ دیا گیا ہے' اے میرے پروردگار! بلاشبہ میں..... تب اللہ تعالیٰ اسے یہ جواب دیتے ہیں:

---

[1] مسند أحمد ٥/٣٨۔ و ابن ماجه، کتاب الزهد، باب البغی حدیث: ٤٢١١ باسناد صحیح۔

((أَلَا تَرْضَيْنَ أَنْ أَقْطَعَ مَنْ قَطَعَكِ، وَأَصِلَ مَنْ وَصَلَكِ)) [1]

"کیا تو اس پر رضا مند نہیں ہے کہ میں اس سے تعلق توڑ لوں جو تجھ سے تعلق توڑے گا اور میں اس سے تعلق جوڑوں جو تجھ سے تعلق جوڑے گا۔"

ایک دوسری حدیث قدسی میں رسول اللہ ﷺ رشتہ داری کے بلند مقام کو اس طرح بیان فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس رشتہ داری کے لفظ "رحم" کو اپنے نام سے مشتق کیا ہے' تو اسی اشتقاق ہی سے اس رشتہ داری کی عظمت' عزت اور شرافت و بلندی عیاں ہو رہی ہے:

((أَنَا الرَّحْمٰنُ، وَأَنَا خَلَقْتُ الرَّحِمَ، وَاشْتَقَقْتُ لَهَا مِنِ اسْمِي، فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلْتُهُ، وَمَنْ قَطَعَهَا بَتَتُّهُ)) [2]

"میں رحمٰن ہوں' اور میں نے رحم (رشتہ داری) کو پیدا کیا ہے' اور میں نے اس کا نام اپنے نام سے مشتق کیا ہے' تو جو اس سے تعلق جوڑے گا' میں اس سے جوڑوں گا اور جو اس سے توڑے گا میں اس سے تعلق توڑ لوں گا۔"

ان نصوص و دلائل میں کتنی تاکیدیں ہیں کہ صلہ رحمی کرنے والا کس قدر سعید' محبوب اور مکرم ہے' وہ اپنے پروردگار کی رضوان و رحمت سے انعام یافتہ ہے اور قطع رحمی کرنے والا اپنے رب کی رحمت و مہربانی سے' کتنا شقی' منحوس' قابل نفرت اور مقطوع ہے اور اس کی مغفرت و رضا مندی سے کس درجہ محروم ہے!!

مسلمان خاتون اسلامی ہدایات کے مطابق صلہ رحمی کرتی ہے:

مسلمان خاتون جو اپنے دین کی ہدایت کو یاد رکھنے والی ہے وہ صلہ رحمی سے غافل نہیں ہوتی' بلکہ وہ ہمیشہ اس سے تعلق استوار رکھتی ہے' مادرانہ مصروفیات' گھریلو ذمہ داریاں اور خاوند کے فرائض اس تعلق کی استواری اور پائیداری سے اسے غافل نہیں کرتے' جب وہ اپنے قرابت داروں کی ملاقات کو ترتیب دیتی ہے تو زیادہ قریبی، کم قریبی کی ترتیب کو اسلامی ہدایات کی روشنی میں قائم کرتی ہے' ماں سے صلہ رحمی کرتی ہے پھر باپ سے' پھر زیادہ قریبی پھر اس سے کم

[1] اخرجه البخاري في الادب المفرد ١/١٤٦۔

[2] اخرجه البخاري في الادب المفرد ١/١٣٢ باب فضل صلة الرحم

قریبی سے' جس طرح اس ضمن میں نبی اکرم ﷺ کی ہدایت مبارکہ رہنمائی کر رہی ہے' نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں ایک آدمی حاضر ہوا اور یوں عرض پرداز ہوا:

''یارسول اللہ! میری اچھی صحبت کا کون زیادہ حقدار ہے؟ فرمایا: تیری ماں' پھر تیری ماں' پھر تیری ماں' پھر تیرا باپ' پھر اس کے بعد تیرا قریبی پھر اس سے قریبی۔''[1]

مسلمان خاتون کو اپنے قرابت داروں سے نیکی کرنے اور ان سے صلہ رحمی کرنے میں دوہرا اجر ہوتا ہے' قرابت داری کا اجر اور صدقہ کا اجر' جب وہ اصحاب ثروت میں سے ہوتی ہے' تو بوقتِ ضرورت ان کی مالی معاونت بھی کرتی ہے' تو اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سے دوگنا اجر و ثواب پانے میں کامیاب ہو جاتی ہے' جس کے نتیجے میں اس کے رشتہ داروں کے دل اس کی محبت کے لیے اور اس کی خاطر دعائیں کرنے کے لیے جھک جاتے ہیں' اور اس چیز کو اسلام بھی محبوب رکھتا ہے اور خود نبی کریم ﷺ نے بھی اس حدیث میں اس کو دعوت دی ہے جسے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ زینب الثقفیہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے' رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ''یا معشر النساء! تم صدقہ وخیرات کیا کرو خواہ اپنے زیورات میں سے ہی کر لیا کرو۔''

وہ کہتی ہیں: میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس واپس آئی اور یوں عرض کی: آپ کم مال والے آدمی ہیں' اور بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا ہے' آپ رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر دریافت کریں' اگر وہ صدقہ میری طرف سے آپ کو کفایت کر سکتا ہے تو درست ورنہ میں یہ کسی دوسرے کو دے دوں۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: بلکہ تو خود ہی جا' چنانچہ میں چلی آئی تو کیا دیکھتی ہوں کہ ایک انصاری خاتون نبی کریم ﷺ کے دروازے پر موجود ہے' اس کی حاجت بھی میرے والی حاجت تھی' اور رسول اللہ ﷺ کے رعب و دبدبہ کے باعث اندر نہیں جا رہی تھی۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اندر سے باہر نکلے تو ہم نے ان سے کہا: رسول اللہ ﷺ کے پاس جائیں اور آپ کو اطلاع دیں کہ دروازے پر دو عورتیں ہیں وہ آپ سے یہ مسئلہ دریافت کر رہی ہیں کہ کیا ان کی طرف سے ان کے خاوندوں کو صدقہ کفایت کر سکتا ہے اور گود میں پرورش پانے والے یتیم بچوں پر بھی صدقہ لگ سکتا ہے؟ اور نبی اکرم ﷺ کو ہمارے بارے میں مت بتانا کہ

[1] صحیح بخاری۔ کتاب الادب، باب من احق الناس بحسن الصحبة، حدیث: ۵۹۷۱۔ صحیح مسلم کتاب البر والصلة باب برالوالدین، حدیث: ۲۵٤۸ واللفظ له

ہم کون ہیں؟ تب سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اندر رسول اللہ ﷺ کے پاس چلے گئے' آپ ﷺ سے پوچھا' تو رسول اللہ ﷺ نے دریافت کیا: وہ دونوں کون ہیں؟ عرض کی: ایک انصاری خاتون ہے اور ایک زینب۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کون سی زینب ہے یہ؟ عرض کی: عبداللہ کی زوجہ' تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا:

((لَهُمَا اَجْرَانِ' اَجْرُ الْقَرَابَةِ وَاَجْرُ الصَّدَقَةِ))[1]

''ان کے لیے دوہرا اجر ہے' قرابت داری کا اجر اور صدقہ کا اجر۔''

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

((اَلصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِيْنِ صَدَقَةٌ' وَعَلَى ذِي الرَّحِمِ ثِنْتَانِ: صَدَقَةٌ وَّصِلَةٌ))

''مسکین پر صدقہ صرف صدقہ ہی ہے جبکہ رشتہ دار کو صدقہ دینے میں دو اجر ہیں: صدقہ بھی اور صلہ رحمی بھی۔''[2]

اور صحیح بخاری میں ہے کہ سیدہ میمونہ بنت الحارث ام المومنین رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم ﷺ کو بتایا کہ انہوں نے ایک لونڈی آزاد کر دی ہے اور آپ سے اجازت بھی نہیں لی۔ تو جب ان کا وہ دن آیا جس میں رسول اللہ ﷺ ان کے پاس آیا کرتے تھے تو کہنے لگیں: یا رسول اللہ! کیا آپ کو معلوم ہے کہ میں نے اپنی لونڈی آزاد کر دی ہے؟ پوچھا: کیا تو نے ایسے کر لیا ہے؟ بولیں: جی ہاں' فرمایا: اگر تو وہ اپنے کسی ماموں کو دے دیتی تو تیرا اجر عظیم ہوتا۔''[3]

یقیناً رسول اکرم ﷺ نے ہر پیش آمدہ موقع پر اور ہر مناسبت میں قرابت داروں کے ساتھ نیکی کرنے کی افضلیت اور اولیت کو تاکیداً بیان فرمایا ہے جس وقت مندرجہ ذیل آیت مبارکہ نازل ہوئی:

﴿ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ﴾ (آل عمران:۳/۹۲)

---

1. صحیح بخاری۔ کتاب الزکاۃ۔ باب الزکاۃ علی الزوج والایتام، حدیث: ۱۴۶۶۔ صحیح مسلم۔ کتاب الزکاۃ۔ باب فضل النفقۃ والصدقۃ علی الاقربین، حدیث ۱۰۰۰۔
2. سنن الترمذی، کتاب الزکاۃ، باب (۲۶)، حدیث: ۶۵۸ وقال حدیث حسن۔
3. صحیح بخاری، کتاب الھبۃ، باب ھبۃ المرأۃ لغیر زوجھا، حدیث: ۲۵۹۲۔ مسلم، کتاب الزکاۃ، باب فضل النفقۃ والصدقۃ علی الاقربین، حدیث: ۹۹۹۔

''جب تک تم اپنی پسندیدہ چیز سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرو گے ہرگز بھلائی نہ پاؤ گے۔''

تو سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہو گئے' اور یوں عرض پرداز ہوئے:

''یارسول اللہ! بلاشبہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ (ایضاً)

تو مجھے سب سے زیادہ محبوب اپنا کھجوروں کا باغ ہے' میری طرف سے وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ ہے' اس پر میں اللہ تعالیٰ کے ہاں نیکی اور ذخیرے کا امیدوار ہوں' یارسول اللہ! جہاں آپ کو اللہ تعالیٰ سمجھائے اسے وہاں استعمال فرمالیں۔''

تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: واہ خوب' یہ تو نفع مند مال ہے' یہ تو انتہائی سودمند کاروبار ہے' تو نے جو کچھ کہا ہے وہ میں نے یقیناً سنا ہے اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ تو اسے اپنے قرابت داروں میں تقسیم کر دے۔ تو سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! میں ایسے ہی کیے دیتا ہوں' پھر ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے قرابت داروں میں اور اپنے چچازاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا۔ [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گہری رشتہ داری کو زمانے کے دل میں بہت آگے تک بیان فرمایا ہے زمانوں اور مدتوں کے گزرنے کے باوجود بھی اسے یوں اجاگر کیا ہے' یہ بات اس حدیث مبارکہ میں موجود ہے جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اس وقت ارشاد فرمایا تھا جب آپ نے قوم مصر کے متعلق یوں وصیت فرمائی تھی:

''یقیناً تم عنقریب مصر کو فتح کر لو گے' وہ ایسی سرزمین ہوگی جس میں ''قیراط'' کا پیمانہ استعمال ہوتا ہوگا' تو جب تم اسے فتح کر لو تو اس کے باشندوں کے ساتھ احسان و نیک سلوک کرنا' کیونکہ ان کا عہد اور قرابت داری ہے' یا آپ نے یہ فرمایا: ان کا عہد اور سسرالی تعلق ہے۔'' [2]

علما کرام نے اپنی تشریحات میں یہ تحریر کیا ہے: ان کی قرابت داری سے مراد سیدنا اسماعیل علیہ السلام

---

1. صحيح بخاري، كتاب الزكاة، باب الزكاة على الاقارب، حديث: ١٤٦١ - صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب فضل النفقة والصدقة على الاقربين، حديث: ٩٩٨

2. صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابه، باب وصية النبي ﷺ باهل مصر- حديث: ٢٥٤٣ـ

کی والدہ ماجدہ سیدہ ہاجرہ علیہا السلام کا ان میں سے ہونا ہے اور سسرالی رشتہ سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر گوشے سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کا اس قوم سے ہونا ہے۔

کیا کہنے ہیں نبوت کی اس وفاداری کے! اور اس وسیع وعریض محبت داری کے، نیکی کو سرانجام دینے کے! اور اس انسانی سخاوت اور کرم نوازی کے جو برسوں اور مدتوں کے گزرنے کے باوجود بھی ان دونوں معزز رشتوں کی پاسداری کرتے ہوئے ان کی نچلی نسلوں تک پھیل رہی ہے اور دراز ہو رہی ہے!

جب کوئی مسلمان خاتون اس بلند ترین نبوی ہدایت کو سنتی ہے تو اسے اپنے قرابت داروں کی طرف دست تعاون دراز کرنے' انہیں اپنی خالص محبت عطا کرنے' ان کے ساتھ دائمی صلہ رحمی قائم رکھنے اور اپنی مسلسل نیکی کو جاری رکھنے کے سوا کوئی اور چارہ کار نظر نہیں آتا۔

وہ صلہ رحمی کرتی ہے خواہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہوں:

مسلمان خاتون اپنے دین کی ہدایت پر نظر رکھتی ہے تو دیکھتی ہے کہ وہ اپنی عالی ظرفی' فراخدلی اور مانوسیت میں بلند تر ہی ہوتی جاتی ہے جو صلہ رحمی کی تلقین وترغیب دیتا بلکہ حکم دیتا ہے' خواہ رشتہ دار غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو' عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علانیہ آواز میں..... دبی آواز میں نہیں..... فرماتے ہوئے سنا آپ فرما رہے تھے:

« اِنَّ آلَ اَبِیْ فُلَانٍ لَیْسُوْا بِاَوْلِیَائِیْ' اِنَّمَا وَلِیِّیَ اللّٰہُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ، وَلٰکِنْ لَّھُمْ رَحِمٌ اَبُلُّھَا بِبِلَالِھَا » [1]

''فلاں کے باپ کی اولاد وہ میرے اولیاء نہیں ہیں بلکہ میرا ولی تو اللہ تعالیٰ اور صالح اہل ایمان ہیں' لیکن ان کے ساتھ میری رشتہ داری ضرور ہے جسے میں تر رکھوں گا یعنی ان سے صلہ رحمی قائم رکھوں گا۔''

جب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان گرامی نازل ہوا:

﴿ وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ ﴾ (الشعراء: ۲۶/ ۲۱٤)

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الادب۔ باب تبل الرحم ببلالها، حدیث: ۵۹۹۰۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب موالاۃ المؤمنین و مقاطعۃ غیرهم، حدیث: ۲۱۵۔

''اپنے قریبی رشتہ والوں کو ڈرائیے۔''

تو رسول اللہ ﷺ نے قریشیوں کو بلایا' سب عام و خاص جمع ہو گئے' تو آپ ﷺ نے فرمایا:

۱۔ اے بنی کعب بن لوی! اپنی جانوں کو آگ سے بچالو۔

۲۔ اے بنی مرہ بن کعب! اپنی جانوں کو آگ سے بچالینا۔

۳۔ اے بنی عبد شمس! اپنے آپ کو آتشِ جہنم سے بچالو۔

۴۔ اے بنی عبد مناف! تم بھی اپنے آپ کو آگ سے بچالینا۔

۵۔ اے بنی ہاشم! تم بھی اپنے آپ کو آتش دوزخ سے بچالو۔

۶۔ اے بنی عبدالمطلب! تم بھی اپنی جانوں کو آگ سے بچالو۔

۷۔ اے فاطمہ! تو بھی اپنی جان کو آگ سے بچالے۔

میں اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہارے لیے کچھ مالک نہ ہوں گا سوائے اس کے کہ تمہارے لیے رشتہ داری ضرور ہے جس کی میں پاسداری کروں گا۔''[1]

دور اول میں یہی بلند ترین نبوی ہدایت مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے کانوں میں سرایت کر گئی تھی اور اس نے ان کے دلوں میں اپنا اثر بھی دکھایا تھا' جس کے باعث وہ اپنے رشتہ داروں اور قریبیوں کے ساتھ خواہ وہ غیر مسلم ہی تھے نیکی کرتے تھے۔ اس حقیقت کے شواہد میں سے ایک وہ واقعہ بھی ہے جسے امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے ''الاستیعاب'' میں اور امام ابن حجر نے ''الاصابہ'' میں ذکر کیا ہے کہ ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی لونڈی امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بولی: اے امیر المومنین! صفیہ (رضی اللہ عنہا) ہفتہ کے دن سے محبت رکھتی ہے اور یہودیوں سے صلہ رحمی کرتی ہے۔ چنانچہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس دریافت کرنے کے لیے ایک آدمی بھیجا' تو انہوں نے یہ جواب دیا: ''رہی بات ہفتہ کے دن سے پیار کرنے کی تو جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کے بدلے میں جمعہ کا دن دے دیا ہے تو میں نے اس سے پیار نہیں کیا' اور رہی بات یہودیوں سے محبت کرنے کی تو

---

[1] مسلم' كتاب الايمان: باب في قوله تعالى (و انذر عشيرتك الاقربين) حديث: ٢٠٤۔

ان کے ساتھ میری رشتہ داری ہے میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کرتی ہوں۔"

پھر آپ رضی اللہ عنہا اپنی لونڈی کی جانب متوجہ ہوئیں تو اس سے استفسار فرمایا کہ تجھے ایسا کرنے پر کس چیز نے ابھارا ہے تو وہ بولی: شیطان نے! اس وقت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا جواب یہ تھا: "جا چلی جا تو آزاد ہے۔"[1]

اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے وہ ریشمی چوغہ اپنے مشرک اخیافی (ماں کی طرف سے) بھائی کو دینے میں کوئی تنگی نہیں پائی جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی طرف بھیجا تھا۔[2]

یہی وجہ ہے کہ مسلمان خاتون دیکھتی ہے کہ انسانی مہربانی اور رحم و کرم سخاوت اس انسان کے دل سے منقطع نہیں ہوتی جس نے شہادتین کا اقرار کیا ہے بلکہ صلہ رحمی اور احسان کی تری قرابت داروں تک بھی سرایت کرتی رہتی ہے اگرچہ وہ دین اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین پر ہی کیوں نہ ہوں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تعبیر اس طرح آئی ہے: "سوائے اس کے کہ تمہارے لیے رشتہ داری ضرور ہے جسے میں اس کی تراوٹ سے تر رکھوں گا یعنی میں اس کی پاسداری کروں گا۔"

یہ فرمان عربی بلاغت کی چوٹی پر ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشتہ داری کو زمین سے تشبیہ دی ہے جسے صلہ رحمی اور نیکی کا پانی سیراب کرتا رہتا ہے' جس کے نتیجے میں محبت اور مودت کے ثمرات حاصل ہوتے ہیں اور یہ سرزمین قطع رحمی اور ترک تعلق سے خشک ہو جاتی ہے جس سے ناراضی' بے رخی اور دوری جنم لیتی ہے۔ راست باز' الفت رکھنے والا مسلمان انسان تو سب لوگوں کا محبوب اور پیارا ہوتا ہے کیونکہ وہ اسے مکارم اخلاق' بلند عادات اور عمدہ ترین صفات کا پیکر و مجسمہ دیکھتے ہیں۔

اسلام نے والدین کے ساتھ نیکی کرنے کی ترغیب و تحریص دلائی ہے' خواہ وہ دونوں مشرک ہی ہوں اور جی ہاں بالکل وہی دین قرابت داروں سے نیکی کرنے کی ترغیب دے رہا ہے خواہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہوں' کرم گستری' انسانی ہمدردی اور رحمت داری کے جذبات کو سموئے ہوئے یہ دین تمام لوگوں کے لیے ہے:

---

1. الاستيعاب ٤/١٨٧٢ الاصابة: ٨/١٢٧۔
2. صحيح بخاري كتاب الادب: باب صلة الاخ المشرك ، حديث: ٥٩٨١۔ صحيح مسلم۔ كتاب اللباس۔ باب تحريم لبس الحرير...... حديث: ٢٠٦٨۔

﴿ وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ﴾ (الأنبياء : ٢١/١٠٧)

''اور ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر ہی بھیجا ہے۔''

وہ صلہ رحمی کو اس کے وسیع تر مفہوم میں لیتی ہے:

مسلمان خاتون کے ہاں صلہ رحمی کی متعدد شکلیں ہیں' اس کے وسیع تر میدان میں' اس کی متنوع صورتیں اور اس کی تکمیل کے بہت سے اسلوب ہیں' کبھی تو یہ مال کے ذریعہ سے ہوتی ہے' جو وہ فاقہ دور کرنے' تنگ دستی کو ختم کرنے اور پریشانی کو رفع کرنے کے لیے دیتی ہے' اور کبھی وہ صلہ رحمی محبت بھری زیارت و ملاقات کے ذریعے کرتی ہے جو قرابت کے رشتوں کو مضبوط تر بناتی اور محبت و مودت کے سرچشمے جاری کرتی ہے' اور کبھی میٹھے بول' دلگداز مسکراہٹ اور اچھی ملاقات کے ذریعے صلہ رحمی کو اجاگر کرتی ہے' اور کبھی خیر خواہی' نرمی اور ایثار کے ذریعے کرتی ہے اور کبھی ان کے علاوہ دیگر نیکی' بھلائی اور دردمندی کے اعمال سے بجا لاتی ہے جو انسانی جذباتِ محبت کو جلا بخشتے ہیں اور الفت و رحم دلی' قرضے کی ادائیگی' پیار اور رشتہ داروں کے مابین محبت کے احساسات کو نمو دیتے ہیں۔

اسی لیے بلند ترین نبوی ہدایت و رہنمائی اس صلہ رحمی کو جاری و ساری رکھنے پر ابھارنے کے لیے آئی ہے اگرچہ وہ معمولی شکل اور کم تر تکلیف اور مشقت کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو:

((بُلُّوْا اَرْحَامَكُمْ وَلَوْ بِالسَّلَامِ))

''اپنے رشتوں' ناتوں کو تر رکھا کرو خواہ علیک سلیک کے ذریعے ہی ہو۔''[1]

وہ صلہ رحمی جاری رکھتی ہے خواہ وہ نہ بھی کریں:

وہ مسلمان خاتون جس کی روح اپنے دین حق کی ہدایت سے سیراب ہو چکی ہے وہ اپنے رشتہ داروں سے صلہ رحمی جاری رکھتی ہے خواہ وہ اس سے قطع تعلق ہی رکھیں' یہ ان سے برابری کی بنیاد پر سلوک نہیں کرتی' کہ اگر وہ ملتے رہیں گے تو یہ بھی ملنا جاری رکھے گی اور اگر وہ اس سے ترک تعلق کر لیں گے تو یہ بھی ان سے قطع تعلق ہو جائے گی' کیونکہ مسلمان خاتون تو صلہ رحمی

---

[1] اسے بزار نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے' کشف الاستار للھیثمی ٢/٣٧٣ اس کے بعض طرق بعض کو تقویت دے رہے ہیں القاصد الحسنۃ للسخاوی (١٤٦)۔

کرنے والی ہی ہوتی ہے' وہ تو اپنی برادری سے صلہ رحمی رکھنے سے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور ثواب کی متلاشی رہتی ہے' اور وہ اپنے تعلقات کو برابری کی بنیاد پر استوار نہیں رکھتی اور نہ ہی وہ صلہ رحمی کا تبادلہ کرتی ہے' اسی لیے تو یہ اپنے افعال وکردار میں بلندترین انسانی اخلاق میں ضرب المثل کے طور پر بیان کی جاتی ہے جسے اسلام نے ازل ہی سے مسلمان مردوں اور عورتوں کے دلوں میں جاگزیں کرنے کی کوشش کی ہے۔ بلاشبہ یہ ایک بلندتر مگر مشکل گھاٹی ہے بجز ان لوگوں کے جنھیں اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرما دے اور جن کے دل اللہ عزوجل کی رضا مندی کے حصول کے لیے مطیع ومنقاد ہو جائیں' ان کے لیے چنداں مشکل نہیں ہے۔ مسلمان خاتون جو اپنے دین کی ہدایت سے اس انداز اور فکر سے فیض یاب ہونے والی ہے وہ بھی انہی ترقی یافتہ' بلند اخلاق اور اپنے عزیز واقارب کے ساتھ حسن معاملہ کرنے والی مستورات میں سے ہے' اور وہ بھی مندرجہ ذیل فرمان رسول پر عمل پیرا رہتی ہے:

«لَیْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُکَافِیُٔ وَلٰکِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِیْ إِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهُ وَصَلَهَا» ①

''برابر برابر بدلہ دینے والا صلہ رحمی کرنے والا نہیں ہے لیکن صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب اس سے رشتہ داری توڑی جائے تو وہ اسے جوڑتا ہے۔''

یہ ہے وہ بلندترین انسانی اخلاق جس کے متعلق اسلام چاہتا ہے کہ سب مسلمان مرد اور عورتیں اپنے اقارب وارحام کے ساتھ معاملات کرنے میں اس درجہ تک بلند مقام حاصل کرلیں۔ اسی لیے تو نبوی ہدایت میں یہ بات آتی ہے جو ان میں حلم' صبر' درگزر اور عفو کے اخلاق کو مضبوط ومستحکم بناتی ہے اور بالخصوص صلہ رحمی کرنے والے کے دل میں جو اپنے قرابت داروں سے میل جول رکھتا ہے اور خود ان کی طرف سے قطع تعلقی' دوری' اعراض' سختی اور برائی ہی کو پاتا ہے۔ وہ دل میں یہ بات بٹھا لیتا ہے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ اسی آدمی کے ساتھ ہوتا ہے جو صلہ رحمی کرتا ہے خواہ اسے صلہ رحمی کرنے پر برابر کا بدلہ نہ بھی ملے' اور اس خوفناک انجام اور سزا کو ذہن میں رکھتا ہے جو دور ہونے والوں' سخت دل والوں' بدکلامی کرنے والوں' قریبی تعلقات کو توڑنے

---

① صحیح بخاری۔ کتاب الادب: باب لیس الواصل بالمکافی۔ حدیث ۵۹۹۱۔

والوں اور رشتوں ناتوں کو قطع کرنے والوں کو مل سکتی ہے' نبی مکرم ﷺ کی خدمت عالیہ میں ایک شخص حاضر ہو کر یہ عرض کرتا ہے: یا رسول اللہ! میرے چند رشتہ دار ہیں' میں ان سے ملتا ہوں لیکن وہ مجھ سے ترک تعلق رکھتے ہیں' میں ان سے نیک رویہ رکھتا ہوں جبکہ وہ میرے ساتھ برائی کا رویہ رکھتے ہیں' میں ان کے متعلق نیک جذبات رکھتا ہوں جبکہ وہ میرے ساتھ جہالت والا معاملہ روا رکھتے ہیں، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا:

''اگر تو تو ایسا ہی ہے جیسا تو نے کہا ہے تو گویا تو انہیں گرم راکھ (بھوبھل) کھلاتا ہے جب تک تو اسی طرح رہے گا تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے تیرے ساتھ ان کے خلاف ایک مددگار رہے گا۔''[1]

اری رشتہ داری تیرے مقام پر قربان! مومن بندے کے ترازو میں اس صلہ رحمی کا وزن کس قدر بھاری ہے! اس سے نامانوس رہنے والے اور رہنے والیاں کس قدر بدنصیب لوگ ہیں! اس کی محبت کی رسی کو کاٹنے والے اور کاٹنے والیاں کس قدر شقی القلب لوگ ہیں! اپنے رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرنے والے کا اجر و ثواب کس درجہ عظیم ہے! اپنے اقارب و ارحام کی قطع تعلقی اور سختی و دوری پر صبر کرنے والوں کا کتنا اونچا مقام ہے! حتیٰ کہ بذات خود اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے ایک مددگار کو تعینات فرما کر ان کے خلاف اس کی مدد کرتا ہے! ان کی اذیتوں پر اس کے دل کو صبر سے شادکام کر دیتا ہے' اور اسے اس عمدہ ترین انسانی کردار پر جاری و ساری رہنے کے لیے استقامت نصیب فرما دیتا ہے! قطع رحمی کرنے والوں اور والیوں کو کس قدر عظیم گناہ کا سامنا کرنا پڑتا ہے جسے رسول اکرم ﷺ نے اس طرح مثال دے کر سمجھایا ہے جیسے کوئی گرم راکھ (بھوبھل) کھانے والا ہو' یہ سزا ہے اس شخص کی جو صلہ رحمی کرنے والے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں سے قطع تعلق اختیار کرتا ہے۔

مذکورہ صورت حال سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ راست باز مسلمان خاتون ہر حال میں صلہ رحمی کرتی ہے' وہ ان سے قطع تعلق نہیں ہوتی اگرچہ وہ اس سے ترک تعلق بھی کر لیں' اس سے اس کا مقصد اپنے پروردگار کی رضا مندی ہوتی ہے' وہ ان تمام جہالتوں' حماقتوں اور بری کار

[1] صحیح مسلم، کتاب البر والصلة باب صلة الرحم، حدیث: ٢٥٥٨۔

گزاریوں سے بلندتر رہتی ہے' جو وقتاً فوقتاً اس کے بعض عزیز واقارب سے سرزد ہوتی رہتی ہیں' ایسے چھوٹے چھوٹے امور سے اعراض ودرگزر کرتی رہتی ہے جو حقیر وگھٹیا لوگوں کو مصروف کیے رکھتے ہیں' اور جن سے ان کے سینے بھرے رہتے ہیں' وہ اس حقیقت پر ایمان ویقین رکھتی ہے کہ یہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے کہ وہ ایسی چھوٹی چھوٹی حرکتوں' جہالتوں' حماقتوں اور فضولیات کی سطح تک اتر آئے جو اعمال کو اکارت کر دیتے ہیں اور قرابت داروں کے مابین تعلقات کی صفائی کو مکدر کر ڈالتے ہیں اور وہ اس گڑھے میں گرنے سے دور ہی رہتی ہے بلکہ وہ تو اس فرمان رسول ﷺ پر کان لگائے رکھتی ہے:

((اَلرَّحِمُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ، تَقُوْلُ: مَنْ وَصَلَنِیْ وَصَلَهُ اللّٰهُ، وَمَنْ قَطَعَنِیْ قَطَعَهُ اللّٰهُ)) [1]

''رشتہ داری عرش سے لٹک رہی ہے اور یہ کہتی جا رہی ہے: جو مجھ سے تعلق جوڑے گا اللہ اس سے تعلق جوڑے گا اور جو مجھ سے تعلق توڑے گا اللہ تعالیٰ اس سے تعلق توڑے گا۔''

[1] صحیح بخاری، کتاب الادب، باب من وصل و صله الله، حدیث: ۵۹۸۹۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب صلة الرحم، حدیث: ۲۵۵۵۔

مثالی مسلمان عورت کا تعلق اپنی پڑوسنوں کے ساتھ

اپنے دین کی ہدایت کو یاد رکھنے والی اور اس کے مضبوط کڑے کو تھام کر رکھنے والی مسلمان خاتون اپنے ہمسایوں سے احسان اور نیکی کرنے والی ہوتی ہے اور ان کے امور ومعاملات کا خیال رکھنے والی ہوتی ہے۔

ہمسایوں کے متعلق اسلامی ہدایات پر کار بند:

وہ اس طرح کہ سمجھدار مسلمان خاتون ہمسائے کی بابت اپنے دین اسلام کی بلند ترین ہدایت کو یاد رکھتی ہے جیسے اس انسان دوست، سخی، عطا کنندہ دین نے ایسے بلند ترین مقام پر رکھا ہے جس سے انسانیت تمام بشری تعلقات کی زنجیر میں ناواقف و ناآشنا چلی آ رہی تھی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب محکم میں ہمسایوں کے ساتھ گرمجوشی سے احسان کرنے کا واضح حکم ارشاد فرمایا ہے:
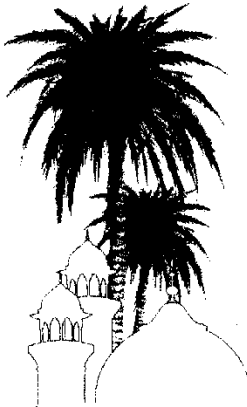
''اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ سلوک و احسان کرو اور رشتہ داروں سے اور یتیموں سے اور مسکینوں سے اور قرابت دار ہمسایہ سے اور اجنبی ہمسایہ سے اور پہلو کے ساتھی سے اور راہ کے مسافر سے اور ان سے جن کے مالک تمہارے ہاتھ ہیں (غلام' کنیز)۔'' (النساء: ٣٦)

قرابت دار ہمسایہ وہ ہے جسے ہمسائیگی کے ساتھ ساتھ نسب یا دین کا رشتہ بھی تجھے اکٹھا رکھتا ہو اور اجنبی ہمسایہ وہ ہے جس کے ساتھ تیرا نسب یا دین کا تعلق نہ ہو اور پہلو کے ساتھی سے مراد اچھے کام کا ساتھی ہے۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ مسلمان انسان کا جو بھی ہمسایہ ہو اس کا اس پر ہمسائیگی کا حق بنتا ہے خواہ ان دونوں کے درمیان نسب کا یا دین کا کوئی بھی رشتہ اور رابطہ نہ ہو' اس میں ہمسائے کی کتنی عزت و تکریم موجود ہے اور وسیع الظرف روشن دین اسلام میں ہمسائے کے تعلق کی کتنی عظیم شان موجود ہے۔

احادیث رسول ﷺ متواتر ہمسائیگی کے اس تعلق کے بارے میں ان بلند ترین انسانی اقدار کو تاکید سے بیان کر رہی ہیں جو قرابت داری یا دین داری کے تعلق پر نگاہ رکھے بغیر ہمسائے کے متعلق یہ وصیت کر رہی ہیں:

''جبریل مجھے مسلسل ہمسائے کے متعلق وصیت کرتے رہے حتیٰ کہ مجھے یہ خیال لاحق ہونے لگا کہ اسے وارث ہی بنا دے گا۔''[1]

یہ وہ بلند تر منفرد مقام ہے جسے ہمسایہ شریعت اسلام میں جانتا ہے جسے روح الامین سیدنا جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے لیے مضبوط و مستحکم فرما رہے ہیں اور جسے متعدد مرتبہ تاکیداً بیان فرماتے ہیں حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ یہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ ہمسائے کے بارے میں جبریل امین کی اتنی وصیتیں اسے قرابت داری کے رتبے تک ہی بلند کر دیں گی اور اسے ان کی طرح وارث ہی قرار دے دیں گی۔

ہمسائے کے متعلق جبریل علیہ السلام کی بار بار وصیت کے سامنے رسول اللہ ﷺ ہمسائے کے بارے میں احسان کرنے کی ترغیب دینے کے دلدادہ نظر آتے ہیں' آپ ہر مناسب موقع پر اس

[1] صحیح بخاری، کتاب الأدب، باب الوصاءة بالجار، حدیث: ٦٠١٤۔ صحیح مسلم۔ کتاب البر والصلة۔ باب الوصیة بالجار والاحسان الیه، حدیث: ٢٦٢٥۔

کا حکم دیا کرتے تھے اور جب آپ حجۃ الوداع میں اپنا جامع ترین تاریخی خطبہ ارشاد فرماتے ہیں تو اس میں بھی ہمسائے کے لیے حصہ موجود تھا اور جب ہم اس امر کو جان لیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس عظیم ترین خطبے میں ہر اس بات کا خیال رکھا ہے جسے آپ مسلمانوں کے لیے فرمانا چاہتے تھے' کیونکہ اس وقت آپ نے اس عظیم مقام میں اس حقیقت کا احساس کر لیا تھا کہ اس مقام میں آپ کا یہ آخری خطبہ ہے' تو ہم یہ بات اچھی طرح جان لیتے ہیں کہ ہمسائے کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی کتنی بڑی اہمیت ہے۔ یقیناً ابوامامہ صحابی جلیل رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے خطبہ حجۃ الوداع میں ہمسائے کا مرتبہ سمجھانے کو اس طرح سمجھا تھا کہ گویا کہ آپ اسے وارث ہی بنا دیں گے اور یہ بات ان کے اس فرمان میں موجود ہے:

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو حجۃ الوداع میں اپنی جدعاء اونٹنی پر یہ فرماتے ہوئے سنا تھا: میں تمھیں ہمسائے کے متعلق وصیت کرتا ہوں حتیٰ کہ آپ نے یہ بات کئی مرتبہ ارشاد فرمائی' مجھے یہ گمان ہوا: آپ اسے وارث ہی قرار دے دیں گے۔''[1]

رسول اللہ ﷺ بعض اوقات عمل صالح پر ابھارنے کے لیے اپنے صحابہ کے جذبات کو انگیخت کرتے تھے تو آپ ایسے موقع پر اپنی نصیحت و موعظت کو بایں الفاظ شروع فرمایا کرتے تھے:

''جو کوئی اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے ایسا اور ایسا کرنا چاہیے۔''

آپ اس انگیخت کرنے والی عبارت کو بار بار دہراتے' نیکی کا حکم کرنے کے لیے یا عمدہ اخلاق میں سے کسی خلق پر رغبت دلانے کے لیے اور ان احادیث مبارکہ میں سے جن میں آپ نے اس موثر ترین اسلوب کو اختیار فرمایا آپ کا یہ فرمان بھی ہے:

« مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُحْسِنْ إِلٰى جَارِهٖ' وَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا اَوْ لِيَسْكُتْ »[2]

''جو کوئی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اپنے ہمسائے کے

---

1. رواہ البطرانی: باسناد جید۔ مجمع الزوائد ۸/۱٦۵۔
2. صحیح بخاری، کتاب الأدب، باب من کان یؤمن باللّٰہ والیوم الآخر فلا یؤذ جارہٗ حدیث: ٦٠١٩۔ صحیح مسلم، کتاب الإیمان۔ باب الحث علی اکرام الجار والضیف، حدیث: ٤٨۔

ساتھ نیکی کرے' اور جو کوئی اللہ تعالیٰ اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اپنے مہمان کی تکریم کرے' اور جو کوئی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ نیکی کی بات کہے یا پھر خاموش ہی رہے۔''

اور صحیح بخاری کی روایت میں یہ بھی ہے:

((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهٗ.....)) [1]

''جو کوئی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے ہمسائے کو اذیت نہ پہنچائے۔''

آپ ﷺ نے حدیث مبارکہ کی ابتدا ہی میں پڑوسی کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی بات ارشاد فرمائی ہے اور آپ نے اس نیک سلوک کو ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کی علامات میں سے ایک علامت قرار دیا ہے اور ان کے بہترین ثمرات میں سے اسے ایک پکا ہوا پھل قرار دیا ہے۔

اپنے پڑوسیوں کے لیے وہی چیز پسند کرتی ہے جو اپنے لیے کرتی ہے:

وہ مسلمان خاتون جس نے ربانی ہدایت کے سامنے اپنے نفس کو بالکل بچھا لیا ہے انتہائی رقیق القلب' عالی ظرف' نرم مزاج اور اپنے پڑوسیوں سے محبت کرنے والی ہوتی ہے مزید ان کو اذیت دینے والی ہر چیز یا ان کے وقار و مرتبے کو مجروح و مخدوش کرنے والی بات یا کسی برائی اور تکلیف دہ بات کو نہایت تیزی سے محسوس کرنے والی ہوتی ہے۔ ان کے لیے خیر و بھلائی بالکل اسی انداز سے پسند کرتی ہے جس طرح اپنی ذات کے لیے کرتی ہے ان کی خوشی سے خوش ہوتی اور ان کے دکھ سے خود بھی دکھ پاتی ہے اور اپنے فہم کو مندرجہ ذیل فرمان رسول ﷺ کے ماتحت چلاتی ہے:

((لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ)) [2]

''تم میں سے کوئی اس وقت تک ایماندار نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنی ذات کے لیے پسند کرتا ہے۔''

---

1. صحیح بخاری، حوالہ سابق، حدیث: ٦٠١٨۔ صحیح مسلم۔ حوالہ سابق، حدیث: ٤٧۔
2. صحیح بخاری، کتاب الإیمان، باب من الإیمان ان یحب لاخیه...... حدیث: ١٣۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی ان من خصال الایمان ...... حدیث: ٤٥۔

اور صحیح مسلم کی روایت میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی حدیث میں یہ فرمان اقدس بھی ہے:

« وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَا یُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰی یُحِبَّ لِجَارِهٖ اَوْ قَالَ لِأَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ » ①

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کوئی بندہ اس وقت تک ایماندار نہیں ہوسکتا حتیٰ کہ اپنے پڑوسی کے لیے...... یا فرمایا اپنے بھائی کے لیے...... وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنی ذات کے لیے پسند کرتا ہے۔''

سمجھدار مسلمان خاتون کی سمجھداری اور ہوشیاری سے یہ امر پوشیدہ نہیں رہتا کہ وہ گاہے گاہے اپنے تنگ دست ہمسایوں کی دیکھ بھال کرتی رہتی ہے' ہدیہ دینے اور ہبہ کرنے کے ساتھ' یا جب کبھی پکانے اور بھوننے کی اس کے گھر سے خوشبو اٹھے' تو وہ اس مزیدار اور لذیذ کھانے کے لیے ان کی خواہش کا احترام کرتی ہے' جبکہ وہ مفلس و تنگدست ہوں اور اس جیسا کھانا تیار کرنے کی استطاعت بھی نہ رکھتے ہوں' تو وہ اس میں سے کچھ انہیں بھی بھیج دیتی ہے' اس معاشرتی ذمہ داری کو نبھاتے ہوئے جس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھارا ہے اور جو ابوذر رضی اللہ عنہ سے اس طرح مروی ہے:

« یَا اَبَا ذَرٍّ! اِذَا طَبَخْتَ مَرَقَةً فَاَكْثِرْ مَآءَ هَا وَتَعَاهَدْ جِيْرَانَكَ » ②

''اے ابوذر! جب تو یخنی پکائے تو اس کا شوربا زیادہ کرلو اور اپنے ہمسایوں کا بھی خیال رکھو۔''

ایک روایت میں اس طرح ہے:

''جب تو شوربا پکائے تو اس میں پانی زیادہ ڈال لو' پھر اپنے پڑوسیوں میں سے کسی اہل خانہ پر نگاہ ڈالو' تو اس میں سے انہیں بھی کچھ بھیجو۔'' ③

بلاشبہ ایسی مسلم خاتون جس کے وجدان کو اسلام نے تیز اور باکمال بنا دیا ہے وہ اپنے ہمسایوں کو فاقہ کشی' تنگی اور حرمان میں نہیں دیکھ سکتی اور وہ ایسی صورت حال میں اس کی طرف اپنے

---

① صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب من خصال الایمان ان یحب لاخیه، ح: ۷۲/۴۵۔

② صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب الوصیة بالجار والاحسان الیه، ح ۱۴۲/۲۶۲۵۔

③ صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب الوصیة بالجار والاحسان الیه، ح ۱۴۲/۲۶۲۵۔

احسان و معروف کے ہاتھوں کو دراز نہ کرے یا ان کے لیے عطیہ' بخشش اور اکرام و طعام کی کوئی خدمت پیش نہ کر پائے، بالخصوص جب اس کی گھریلو حالت وسعت' فراخی اور غنا والی بھی ہو اور وہ زندگی کی آسودہ حالی اور خوشحالی سے جو اللہ تعالیٰ نے اسے عنایت فرمائی ہوئی ہے متمتع بھی ہو رہی ہو اور وہ اس کے ساتھ ساتھ اس فرمان رسول کریم ﷺ کو بھی سن رہی ہو:

«مَآ اٰمَنَ بِیْ مَنْ بَاتَ شَبْعَانَ وَجَارُہٗ جَائِعٌ اِلٰی جَنْبِہٖ وَھُوَ یَعْلَمُ» ①

''وہ شخص مجھ پر ایمان نہیں لایا جو خود تو شکم سیر ہو کر رات بسر کرے جبکہ اس کا ہمسایہ اس کے پہلو میں بھوکا رہا ہو اور اسے علم بھی ہو۔''

اور آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی بھی سنتی ہو:

«لَیْسَ الْمُؤْمِنُ الَّذِیْ یَشْبَعُ وَجَارُہٗ جَائِعٌ» ②

''ایسا شخص مومن نہیں ہے جو خود شکم سیر ہوتا ہے اور اس کا پڑوسی بھوکا رہتا ہے۔''

بقدر ہمت اپنے ہمسایوں سے حسن سلوک کرتی ہے:

اپنے دین کی ہدایت کو یاد رکھنے والی مسلمان خاتون کسی ا.ی نیکی سے بالاتر نہیں رہتی جسے وہ اپنی ہمسائی کے ساتھ کر سکتی ہے بلکہ اپنی ہمت کے مطابق اس کے ساتھ نیکی کرتی ہے خواہ وہ بالکل معمولی اور قلیل مقدار ہی میں کیوں نہ ہو' اس سلسلے میں کوئی شرمندگی یا بہتات اور تفاخر کی چاہت آڑے نہیں آتی بلکہ اپنے پاس موجود تھوڑی چیز بھی پیش کرتی رہتی ہے' وہ یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ چیز اس کے لائق نہیں ہے اسے روکے نہیں رکھتی اتنی دیر کے لیے کہ جب اس کے لائق اور کثیر مقدار میں ہو تب بھیجوں گی' اس طرح وہ اپنے آپ کو اور اپنی ہمسائی کو بہت بڑی بھلائی سے محروم کرے گی اور ایک منتظر آس شدہ چیز کے انتظار میں بیٹھی رہے گی' اور بسا اوقات وہ کثیر مقدار اسے میسر نہیں آتی تو اس طرح وہ عمل صالح اور فعل خیر کے موقع کو ہاتھ سے گنوا لے گی' اور یہی وہ بات ہے جس کی رسول اکرم ﷺ نے خواتین کو آگاہی دی ہے:

''اری مسلمان عورتو! کوئی ہمسائی اپنی ہمسائی کے لیے کوئی چیز حقیر نہ سمجھے خواہ وہ بکری

---

❶ الطبرانی والبزار باسناد حسن۔ مجمع الزوائد ۸/۱۶۷۔

❷ البطرانی وابویعلی اور اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ مجمع الزوائد ۸/۱۶۷۔

کا پایہ ہی کیوں نہ ہو۔“[1]

”بکری کا پایہ“ یہ قلیل مقدار سے کنایہ ہے یعنی کوئی ہمسائی اس نیکی کو حقیر نہ جانے جو وہ اپنی ہمسائی سے کر سکتی ہے خواہ وہ مقدار میں قلیل ہی ہو مثلاً بکری کا پایہ اور فرمان باری تعالیٰ بھی اس طرح ہے:

﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ﴾ (الزلزال: ۹۹/۷)

”پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔“

اور رسول اللہ ﷺ نے بھی یوں ارشاد فرمایا ہے:

«اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ، فَإِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ»

”آگ سے بچ جاؤ، خواہ کھجور کے کچھ حصے سے ہی سہی، اگر تم یہ بھی نہ پاؤ تو پاکیزہ بول کے ذریعے ہی بچ جاؤ۔“[2]

”بکری کا پایہ“ میں اس معنی کا بھی احتمال ہے کہ یہ نہی اس ہمسائی کے لیے بھی ہو جسے کوئی چیز بھیجی گئی ہے کہ وہ اسے حقیر نہ جانے، تو اس احتمال کے پیش نظر معنی یوں ہوں گے: کوئی ہمسائی اس نیکی کو حقیر نہ جانے جو اس کی ہمسائی نے اس کے ساتھ کی ہے، اگرچہ یہ نیکی بالکل ہی قلیل مقدار ہو جیسے کہ بکری کا پایہ ہے، بلکہ اسے چاہیے کہ اس پر اس کا شکریہ ادا کرے، نیکی پر شکریہ ادا کرنے میں ہمسایوں کے مابین الفت بڑھے گی، اور مودت نمو پائے گی، باہمی ہمدردی اور رحمدلی کے جذبات فروغ پائیں گے۔ اس کے ساتھ یہ حقیقت تو تسلیم شدہ ہے کہ انسان میں نیکی پر شکریہ ادا کرنا ایک اعلیٰ اسلامی اخلاق ہے جسے رسول اکرم ﷺ نے تاکیداً بیان فرمایا ہے اور یوں اس کی ترغیب بھی دی ہے:

«لَا يَشْكُرُ اللّٰهَ مَنْ لَّا يَشْكُرُ النَّاسَ»

---

1. صحیح بخاری، کتاب الادب۔ باب لاتحقرن جارة لجارتها، حدیث: ٦٠١٧۔ صحیح مسلم۔ کتاب الزکاة۔ باب الحث علی الصدقة ولو بالقلیل، حدیث: ١٠٣٠۔
2. صحیح بخاری۔ کتاب الادب۔ باب طیب الکلام، حدیث: ٦٠٢٣۔ صحیح مسلم۔ کتاب الزکاة۔ باب الحث علی الصدقة و لو بشق تمرة، حدیث: ١٠١٧۔

''جو شخص لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکریہ بھی ادا نہیں کرتا۔''[1]

اسلام کا ارادہ ہے کہ ہمسایوں کے درمیان مودت' باہمی محبت اور خیر سگالی کے جذبات فروغ پائیں اور اس مودت' باہمی محبت اور یگانگت کے لیے بے شمار راستے ہیں' ان میں سے ایک تحائف و ہدایا کا تبادلہ بھی ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے عورت کو منع فرمایا ہے خاص طور پر ہمسائی کے لیے ہدیہ کو حقیر سمجھنے سے یا ہمسائی کی جانب سے آنے والے ہدیہ کو حقیر جاننے سے خواہ وہ معمولی سا ہی ہو' کیونکہ ایسے مواقع اور مقامات میں عورت کی نزاکت ہوتی ہے' جو ہمسائی کے حوالے سے اس کی نفسیات اور جذبات میں اثر پذیر ہوتی ہے۔ مسلمان خاتون کی نگاہ کو اس جانب مبذول کرتے ہوئے کہ اس ہدیے میں اہم ترین چیز مقدس اور قابل قدر جذبہ ہے جو اس ہدیے کے پیچھے چھپا ہوتا ہے اور وہ اس مادی ہدیے کی قیمت پر نگاہ نہ رکھے' لہٰذا ایک مسلمان خاتون کو جو سمجھداری سے زندگی گزار رہی ہے اس عظیم جذبے سے غافل نہ ہونا چاہیے کہ وہ اپنی ہمسائی کو روانہ کرنے والے ہدیہ کو یا ہمسائی کی طرف سے آنے والے ہدیہ کو بنظر حقارت دیکھے' کیونکہ اسلام کی نظر میں قدر و قیمت اور جذبے کا خلوص، مادی اشیاء پر مقدم ہے۔

وہ اپنے غیر مسلم ہمسایوں سے بھی حسن سلوک کرتی رہتی ہے:

مسلمان خاتون کے پاس ہمسایوں کے ساتھ احسان کرنے کا دائرہ بہت وسیع ہے' وہ صرف قرابت دار ہمسایوں یا مسلمانوں کے ساتھ احسان کرنے پر اکتفا نہیں کرتی بلکہ اپنے غیر مسلم ہمسایوں کے ساتھ بھی اس احسان کو پھیلاتی اور بڑھاتی ہے، اسلام کی اس عظیم ہدایت' کے ہم قدم رہتے ہوئے اور تمام لوگوں کے لیے اس کی نیکی کی تعلیم اور نصیحت کو جاری رکھتے ہوئے، باوصف ان کے مختلف ادیان اور مختلف مذاہب کے' جب تک ان کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف کوئی اذیت یا زیادتی سامنے نہ آئے:

﴿ لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ

[1] اخرجه البخاري في الادب المفرد ١/٣١٠ باب من لم يشكر الناس ـ سنن ابي داؤد كتا الادب ـ باب في شكر المعروف، حديث: ٤٨١١ ـ

دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴾

(الممتحنہ: ۸/)

''جن لوگوں نے تم سے مذہبی لڑائی نہیں لڑی اور تمہیں جلا وطن نہیں کیا ان کے ساتھ احسان کرنے اور منصفانہ بھلے برتاؤ کرنے سے، اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا بلکہ اللہ تعالیٰ تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''

اس کشادہ انسانی بنیاد کی وجہ سے صحابی جلیل سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے ہاں جب کبھی بکری ذبح کی جاتی تو اپنے غلام سے دریافت فرماتے: کیا تو نے ہمارے یہودی ہمسائے کو ہدیہ بھیجا ہے؟ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

((مَا زَالَ جِبْرِيْلُ يُوْصِيْنِيْ بِالْجَارِ حَتّٰى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ))

''جبریل مجھے پیہم ہمسائے کے متعلق وصیت کرتا رہا۔ حتیٰ کہ مجھے یہ گمان ہونے لگا کہ عنقریب اسے وارث ہی بنا دے گا۔''[1]

ملاحظہ فرمائیں اسلام کی لوگوں پر کس درجہ وسیع رحمت ہے! اور یہ اپنی اس رعایا کے ساتھ کس درجہ مہربان ہے جو اس کی گود میں زندگی گزارتے ہیں اور اس کے تروتازہ اور پُر امن سایوں میں زیست بسر کرتے ہیں! بلاشبہ تاریخ اس امر کی شہادت پیش کر رہی ہے کہ اہل کتاب نے اسلام کے بے شمار علاقوں میں بڑے امن و اطمینان کے ساتھ مسلمانوں کی ہمسائیگی میں زندگی گزاری ہے' اپنی جانوں' اپنی عزتوں' اپنے اموال اور اپنے اعتقادات کے حوالے سے بالکل مطمئن رہے ہیں' بہترین ہمسائیگی' معاملات میں سخاوت اور حریت عقائد کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے رہے ہیں' ان کے گرجے مسلمان بستیوں میں مدت مدید سے قائم ودائم چلے آ رہے ہیں جو پہاڑوں کی چوٹیوں پر معلق نظر آتے ہیں' جن کے گرد ہزاروں مسلمان اپنے اہل کتاب ہمسایوں کی نگہداشت' حفاظت کرتے ہوئے اور ان سے نیکی' عدل اور حسن ہمسائیگی کو نبھاتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔

---

[1] سنن ترمذی، کتاب البر والصلة، باب ماجاء فی حق الجوار، حدیث: ۱۹۴۳

ہمسایوں کے ساتھ نیکی کرنے میں قریبی زیادہ قریبی کا خیال رکھتی ہے:

اپنی دینی ہدایت کو سمجھنے والی مسلمان خاتون کی ذہانت و فطانت سے وہ اصول اوجھل نہیں رہتے جو اسلام نے ہمسایوں کے ساتھ نیکی کرنے کے سلسلے میں مقرر فرمائے ہیں، کیونکہ اس نے قریبی زیادہ قریبی کے اعتبار سے نیکی کرنے کا حکم صادر کیا ہے' اور ہمسایوں کے درمیان قریبی گھر والے کو زیادہ مرتبہ دیا ہے کیونکہ ان کی باہمی الفت' مودت اور اتفاق کو باقی رکھنا زیادہ آسان اور ممکن ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے' کہتی ہیں: میں نے عرض کی: یارسول اللہ! میری دو ہمسائی ہیں تو میں کس کی طرف ہدیہ روانہ کروں؟ فرمایا:

''دونوں میں سے قریب تر دروازے والی کی طرف۔''[1]

ہمسایوں کے ساتھ نیکی کرنے میں ترجیحات کا اصول یہ مفہوم قطعاً نہیں رکھتا کہ مسلمان خاتون اپنے بعیدی ہمسایوں کے ساتھ نیکی کرنے یا ان کا خیال کرنے میں صرف نظر کرے بلکہ اس کے گھر کے گرد و نواح میں موجود تمام صالح مستورات اس کی ہمسائیگی میں داخل ہیں' ان تمام کا اس پر ہمسائیگی کا حق ہے' یہ مذکورہ بالا قریبی ہمسائے کو مقدم رکھنے کا بیان صرف تنظیمی نوعیت کا ہے' اس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریبی ہمسایوں کی نفسیات کا خیال رکھا ہے' کیونکہ باہم قریبی ہمسایوں کے درمیان ہی رابطے' جھگڑے' باہمی معاملات الفت اور مودت کے رشتے قائم رہتے ہیں۔

سچی مسلمان خاتون بہترین ہمسائی ہوتی ہے:

یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے کہ اپنے دین کی ہدایت سے فیض یاب ہونے والی مسلمان خاتون معاشرے میں بہترین ہمسائی ہوتی ہے وہ اس لیے کہ ہمسائے کے ساتھ احسان کرنا، اس مسلمان خاتون کے وجدان میں ایک عمدہ اسلامی اخلاق کی حیثیت میں موجود ہوتا ہے جس نے اسلام کے منور اخلاق اور اس کے خوبصورت شمائل میں تربیت پائی ہے جو ایک ہمسائی کو اپنی دوسری ہمسائی کے لیے بکثرت احسان کرنے والی بنا دیتے ہیں اور ہمسایوں کے لیے بہترین شخص

[1] صحیح بخاری، کتاب الادب، باب حق الجوار فی قرب الابواب، حدیث: ٦٠٢٠۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی بہترین ہوتا ہے۔

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک ساتھیوں میں سے بہترین وہ شخص ہے جو اپنے ساتھی کے لیے بہترین ہے اور ہمسایوں میں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں بہترین وہ ہے جو اپنے ہمسائے کے لیے بہترین ہے۔''[1]

نبوی سیرت نے اس امر کو بڑی تاکید سے بیان کیا ہے کہ نیک ہمسائیگی زندگی میں مسلمان انسان کی سعادت کے ارکان میں سے ایک اہم ترین رکن ہے کیونکہ اس میں آنکھوں کی ٹھنڈک' خوشگواری' راحت قلبی اور اطمینان کی دولتیں پوشیدہ ہوتی ہیں:

((مِنْ سَعَادَةِ الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِي الدُّنْيَا اَلْجَارُ الصَّالِحُ' وَالْمَنْزِلُ الْوَاسِعُ' وَالْمَرْكَبُ الْهَنِيْءُ))[2]

''دنیا میں مسلمان آدمی کی سعادت میں سے یہ چیزیں بھی ہیں کہ نیک ہمسایہ ہو' گھر وسیع ہو اور خوشگوار سواری ہو۔''

سلف صالحین تو نیک ہمسائیگی کی قدر و قیمت کا بھی اندازہ لگایا کرتے تھے اور اسے ایسی نعمتوں میں سے شمار کیا کرتے تھے جن کا مال سے اندازہ نہیں لگایا جا سکتا اور ایسی غنیمتوں میں سے سمجھا کرتے تھے جن کا دنیاوی زندگی کے ساز و سامان میں سے کوئی بھی نعم البدل نہ جانتے تھے' اس کی شہادت اس واقعہ سے ملتی ہے جسے تاریخ نے بیان کیا ہے کہ سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کے ایک ہمسائے نے اپنے گھر کا ایک لاکھ درہم میں سودا کر لیا' پھر خریدار سے کہا: یہ تو گھر کی قیمت ہے' اور تو سعید بن العاص کی ہمسائیگی کی کیا قیمت ادا کرتا ہے؟ تو جس وقت سیدنا سعید رضی اللہ عنہ کو اس بات کا علم ہوا تو اس کی طرف قیمت بھیجی اور اسے اس کے گھر ہی میں باقی رکھا۔

یہ ہے منور اور روشن رخ نیک ہمسائیگی کا تو اس کے بالمقابل بری ہمسائیگی کا کیا رخ ہوگا؟

بری ہمسائی اور اس کا سیاہ ترین رخ:

صحیح نصوص اس حقیقت کو بڑی تاکید سے بیان کرتی ہیں کہ بری ہمسائی کا رخ کالا سیاہ،

---

1. سنن الترمذی ابواب البر والصلة، باب ما جاء فی حق الجوار، حدیث: ١٩٤٤۔
2. رواہ الحاکم باسناد صحیح ٤/١٦٦ فی کتاب البر والصلة۔

راکھ آلودہ' بگڑا ہوا اور نہ دیکھنے کے قابل ہوتا ہے' پرہیزگار نازک مزاج مسلمان خاتون اس بات کی طاقت نہیں رکھتی کہ اس کے ساتھ گزارا کر سکے بغیر اس کے کہ اس کا نفس اس سے ڈرتا رہے اور وہ بری ہمسائیگی کے انجام بد سے مرعوب رہتی ہے وہ اس بات سے ڈرتی رہتی ہے کہ اس کے جذبات واحساسات میں حقارت' ناراضی' کراہت اور نفرت کے مزاج کی آمیزش ہو۔

بری ہمسائی نعمت ایمان سے محروم ہوتی ہے

اس کی بدبختی' ناراضی اور نحوست کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ نعمت ایمان سے محروم ہو جاتی ہے' جو انسان کی زندگی میں سب سے بڑی اور اعلیٰ ترین نعمت ہے' اور رسول اللہ ﷺ نے ہر اس انسان سے جو اپنے ہمسائے کے ساتھ برائی کرنے کا عادی بن جائے حتیٰ کہ اسے برے ہمسایوں میں شمار کیا جانے لگے تو اس سے نعمت ایمان کے الگ ہو جانے کو بڑی تاکید کے ساتھ بیان فرمایا ہے ایسی زبردست تاکید سے بیان فرمایا ہے جس میں کوئی رو رعایت ہے' نہ کوئی نرمی ہے اور نہ ہی کوئی واپسی کا راستہ ہے' کیونکہ آپ ﷺ نے اس آدمی سے ایمان کے ختم ہو جانے پر تین مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم کھائی ہے:

((وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ' وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ' وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ' قِيلَ: مَنْ يَارَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: اَلَّذِي لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ)) [1]

''اللہ کی قسم وہ آدمی ایمان نہیں رکھتا' اللہ کی قسم وہ شخص ایمان نہیں رکھتا' اللہ کی قسم وہ شخص ایمان نہیں رکھتا' عرض کی گئی: کون یا رسول اللہ! فرمایا: جس شخص کا پڑوسی اس کی شرارتوں اور مکاریوں سے محفوظ نہ رہے۔''

اور صحیح مسلم کی روایت میں ہے:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ لَّا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ)) [2]

''وہ آدمی جنت میں داخل نہیں ہو گا جس کا ہمسایہ اس کی شرارتوں اور فتنوں سے مامون نہ ہو۔''

---

1. صحیح بخاری، کتاب الادب، باب اثم من لم یأمن جارہ بوائقه، حدیث: ٦٠١٦۔
2. صحیح مسلم کتاب الایمان: باب بیان تحریم ایذاء الجار، حدیث: ٤٦۔

غور فرمائیں یہ کس درجہ بڑا جرم ہے! اور اس کا گناہ کس قدر عظیم ہے! جس میں انسان الٹا ہی ہو جاتا ہے جب وہ اپنے ہمسائے سے برائی کرنا شروع کر دیے تو اس طرح اس سے ایمان الگ ہو جاتا ہے اور وہ جنت کے داخلے سے محروم ہو جاتا ہے!

بلاشبہ راست باز' پاکیزہ باطن مسلمان خاتون ان نصوص سے لطف اندوز ہوتی ہے اور سیاہ ترین سائے اس کے نفس سے دور رہتے ہیں جو بری ہمسائیگی کو گھیر سکتے ہیں' اپنے ہمسایوں سے برائی کرنے کے سلسلے میں کوئی خیال اس کے دل میں نہیں کھٹکتا' خواہ اس کے احوال وظروف جیسے بھی ہوں' کیونکہ ہمسایوں کے ساتھ برائی کرنا' ان کے ساتھ مکر و فریب' بغض و عداوت اور جھگڑے رکھنا صغیرہ گناہوں اور معمولی لغزشوں میں سے نہیں ہیں بلکہ ان کبیرہ گناہوں میں سے ہیں جو ایمان کو تباہ و برباد کر دیتے اور آخرت میں اس کے انجام کو خطرات سے دو چار کر دیتے ہیں' اور کیا ایمان کے فقدان اور آخرت کے خسارے کے بعد بھی کوئی اور مصیبت و پریشانی باقی رہ جاتی ہے جس پر مسلمان خاتون کا دل دہلنا چاہیے' اور اس کا نفس کانپنا چاہیے اور اس کا دل پارہ پارہ ہونا چاہیے۔

ہمسایوں سے برا سلوک رکھنے والی کے عمل برباد ہو جاتے ہیں:

تو جب بری ہمسائی اپنے ایمان سے ہی محروم ہو جاتی ہے جس طرح کہ مذکورۃ الصدر حدیث مبارکہ میں وارد ہے تو پھر اس کے تمام اعمال صالحہ بھی بے کار اور برباد ہو جاتے ہیں' اس روز کے بعد سے اس کی کوئی اطاعت اسے نفع مند نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کا کوئی عمل صالح ہی اٹھایا جاتا ہے' جب تک وہ اپنے ہمسایوں کی ایذا دہی میں جاری و ساری رہتی ہے کیونکہ تمام اعمال صالحہ کا دارومدار تو ایمان باللہ ہے اور ایمان باللہ صرف ایسا لفظ ہی نہیں ہے جسے زبان ادھر ادھر کرتی رہے بلکہ یہ تو ان اعمال کو کرنے کا ایسا عقیدہ ہے جن کا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ارادہ رکھتے ہیں۔ تو جس وقت وہ اپنے ہمسایوں کو ایذا دینے کے عمل کو جاری و ساری رکھنے سے اپنے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہے تو اس کے بعد اس کی کوئی امید باقی نہیں رہ جاتی کہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں اس کا کوئی عمل قبول ہوتا ہوگا خواہ وہ کس درجہ کا بھی ہو' بلکہ وہ اسے مٹا دیتا ہے' اور اس کا کوئی اثر باقی نہیں چھوڑتا' اگرچہ ایسی خاتون اپنے دن کی سفیدی اور اپنی

شب کی تاریکی اعمال صالحہ میں ہی گزارتی رہے۔

نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا: یارسول اللہ! فلاں خاتون راتوں کو قیام کرتی ہے، دنوں کو روزے رکھتی ہے اور صدقہ خیرات بھی کرتی ہے اور اس کے ساتھ وہ اپنی زبان سے اپنے ہمسایوں کو اذیت بھی پہنچاتی ہے تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اس میں کچھ بھی خیر و بھلائی نہیں ہے وہ تو دوزخ والوں میں سے ہے۔''

صحابہ نے عرض کی: اور فلاں خاتون صرف فرضی نمازیں پڑھتی ہے اور پنیر کے ٹکڑے خیرات کر لیتی ہے لیکن وہ کسی کو اذیت نہیں دیتی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''وہ اہل جنت میں سے ہے۔''[1]

اور ایک دوسری حدیث مبارکہ میں رسول اکرم ﷺ نے برے ہمسائے کو ان بے نفع لوگوں میں بیان کیا ہے جنہیں آپ ﷺ نے مندرجہ ذیل فرمان گرامی میں محدود کیا ہے:

''تین شخص بے فیض لوگوں میں سے ہیں:

- وہ امام (حکمران) کہ اگر تو اس کے ساتھ نیکی کرے تو وہ اس کی قدر نہ کرے اور اگر تو اس کے ساتھ برائی کرے تو درگزر نہ کرے۔
- وہ برا ہمسایہ کہ اگر وہ کوئی اچھائی دیکھے تو اسے دفن ہی کر دے اور اگر کوئی برائی دیکھے تو اسے اچھال دے۔
- وہ خاتون کہ اگر تو حاضر ہو تو تجھے اذیت پہنچائے اور اگر تو اس سے غائب ہو تو تیری خیانت کرے۔''[2]

نصوص مبارکہ مسلسل بری ہمسائی کی گھناؤنی شکل وصورت کو بیان کر رہی ہیں جس سے صاف دل مسلمان خاتون دامن بچائے رکھتی ہے اور سکڑتی رہتی ہے، ہمسائے کے ساتھ برائی کرنے والے گناہ میں پڑنے سے ڈرتی رہتی ہے بلکہ اس سے دور سے دور ہوتی ہے کہ کہیں کسی دن ہمسائے کے لیے بری بن جائے، یا اس کے درمیان اور اس کے ہمسایوں کے درمیان کوئی

---

[1] صحیح بخاری فی الادب المفرد ۱/ ۲۱۰ باب لا یوذی جارہ۔ مسند احمد (۲/ ۴۴۰)۔

[2] رواہ الطبرانی فی الکبیر ۱۸/ ۲۶۷، ورجالہ ثقات

جھگڑا کھڑا ہو جائے یا اس کے اور اس کے درمیان کوئی عداوت جنم لے لے یا کوئی حسد یا کوئی مکروفریب کی فضا جنم لے لے' یہ سب اس لیے کہ وہ ہمسایوں کو اذیت دینے کے بارے میں خواہ کسی جھگڑے کے ذریعے ہو یا کسی مکروفریب کے ذریعے جب کبھی بھی اس کے درمیان اور اس کے ہمسایوں کے درمیان کوئی غضب' اختلاف اور باہمی چپقلش کے انگارے بھڑکنے لگتے ہیں۔وہ رسول اکرم ﷺ کی تنبیہ کو دل میں رکھتی ہے اور اس کی آواز کو اپنے کانوں سے اوجھل نہیں ہونے دیتی۔

((اَوَّلُ خَصْمَیْنِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ جَارَانِ))[1]

''روز قیامت سب سے پہلے دو جھگڑنے والے دونوں ہمسائے ہوں گے۔''

اپنے ہمسایوں سے نیکی کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کرتی :

متقی مسلمان خاتون اپنے ہمسایوں کو اذیت و تکلیف دینے سے ہاتھ روکنے کو ہی کافی نہیں سمجھتی بلکہ وہ مقدور بھر ان کے ساتھ نیکی کرنے میں بھی ہمیشہ جلدی دکھاتی ہے اور وہ ان کی خاطر نیکی' خیر اور معروف کے دروازوں کو کھلا رکھتی ہے' اور ان کے حق میں کوتاہی کا ارتکاب کرنے سے بچتی رہتی ہے جب بھی ان کا خیال رکھنے' ان کا اکرام کرنے اور ان کے ساتھ احسان کرنے کا کوئی داعیہ پیدا ہوتا ہے' اس اندیشے کے ساتھ کہ کہیں وہ فرمان رسول ﷺ اس پر صادق نہ آجائے جو آپ ﷺ نے کینہ رکھنے والے' بخیل' تنگ ذہن اور کم نیکی کرنے والے ہمسائے کے متعلق بیان فرمایا ہے:

((کَمْ مِّنْ جَارٍ مُّتَعَلِّقٍ بِجَارِهِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ' یَقُوْلُ: یَارَبِّ! هٰذَا اَغْلَقَ بَابَهٗ دُوْنِیْ' فَمَنَعَ مَعْرُوْفَهٗ))[2]

''کتنے ہی ایسے ہمسائے ہوں گے جو قیامت کے روز اپنے ہمسائے کو پکڑے ہوں گے ہر کوئی کہتا ہو گا: اے میرے پروردگار! اس نے میرے لیے اپنے دروازے کو بند رکھا اور اپنی نیکی کو مجھ سے روکے رکھا تھا۔''

---

1. مسند أحمد ٤/١٥١ والطبراني باسناد حسن۔ مجمع الزوائد : ٨/١٧٠۔
2. بخاري في الادب المفرد ١/٢٠٠ باب من اغلق بابه علی الجار۔

کتنا برا انجام ہے! ہمسائے کے لیے کس قدر خسارے والی بات ہے جو اپنے ہمسائے سے نیکی روکنے والا اور کنجوسی برتنے والا ہے! کس درجہ کی خرابی ہوگی جس دن لوگ رب العالمین کے حضور مجرموں کی حیثیت سے کھڑے ہوں گے!

بلاشبہ اسلام کی نظر میں مسلمان مرد اور عورتیں ایک باہم جڑی ہوئی بلند ترین عمارت ہیں' جس کی اینٹیں اس امت کے افراد ہیں' ہر ایک اینٹ کو مضبوط' ایک دوسری سے باہم جڑی ہوئی اور باقی اینٹوں کے ساتھ انتہائی ربط میں ہونا چاہیے' تاکہ عمارت کی مضبوطی' قوت اور پختگی حد درجہ کی بنتی جائے وگرنہ وہ عمارت کمزوری' دراڑوں اور گرنے، منہدم ہونے کے لیے بالکل قریب ہوگی۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اپنی اینٹوں کو مضبوط تعلق میں رکھنے کے لیے روحانی غذا کو وافر مقدار میں فراہم رکھنے کے لیے مکمل احاطہ کیا ہوا ہے' جو ان کی باہمی پکڑ' ایک دوسرے کا سہارا بننے اور باہمی مضبوطی کی حفاظت کرتا ہے، تاکہ مسلمانوں کی عمارت قوی سے قوی تر رہے' آفات زمانہ کے عوارض اسے کسی طرح کا گزند اور خراش نہ پہنچا سکیں اور زمانے کی سختیاں اس کے اندر کو ہلا نہ سکیں۔

مسلمان مردوں اور عورتوں کی باہمی مضبوطی' ان کی آپس کی کفالت اور باہمی سہارا بننے کی صلاحیتوں کو رسول کریم ﷺ کے فرمان گرامی میں کس قدر عمدہ تمثیل میں ذکر کیا گیا ہے:

« اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضًا »[1]

''مومن' مومن کے لیے عمارت کی مثل ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو مضبوط بناتا ہے۔''

اور اس فرمان گرامی میں:

« مَثَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ الْوَاحِدِ' اِذَا اشْتَكٰى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى »[2]

---

1. صحيح بخارى، كتاب الادب، باب تعاون المؤمنين بعضهم بعضاً، حديث : ٦٠٢٦۔ صحيح مسلم، كتاب البر والصلة۔ باب تراحم المؤمنين، حديث ٢٥٨٥۔
2. صحيح بخارى، كتاب الادب، باب رحمة الناس والبهائم، حديث: ٦٠١١۔ صحيح مسلم۔ حواله سابق، حديث : ٢٥٨٦۔

''اہل ایمان کی باہمی محبت' باہمی رحمدلی اور باہمی لطف وکرم کی مثال ایک جسم کی مثل ہے' جب اس کا کوئی عضو بیمار ہوتا ہے تو اس کا باقی جسم بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔''

بلاشبہ دین اسلام، افراد کے باہمی تعلق کا اس درجہ اور عجیب تعلق کا حریص ہے، جو بدیہی ہے کہ ایک ہمسایہ دوسرے ہمسائے کے ساتھ اپنے تعلقات کو مضبوط و مستحکم بنائے رکھے اور اس تعلق کو مودت' نیکی' باہمی یگانگت اور حسن معاملہ کی پختہ مضبوط بنیادوں پر استوار رکھے۔

اپنی ہمسائیوں کی اذیتوں پر صبر کا دامن تھام کر رکھتی ہے:

اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ مسلمان خاتون جو اپنے دین کی ہدایت سے فیض یاب ہونے والی ہے وہ اپنی ہمسائیوں کی اذیت پر صبر کرنے والی ہوتی ہے' ان کی برائیوں کا مقابلہ ان کی مثل سے نہیں کرتی' اگر ان سے کوئی کوتاہی سرزد ہو جائے تو غصے سے آگ بگولا نہیں ہوتی' ان کی لغزشوں' تقصیروں اور خطاؤں کو ان کے سامنے شمار نہیں کرتی رہتی' بلکہ اس کا نفس عفو ودرگزر کو اختیار کرتا ہے' اپنے صبر' عفو اور درگزر کرنے پر اللہ تعالیٰ کے ہاں ثواب کی امید رکھتی ہے اور یہ یقین رکھتی ہے کہ اس کا عفو و درگزر کرنے والا اعمدہ ترین موقف اللہ تعالیٰ کے ہاں ضائع نہیں ہوگا بلکہ وہ اس کی محبت اور رضوان کو حاصل کرنے کا ذریعہ بنے گا' اس پر وہ حدیث شاہد عدل کے طور پر پیش خدمت ہے جسے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے اس وقت بیان کیا تھا جس وقت مطرف بن عبداللہ آپ سے ملے تھے' انہوں نے آپ رضی اللہ عنہ سے یہ عرض کی تھی:

''اے ابوذر! مجھے آپ کی طرف سے ایک حدیث پہنچی ہے بنابریں میں آپ کی ملاقات کا متمنی تھا، فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ موقع تو عطا فرما دیا ہے آپ کی ملاقات تو ہو گئی ہے۔ پھر میں نے عرض کی: ایک حدیث ہے جو رسول اللہ ﷺ نے آپ سے بیان کی تھی' فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يُحِبُّ ثَلَاثَةً وَيُبْغِضُ ثَلَاثَةً))

''اللہ تبارک وتعالیٰ تین افراد سے محبت رکھتا ہے اور تین افراد سے بغض رکھتا ہے۔''

فرمایا: اس میں یہ خیال نہ کرنا کہ میں رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بولوں گا' میں نے عرض کی: اچھا ذرا فرمایئے وہ تین افراد کون سے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ محبت رکھتے ہیں؟ فرمایا:

((رَجُلٌ غَزَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ صَابِرًا مُّحْتَسِبًا فَقَاتَلَ حَتّٰی قُتِلَ))

''ایک وہ آدمی جو فی سبیل اللہ صبر کا دامن تھامتے ہوئے ثواب کی امید رکھتے ہوئے لڑائی کرتا ہے' قتال کرتا ہے حتیٰ کہ وہ شہید ہو جاتا ہے۔''

اور تم اس بات کو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں بھی پاتے ہو پھر یہ آیت تلاوت کی:

﴿اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ﴾ (الصف : ٦١/٤)

''بیشک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو اس کی راہ میں صف بستہ جہاد کرتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہیں۔''

میں نے عرض کی: اور دوسرا شخص کون ہے؟ فرمایا:

((رَجُلٌ کَانَ لَہٗ جَارُ سُوْءٍ یُؤْذِیْہِ فَصَبَرَ عَلٰی اَذَاہُ حَتّٰی یَکْفِیَہُ اللّٰہُ اِیَّاہُ بِحَیَاۃٍ اَوْ مَوْتٍ......)) ①

''ایسا آدمی جس کا کوئی برا ہمسایہ ہو جو اسے اذیت پہنچاتا ہو اور یہ اس کی اذیتوں پر صبر کرتا ہو' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اسے زندگی میں یا موت کے ساتھ کافی ہو جائے۔''

وہ مسلمان خاتون جس کے نفس کو اسلام نے مہذب بنا دیا ہے اور اس کے جذبات و خیالات کو جلا بخشی ہوئی ہے، ہمسایوں کی ایذا رسانی پر صبر کرنا اس کے اخلاق میں شامل ہوتا ہے' جس قدر بھی اس میں استطاعت موجود ہوتی ہے' اور ان کی ایذا رسانی کو بہترین انداز سے دفع کرتی ہے' وہ اپنے صبر اور بہترین کردار کے ساتھ ہمسائے کے ساتھ حسن معاملہ کرنے میں ان کے لیے ایک بہترین مثال بنتی ہے اور ان کے نفوس میں دھنسی ہوئی برائی کی جڑوں' بغض کی گدلاہٹ اور عداوت و کینہ پروری کے میلانات کو جڑوں سے اکھیڑتی ہے' ان تمام امور کے ساتھ ساتھ وہ نبی اکرم ﷺ کی اس سیرت و ہدایت کو اختیار کرتی ہے جو اس طرح فرما رہے ہیں:

((مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا یُؤْذِ جَارَہٗ......))

---

① مسند احمد : ٥/١٥٣ والطبرانی باسناد صحیح، مجمع الزوائد : ٨/١٧١۔

''جو کوئی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کو اذیت نہ پہنچائے۔''[1]

یہ بات بھی ذہن میں تازہ کر لیں کہ ہمسائیوں کو بعض خواتین سے جو اپنی راہ راست کو گم کر بیٹھتی ہیں ایسی باتیں سننا پڑتی ہیں کہ جب ان کا کوئی بچہ ہمسایوں کے بچے کے ساتھ لڑتا جھگڑتا ہے' جس پر وہ اپنی آنکھوں کو بند کر لیتی ہیں اور اپنی ہمسائیوں پر غیر موزوں کلام' تلخ باتیں اور تکلیف دہ سب وشتم کے ساتھ حملہ آور ہوتی ہیں' ہمسائیگی کے تمام تر رشتوں کو دیوار پر پھینک مارتی ہیں' غصے کے لمحے میں باہمی قربت' مودت اور باہمی معاشرت کے تعلقات کو توڑ ڈالتی ہیں' وہ یہ بات اچھی طرح سن لیں کہ ایسی مستورات ہمسائے کے معاملے میں اسلامی ہدایات کو پس پشت ڈال کر ان کی مخالفت کرتی ہیں اور اپنے نفسوں کے لیے بری ہمسائی کہلوانے پر رضامند ہو جاتی ہیں۔

تہذیب یافتہ صبر وحلم' بردباری وسنجیدگی اور خوش اسلوبی سے آراستہ ہمسائیوں کی آنکھوں کو ٹھنڈک محسوس کرنی چاہیے جو اپنی ہمسائیوں کی برائیوں کا جواب ویسے ہی نہیں دیتیں وہ اس لیے کہ وہ ایسی نیک ہمسائیاں ہیں جن کے بہترین حکیمانہ کردار کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں۔

---

1. صحیح بخاری، کتاب الادب، باب من کان یؤمن باللہ والیوم الاخر فلا یؤذ جارہ، حدیث: ٦٠١٨۔

مثالی مسلمان عورت کا تعلق

اپنی بہنوں اور سہیلیوں کے ساتھ

ان سے اللہ کے لیے محبت اور بھائی چارہ رکھتی ہے:

سچی مسلمان خاتون کے رابطے اور اپنی بہنوں اور سہیلیوں کے ساتھ تعلقات، دیگر عورتوں کے معاشرتی تعلقات اور رابطوں سے ممتاز ہوتے ہیں۔ وہ اپنی بہنوں کے ساتھ تعلقات اور اپنے رابطوں کو ''اَلْحُبُّ لِلّٰهِ وَالْبُغْضُ فِي اللّٰهِ'' کی مستحکم بنیاد پر استوار رکھتی ہے ''اللہ کے لیے محبت رکھنا'' بلند ترین رابطہ ہے جو دو انسانوں کے مابین ہو سکتا ہے خواہ مرد کے درمیان ہو یا عورت کے درمیان اور یہ رابطہ ایمان باللہ کا رابطہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے فرمان ذیل میں اپنے تمام ایمان دار بندوں کے درمیان باندھا ہے:

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ ﴾

(الحجرات: ۴۹/۱۰)

''یاد رکھو سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں۔''

ایمانی بھائی چارہ دلوں کے درمیان رابطوں میں سے سب سے مضبوط رابطہ ہے اور نفوس کی کڑیوں میں سے سب سے پائیدار کڑی ہے اور عقلوں اور روحوں کے تعلقات میں سے سب سے بلند ترین تعلق ہے۔

یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے کہ ہم ایسی بہنوں کو دیکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے لیے محبت رکھنے والیاں ہیں کہ وہ انتہائی مضبوط' مستقل اور پائیدار تعلق پر..... یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرنے کی بنیاد پر..... قائم رہتی ہیں اور یہ انسانی زندگی میں سب سے بلند' سب سے پاکیزہ اور سب سے صاف شفاف محبت ہے۔ یہ ایسی محبت ہے جو ہر منفعت سے خالی' ہر غرض سے مبرا اور ہر طرح کے شائبے سے پاک صاف ہے' کیونکہ وہ اپنی صفائی' اپنی شفافیت اور اپنی ستھرائی کو وحی کے سرچشمے سے توانائی پاتی اور نبوی ہدایت سے فیض یاب ہوتی ہے اور وہی پاکیزہ محبت ہے جس میں مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایمان کی حلاوت وشیرینی کو پاتی ہیں:

''تین باتیں جس شخص میں بھی پائی جائیں گی وہ ایمان کی حلاوت کو پا لے گا:

1. یہ کہ اللہ اور اس کا رسول اسے ماسوا سے زیادہ محبوب ہو جائیں۔
2. یہ کہ کسی دوسرے شخص سے صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی محبت کرے۔
3. یہ کہ کفر میں واپس لوٹنے کو، جس سے اسے اللہ تعالیٰ نے بچا لیا ہے، اس طرح ناپسند کرے جس طرح وہ آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے۔''[1]

اللہ کے لیے محبت رکھنے والیوں کا مقام ومرتبہ:

صحیح نصوص جو پیہم وبکثرت موجود ہیں' اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت رکھنے والوں کی شان ومرتبے کو بلند بیان کرتی نظر آ رہی ہیں' خواہ وہ مرد ہوں یا خواتین ان کے عظیم مرتبے کی عکاسی کر رہی ہیں' ان کے بلندتر مقام اور اس اعلیٰ ترین شرف کو واضح کر رہی ہیں جو اللہ تعالیٰ اس دن انہیں عنایت فرمائے گا جس دن تمام لوگ اللہ رب العالمین کے لیے کھڑے ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرنے والے اور محبت کرنے والیوں کا مقام ومرتبہ' عزت ورفعت

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب حلاوۃ الایمان، حدیث: ١٦۔ صحیح مسلم کتاب الایمان۔ باب بیان خصال من اتصف بھن وجد حلاوۃ الایمان، حدیث: ٤٣۔

اور شان و اکرام یہی کافی ہے کہ جس دن گواہ کھڑے ہوں گے اللہ رب العزت ان پر خصوصی توجہ فرمائے گا اور انہیں پکارے گا:

((أَيْنَ الْمُتَحَابُّونَ بِجَلَالِي؟ الْيَوْمَ أُظِلُّهُمْ فِي ظِلِّي يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلِّي)) ①

''میرے جلال کے باعث باہم محبت رکھنے والے کدھر ہیں؟ آج میں انہیں اپنے سائے میں سایہ فراہم کروں گا جس دن میرے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں ہے۔''

تو یہ کس درجہ عظیم شرف و منزلت ہے! اور کس قدر بلند ترین مقام و مرتبہ ہے؟ اور کس قدر اعلیٰ قدر و مرتبہ ہے! جسے اللہ تعالیٰ کی ذات کی خاطر محبت رکھنے والے اور محبت رکھنے والیاں پائیں گی جس دن ہولناکی، سختی، شدت اور کرب عظیم ہوگا۔

یہ اس لیے ہوگا کہ یہ صاف ستھری خالص محبت جس کے ساتھ ایک انسان کا دل اپنے دوسرے انسان بھائی کے لیے دھڑکتا اور بے قرار رہتا ہے وہ اس سے صرف رضائے الٰہی کا متلاشی ہے، ایسی سیڑھی ہے جو مشکل الحصول ہے، اس تک صرف وہی پہنچ سکیں گے اور وہی اس پر چڑھ سکیں گے جن کے نفوس صاف و شفاف اور جن کی روحیں طاہر و منزہ ہوں گی اور جن کے نزدیک دنیا اور دنیاوی ساز و سامان بالکل ہیچ ہوں گے، جو مادی زندگی کی شہوات، سامان، منافع اور کشش و جاذبیت سے بلند تر ہوں گے اور انہوں نے اللہ کے پاس موجود دائمی نعمتوں اور ان سے بھی بڑھ کر ''رضوان الٰہی'' کو ترجیح دی ہوگی پھر اس میں کونسا تعجب رہ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کے صرف اسی ایک مخصوص گروہ کو اعلیٰ مراتب تک بلند فرمائیں گے، ان کے لیے ہی اعلیٰ مرتبہ اور ایسی نعمتیں تیار فرمائیں گے جو ان کے بلند تر مقاصد، ارتفاع اور اللہ تعالیٰ کی ذات کی خاطر الگ تھلگ ہونے کے باعث، لائق ہوگا۔ ہم یہ باتیں اس حدیث مبارکہ میں موجود پاتے ہیں جسے سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے، کہتے ہیں: میں نے خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

((قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: اَلْمُتَحَابُّونَ فِي جَلَالِي لَهُمْ مَنَابِرُ مِنْ نُورٍ يَغْبِطُهُمُ النَّبِيُّونَ وَالشُّهَدَاءُ)) ②

---

❶ صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب فضل الحب فی الله، حدیث: ۲۵۶۶۔

❷ سنن ترمذی۔ کتاب الزهد۔ باب ماجاء فی الحب فی الله، حدیث: ۲۳۹۰

''اللہ عزوجل فرمائے گا: میرے جلال کی وجہ سے محبت رکھنے والوں کے لیے نور کے منبر ہوں گے جن کی انبیاء اور شہداء بھی تمنا کریں گے۔''

بلکہ اس بات میں بھی کوئی تعجب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مکرم ومعزز بندوں کو ایسی نعمتیں بھی عنایت فرمائے گا جو اس مرتبے اور اس انعام سے بھی کہیں بڑھ کر، کہیں عظیم تر اور کہیں بلند تر ہوں گی، اللہ تعالیٰ انہیں اپنی بلند ترین اور پیاری ترین محبت عطا فرمائے گا جس کے لیے بندوں کی گردنیں بھی کاٹی جاسکتی ہیں، جس کے سامنے دنیا وآخرت کی ان کی خواہشات کی حلاوتیں بھی ہیچ ہیں اور یہ بات اس حدیث مبارکہ میں موجود ہے جو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بایں الفاظ روایت فرماتے ہیں:

''ایک آدمی نے اپنے کسی بھائی کی، جو دوسری بستی میں تھا، زیارت کی، تو اللہ تعالیٰ نے اس کے راستے میں ایک فرشتے کو کھڑا کر دیا، تو جب وہ اس کے پاس پہنچا تو بولا: تو کدھر جا رہا ہے؟ اس نے کہا: میں اپنے اس بھائی کے پاس جانے کا ارادہ رکھتا ہوں جو اس بستی میں رہتا ہے، وہ بولا: کیا تیرا اس پر کوئی احسان ہے جسے تو اس پر قائم رکھنے جا رہا ہے؟ وہ کہنے لگا: نہیں، میں تو اس سے صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت رکھتا ہوں، وہ فرشتہ بولا: میں تو تیرے لیے اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں جو یہ بتانے کے لیے آیا ہوں کہ اللہ تعالیٰ بھی تجھ سے ویسے ہی محبت کرتا ہے جس طرح تو اس کی ذات کی خاطر اس بھائی سے محبت رکھتا ہے۔''[1]

انسان کے لیے یہ محبت کس درجہ باعث برکت ہے! جو انسان کو اس درجے تک بلند کر دیتی ہے جس میں محبتِ الٰہی اور رضوانِ ایزدی کا مستحق ٹھیرتا ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طاہر ومنزہ، صاف شفاف محبت کے اثر کا ادراک فرما رہے ہیں جو انسانی معاشروں کی تقویت، ان کی بلندی اور خوش بختی کا ضامن ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی ایسا موقع بھی ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے جس میں آپ مسلمانوں کو باہمی محبت رکھنے، باہم قریب ہونے اور دلوں کی صفائی پیدا کرنے کے لیے دیکھتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فوراً انہیں باہمی محبت کو جتانے اور علانیہ بیان کرنے کا حکم دیتے تھے تاکہ دلوں کے بند خانے بھی کھل جائیں اور نفوس میں مودت والفت اور پاکی کو مزید جلا ملے۔

---

[1] صحيح مسلم كتاب البر والصلة: باب فضل الحب في الله، حديث: ٢٥٦٧

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص بیٹھا ہوا تھا' اچانک آپ کے پاس سے ایک اور شخص گزرا' وہ بولا: یارسول اللہ! میں اس شخص سے محبت رکھتا ہوں' تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: کیا تو نے اسے بتایا ہوا ہے؟ وہ عرض کرنے لگا: نہیں' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے بتا' چنانچہ یہ اسے جا کر ملا اور بولا: ''میں تجھ سے اللہ تعالیٰ کے لیے محبت رکھتا ہوں۔'' تو وہ بولا:

((اَحَبَّكَ اللّٰهُ الَّذِیْ اَحْبَبْتَنِیْ لَهٗ)) [1]

''تجھ سے اللہ تعالیٰ محبت کرے جس کی خاطر تو نے مجھ سے محبت کی ہے۔''

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود یہ عمل کیا کرتے تھے' مسلمانوں کو یہ تعلیم دینے کے لیے کہ وہ کس طرح محبت و پیار اور بھائی چارے کی بنیادوں پر معاشرے کی تعمیر کر سکتے ہیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھام کر فرمایا: اے معاذ!

''اللہ کی قسم! میں تجھ سے محبت کرتا ہوں۔'' پھر اے معاذ! میں تجھے یہ وصیت بھی کرتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد یہ پڑھنا مت چھوڑنا:

((اَللّٰهُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ)) [2]

''اے اللہ! تو اپنا ذکر کرنے' اپنا شکریہ ادا کرنے اور اپنی اچھی عبادت بجا لانے پر میری مدد فرما۔''

سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ اس پاکیزہ محبت کی مہک وخوشبو کو مسلمانوں کے مابین پھیلانے کے لیے دیارِ اسلام میں جاتے ہیں' پھر انہیں وہ باتیں بیان کرتے ہیں جو آپ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سماعت فرمائی تھیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی خاطر محبت کرنے والوں کے لیے انتہائی زیادہ اجر وثواب تیار فرمایا ہوا ہے' اور اس کی محبت تو سب سے بڑی چیز ہے' امام مالک رحمہ اللہ نے اپنی ''موطا'' میں صحیح اسناد سے ابوادریس خولانی رحمہ اللہ سے یہ روایت بیان کی ہے، کہتے ہیں:

''میں دمشق کی مسجد میں داخل ہوا' تو کیا دیکھتا ہوں ایک چمکیلے دانتوں والا نوجوان ہے' جس

---

1. سنن ابی داؤد کتاب الادب، باب اخبار الرجل یحب الرجل علی خیر یراہ، ح: ۵۱۲۵۔
2. مسند أحمد : ۲۴۵/۵۔ باسناد صحیح۔ سنن ابی داؤد، کتاب الوتر، باب فی الاستغفار، حدیث : ۱۵۲۲۔

کے پاس بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے ہیں جب ان میں کوئی اختلاف بڑھ جاتا تو اس کے پاس لاتے ہیں' اور اس کی رائے دریافت کرتے ہیں۔ میں نے اس کے متعلق پوچھا تو بتایا گیا: یہ ہیں سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ' تو جب اگلا روز ہوا تو میں صبح سویرے ہی آن پہنچا' تو میں نے آپ کو اپنے سے پہلے ہی پہنچا ہوا پایا' میں نے دیکھا کہ آپ نماز پڑھ رہے ہیں' تو میں نے آپ کے نماز پوری کرنے کا انتظار کیا پھر میں آپ کے چہرے کے سامنے سے حاضر ہوا' سلام عرض کیا' اور یوں عرض پرداز ہوا:

''اللہ کی قسم! میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔''

تو فرمانے لگے: کیا اللہ کی قسم! میں نے عرض کی: جی اللہ کی قسم!

پھر فرمانے لگے: کیا اللہ کی قسم! میں نے کہا: جی ہاں اللہ کی قسم!

تب آپ رضی اللہ عنہ نے مجھے میری چادر کے کنارے سے پکڑا' اپنی طرف کھینچا اور فرمایا: خوش ہو جاؤ' کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا تھا:

((قَالَ اللّٰهُ تَعَالىٰ: وَجَبَتْ مَحَبَّتِي لِلْمُتَحَابِّيْنَ فِيَّ، وَالْمُجَالِسِيْنَ فِيَّ، وَالْمُتَزَاوِرِيْنَ فِيَّ، وَالْمُتَبَاذِلِيْنَ فِيَّ)) [1]

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: میری محبت ان لوگوں کے لیے واجب ہو جاتی ہے جو میری وجہ سے باہم محبت رکھنے والے ہیں' جو میری ذات کی وجہ سے مل کر بیٹھنے والے ہیں' جو میری ذات کی خاطر ایک دوسرے کی ملاقاتیں کرنے والے ہیں اور جو میری ذات کی خاطر باہم خرچ کرنے والے ہیں۔''

مسلمانوں کی زندگی میں اللہ کے لیے محبت رکھنے کے اثرات:

یقیناً اسلام تو آیا ہی اس لیے ہے تاکہ ایسا اعلیٰ و ارفع معاشرہ تشکیل دے جو محبت' بھائی چارے اور باہم خیر خواہی و خیر سگالی کے جذبات پر قائم ہو' تو اس کے لیے ضروری تھا کہ ان افراد کے دلوں میں محبت کو بوئے جن سے مل کر معاشرہ تشکیل پاتا ہے' اسی لیے اسلام نے ایمان دار مردوں اور ایمان والی خواتین کے درمیان اس محبت کو ایمان کی شروط میں سے ایک شرط قرار دیا ہے

[1] رواه مالك في الموطا ٢/٩٥٣ كتاب الشعر: باب ما جاء في المتحابين في الله

جس کے ساتھ وہ جنت میں داخل ہوں گے' اور یہ بات اس حدیث مبارکہ میں ہے جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب کہ تم ایماندار نہ بن جاؤ' اور تم ایمان دار نہیں بن سکتے جب تک تم باہم محبت نہ کرنے لگو' کیا میں تمہیں ایسی چیز کی رہنمائی نہ کر دوں کہ جب تم وہ کرنے لگو تو تم باہمی محبت کرنے لگ جاؤ گے؟ آپس میں ''سلام'' کو عام کرلو۔''[1]

بلاشبہ یہ بالکل درست روشن نبوی نظر ہے جو اس امر کا ادراک کر رہی ہے کہ نفوس سے بغض وحقد کے آثار کو نکالا نہیں جا سکتا اور نہ ہی سینوں سے حسد و تقابل کی میل کچیل کو دھویا جا سکتا ہے مگر صرف سچی' بلند اور عمدہ اخوت کے ساتھ ہی' جو مسلمان مردوں اور عورتوں کی زندگی کی قیادت کرتی ہے اور اس زندگی کو محبت و مودت' خیر خواہی' باہمی الفت اور صاف گوئی سے معمور اور بھرپور کر دیتی ہے مزید جو اس زندگی کو کراہیت' دشمنی کے جذبات' دھوکے' ملاوٹ' بغض اور حسد سے پاک صاف بناتی ہے' اور ان تمام مقاصد کو حاصل کرنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے سلام کو پھیلانا' تاکہ یہ الفت و نیکی' محبت اور صاف گوئی کی طرف دلوں کے لیے ایک چابی ثابت ہو سکے۔

یہی سبب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کانوں پر اس معنی کو بار بار پیش کرتے تھے' اس بات کی توقع رکھتے ہوئے کہ دلوں میں محبت کا بیج ڈال دیا جائے اور پھر اس کی خوب خوب نگہداشت کی جائے بالآخر یہ صاف روشن محبت ایسا پھل دے جو اسلام ہمیشہ سے مسلمان مردوں اور عورتوں سے چاہتا ہے۔

اسی صاف و شفاف اور روشن محبت کے ساتھ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان مردوں اور عورتوں کی اس مختصر سی جماعت کے نفوس کی تعمیر فرمائی تھی' جو اس مضبوط بنیاد پر قائم رہے جس پر اسلام کا عالی شان اور بلند و بالا محل کھڑا ہے جو لوگ بشریت کے سیاہ آسمان پر جگمگاتے ستارے ہیں جنھوں نے امتوں اور قوموں کے لیے راستے کو منور و روشن بنا دیا ہے۔

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الایمان: باب بیان انه لا یدخل الجنة الا المومنون۔ حدیث: ٥٤

اسی صاف شفاف اور سچی محبت کے ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ اعلیٰ مثالی انسانی معاشرہ قائم کرنے میں کامیاب ہوئے تھے جو اخوت ایمانی کی بنیادوں پر استوار تھا جو اپنی پختگی و پامردی میں اور جہاد کے نتائج اور قربانیوں کو پیش کرنے کی ہمتوں کو قبول و برداشت کرنے میں ایک شاہکار تھا تاکہ اسلام کو آفاق عالم میں پھیلایا جا سکے اور اس کے جھنڈوں کو مشرق و مغرب میں گاڑا جا سکے بالکل اسی طرح یہ معاشرہ اپنی باہمی رواداری، یگانگت اور خیر سگالی کے جذبات میں بھی ایک شاہکار تھا جس کی رسول اللہ ﷺ نے خوبصورت ترین اور اعلیٰ ترین صورت اس طرح متعین فرمائی تھی:

«اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا»①

''مومن، مومن کے لیے عمارت کی مانند ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو مضبوط بناتا ہے۔''

اور اپنے اس فرمان گرامی میں بھی:

''اہل ایمان کی باہمی محبت، باہمی رحمدلی اور باہمی ہمدردی کی مثال ایک جسم کی مانند ہے جب اس کا کوئی عضو بیمار ہوتا ہے تو باقی جسم بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔''②

مسلمان خاتون اپنے اولین ایام میں اور اپنی طویل ترین تاریخ کے دوران اسلام کی اس بلند و بالا عمارت کی تعمیر کرنے میں اخوت ایمانی کی راہوں پر چلتے ہوئے اور کاربند رہتے ہوئے مردوں کے ساتھ شریک رہی ہے، اور آئندہ بھی اس مبارک عمارت کی تزئین و آرائش میں مسلسل شامل ہی رہے گی، اللہ تعالیٰ کے لیے اپنی محبت کی سخاوت کو عام کرتی رہے گی، اور اسلامی معاشروں میں اپنی عطر بیز خوشبو کو بکھیرتی رہے گی اور اپنی بہنوں اور اپنی سہیلیوں کی طرف اپنے قلب و جگر کے ساتھ بڑھتی رہے گی اور اللہ کے لیے اخوت کے رشتوں کو مضبوط و پائیدار کرتی اور اس کی محبت کی خاطر محبت کے حلقوں کو مضبوط بناتی رہے گی۔

① صحیح بخاری۔ کتاب الادب۔ باب تعاون المؤمنین بعضهم بعضا حدیث: ٦٠٢٦۔ صحیح مسلم۔ کتاب البر والصلة۔ باب تراحم المؤمنین، حدیث: ٢٥٨٥

② صحیح بخاری۔ کتاب الادب۔ باب رحمة الناس والبهائم، حدیث ٦٠١١۔ صحیح مسلم حواله سابق، حدیث: ٢٥٨٦۔

اپنی بہنوں سے قطع تعلق نہیں کرتی:

اپنے دینی احکامات کو یاد رکھنے والی مسلمان خاتون کے دل و دماغ سے یہ امر اوجھل نہیں ہوتا کہ جس اسلام نے باہمی بھائی چارے، باہمی محبتوں اور ہمدردیوں کی ترغیب دی ہے بالکل اس نے ہی آپس میں قطع تعلقی، بے رخی اور ترک موالات کو بھی حرام قرار دیا ہے اور اس بات کو تاکیداً بیان کیا ہے کہ عارضی پریشانیاں دو سچی اور اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت کرنے والیوں کے درمیان جدائی نہیں ڈال سکتیں، وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی خاطر محبت کے رشتے اس بات سے کہیں مضبوط تر، قوی تر اور پائیدار تر ہوتے ہیں کہ ان دونوں کے درمیان پہلا گناہ ہی ان میں جدائی ڈالنے میں کامیاب ہو جائے، اس بات کی شہادت فرمان رسول ﷺ اس طرح دے رہا ہے:

((مَا تَوَادَّ اثْنَانِ فِي اللّٰهِ جَلَّ وَعَزَّ، أَوْ فِي الْإِسْلَامِ، فَيُفَرِّقُ بَيْنَهُمَا أَوَّلُ ذَنْبٍ يُحْدِثُهُ أَحَدُهُمَا)) [1]

''اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی میں یا اسلام میں دو محبت کرنے والے ایسی محبت نہیں رکھیں گے کہ ان دونوں میں سے کسی ایک سے سرزد ہونے والا پہلا ہی گناہ دونوں میں جدائی ڈال دے۔''

بعض اوقات ضعف بشری کے لمحات میں عورت کے نفس پر غضب و غصے کا حملہ قدرے تیز ہو جاتا ہے تو ایک بہن دوسری بہن کے ساتھ برائی کر جاتی ہے اور بسا اوقات یہی غصہ اور اشتعال دونوں کے درمیان مقاطعہ کا باعث بھی بن جاتا ہے، دریں صورت یہ ہونا چاہیے کہ مسلمان خاتون کا دل اس امر سے پوشیدہ نہیں رہنا چاہیے کہ اسلامی ہدایت، انسانی نفس کی طبیعت سے غافل نہیں ہے کہ وہ اشتعال، جذباتی حملوں اور تقلبات کا شکار بن سکتی ہے، تو ایسی صورت حال میں اسلام نے اس کی ایک حد بھی مقرر کر دی ہے جس حد میں انسانی نفس اپنے اشتعال سے واپس لوٹ سکتا ہے اور جس میں غصے کی آواز خاموش ہو سکتی ہے، تو اس نے اس کے لیے تین دنوں کو مقرر کیا ہے، باہم نزاع کرنے والوں کے لیے ان تین ایام سے آگے گزرنے کو حرام ٹھیرایا ہے کہ وہ مصالحت اور اتفاق کی طرف پیش قدمی نہ کریں، اس ضمن میں رسول اکرم ﷺ

[1] صحیح بخاری فی الادب المفرد ۱/۴۹۳ باب هجرة المسلم۔

یوں ارشاد فرماتے ہیں:

《 لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ يَّهْجُرَ اَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ يَلْتَقِيَانِ فَيُعْرِضُ هٰذَا وَيُعْرِضُ هٰذَا، وَخَيْرُهُمَا الَّذِيْ يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ 》[1]

''کسی بھی مسلمان کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے (مسلمان) بھائی کو تین دنوں سے زیادہ چھوڑے رکھے۔ دونوں باہم ملاقات کریں' پھر ایک ادھر کو منہ پھیر لے اور دوسرا اُدھر کو رخ کر لے' ان دونوں میں سے بہتر وہ ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے۔''

لفظ ''کسی بھی مسلمان'' سے بالکل واضح ہے کہ یہ ہر مسلمان کو شامل ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت' ایسی تمام شرعی تکلیفی نصوص میں، جو دنیائے اسلام میں خاندان اور معاشرے کی زندگی کو منظم کرتی ہیں، دونوں یکساں ہی مراد ہیں۔

یہی باعث ہے کہ ہم مسلمان خاتون کو دیکھتے ہیں جس کے جذبات وخیالات کو اسلام نے صحیح سمت میں ڈھالا ہے اور اس کی حکیمانہ ہدایات نے اس کے نفس کو مہذب بنا دیا ہے کہ وہ اپنی کسی بھی مسلمان بہن سے قطع تعلقی پر قائم نہیں رہتی' خواہ اسبابِ ناراضی کیسے ہی ہوں بلکہ باہمی صفائی وستھرائی اور اسے سلام کہنے میں جلدی کرتی ہے کیونکہ وہ یہ بات جانتی ہے کہ ان میں سے بہتر وہی ہوگی جو سلام کہنے میں پہل کرے گی' اگر تو اس کی بہن اس کے سلام کا جواب دے دے تو مصالحت کے اجر وثواب میں دونوں ہی شریک ہوں گی اور اگر وہ اس کا جواب نہ دے تو سلام کہنے والی قطع تعلقی اور ہجران کے گناہ سے بری الذمہ ہو جائے گی اور سلام کا جواب نہ دینے والی ہی صرف گناہ لے کر لوٹے گی' اور یہی وہ بات ہے جس کی طرف اسلام نے ہدایت فرمائی ہے جو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس طرح موجود ہے' فرماتے ہیں: میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے خود سنا ہے:

''کسی شخص کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ تین دنوں سے زیادہ کسی مومن کو چھوڑے رکھے' تو جب تین دن گزر جائیں تو چاہیے کہ وہ اسے ملے پھر اسے سلام کہے' تو اگر وہ

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الاستئذان باب السلام للمعرفه، حدیث : ۶۲۳۷۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب تحریم الهجر فوق ثلاثة ایام، حدیث: ۲۵۶۰

اسے سلام کا جواب دے دے تو وہ دونوں اجر وثواب میں شریک ہو گئے' اور اگر وہ اسے سلام کا جواب نہ دے تو سلام کہنے والا قطع تعلقی کے گناہ سے پاک وصاف ہو گیا۔''[1]

حدیث مبارکہ کے سیاق میں وارد لفظ ''کسی شخص'' کے تحت یہ بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ مقاطعہ اور ہجران کی زد میں مرد اور عورت دونوں ہی شامل ہیں۔ اس مقاطعہ اور ہجران کی مدت جوں جوں زیادہ ہوتی جائے گی گناہ اور اس کی سنگینی بڑھتی جائے گی اور باہم جھگڑنے اور تو تکار کرنے والیوں کے لیے وعید سخت تر ہوتی جائے گی' نبی اکرم ﷺ نے یوں بھی فرمایا ہے:

((مَنْ هَجَرَ اَخَاهُ سَنَةً فَهُوَ كَسَفْكِ دَمِهِ)) [1]

''جس نے اپنے بھائی کو سال بھر چھوڑے رکھا تو وہ اس کے خون بہانے کے برابر ہے۔''

اسلامی شریعت میں مقاطعہ اور ہجران کا جرم کس قدر گھناؤنا ہے اور اس کے مرتکب پر اس کے گناہ کا بوجھ کس قدر ثقیل ہے! حتیٰ کہ اس کو حلال خون بہانے کے برابر ہی قرار دیا جا رہا ہے! وہ اس لیے کہ تربیت نفوس میں اسلام کا منہج؛ محبت' باہم بھائی چارے' باہم قربت ونزدیکی اور باہم الفت ومودت کی بنیادوں پر قائم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام مسلمان مردوں اور عورتوں کی زندگی سے باہمی بغض وحسد اور بے رخی کو جڑ سے ختم کرنے کا متمنی ہے' اور اس بات پر کسی صورت راضی نہیں ہوتا کہ ان حقیر اخلاق وعادات میں سے کوئی چیز جو اخوت ایمانی سے دور لے جانے والی ہے ان کی زندگی کی صفائی ستھرائی کو مکدر بنا دے' یہی وجہ ہے کہ جب سے سطح ارضی پر انسان کا وجود ظاہر ہوا ہے اسلام کی ہدایت کے اعلیٰ ترین اور عمدہ ترین منہج اس کے کانوں سے ٹکراتے رہے ہیں جنہیں بشریت جانتی پہچانتی آئی ہے۔

((لَا تَقَاطَعُوا' وَلَا تَدَابَرُوا' وَلَا تَبَاغَضُوا' وَلَا تَحَاسَدُوا' وَكُونُوا اِخْوَانًا

---

1. اخرجه البخاري في الادب المفرد ۱/۵۰۵ باب ان السلام يجزى من الصرم۔ سنن ابى داؤد۔ كتاب الادب۔ باب فى هجرة الرجل اخاه، حديث: ۴۹۱۲

2. اخرجه البخاري في الادب المفرد ۱/۴۹۷ باب من هجر اخاه سنة۔ سنن ابى داؤد، حديث: ۴۹۱۵۔

كَمَا أَمَرَكُمُ اللّٰهُ﴾ ①

''ایک دوسرے سے قطع تعلق نہ کرو' ایک دوسرے سے بے رخی نہ برتو' ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو' ایک دوسرے سے حسد نہ رکھو' بھائی بھائی بن جاؤ' جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے۔''

اور یہ فرمان گرامی:

﴿ إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ' فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ' وَلَا تَحَسَّسُوا' وَلَا تَجَسَّسُوا، وَلَا تَنَافَسُوا، وَلَا تَحَاسَدُوا، وَلَا تَبَاغَضُوا، وَلَا تَدَابَرُوا، وَكُونُوا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا﴾ ②

''خاص طور پر بدگمانی سے بچو' کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے' لوگوں کے عیوب کی کرید نہ کرو' نہ ہی جاسوسی کرو' اور نہ باہم مقابلے بازی کرو' اور نہ ایک دوسرے سے حسد کرو' نہ باہم بغض رکھو' نہ ہی بے رخی کا برتاؤ کرو' بلکہ اللہ کے بندو بھائی بھائی بن جاؤ۔''

اور یہ فرمان اقدس:

﴿ لَا تَحَاسَدُوا' وَلَا تَنَاجَشُوا' وَلَا تَبَاغَضُوا' وَلَا تَدَابَرُوا' وَلَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ' وَكُونُوا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا۔ اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ' لَا يَظْلِمُهُ' وَلَا يَخْذُلُهُ وَلَا يَحْقِرُهُ۔ اَلتَّقْوٰى هٰهُنَا...... وَيُشِيرُ إِلٰى صَدْرِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ...... بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ' دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ﴾ ③

''باہم حسد نہ رکھو' ایک دوسرے کو دھوکا دینے کے لیے قیمتیں نہ بڑھاؤ' باہم بغض نہ رکھو' ایک دوسرے سے پشتیں نہ پھیرو' تم میں سے کوئی ایک دوسرے کی بیع پر خرید وفروخت

---

① صحیح مسلم کتاب البر والصلة، باب تحریم الظن والتجسس والتنافس، حدیث: ۲۵۶۳

② صحیح بخاری۔ کتاب الادب۔ باب ما ینهی عن التحاسد والتدابر، حدیث: ۶۰۶۴۔
صحیح مسلم۔ حوالہ سابق۔ حدیث: ۲۵۶۳/۲۸۔

③ صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب تحریم ظلم المسلم وخذله واحتقاره، ح: ۲۵۶۴۔

نہ کرے' اللہ کے بندو باہم بھائی بھائی بن جاؤ' مسلمان مسلمان کا بھائی ہے' نہ تو اس پر ظلم کرتا ہے' نہ اسے بے یارومددگار چھوڑتا ہے اور نہ اس کی تحقیر ہی کرتا ہے۔تقویٰ یہاں ہوتا ہے..... آپ تین مرتبہ اپنے سینے کی طرف اشارہ فرماتے ہیں..... آدمی کے لیے اتنی ہی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے۔ ہر مسلمان کا خون' مال اور اس کی عزت دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔''

اس مسلمان خاتون کو چاہیے جس کے جذبات واحساسات کو اسلام نے مہذب بنا دیا ہے کہ وہ نبوی ہدایت کی ان نصوص پر غوروفکر کرے' جو ساری کی ساری مکارم اخلاق پر مشتمل ہیں یعنی باہمی محبت' رواداری' مودت' بھائی چارہ' خیر سگالی' رحمدلی اور ایثار وغیرہ پر' اس کے لیے ممکن ہی نہیں کہ وہ اپنے سینے کو بغض وعناد میں لپیٹے رکھے اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ وہ قطع تعلقی پر مصر رہے' بغض وعناد پر قائم اور قطع تعلقی پر مصر تو صرف وہی عورت رہ سکتی ہے جس کے دل میں مرض' جس کے نفس میں کنجوسی' جس کے اخلاق میں الجھاؤ اور جس کی عقل میں فتور ہو۔ جبکہ متقی مسلمان خاتون تو ان حقیر وذلیل عادات واعمال سے مکمل طور پر دور رہتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ سخت دل والوں' کم عقل والوں' مردوں اور عورتوں کے لیے جو اس حکیمانہ ہدایت سے کجی اختیار کرنے والے ہیں' جن کے نفوس اس کی سخاوت نورانیت اور فیض سے محروم رہنے والے ہیں اور جو اپنی قطع تعلقی اور ہجران پر مصر رہنے والے ہیں' وعیدیں بھی وارد ہیں' ان کی آخرت کے لیے دھمکیاں موجود ہیں' ان سے رحمت ایزدی اور بخشش الٰہی دور رہے گی اور ان کے لیے ابوابِ بہشت بند ہی رہیں گے اور یہ باتیں مندرجہ ذیل فرمان رسول اکرم ﷺ میں موجود ہیں:

((تُفَتَّحُ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيسِ ' فَيُغْفَرُ لِكُلِّ عَبْدٍ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا ' اِلَّا رَجُلًا كَانَتْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ اَخِيهِ شَحْنَآءُ ' فَيُقَالُ: اَنْظِرُوْا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا ' اَنْظِرُوْا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا ' اَنْظِرُوْا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا)) [1]

[1] صحيح مسلم كتاب البر والصلة: باب النهى عن الشحناء ، حديث: ٢٥٦٥-

''سوموار اور جمعرات کو جنت کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور ہر ایسے بندے کو جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کرتا بخش دیا جاتا ہے مگر وہ آدمی کہ جس کے درمیان اور اس کے بھائی کے درمیان کینہ وبغض موجود ہو، تو فرمایا جاتا ہے ان دونوں کو مہلت دے دو حتیٰ کہ دونوں صلح کرلیں' ان دونوں کو ڈھیل دے دو تا آنکہ اصلاح کرلیں' ان دونوں کو وقت دے دو حتیٰ کہ دونوں باہم صلح کرلیں۔''

بزرگ صحابی سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

« اَلَا اُحَدِّثُكُمْ بِمَا هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنَ الصَّدَقَةِ وَالصِّيَامِ؟ صَلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ۔ اَلَا وَاِنَّ الْبِغْضَةَ هِيَ الْحَالِقَةُ » ①

''کیا میں تمہیں وہ چیز بیان نہ کروں جو تمہارے لیے صدقات وصیام سے بہتر ہے؟ (اور وہ ہے) باہم صلاح وصفائی رکھنا' خبردار یہ بھی یاد رکھو کہ باہمی ناراضی تو اجر و ثواب کو ختم کردینے والی چیز ہے۔''

بلاشبہ اس جلیل و بزرگ صحابی کی اس دین کی روح تک رسائی پانے والی گہری اور صائب نظر ہے جو دین باہمی بھائی چارے' محبت اور ایک دوسرے کو قریب دیکھنے کی بنیاد پر قائم ہے اور عورتوں کو کس قدر زیادہ اپنے باہمی منازعات' مشاجرات اور خصومات میں اس چیز کو پیش نظر رکھنا چاہیے' اس جلیل القدر صحابی نے اپنی حسنِ تفکیر اور دور اندیشی سے یہ دیکھ لیا ہے جو رسول اکرم ﷺ کا قابل اعتبار اور قابل توجہ مقام کا حامل ہے کہ باہمی بغض اعمال کو ضائع کردیتا' اجر وثواب کو مٹا دیتا اور نیکیوں کا قلع قمع کردیتا ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان خاتون کا اپنی مسلمان بہن سے آپس میں تعلقات کی اصلاح و بہتری رکھنا اس کے لیے صدقہ وخیرات کرنے اور روزے رکھنے سے بھی بہتر ہے اور یہ بھی کہ اس کا قطع تعلقی' ہجران اور باہمی ناراضی پر مصر رہنا اس کی حسنات وصالحات کو تباہ کرنے کا موجب ہے۔

اس بزرگ صحابی ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے اپنی یہ بات اس حدیث رسول ﷺ سے اخذ کی ہے

---

① بخاري في الادب المفرد : ۱/۵۰۵ باب الشحناء۔

جسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے آپ ہی سے روایت کی ہے:

((اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِاَفْضَلَ مِنْ دَرَجَةِ الصِّيَامِ وَالصَّلَاةِ وَالصَّدَقَةِ؟ قَالُوْا: بَلٰى، قَالَ : صَلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ، فَاِنَّ فَسَادَ ذَاتَ الْبَيْنِ هِيَ الْحَالِقَةُ)) ①

''کیا میں تمہیں وہ عمل نہ بتاؤں جو درجے میں روزوں، نماز اور صدقے سے بھی افضل ہے۔ انہوں نے عرض کی: جی ہاں! فرمایا: باہم تعلقات کو بہتر رکھنا، بلاشبہ آپس میں تعلقات کو بگاڑنا تو مونڈ دینے والی چیز ہے۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

((هِيَ الْحَالِقَةُ، لَا اَقُوْلُ تَحْلِقُ الشَّعْرَ وَلٰكِنْ تَحْلِقُ الدِّيْنَ)) ②

''یہ مونڈ دینے والی چیز ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ بالوں کو مونڈ دینے والی ہے بلکہ یہ تو دین کو مونڈ دینے والی ہے۔''

ان کی غلطیوں سے چشم پوشی کرنے والی ہوتی ہے:

وہ مسلمان خاتون جس کے نفس کو ہدایت اسلام پلا دی گئی ہے اپنی بہنوں اور سہیلیوں سے درگزر کرنے والی ہوتی ہے، وہ اپنے سینے میں بغض، نفرت اور خفگی و ناراضی کو چھپائے نہیں رکھتی، اگر اسے اپنی کسی بہن کی طرف سے کوئی غصہ بھی آ جائے تو اپنے غصے کو پی جاتی ہے اور اپنی خطا کار بہن کو معاف کر دیتی ہے اور وہ بھی بڑی کشادہ روئی، فراخدلی اور بڑی آسانی کے ساتھ، اس معافی کا اعلان کرنے میں وہ اپنے نفس میں کوئی گھٹن نہیں پاتی اور نہ ہی کسی ذلت و بے عزتی کا احساس دامن گیر رکھتی ہے بلکہ وہ تو اپنی اس معافی میں جسے اپنے سخی دل سے اٹھا رہی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ سے احسان و نیکی کی خواہش مند ہوتی ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی جانب سے پسند فرماتا ہے اور انہیں اس کے عوض میں اپنا قرب نصیب فرماتا ہے:

﴿ وَ الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾

(آل عمران : ۳/۱۳٤)

---

❶ سنن ترمذی، کتاب صفة القيامة، باب (٥٦) حدیث : ۲۵۰۹۔

❷ سنن ترمذی، حوالہ سابق۔

''غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں' اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کو دوست رکھتا ہے۔''

بلاشبہ غضب و غصے کی ہنڈیاں نفس انسانی میں جوش مارتی ہیں اور اس کے صاحب کو دبا لیتی ہیں اور وہ اگر اس کے اوپر عفو و درگزر کا پانی نہیں چھڑکتے تو یہی کیفیت دشمنی' بغض اور کینہ میں تبدیل ہو جاتی ہے تو یہ صورت حال انسان پر غصے سے بھی بڑھ کر مشکل اور خطرناک بن جاتی ہے' لیکن جب انسان اس کے اوپر عفو و درگزر یا بخشش کا پانی بہا دیتا ہے تو وہ غصے کے انگارے کو بجھا دیتا ہے اور نفس کو کینے' بغض اور خفگی کے میل کچیل سے دھو ڈالتا ہے اور یہی وہ احسان کا مرتبہ ہے جسے اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے جو بھی اس کے ایماندار بندوں اور بندیوں میں سے اس کی جانب رسائی کریں گے۔

﴿ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ (آل عمران ۳/ ۱۳۴)

''اور اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کو دوست رکھتا ہے۔''

وہ مسلمان خاتون جسے اسلام نے محسنین میں شامل کر کے اس طرز پر اپنی ہدایت پر ڈھال لیا ہے وہ غیظ و غضب کو محفوظ نہیں رکھتی جو اس کے سینے میں جوش مارتا اور بھڑکتا ہے، کیونکہ جوش مارنے والا غیظ و غضب تو اس کے نفس پر ایک بھاری بوجھ بنا رہتا ہے اور ایک آگ کی لپٹ اور دھواں ہوتا ہے جو قلب کو جھلسا دیتا ہے، بلکہ وہ عفو و درگزر اور بخشش کرنے میں جلدی سے کام لیتی ہے۔ تب وہ اپنے دل میں طمانیت کی ٹھنڈک کو اترتا ہوا محسوس کرتی ہے' راحت' سلامتی اور رشک کی بہاریں اس کے ضمیر و وجدان کو ڈھانپ لیتی ہیں۔

اس مشکل اخلاقی چوٹی پر چڑھنے میں مسلمان خاتون کی مدد اس کا یہ احساس و ادراک کرتا ہے کہ خطا کار مسلمان بہن سے درگزر کر لینے سے اسے ذلت اور عار لاحق نہیں ہو گی بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی عزت و رفعت میں مزید اضافہ ہی ہو گا اور نبی کریم ﷺ نے اپنے فرمان ذیل میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

((مَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا' وَمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰهِ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ))[1]

---

[1] صحیح مسلم کتاب البر والصلة: باب استحباب العفو والتواضع، حدیث: ۲۵۸۸۔

''اللہ تعالیٰ معافی دینے سے کسی بندے کو عزت ہی زیادہ دیتا ہے اور جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی خاطر تواضع اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے مزید بلندی عطا فرماتا ہے۔''

تو جس وقت ہم اس عزت اور رفعت کو احسان کے مرتبہ کے ساتھ ملاتے ہیں جس تک یہ معافی دینے والی خاتون پہنچ چکی ہے تو ہم اس شرف عظیم کو دیکھتے ہیں جو یہ عظیم عورت حاصل کر چکی ہوتی ہے' تو اس کے ساتھ ہی یہ خاتون اللہ تعالیٰ کے ہاں محسنات میں سے بن جاتی ہے اور لوگوں کے ہاں اعلیٰ کردار والیوں' محبوب عورتوں اور معزز و مکرم خواتین میں شامل ہو جاتی ہے۔

بلاشبہ وہ مسلمان خاتون جس نے اپنے دین کی ہدایت کی ٹھنڈی بہاروں اور ہواؤں میں ٹھنڈک کا احساس پا لیا ہے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ اس کے دل میں کسی کے خلاف کینے' بغض اور شدید عداوت کے آثار رہ جائیں' کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی مغفرت اور اس کی رضوان میں ان ناپاک گندگیوں کے مقابلے میں معافی کی قدر و قیمت' دل کی صفائی اور نفس کی ستھرائی کا مکمل طور پر ادراک کر لیتی ہے' جس طرح کہ رسول اکرم ﷺ نے اس بات کو بایں الفاظ بیان کیا ہے:

((ثَلَاثٌ مَنْ لَّمْ يَكُنَّ فِيهِ غُفِرَ لَهُ مَا سِوَاهُ لِمَنْ شَآءَ: مَنْ مَّاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا، وَلَمْ يَكُنْ سَاحِرًا يَتَّبِعُ السَّحَرَةَ، وَلَمْ يَحْقِدْ عَلٰى أَخِيهِ)) [1]

''تین باتیں جس شخص میں نہ ہوں گی، اس کے علاوہ اس میں جو کچھ بھی ہوگا اگر وہ چاہے گا تو اسے معاف فرما دیا جائے گا۔

۱۔ مرتے دم تک وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو۔

۲۔ جو شخص جادوگر نہ ہو کہ وہ جادوگروں کی پیروی کرتا ہو۔

۳۔ جو شخص اپنے بھائی کے خلاف بغض و کینہ نہ رکھتا ہو۔''

وہ اپنی بہنوں سے خندہ پیشانی سے ملتی ہے:

راست باز مسلمان خاتون خندہ رو' روشن خطوط والی' منور چہرے والی اور ہنس مکھ مزاج والی ہوتی ہے، جب بھی اپنی بہنوں سے ملتی ہے تو خندہ پیشانی اور ہنس مکھ چہرے کے ساتھ ان کی

[1] أخرجه البخاري في الأدب المفرد ١/ ٥٠٥ باب الشحناء

طرف بڑھتی ہے، جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اس فرمان گرامی میں خواہش مند ہیں:

« لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ شَيْئًا وَلَوْ اَنْ تَلْقَى اَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلِيقٍ » ①

''کسی بھی نیکی کو حقیر نہ جان خواہ تیرا اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملنا ہی کیوں نہ ہو۔''

کیونکہ خندہ پیشانی سے ملنا ایک اچھی خوبی ہے جس پر اسلام نے ترغیب دلائی ہے، جسے اسلام نے انسان کے لیے ایک قیمتی زیور قرار دیا ہے، جو دنیا میں لوگوں کی محبت کو حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے، جسے اسلام نے ان اعمال صالحہ میں سے رکھا ہے جن کے ذریعے اجر وثواب اور قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے، کیونکہ خندہ روئی عموماً اور غالباً دل کی صفائی اور باطن کی ستھرائی پر دلالت کرتی ہے اور اسی صفائی وستھرائی کی اسلام نے مسلمان مردوں اور عورتوں میں حرص وتمنا کی ہے اور اسے ہمیشہ کے لیے اختیار کرنے کی تلقین کی ہے، اسی لیے تو رسول کریم ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے:

« تَبَسُّمُكَ فِي وَجْهِ اَخِيكَ لَكَ صَدَقَةٌ »

''تیرا اپنے بھائی کے روبرو مسکرانا بھی تیرے لیے صدقہ ہے۔'' ②

اور خود رسول اکرم ﷺ بھی خندہ رو تھے اور اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے ہنس مکھ رہا کرتے تھے، جب بھی آپ کی نگاہ ان پر پڑا کرتی تھی ان کے سامنے تبسم فرمایا کرتے تھے، جس طرح کہ سیدنا جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ اس حقیقت کو منکشف فرماتے ہیں:

''جب سے میں اسلام لایا ہوں رسول اللہ ﷺ نے مجھے روکا نہیں ہے اور جب بھی آپ ﷺ نے مجھے دیکھا ہے آپ نے تبسم فرمایا ہے۔'' ③

بلاشبہ اسلام مسلمان مردوں اور عورتوں سے یہ چاہتا ہے کہ ان کے درمیان محبت و پیار کے رشتے بندھے رہیں، اخوت کے رابطے مضبوط و مستحکم رہیں، اسی لیے تو اس نے ان کے لیے

---

❶ صحیح مسلم کتاب البر والصلة: باب استحباب طلاقة الوجه عند اللقاء، ح: ٢٦٢٦۔

❷ سنن ترمذی، کتاب البر والصلة، باب ماجاء فی صنائع المعروف (حدیث: ١٩٥٦)۔

❸ صحیح بخاری۔ کتاب الادب: باب التبسم والضحك حدیث: ٦٠٨٩ وصحیح مسلم کتاب فضائل الصحابة: باب فضائل جریر بن عبدالله رضی الله عنه، حدیث: ٢٤٧٥۔

سلام کو پھیلانے کو محبوب رکھا ہے' اور خندہ روئی' نرمی گفتار اور بہترین ملنساری کو پسند فرمایا ہے تاکہ ان کے ہشاش بشاش نفوس باہمی تعاون' نیکی اور عمل صالح کی طرف لپکتے رہیں اور اسلام کی عائد کردہ ذمہ داریوں کو اور اس کی مطلوبہ جدوجہد اور قربانیوں کو بجا لانے پر قادر رہیں۔

ان کی خیر خواہی کرتی رہتی ہے:

راست باز مسلمان خاتون کی اچھی عادات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ مکمل طور پر خیر خواہ ہوتی ہے اللہ کی' اس کے رسول کی' مسلمانوں کے سربراہوں کی اور عام مسلمانوں کی' جس طرح کہ صحیح حدیث مبارکہ میں وارد ہے:

((اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ۔ قُلْنَا: لِمَنْ؟ قَالَ: لِلّٰہِ وَلِکِتَابِہٖ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِاَئِمَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَامَّتِہِمْ))①

''دین خیر خواہی کا پیکر ہے' ہم نے عرض کی: کس کے لیے؟ فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے لیے' اس کی کتاب کے لیے' اس کے رسول کے لیے' مسلمان سربراہوں کے لیے اور ان کی عوام کے لیے۔''

مسلمان خاتون کی یہ عادت اسے اپنی بہنوں کی خیر خواہی کرنے والی بنا دیتی ہے' وہ ان کو دھوکا دیتی ہے اور نہ ہی ان سے فریب کرتی ہے اور نہ ہی ان سے خیر و بھلائی کو سمیٹتی لپیٹتی ہے' اور جس وقت وہ اپنی بہنوں اور سہیلیوں سے خیر خواہی کا معاملہ کرتی ہے تو از راہ حسن سلوک و اظہار تعلق نہیں کرتی اور نہ ہی معاشرتی خوش خلقی کے طور پر کرتی ہے بلکہ اس اعتقاد سے کرتی ہے کہ خیر خواہی تو اسلام کے ان بڑے بڑے قواعد وضوابط میں سے ایک قاعدہ اور ضابطہ ہے جن پر اولین مسلمان، رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کیا کرتے تھے' اس بات کی تاکید سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ہوتی ہے:

''میں نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی تھی نماز قائم کرنے پر' زکوۃ ادا کرنے پر اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرتے رہنے پر۔''②

---

① صحیح مسلم کتاب الایمان، باب بیان ان الدین النصیحۃ،حدیث : ٥٥۔

② صحیح بخاری کتاب الزکاۃ۔ باب البیعۃ علی ایتاء الزکاۃ، حدیث: ١٤٠١۔ صحیح مسلم حوالہ سابق، حدیث: ٥٦۔

ابھی ہم نے اس فقرے کے آغاز میں دیکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دین کا تعارف صرف ایک ہی لفظ "نصیحۃ" میں کروایا ہے' اور یہ اس امر کی واضح تاکید ہے کہ نصیحت و خیر خواہی ہی دین کا مرکزی محور ہے بلکہ یہ صحتِ ایمان اور کمالِ ایمان کی شروط میں سے ایک شرط ہے' جس طرح کہ مندرجہ ذیل فرمان رسول ﷺ سے بھی یہ بات سمجھ میں آ رہی ہے:

''تم میں سے کوئی اس وقت تک ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔''[1]

اور یہ بات محتاجِ وضاحت نہیں ہے کہ کوئی انسان اس وقت تک اپنے بھائی کے لیے وہ چیز پسند نہیں کر سکتا جو اپنے لیے پسند کرتا ہے جب تک وہ اس سے محبت کرنے والا اور اس کا خیر خواہ نہ ہو۔ انسان کا اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند کرنا جو اپنی ذات کے لیے کرتا ہے کوئی آسان نرمی سے حاصل ہونے والا اور سہل کام نہیں ہے بلکہ یہ انتہائی مشکل اور مشقت سے حاصل ہونے والا کام ہے جسے مردوں اور عورتوں میں سے صرف وہی پا سکتے ہیں جن کے جذبات و احساسات کو اسلام نے مہذب بنا دیا ہو' جن کے سینوں سے انانیت کے آثار کو کھرچ دیا ہو' جن کے باطن کو حقد' بغض' حسد اور کراہیت سے پاک صاف بنا دیا ہو اور جن میں دوسروں کی محبت کا بیج بو دیا ہو۔

وہ سچی مسلمان خاتون جس کے خیالات کی گہرائیوں میں یہ بات قرار پکڑ چکی ہو کہ اس کا اپنی بہن کے لیے وہی چیز پسند کرنا جو وہ اپنے لیے کرتی ہے صحتِ ایمان اور کمالِ ایمان کی شروط میں سے ایک شرط ہے اور یہ کہ اس کا دین نصیحت و خیر خواہی پر ہی قائم ہے' جو یقین کر لے کہ وہ اس بلند ترین اور مشکل ترین سیڑھی پر چڑھنے کی اہل ہے' بلکہ یہ بلند ترین معانی اس کی زندگی میں اور اس کے اپنی بہنوں اور اپنی سہیلیوں کے ساتھ تصرفات کرنے میں ایک طبعی امر بن جاتے ہیں' پھر وہ ان کے لیے ایک سچا آئینہ بن جاتی ہے' ان کی خیر خواہی کرتی ہے' ان کے لیے بجز خیر کے کچھ بھی آرزو اور تمنا نہیں کرتی' جس طرح کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((اَلْمُؤْمِنُ مِرْأَةُ اَخِیهِ' اِذَا رَاٰی فِیهِ عَیْبًا اَصْلَحَهٗ)) [2]

---

[1] بخاری، کتاب الایمان، باب من الایمان ان یحب لاخیه ما یحب لنفسه، ح: ۱۳۔ مسلم، کتاب الایمان، باب الالیل علی ان من خصال الایمان ان یحب لاخیه المسلم، ح: ۴۵۔

[2] اخرجه البخاری فی الادب المفرد ۲۳۳۱ باب المسلم مرآة اخیه۔

''مومن اپنے بھائی کا آئینہ ہے جب اس میں کوئی عیب دیکھتا ہے تو اسے درست کر دیتا ہے۔''

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ عالی مرتبہ کلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نورانی فرامین سے اخذ شدہ ہے جو یوں فرما رہے ہیں:

((اَلْمُؤْمِنُ مِرْآةُ اَخِيهِ، وَالْمُؤْمِنُ اَخُو الْمُؤْمِنِ، يَكُفُّ عَلَيْهِ ضَيْعَتَهُ وَ يَحُوطُهُ مِنْ وَّرَآئِهِ)) ①

''مومن اپنے بھائی کا آئینہ ہے، مومن مومن کا بھائی ہے، اس کے نفع بخش سامان کو اس کے لیے یکجا کرتا اور اس کے پیچھے اس کی حفاظت کرتا ہے۔''

اور بلاشبہ یہ ایک طبعی اور قدرتی امر ہے کہ سچی مسلمان خاتون کے اپنی بہنوں اور اپنی سہیلیوں کے ساتھ عمومی تعلقات اس درجہ اونچے، رفیع اور بلند سطح کے بن جاتے ہیں کہ اگر وہ اس سطح سے نیچے آنا بھی چاہے تو اس کی طاقت نہیں پاتی، کیونکہ جو محبت کی عطر بیز وفا کی مہک اور اخوت کی بارش میں لبریز پاک صاف ہواؤں فضاؤں میں زندگی بسر کرنے کی عادی ہو وہ کراہیت، خیانت، کینے، انانیت اور غرور کے گڑھوں میں گر نہیں سکتی، کیونکہ ہر برتن سے وہی چیز ٹپکتی ہے جو اس میں موجود ہوتی ہے، کستوری سے خوشبو کے سوا کچھ بھی نہیں ٹپکتا اور پاکیزہ مٹی سے عمدہ اور پاکیزہ نباتات ہی اگا کرتی ہیں شاعر زہیر بن ابی سلمیٰ نے کیا خوب کہا ہے: ②

وَ هَلْ يُنْبِتُ الْخَطِّيَّ اِلَّا وَشِيْجُهُ
وَ تُغْرَسُ اِلَّا فِيْ مَنَابِتِهَا النَّخْلُ

''شگفتہ پھول، پھول کے پودے ہی سے برآمد ہوتا ہے اور میٹھے رس دار کھجور کا درخت مناسب مٹی ہی میں لگایا جا سکتا ہے۔''

---

① اخرجه البخاری فی الادب المفرد ۱/۳۳۳ باب المسلم مرآة اخيه، سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی النصيحة والحياطة، حديث: ۴۹۱۸۔

② شرح ديوان زهير: ۱۱۵ ط دارالكتب المصرية۔

وہ نیکوکار اور وفا شعار ہوتی ہے:

اسلام نے اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو اپنے دوستوں اور سہیلیوں سے ہی نیکی کی ترغیب نہیں دی بلکہ نفس انسانی میں وفاداری اور نیکی سازی کی فضیلت کی تاکید کرتے ہوئے اور حیات اسلامی میں اس فضیلت کی مضبوطی کو بیان کرتے ہوئے والدین کے دوستوں کے ساتھ بھی نیکی کرنے کی تحریص وترغیب دی ہے۔ اور ہماری ورثے کی کتابیں وفا اور نیکی کے واقعات سے بھری پڑی ہیں جنہیں ہمارے سلف صالحین نے اختیار کیا تھا اور اپنی زندگی اور اپنے معاملات میں ان سے اپنے آپ کو آراستہ و پیراستہ کیا تھا' ہمارے یہی اسلاف انسانیت کی پیشانی کا جھومر ہیں۔

اسی حقیقت کی غمازی کرنے کے لیے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

((اِنَّ اَبَرَّ الْبِرِّ اَنْ یَّصِلَ الرَّجُلُ وُدَّ اَبِیْہِ)) [1]

''بلاشبہ نیکیوں میں سے سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کے محبت داروں سے صلہ رحمی کرے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے نفوس وقلوب میں وفا اور نیکی کے بیج بونے کا مکمل علم رکھتے تھے' جب کبھی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے گوش حق نیوش میں اپنی بلند ترین ہدایت کی صدائے حق شناس پہنچاتے تھے تو اس کا بخوبی اہتمام فرمایا کرتے تھے' بنوسلمہ قبیلے کا ایک آدمی حاضر خدمت ہوا' عرض پرداز ہوا: یارسول اللہ! کیا میرے والدین کے فوت ہو جانے کے بعد بھی میرے ذمہ کوئی نیکی کا کام باقی ہے جس کے ذریعے میں ان سے نیکی کر سکتا ہوں؟ فرمایا: ہاں ان کے لیے دعائے خیر کرنا' ان کے لیے بخشش کی طلب کرنا' ان کے وعدوں کو پورا کرنے کی سعی کرنا' اس تعلق کو ملائے رکھنا جو صرف ان کی وجہ سے ہی ملایا جا سکتا ہے اور ان کے دوستوں کا اکرام کرنا۔ [2]

---

1. صحیح مسلم، کتاب البر والصلة: باب فضل صلة اصدقاء الاب والام، حدیث: ۲۵۵۲۔
2. صحیح ابن حبان : ۱۶۲/۲ (حدیث: ۴۱۸) کتاب البر والاحسان: باب حق الوالدین، مسند احمد : ۴۹۷/۳۔ سنن ابی داؤد۔ کتاب الادب۔ باب فی برالوالدین، ح : ۵۱۴۳۔

یقیناً رسول کریم ﷺ نے مسلمان خاتون کے لیے ایک فانوس روشن کر دیا ہے جس سے وہ وفا اور نیکی کرنے میں فیض یاب ہو سکتی ہے' جب آپ ﷺ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کا ان کی وفات کے بعد بھی خیال رکھا کرتے تھے' آپ ﷺ ان کے ساتھ نیکی و احسان کرنے کو کبھی فراموش نہیں کیا کرتے تھے' رسول اللہ ﷺ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کا اس قدر خیال و اہتمام فرمایا کرتے تھے کہ یہ اہتمام ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو غصہ بھی دلا دیتا تھا' آپ اس پر غیرت کا اظہار کیا کرتی تھیں۔ یہ بات ہم اس حدیث میں موجود پاتے ہیں جس میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا خود فرماتی ہیں:

''میں نے ازواج النبی ﷺ میں سے کسی پر اتنی غیرت نہیں کھائی جتنی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا پر کھائی ہے' حالانکہ میں نے انہیں کبھی دیکھا بھی نہیں ہے' لیکن آپ ﷺ ان کا تذکرہ بکثرت فرمایا کرتے تھے، بسا اوقات آپ بکری ذبح فرماتے' گوشت کے چند ٹکڑے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کی طرف بھیجا کرتے تھے اور بعض اوقات تو میں آپ ﷺ سے یہ بھی کہہ دیا کرتی تھی: گویا کہ دنیا میں خدیجہ کے سوا کوئی دوسری خاتون ہی نہیں ہے! آپ ﷺ ارشاد فرماتے: بلاشبہ وہ وہی تھی' اس سے میری اولاد بھی ہوئی۔''[1]

ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے: ''بلاشبہ آپ ﷺ بکری ذبح فرمایا کرتے پھر اس میں سے ان کی سہیلیوں کی جانب ان کی ضرورت کے مطابق ہدیہ بھیجا کرتے تھے۔''[2]

رسول اکرم ﷺ کے اس عمل میں اور اس سیرت و کردار میں وفا اور نیکی کی اصل بنیاد موجود ہے جو فوت شدہ باپوں اور ان کے دور والے دوستوں اور بیویوں اور ان کی سہیلیوں کو بھی شامل ہے' تو جو زندہ اور قریبی سہیلیاں ہیں ان کا مقام کس درجہ ہوگا؟

ان سے شفقت و نرمی برتنے والی ہے:

اور وہ مسلمان خاتون جس کے نفس کو ہدایتِ اسلام پلا دی گئی ہے وہ اپنی بہنوں اور سہیلیوں پر غالب نہیں آتی' نہ ہی ان سے ترش رو ہوتی ہے' اور نہ ہی ان سے سخت کلامی کرتی ہے، بلکہ وہ تو

---

1. صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب تزویج النبی ﷺ خدیجة وفضلها حدیث: ٣٨١٨۔ وصحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب فضائل خدیجة، ح: ٢٤٣٥۔
2. بخاری، کتاب مناقب الانصار: باب تزویج النبی ﷺ خدیجة وفضلها، ح: ٣٨١٨۔

ہمیشہ ان کے ساتھ نرم خو' شفقت و الفت کرنے والی' الفت پانے والی' اچھی گزران والی اور نرم گفتار والی بن کر رہتی ہے، اسے اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی جو مومن مردوں اور مومن عورتوں کی تعریف میں وارد ہے پڑھنا کافی ہوتا ہے:

﴿ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴾ (المائدة : ٥/٥٤)

''وہ نرم دل ہوں گے مسلمانوں پر، اور سخت اور تیز ہوں گے کفار پر۔''

تاکہ اپنے سامنے اس حالت کو مجسم بنا لے جس پر ایک مسلمان خاتون کو اپنی بہنوں اور سہیلیوں کے ساتھ رہنا چاہیے۔ بلاشبہ یہ تواضع' نرم پہلو اور حسن معاملہ کی وہ اعلیٰ ترین حالت ہے جو نرمی کی چوٹی پر پہنچانے والی ہے اور کسر نفسی اور انکساری والی حالت ہوتی ہے۔

اور جس وقت مسلمان خاتون ہدایت نبوی کی طرف التفات کرتی ہے تو وہ مہربانی پر بڑے بڑے دلائل پاتی ہے۔ یہی نرمی زندگی کی ہر چیز کی زینت ہے اور یہ بات رسول اللہ ﷺ کے فرمان گرامی میں ہے:

((اِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُوْنُ فِيْ شَيْءٍ اِلَّا زَانَهٗ وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا شَانَهٗ)) [1]

''بلاشبہ نرمی کسی بھی چیز میں نہیں ہوتی مگر اسے خوشنما بنا دیتی ہے اور کسی بھی چیز سے نکالی نہیں جاتی مگر اسے بدنما بنا دیتی ہے۔''

مسلمان خاتون رسول کریم ﷺ کی سیرت میں دیکھتی ہے تو آپ کی شخصیت میں موجود اوصاف یعنی خلق عظیم' حد درجہ نرمی' پسندیدہ خوش مزاجی' اور آپ کے معاملات میں بے پناہ شفقت وغیرہ اسے ورطہ حیرت میں ڈال دیتے ہیں' آپ ﷺ کے متعلق اتنا بھی ذکر نہیں ملتا کہ آپ ﷺ نے کبھی کسی سے ترش روئی کا مظاہرہ کیا ہو یا کسی سے گرمی گفتار کا لہجہ استعمال کیا ہو یا اس کے ساتھ بدزبانی اور سخت دلی کا برتاؤ کیا ہو اور اللہ عظیم و برتر نے آپ ﷺ کی توصیف و مدح میں بالکل برحق فرمایا ہے:

﴿ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ﴾ (آل عمران : ٣/١٥٩)

''اور اگر آپ بدزبان اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔''

---

[1] صحيح مسلم كتاب البر والصلة: باب فضل الرفق ، حديث: ٢٥٩٤

غور فرمائیے یہ ہیں سیدنا انس رضی اللہ عنہ آپ کے خادم اور آپ کے قریب رہنے والے جو آپ کے بلند ترین اخلاق و شمائل کو یوں بیان کر رہے ہیں:

''میں نے دس برس تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی مجھے یہ نہیں کہا: ''اف!'' اور نہ ہی کسی کام پر جو میں نے کیا ہوتا یہ فرمایا: تو نے اسے کیوں کیا؟ اور نہ ہی کسی کام پر جو میں نے کیا ہوتا یوں فرمایا: تو نے اسے اس طرح کیوں نہ کیا۔''[1]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ یوں بھی فرماتے ہیں:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گالی نہ دیتے تھے' نہ فحش گوئی کرتے تھے اور نہ ہی لعنت کرتے تھے
کسی کو سرزنش کرتے وقت یوں فرمایا کرتے: اس کو کیا ہو گیا ہے
اس کی پیشانی خاک آلود ہو۔''[2]

اس عبارت کی تفسیر میں یہ بات کہی گئی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس جملے سے اسے کثرت سجود کی دعا دیا کرتے تھے' تو اس میں اس کی ہدایت اور اصلاح کی راہ نکلتی ہے۔

ان کی غیبت نہیں کرتی:

سمجھدار بیدار مغز مسلمان خاتون ان مجالس میں غیبت کے پیچھے نہیں چلتی جن میں غیبت کی باتیں چل نکلتی ہیں بلکہ وہ عمومی طور پر ان میں بحث کرنے سے اور خصوصی طور پر اپنی بہنوں اور سہیلیوں کی غیبت کرنے سے اپنی زبان کو روکے رکھتی ہے' وہ اپنی ذمہ داری سمجھتی ہے کہ مجلس کو غیبت کے خطرناک جوہڑ میں گرنے سے محفوظ رکھے' کیونکہ قرآن کریم کی نص سے غیبت حرام ہے:

﴿ وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (الحجرات : ٤٩/ ١٢)

''اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کرے' کیا تم میں سے کوئی بھی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے' تم کو اس سے گھن آئے گی' اور اللہ سے ڈرتے رہو' بیشک

---

1. صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب صفة النبی صلی اللہ علیہ وسلم ح: ٣٥٦١۔ صحیح مسلم۔ کتاب الفضائل، باب کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم احسن الناس خلقاً حدیث: ١٢٣٣۔
2. صحیح بخاری کتاب الادب، باب لم یکن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاحشا و لا متفحشا، حدیث: ٦٠٣١

اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔''

یقیناً متقی مسلمان خاتون ہمیشہ اپنی زبان کو ان باتوں میں پڑنے سے روکے رکھتی ہے جو غیبت میں لے جانے والی ہیں' اور وہ اس بات کو یاد رکھتی ہے جو اس نے اپنے دین کی ہدایت سے سن رکھی ہیں کہ زبان ایسی چیز ہے جو اپنے استعمال کرنے والے کو آتش دوزخ میں جھونکنے والی ہے اور یہ بات اس حدیث مبارکہ میں موجود ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان مبارک کو پکڑ کر سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو خبردار کیا تھا: ''اس پر قابو رکھو' سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا نبی اللہ! کیا ہمارا اپنی گفتگو کردہ باتوں پر مواخذہ کیا جائے گا؟ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تیری ماں تجھے گم پائے' نہیں گرائیں گے لوگوں کو آتش جہنم میں ان کے چہروں کے بل۔ یا فرمایا: ان کے نتھوں کے بل..... مگر ان کی زبانوں کے بول ہی۔ [1]

بلاشبہ غیبت ایک قابل مذمت عادت ہے' وہ مسلمان خاتون جو اپنے دین کی ہدایت سے روشنی حاصل کرنے والی ہے اس کی عادی نہیں ہو سکتی' اس کی وہ شخصیت جو اس دین کے فضائل و محامد سے سیراب ہوتی ہے اس سے انکار کرتی ہے کہ وہ دو چہروں والی اور دو زبانوں والی بنے وہ متلون مزاج بنے' کیفیت و حالت تبدیل کرتی رہے' منافقت اختیار کرے' ظاہراً خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرے اور مجالس میں اپنی بہنوں اور سہیلیوں کی غیبت کرتی رہے' یعنی جب ان سے ملاقات کرے تو ان کے لیے بڑی ہشاش بشاش رہے' ان کے سامنے مودت اور دوستی کے رشتے ظاہر کرے، کیونکہ وہ جانتی ہے کہ متلون مزاجی اس شریعت اسلام میں حرام ہے جو شریعت استقامت' صداقت اور وضاحت کی بنیادوں پر قائم ہے اور جس نے اہل ایمان مردوں عورتوں کی طبائع کو اس کے مطابق ڈھال لیا ہے' اور جس شریعت نے ان کے لیے تذبذب' تلون مزاجی اور نفاق کو ناپسندیدہ ٹھہرایا ہے' بلکہ اسلام نے ان بدعادات و برے اطوار سے انتہائی متنفر کر دیا ہے' جب اس نے ایسے شخص کو جو ان بدعادات کو اختیار کرتا ہے اسے دو چہروں والا قرار دیا ہے اور دو چہروں والے اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین لوگ ہوں گے اور یہ بات رسول کریم ﷺ کے فرمان گرامی میں موجود ہے:

---

[1] سنن ترمذی، کتاب الایمان، باب ماجاء فی حرمۃ الصلاۃ، حدیث: ۲۶۱۶۔

''تم قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے پاس بدترین لوگوں میں سے دو چہروں والے کو پائے گا جو ان لوگوں کے پاس ایک چہرے کے ساتھ آتا ہے اور دوسروں کے پاس ایک چہرے کے ساتھ آتا ہے۔''①

اور راست باز مسلمان خاتون کا چہرہ ایک ہوتا ہے دو چہرے نہیں ہوتے' اور وہ چہرہ بڑا چمکدار' روشن' ہنس مکھ اور نہایت صاف شفاف ہوتا ہے' جو نہ تو رنگ بدلتا ہے اور نہ ہی حالات کے ساتھ ساتھ متغیر ہوتا ہے' وہ تمام لوگوں سے ایک ہی چہرے سے ملاقات کرتی ہے' اس کے ذہن سے یہ امر اوجھل نہیں رہتا کہ دو چہروں والی منافق ہوتی ہے' اور اسلام اور نفاق دونوں اکٹھے نہیں ہو سکتے' اور منافق عورتیں تو دوزخ کے نچلے گڑھے میں ہوں گی۔

وہ جھگڑنے' اذیت دہ مزاح اور وعدہ خلافی سے اجتناب کرتی ہے:

سمجھدار مسلمان خاتون کی صفات میں سے یہ باتیں بھی ہیں کہ وہ اپنی بہنوں اور سہیلیوں کے ساتھ زندگی گزارنے میں سنجیدگی' فطانت اور حکمت سے کام لیتی ہے' وہ انہیں لڑائی' جھگڑے اور اکتا دینے والی اور نفرت پیدا کرنے والی کٹ حجتی سے پریشان نہیں کرتی اور نہ ہی انہیں تکلیف دہ مزاح سے تنگ کرتی ہے' اور نہ ان سے کیے گئے وعدوں کی خلاف ورزی ہی کرتی ہے' ان تمام باتوں میں وہ نبی کریم ﷺ کی ہدایت سے راہ یاب ہونے والی ہے، جو اس طرح فرما رہے ہیں:

((لَا تُمَارِ اَخَاكَ' وَلَا تُمَازِحْهُ' وَلَا تَعِدْهُ مَوْعِدًا فَتُخْلِفَهُ)) ②

''اپنے بھائی سے جھگڑا نہ کر' اس سے تکلیف دہ مزاح نہ کر' اور نہ اسے ایسا وعدہ دے جس کی تو خلاف ورزی کرے۔''

یہ بات یاد رکھیں کہ جدل ومخاصمہ سینوں میں کینے بھرتے اور دشمنی اور نفرتیں پیدا کرتے ہیں' اسی طرح موذی جارح مزاح بھی دو بہنوں کے درمیان صاف ستھرے تعلق کو مکدر د گدلا بنا دیتا

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب ما قیل فی ذی الوجھین' حدیث: ٦٠٥٨ و صحیح مسلم کتاب البر والصلة، باب ذم ذی الوجھین۔ حدیث: ٢٥٢٦۔

❷ بخاری فی الادب المفرد ١/ ٤٨٥ باب لا تعد اخاك شیئا فتخلفه ۔ سنن ترمذی۔ کتاب البر والصلة۔ باب ماجاء فی المراء، حدیث: ١٩٩٥۔

ہے' اور وعدوں کی خلاف ورزی اخوت و دوستی کے رشتہ کو کمزور بنا ڈالتی ہے' اور آپس کے باہمی احترام کو کم کر دیتی ہے۔ معزز و شریف مسلمان خاتون اس طرح کے معاشرتی اختلافات سے حتیٰ الوسع دور ہی رہتی ہے جو انسان کی شخصیت کو عیب دار اور ہلاک کرنے والے ہوں۔

اپنی بہنوں کے ساتھ فیاضی وسخاوت کا برتاؤ کرتی ہے:

اپنے دین کی ہدایت کو یاد رکھنے والی مسلمان خاتون سخی اور جواد ہوتی ہے، اس کا ہاتھ اپنی بہنوں اور سہیلیوں کے لیے ہمہ وقت سخاوت و بخشش کے لیے کھلا رہتا ہے' اس کا چہرہ ان کی دعوت کرنے' ان کا استقبال کرنے' ان کا اکرام کرنے اور ان کو کھانے پیش کرنے میں چمکتا دمکتا اور روشن ومنور رہتا ہے۔

یہ بات مسلّم ہے کہ کھانے پر دوستانہ ملاقاتیں اخوت کی کڑیوں کو مضبوط کرتی ہیں اور بہنوں کے درمیان مودت و پیار کے رشتوں کو پائیدار بناتی ہیں' اور ان کی زندگی میں اس عمدہ تر انسانی پیار کی شبنم کو بکھیرتی ہیں جس سے مغربی عورت محروم ہے، جس کی جدید مادی تہذیب نے پرورش کی ہے' جس کے نفس میں نفع مندی' انانیت اور تنہائی کی روح نے رسائی پائی ہے جس کے نتیجے میں وہ روحانی خلا اور محبت سے دوری سے دو چار ہے۔ جس کی بنا پر دوستی سے اور مخلص سہیلیوں سے محرومی کا احساس جنم لیتا ہے۔ مغربی انسان کا عموماً اور مغربی عورت کا خصوصاً یہی حال ہے۔ کتوں کی پرورش کرنے' ان کو پالنے کا اس قدر اہتمام کرنے' ان کی خدمت گاری پر اس درجہ خیال رکھنے اور انہیں عزت افزائی بخشنے کا رجحان صرف اور صرف اس چیز کا بدلہ ہے جو وہ انسانی محبت کی سیرابی سے محروم ہیں جسے مادی فلسفے نے ان کے نفسوں سے بالکل خشک کر دیا ہے۔

فرانس کی ایک رپورٹ میں یہ بھی موجود ہے کہ فرانس کے سات ملین کتوں کے ساتھ باون ملین انسان متعین ہیں' ان کتوں کے ساتھ ان کے مالک اس طرح زندگی گزارتے ہیں گویا کہ وہ ان کے رشتہ دار اور عزیز و اقارب ہیں' کوئی اجنبی شخص ''پاریس'' کے ہوٹلوں میں یہی منظر دیکھتا ہے کہ کتے کے ساتھ اس کی مالکہ یا مالک ایک ہی دسترخوان پر کھانا تناول کر رہے ہیں۔ اور جب ''پاریس'' کے حیوانات کی نگہداشت کرنے والی انجمن کے صدر سے یہ بات پوچھی گئی کہ فرانسیسی اپنے کتوں کے ساتھ اس طرح کا برتاؤ کس لیے کرتے ہیں جو برتاؤ وہ اپنے آپ سے کرتے

ہیں؟ تو اس نے یوں جواب دیا تھا: کیونکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ان سے محبت کرتے ہیں اور وہ لوگوں کے درمیان کسی کو اپنے ساتھ محبت کرنے والا نہیں پاتے۔ ①

بلاشبہ مادی انسان مغرب کا ہو یا مشرق کا وہ اپنے معاشرے میں محبت کرنے والے' چاہنے والے اور وفادار دوست شخص کو پا ہی نہیں سکتا جو اسے اپنی دلی محبت اور قلبی پیار عطا کرے' اس لیے وہ ان حیوانات کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے جن میں وہ الفت اور وفاداری کو اس حد سے زیادہ پاتا ہے جو اسے اپنے گردونواح میں موجود لوگوں میں نظر آتی ہے۔ ہدایت کی روشنی اور ایمان کی نعمت سے محرومی کے بعد یہ کس درجہ کی حماقت ہے کہ انسان محبت کرنے میں اس درجہ اوندھا ہو جائے کہ وہ کتوں اور درندوں سے پیار کرنے والا بن جائے' یہ کس درجہ انسانیت کی توہین اور گراوٹ ہے!؟

محبت کے اس اوندھے پن نے جس میں مغرب کا انسان مبتلا ہو چکا ہے اس نے انسانی نفس میں موجود پیار کے چشموں اور سوتوں کو خشک کر دیا ہے' مسلم اور غیر مسلم ادیبوں کی بہت بڑی تعداد کی نظروں کو جس چیز نے موڑ دیا ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے اس مغربی مادی زندگی کو دیکھا ہے جس نے انسان کو مغربی سوسائٹیوں کا حریص ولالچی بنا دیا ہے۔ جس نے انسان کو ایک ''مشینی آلے'' کی مثل بنا چھوڑا ہے' جو انسانی زندگی میں بجز محنت' کاوش' پیداوار اور آمدنی میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے کچھ اور نہیں جانتا' اس کا دل کسی دوست کے لیے آرام و راحت محسوس نہیں کرتا' نہ ہی کسی ساتھی کی محبت بھری مسکراہٹ پر اس کے دانت کھلتے ہیں، وہ تو صرف ہکا بکا اور حواس باختہ کھڑا نظر آتا ہے جو جلد بازی' آلات اور شور وغل میں جکڑا ہوا ہے اور یہی چیزیں اس کی زندگی کا مطمح نظر اور مقصود حیات ہیں' حالانکہ انھی لوگوں نے دیار اسلام میں نشوونما پائی تھی' اس کی کشادہ و عالی ظرف روحانی فضاؤں میں سانس لیے تھے' جن کے دل اپنے انسان بھائی کے لیے انسانی محبت سے معمور و بھرپور تھے۔ اب وہی اہل مغرب کو محبت' بھائی چارے اور باہمی تعارف کی پرجوش صداؤں میں پکارتے نظر آتے ہیں۔ یہ اسلام کے رشتہ دار

---

① پروفیسر وحید الدین خاں کا مضمون جو بعنوان ''وجوب التطبیق الشریعة الاسلامیه فی کل زمان ومکان'' مجملہ المتمع الکویتیه شمارہ نمبر ۳۲۵' ۲۴ ذوالقعدہ ۱۳۹۶ کو بمطابق نومبر ۱۹۷۶ء کو چھپا تھا۔

ہیں جو ''انسانی فلاح'' کے پرچم کو اٹھائے ہوئے ہیں اور اس مغربی انسان کو جس کے دل کو مادیت پسندی نے زنگ آلود بنا دیا ہے' جس کی آنکھوں کو تہذیب کی روشنیوں نے اندھا بنا دیا ہے' جس کے کانوں کو آلات کے شور وغل نے بہرا کر دیا ہے' یہ کہتے ہوئے آوازیں دے رہا ہے:[1]

''اے میری محبت کے بیٹے! اے میرے صاحب! اے میرے رفیق! میری محبت کوئی بیگانہ محبت نہیں ہے اور نہ ہی زبردستی ڈالا ہوا کوئی بوجھ ہے۔''

''ارے میرے بھائی! میرے دوست! میری بات کو قبول کر لے۔ اور میری طرف پلٹ آ یقیناً یہی پر لطف اور مزیدار بات ہے۔''

''اور جب تو تن تنہا جانا چاہے اور جب تجھے میری طرف سے ملال واکتاہٹ محسوس ہو۔''

''تو چلے جانا' لیکن تو میری آوازوں کو مسلسل سنتا ہی رہے گا' اے ''اے میرے بھائی'' کی صداؤں سے تجھے میرا پیغام محبت سناتی رہیں گی۔''

''تجھے یہ میری محبت بھری آوازیں سنائی دیتی رہیں گی، تو کہاں چلا گیا ہے تو کدھر جا رہا ہے' اور تو اس کی خوبصورتی اور جلالت کو محسوس کرتا رہے گا۔''

تو لیجیے یہ بھی دیکھئے دیار مغرب میں یوسف اسعد غانم پر اسی مادی زندگی کی گرفت اور اس کا دباؤ کس قدر بڑھ گیا ہے' جو مادی ساز وسامان کے بوجھوں والی بھاری بھر کم زندگی سے اکتا گیا ہے جو مادیت کی خشک سخت اور طوفانی لہروں میں ڈوبی ہوئی ہے' جس میں روحانیت' بھائی چارے اور باہمی پیار ومحبت کی کوئی بوند بھی نظر نہیں آتی' جس کے لیے کوئی جاندار اور ذی روح اپنے پر پھڑپھڑاتی ہو' اس کے دل میں دیار اسلام میں کسی عربی سرزمین میں جانے کا شوق اور تڑپ کے جذبات کس قدر موجزن نظر آتے ہیں' جو نبوتوں کی سرزمین ہے' جو روحانیات کا منبع و مصدر ہے' جو محبت' بھائی چارے اور باہمی رواداری کی آماجگاہ ہے' وہ کسی عربی خیمے میں زندگی گزارنے کا کس قدر متمنی و خواہش مند نظر آتا ہے اور اس تہذیبی اور مادی دنیا کو اور اس کی روشنیوں' اس کے شور وغل اور اس کے شور شرابے کو کس حد تک چھوڑنے کے لیے بے تاب نظر آتا ہے پیچھے پڑھیے اس کی بے تابی کو:

---

1. دیوان الارواح الحائرة: قسم النزعة الانسانیة۔

''کاش میری ساری کی ساری زندگی بھاپ کی شکل میں مختصر ترین بن جائے اور کسی عربی علاقے میں جا پہنچے' تو میں اس مختصری زندگی پر اللہ تعالیٰ کی تعریفیں ہی بیان کرتا رہوں جو ایسی دنیا میں جا بسے جس دنیا کو اللہ وہاں کے باشندوں کے دلوں میں بسائے ہوئے ہو...... میں تو اس مغربی زندگی سے مکمل اکتا چکا ہوں' میرا دل اس سے اچاٹ ہو چکا ہے' مجھ سے گاڑی' ہوائی جہاز بھی لے لو' اس کے بدلے میں مجھے اونٹ اور گھوڑا دے دو' مجھ سے یہ مغربی زندگی لے لو' یہ زمین' آسمان اور سمندر لے لو' اس کے عوض مجھے ایک عربی خیمہ عنایت کر دو، جسے میں اپنے وطن لبنان کے کسی کنارے پر گاڑ لوں' دجلہ و فرات کے ساحلوں میں سے کسی زرخیز و شاداب کنارے پر' عمان کے ہرے بھرے باغوں میں' سعودیہ کے صحرا میں' یمن کے گمنام مقامات میں' اہرام کے پہاڑوں کی چوٹیوں میں' لیبیا کے ویرانوں میں' مجھے ایک عربی خیمہ دے دو' میں اسے ترازو کے ایک پلڑے میں رکھوں' اور ساری دنیا کو دوسرے پلڑے میں ڈال لوں' تو میں پھر بھی کامیاب و کامران ہوں گا......''[1]

بہت سے مہاجر عرب ادباء کی ایسی لا تعداد نصوص و عبارات موجود ہیں جو دل کو اس درجہ تک ہلا کر رکھ دینے والی ہیں' لیکن انہی دو عبارتوں پر اکتفا کرتا ہوں' یہ بھی اس پیاس کو ظاہر کر رہی ہیں جس سے وہ اس مغربی مادی جہان میں دو چار ہیں اور جسے وہ عالم مشرق میں دیکھتے ہیں' وہ محبت بھری شکم سیری کی طرف ہجرت کرنا چاہتے ہیں، اس محرومی اور فقدان نے ان کے نفوس و قلوب میں شوق و حنین کے چشمے جاری کر دیے ہیں، جو مشرقی زندگی میں اسلام نے جا بجا بکھیرے ہوئے ہیں، جن میں باہمی الفت' بھائی چارے' باہمی خیر سگالی اور رواداری کی لہریں ہی لہریں دکھائی دیتی ہیں۔

بلاشبہ اسلام نے مشرق میں نفوس میں محبت کے پودے لگائے ہیں' بھائی چارے اور مودت کے دلوں میں بیج بوئے ہیں' کیونکہ اس نے باہمی ملاقاتوں' زیارتوں اور دعوتوں کے تبادلے کرنے کی ترغیب دی ہے' اور اسی نے ایسے اجتماعات' ایسی ملاقاتوں کی طرف بلانے والوں اور

---

[1] ملاحظہ فرمائیں ادب الهجر لعیسی الناعوری' دار المعارف مصر' ص ۵۲۷۔

بلانے والیوں کو سب لوگوں میں سے بہترین قرار دیا ہے:

((خَيْرُكُمْ مَّنْ أَطْعَمَ الطَّعَامَ وَرَدَّ السَّلَامَ))

''تم میں سے بہترین وہ ہے جو کھانا کھلائے اور سلام کا جواب دے۔''①

اور اسلام ہی نے ایسے سخیوں' فیاضوں اور کشادہ ہاتھ والوں کو خواہ مرد ہوں یا عورتیں سلامتی سے جنت میں داخلہ پانے کی بشارتیں سنائی ہیں:

((أَفْشِ السَّلَامَ، وَأَطْعِمِ الطَّعَامَ، وَصِلِ الْأَرْحَامَ، وَقُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ، وَادْخُلِ الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ))②

''سلام کو عام کر' کھانا کھلا' صلہ رحمی کر' رات کو قیام کر جب لوگ سو رہے ہوں تو سلامتی سے جنت میں داخل ہو جا۔''

اور اسلام نے ہی ایسے سخیوں کو ان ممتاز جنتی بالا خانوں کی خوشخبری سنائی ہے: ''جنت میں ایسے ایسے بالا خانے ہیں جن کے باہر سے ان کا اندر نظر آئے گا اور جن کے اندر سے باہر بھی نظر آتا ہو گا' انہیں اللہ تعالیٰ نے ان شخصوں کے لیے تیار فرمایا ہے جو کھانا کھلاتے ہیں' گفتگو کو نرم بناتے ہیں' روزوں کو پیہم رکھتے ہیں' اور راتوں کو نماز پڑھتے ہیں جب کہ لوگ خواب غفلت میں مدہوش رہتے ہیں۔''③

بہنوں کی عدم موجودگی میں ان کے لیے دعائیں کرتی ہے

وہ سچی مسلمان خاتون جس کے دل میں ایمانی بشاشت رچ بس گئی ہے اپنی دینی بہن کے لیے وہی چیز پسند کرتی ہے جو اپنی ذات کے لیے پسند کرتی ہے' اسی لیے وہ اس کی عدم موجودگی میں اس کے لیے دعائیں کرنے کو نہیں بھولتی' ایک غائب کی دوسرے غائب کے لیے دعا' جو اخوت کی سچی حرارت سے لبریز ہوتی ہے' جو مخلص اور محبت رکھنے والے دل سے نکلتی ہے' اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی جانتی ہے کہ ایسی دعا قبولیت کے اعتبار سے سب سے برق رفتار ہوتی ہے

---

① حدیث حسن رواہ احمد ٦/١٦۔

② حدیث صحیح رواہ احمد ٢/٢٩٥' والحاکم ٤/١٢٩ کتاب الاطعمۃ۔

③ حدیث حسن رواہ احمد ٥/٣٤٣ وابن حبان ٢/٢٦٢ حدیث: ٥٠٩۔ کتاب البر والاحسان: باب افشاء السلام واطعام الطعام۔

کیونکہ اس میں سچی گڑگڑاہٹ' شعوری حرارت اور مقصد کی بلندی وفوقیت شامل حال ہوتی ہے' اس امر کی تاکید مندرجہ ذیل فرمان رسول ﷺ سے ہو رہی ہے:

« اَسْرَعُ الدُّعَآءِ اِجَابَةً دُعَآءُ الْغَائِبِ لِغَائِبٍ » ①

''قبولیت کے اعتبار سے تیز ترین دعا وہ ہے جو ایک غائب، دوسرے عدم موجود بھائی کے لیے مانگتا ہے۔''

یہ معنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نفوس مبارکہ میں جاگزین ہو چکا تھا وہ اپنے بھائیوں سے ہر ایسے موقع پر دعا کا تقاضا اور مطالبہ کیا کرتے تھے جو بھی قبولیت کے لحاظ سے مناسب ہوتا تھا' اس میں مرد وعورت سب یکساں نظر آتے ہیں' یہ چیز ہماری تاریخ اسلام میں اس مبارک اور روشن عہد میں معاشرتی سطح کی سربلندی کی بین دلیل ہے' امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی الادب المفرد میں صفوان بن عبداللہ بن صفوان سے یہ روایت ذکر کی ہے جن کے عقد میں ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی لخت جگر درداء تھیں۔ کہتے ہیں: میں ملک شام میں ان کے ہاں حاضر ہوا' تو میں نے ام الدرداء کو گھر میں تنہا پایا میں نے ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو گھر میں موجود نہ پایا' وہ پوچھنے لگیں: کیا تو حج کا ارادہ رکھتا ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں! فرمانے لگیں: ہمارے لیے بھی دعائے خیر کرنا' کیونکہ نبی اکرم ﷺ یہ فرمایا کرتے تھے:

''مسلمان آدمی کی دعا اپنے عدم موجود بھائی کے لیے قبول ہوتی ہے' اس کے سر کے پاس ایک فرشتہ مقرر ہوتا ہے' جب بھی وہ اپنے بھائی کے لیے دعائے خیر کرتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے: آمین' اور تیرے لیے بھی ایسا ہی ہے۔''

کہتے ہیں: پھر میں بازار میں سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے ملا تو انہوں نے بھی ایسا ہی فرمایا' وہ بھی نبی اکرم ﷺ سے بیان کرتے تھے۔ ②

یقیناً رسول اللہ ﷺ مسلمان مردوں اور عورتوں کے نفوس وقلوب میں اجتماعی روح کو مستحکم فرما رہے ہیں اور باہمی مودت ومحبت کے رشتوں کو ان کے درمیان مضبوط بنا رہے ہیں' اللہ تعالی

---

① اخرجہ البخاری فی الادب المفرد ۲/۸۳ باب دعاء الاخ بظھر الغیب۔

② الادب المفرد ۲/۸٤ باب الدعاء بظھر الغیب۔ صحیح مسلم۔ کتاب الذکر والدعاء۔ باب فضل الدعاء للمسلمین بظھر الغیب، حدیث: ۲۷۳۳۔

کے لیے محبت رکھنے کی کڑیوں کو پختہ کر رہے ہیں' ان میں اجتماعیت کی روح کو عام کر رہے ہیں' پیش آمدہ ہر موقف میں فردیت اور انانیت کی رگ کو سرے سے کاٹ رہے ہیں' تاکہ مسلم معاشرے کی زندگی میں محبت' باہمی رابطے' احساسات' خیر سگالی' مودت' صلہ رحمی' تعلق داری اور ایثار کے جذبات کو راسخ کر دیں۔

آپ کی عمدہ اور شاندار ہدایات میں سے، جو نفس میں اجتماعی روح کو پیوست کر رہی ہیں، ایک وہ فرمان گرامی بھی ہے جو آپ ﷺ نے اس آدمی کو ارشاد کیا تھا جس نے دعا میں یہ الفاظ پکارے تھے:

((اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَلِمُحَمَّدٍ وَحْدَنَا))

''اے اللہ صرف مجھے اور محمد (ﷺ) کو معافی عطا فرما۔''

تو آپ ﷺ نے اسے فرمایا تھا:

((لَقَدْ حَجَبْتَھَا عَنْ نَاسٍ کَثِیْرِیْنَ)) [1]

''تو نے اسے بے شمار لوگوں سے روک لیا ہے۔''

نبی کریم ﷺ ایسے تربیتی مواقع میں صرف اسی ایک دعا مانگنے والے شخص کی ہی درست رہنمائی نہیں فرما رہے بلکہ آپ تو پوری اسلامی امت میں اجتماعیت کی روح کو مستحکم فرمایا کرتے تھے' آپ ہر مسلمان مرد و عورت کو ہر زمان و مکان میں رہتے ہوئے یہ تعلیم دیتے تھے کہ ہر اس شخص کو یہ زیب نہیں دیتا جو شہادتین کا اقرار کر چکا ہے کہ وہ خیر و بھلائی کے لیے صرف اپنے آپ کو ترجیح دے کیونکہ مومن کو ہمیشہ ایسا ہی ہونا چاہیے کہ وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی چیز پسند کرے جو اپنی ذات کے لیے کرتا ہے۔

خلاصہ گفتگو یہ کہ وہ مسلمان خاتون جس کی اسلام نے تربیت کی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی خاطر اپنی اسلامی بہنوں سے اور اپنی اسلامی برادری سے محبت رکھتی ہے' وہ ان سے محبت رکھنے میں صادق اور ان کے ساتھ رشتہ اخوت میں مخلص ہوتی ہے' ان کی خیر خواہ رہتی ہے' ان کے لیے ہر نفع بخش کام میں حریص نظر آتی ہے' ان کے لیے وہی چیز پسند کرتی ہے جو اپنے وجود کے لیے

---

[1] اخرجه البخاري في الادب المفرد ٢/ ٨٥ باب الدعاء بظهر الغيب۔ سنن ابي داؤد۔ كتاب الصلاة۔ باب الدعاء في الصلاة، حديث : ٨٨٢ بمعناه۔

کرتی ہے' اپنے اور ان کے درمیان اخوت اور محبت کے تعلقات کو دوام بخشنے کی حریص رہتی ہے ان سے قطع تعلق کرتی ہے اور نہ ہی انہیں چھوڑتی ہے' وہ ان کی لغزشوں اور غلطیوں کو کشادہ دلی سے معاف کرنے والی اور درگزر کرنے والی ہوتی ہے' ان کے خلاف کوئی کینہ' حسد' بغض اور رنجش اٹھائے نہیں رکھتی' وہ ان سے ہر دم خندہ پیشانی' کشادہ روئی' ہنس مکھ اور خوش مزاجی سے ملتی ہے' وہ ان کے ساتھ وفاداری اور نیکوکاری سے برتاؤ کرتی ہے' ان سے نرمی کا برتاؤ کرتی ہے' ان کی چغلی نہیں کھاتی' ان کی غیبت نہیں کرتی' ان کے جذبات کو شدید جھگڑوں اور لڑائیوں بھڑائیوں سے مجروح نہیں کرتی' ان پر سخاوت کرتی ہے' ان کا اکرام کرتی ہے' اور ان کی عدم موجودگی میں ان کے لیے دعائے خیر جاری رکھتی ہے۔

یہ کوئی قابل تعجب بات نہیں ہے کہ وہ مسلمان خاتون جس کے احساسات و جذبات کو اسلام نے مہذب بنا دیا ہو' اور جس کی شخصیت کو اسلام نے مذکورہ صفات سے آراستہ و پیراستہ کر دیا ہو بے شمار پاکیزہ صفات کی حامل ہوتی ہے۔ بلاشبہ انسان کی تربیت کے میدان میں اسلام کا ایک معجزہ ہے' وہ خواہ مرد ہو یا عورت' وہ کسی بھی زمانے میں زندگی بسر کر رہا ہو' یا کسی بھی جگہ رہائش پذیر ہو۔

مثالی مُسلمان عورت کا تعلق
اپنے مُعاشرہ کے ساتھ

مسلمان خاتون شرعی احکامات کی پابندی کرنے کے حکم میں مرد کی مانند ہے' یہ زندگی میں ایک مقصد کی حامل ہے' اسی لیے واجب اور لازم ہے کہ وہ فعال اور مؤثر معاشرتی خاتون بن کر رہے' خواہ اس کی زندگی' خاندان اور ماحول کے حالات وظروف کیسے ہی کیوں نہ ہوں' وہ حتیٰ الوسع عورتوں سے میل جول رکھتی ہے اور اسلام کے اس بلند ترین اخلاق کے ساتھ ان سے برتاؤ کرتی ہے جو اسے دیگر عورتوں سے ممتاز بناتا ہے۔

سمجھدار مسلمان خاتون جہاں کہیں بھی ہو وہ مینارۂ نور' طاقِ ہدایت اور مصدرِ رشد و ہدایت ہوتی ہے' وہ اپنے اقوال وافعال سے مساوی طور پر تمیز' پختگی اور شعور آفرینی کے اعمال سرانجام دیتی رہتی ہے۔

باعث یہ ہے کہ وہ مسلمان خاتون جس نے قرآن کریم کی ہدایت سے روشنی پائی ہے اور نبوی سنت مطہرہ کے سرچشمے سے سیرابی پائی ہے ایک معاشرتی اور طرز اول پر ترقی پانے والی شخصیت ہے' وہ اس مقام کی اہل ہے کہ وہ نسوانی معاشروں میں اپنی دعوتی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکے' وہ اس دین عظیم کی ہدایات پر اپنے کانوں' آنکھوں اور ذہن کو کھول کر رکھنے والی ہے جس نے دنیا میں تاریخ نسوانیت میں خاتون کو بہت جلد اتنا اعلیٰ مقام عطا فرمایا ہے' اور اسے مکارم اخلاق کا ایک بڑا حصہ بطور زادِ راہ عنایت کیا ہے' جن کا تذکرہ اس دین حنیف نے قرآن کریم اور حدیث شریف کی بے شمار نصوص میں فرما دیا ہے' اور جنہیں اختیار کرنے اور اپنانے کو اس نے دین قرار دیا ہے' جس کے کرنے پر آدمی کو ثواب اور جن کے ترک کرنے پر محاسبہ کا ذمہ دار ٹھیرایا ہے' یہ نصوص اتنی طاقت رکھتی ہیں کہ اپنے رب کے ساتھ سچی مسلمان خاتون کی شخصیت اس قابل بنا دیں کہ وہ معاشرتی' ترقی یافتہ' مہذب' متقی' پاکدامن' بہترین اور عفت پسند خاتون کے لیے ایک منفرد نمونہ قرار پائے۔

بلاشبہ اپنے دینی احکامات کو یاد رکھنے والی مسلمان خاتون تمام نسوانی معاشروں میں جن میں وہ آئے جائے نمایاں نظر آتی ہے اور اپنے برحق دین کی برحق اقدار اور اس کے خوبصورت اطوار و عادات کی پیکر نظر آتی ہے' اور ان عمدہ اقدار کو عملی شکل میں اجاگر کرتی ہے اور ان اطوار و عادات سے آراستہ و پیراستہ رہتی ہے' اس کا معاشرتی شخصیت کا ممتاز پیکر اپنے معاشرتی کردار اور لوگوں کے ساتھ معاملات طے کرنے میں اسلام کی اعلیٰ ترین اقدار کا ایک اعلیٰ ترین اور قابل قدر سرمایہ ہے۔ مسلمان خاتون اپنے کردار' عادات' اطوار اور معاملات کے لیے اسی اسلامی وسیع و عریض چشمے سے پانی حاصل کرتی ہے' اور اسی چشمہ صافی اور آب شیریں کے گھاٹ سے پانی پیتی ہے تاکہ اپنے نفس کا تزکیہ اور اپنی معاشرتی اسلامی شخصیت کا ڈھانچہ ترتیب دے سکے۔

اخلاق حسنہ کی خوگر:

متقی مسلمان خاتون اخلاق حسنہ کی خوگر ہوتی ہے احوال و اشغال میں عمدہ تر' طبیعت کی نرم تر' قول و گفتار میں ملائم' بات کرنے میں نرم مزاج' معاملات طے کرنے میں خوش خلق' الفت کرنے والی اور الفت پانے والی ہوتی ہے' وہ اپنے تمام عادات و اطوار میں رسول کریم ﷺ کے اخلاق کی

پیروی کر رہی ہوتی ہے جن کے متعلق آپ کے خادم سیدنا انس رضی اللہ عنہ یوں شہادت پیش کرتے ہیں:

((كَانَ أَحْسَنَ النَّاسِ خُلُقًا)) ①

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے بڑھ کر اچھے اخلاق والے تھے۔''

اور یہ اس بنا پر ہے کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ اخلاق مشاہدہ کیا ہے جو کسی دوسرے انسان نے مشاہدہ نہیں کیا' اور جس اخلاق کا وجود کسی دوسرے انسان و بشر میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا' آئیے ملاحظہ فرمائیں وہی سیدنا انس رضی اللہ عنہ ہمیں رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی ایک جھلک اس طرح دکھا رہے ہیں:

''بلاشبہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دس برس تک خدمت کی ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک بار بھی ''اف'' تک نہیں کہا' اور نہ ہی آپ نے اس کام پر جو میں نے کیا ہوتا یہ کہا: تو نے ایسے کیوں کیا ہے؟ اور نہ ہی اس کام پر جو میں نے نہ کیا ہوتا یہ کہا: ''تو نے اس طرح کیوں نہ کیا؟'' ②

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اس خلق عظیم پر فائز تھے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے بارے میں بیان فرمایا ہے:

﴿ وَإِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ ﴾ (القلم: ٦٨/٤)

''اور بیشک آپ بہت بڑے (عمدہ) اخلاق پر ہیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، مسلمان انسان کی شخصیت سازی کیلئے حسن اخلاق کے الفاظ کو بار بار صحابہ کرام کے کانوں میں ڈالا کرتے تھے' اس لیے کہ اس حسن اخلاق کا اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی درجہ انتہائی بلند ہے اور لوگوں کے درمیان بھی اس کا عظیم مرتبہ ہے' اسی ضمن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ أَحَاسِنَكُمْ أَخْلَاقًا)) ③

''تم میں سے بہترین وہی ہیں جو اخلاق میں تم میں سب سے اچھے ہیں۔''

---

❶ صحيح بخاري، كتاب الادب، باب الكنية للصبي، حديث: ٦٢٠٣۔ صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب حسن خلقه ﷺ، حديث: ٢٣١٠۔

❷ صحيح بخاري، كتاب المناقب، باب صفة النبي ﷺ حديث: ٣٥٦١۔ صحيح مسلم۔ حواله سابق، حديث: ٢٣٠٩۔

❸ صحيح بخاري، كتاب الادب' باب حسن الخلق حديث: ٦٠٣٥۔ و صحيح مسلم، كتاب الفضائل: باب كثرة حياته ﷺ، حديث: ٢٣٢١۔

آپ ﷺ کا یہ ارشاد مبارک ہے:

((إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ وَأَقْرَبِكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَحَاسِنَكُمْ أَخْلَاقًا، وَإِنَّ أَبْغَضَكُمْ إِلَيَّ وَأَبْعَدَكُمْ مِنِّي يَوْمَ الْقِيَامَةِ الثَّرْثَارُونَ وَالْمُتَشَدِّقُونَ وَالْمُتَفَيْهِقُونَ۔ قَالُوا: يَارَسُولَ اللّٰهِ! قَدْ عَلِمْنَا الثَّرْثَارُونَ وَالْمُتَشَدِّقُونَ، فَمَا الْمُتَفَيْهِقُونَ؟ قَالَ: اَلْمُتَكَبِّرُونَ؟)) [1]

''قیامت کے دن تم میں سے میرا زیادہ پیارا اور بلحاظ مجلس میرے زیادہ قریب وہ ہوگا جو تم میں سے اخلاق میں سب سے زیادہ اچھا ہوگا اور قیامت کے دن تم میں سے میرے نزدیک زیادہ مبغوض اور مجھ سے زیادہ بعید وہ لوگ ہوں گے جو یاوہ گوئی کرنے والے اور باچھیں کھول کھول کر باتیں کرنے والے اور تکبر کرنے والے لوگ ہوں گے۔ صحابہؓ نے عرض کی: یارسول اللہ! یاوہ گوئی کرنے والے اور باچھیں کھول کھول کر باتیں کرنے والے تو ہم جان گئے ہیں مُتَفَیْہِقُوْنَ کون لوگ ہوں گے فرمایا: اَلْمُتَکَبِّرُوْنَ تکبر کرنے والے لوگ۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مرد ہوں یا عورتیں، حسن اخلاق کے متعلق اس بلند ترین نبوی ہدایت کو ہمہ تن گوش ہو کر سماعت کرتے ہیں اور اخلاق کریمہ کی زندہ اور جیتی جاگتی تصویر شخصیت رسول ﷺ میں اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں، تو ان کے نفوس میں مکارم اخلاق منعکس ہو جاتے ہیں، جو ان کی خصوصیات میں سے خصوصیت اور ان کی عادات میں سے عادت بن جاتے ہیں تو پھر اس طرح خیر القرون میں اس مثالی معاشرہ میں یہ منفرد اخلاق کے حامل لوگوں کا گروہ تشکیل پاتا ہے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''نبی اکرم ﷺ نہایت رحم کرنے والے تھے، آپ ﷺ کے پاس کوئی نہیں آتا تھا مگر آپ اس سے وعدہ کر لیتے تھے، اگر آپ کے پاس ہوتا تو آپ اسے پورا ہی کر دیتے تھے (ایک بار) نماز کی اقامت ہو چکی تھی، ایک اعرابی آگے بڑھا اس نے آپ کو کپڑے سے تھام لیا اور بولا: ابھی میری تھوڑی سی حاجت باقی ہے، اور مجھے اندیشہ ہے کہ میں اسے بھول جاؤں گا' آپ ﷺ

---

1. ترمذی، کتاب البر والصلة، باب ما جاء في معالي الاخلاق، حدیث: ۲۰۱۸۔

اس کے ساتھ کھڑے رہے حتیٰ کہ وہ اپنی حاجت سے فارغ ہو گیا' پھر آپ آگے بڑھے اور نماز پڑھائی۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے اعرابی کی بات سننے اور اسے اپنی حاجت پوری کرنے میں کوئی تنگی نہیں دی حالانکہ نماز کے لیے اقامت بھی ہو چکی تھی' اس اعرابی کے لیے آپ کا سینہ مبارک بھی تنگ نہیں ہوا جس نے آپ کو دامن سے پکڑ لیا تھا اور نماز سے قبل ہی اپنی حاجت کو پورا کرنے پر اصرار کیا تھا کیونکہ آپ ﷺ اخلاق کا معاشرہ تشکیل دے رہے تھے' اور آپ ﷺ اپنے عمل و فعل سے مسلمانوں کو تعلیم دے رہے تھے کہ ایک مسلمان پر کس طرح اپنے بھائی سے معاملہ کرنا واجب ہے اور آپ ﷺ ان کے لیے ایک اخلاقی بنیاد متعین و مقرر فرما رہے تھے جسے مسلمانوں کے معاشرے کی قیادت و سیادت نبھانے کے لیے ضروری ہونا چاہیے تھا۔

اور جب غیر مسلموں کے نزدیک حسن اخلاق با حسن تربیت' پرورش کی سلامتی اور تعلیمی ترقی کا ضامن ہے تو یہی حسن اخلاق مسلمانوں کے ہاں ان کی تمام تر کوششوں سے پہلے ہی دین کی ہدایت ہے جس دین نے حسن اخلاق کو مسلمان انسان کی بنیادی خوبی قرار دیا ہے' جس کے ساتھ دنیا میں اس کا مرتبہ بلند ہوتا ہے اور آخرت میں اس کے ترازو کا پلڑا وزنی ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ تعلیم دے چکا ہے کہ بروز قیامت مومن انسان کے ترازو میں حسن اخلاق سے بڑھ کر کوئی دوسرا عمل زیادہ وزنی نہیں ہوگا' جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے اس مندرجہ ذیل فرمان اقدس میں اس حقیقت سے روشناس فرمایا ہے:

« مَا مِنْ شَيْءٍ أَثْقَلُ فِي مِيزَانِ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ خُلُقٍ حَسَنٍ، فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى لَيُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِيءَ »[2]

''قیامت کے روز مومن کے میزان میں خلق حسن سے بڑھ کر کوئی چیز بھی وزنی نہیں ہوگی' بلاشبہ اللہ تعالیٰ فحش گو اور بدزبان شخص سے بغض رکھتا ہے۔''

بلکہ اسلام نے حسن خلق کو کمالِ ایمان قرار دیا ہے کیونکہ اس نے بلحاظ اخلاق لوگوں میں

---

1. اخرجه البخاري في الادب المفرد ۱/ ۳۷۵ باب سخاوة النفس۔
2. سنن الترمذي ابواب البر: باب حسن الخلق' ح: ۲۰۰۲ و قال: حديث حسن صحيح۔

سے بہترین شخص کو کامل ترین ایمان والا شمار کیا ہے اور یہ بات رسول کریم ﷺ کے فرمان اقدس میں موجود ہے:

((أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا)) ①

''سب اہل ایمان میں سے کامل تر ایمان والا وہ ہے جس کا اخلاق ان میں سے بہترین ہے۔''

اور اسلام نے لوگوں میں سے اچھے اخلاق والے شخص کو اللہ تعالیٰ کا محبوب ترین بندہ قرار دیا ہے' اس پر سیدنا اسامہ بن شُریک رضی اللہ عنہ کی حدیث شہادت پیش کر رہی ہے:

''ہم نبی اکرم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے گویا کہ ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں' ہم میں سے کوئی بھی محو گفتگو نہ تھا' آپ کے پاس کچھ لوگ آئے اور عرض پرداز ہوئے' اللہ تعالیٰ کو سب بندوں میں سے کون سا بندہ زیادہ محبوب ہے؟ ارشاد فرمایا: ان میں سے سب سے اچھے اخلاق والا۔'' ②

اور اس میں کوئی حیرت وتعجب والی بات بھی نہیں ہے کہ لوگوں میں سے اچھے اخلاق والا سب لوگوں سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا محبوب ہو' کیونکہ شریعت اسلام میں حسن خلق بہت ہی بڑی چیز ہے بلاشبہ یہی چیز تو روز قیامت بندے کے ترازو میں رکھی جانے والی تمام اشیاء سے وزنی ترین ہوگی۔ جس طرح کہ ہم نے دیکھ لیا ہے اور یہ بھی دیکھ لیں کہ یہی حسن خلق، نماز اور روزے کے برابر بھی ہے جو کہ اسلام کے دو بڑے بڑے رکن ہیں' جس طرح کہ رسول صاحب خلق عظیم ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں ذکر کیا ہے:

((لَا يُوضَعُ فِي الْمِيزَانِ أَثْقَلُ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ' وَإِنَّ حُسْنَ الْخُلُقِ لَيَبْلُغُ بِصَاحِبِهِ دَرَجَةَ الصَّوْمِ وَالصَّلَاةِ)) ③

''ترازو میں حسن اخلاق سے زیادہ وزنی کوئی چیز نہیں رکھی جائے گی اور یقیناً حسن

---

① سنن الترمذی ابواب الرضاع، باب ما جاء فی حق المرأة علی زوجها، حدیث: ۱۱۶۲ وقال: حدیث حسن صحیح۔

② مسند احمد ۲۷۸/۴ رواہ الطبرانی فی الکبیر ۱۸۱/۱' ۱۸۳ ورجالہ رجال الصحیح

③ سنن ترمذی۔ کتاب البر والصلة۔ باب ماجاء فی حسن الخلق، حدیث: ۲۰۰۳۔

اخلاق اپنے صاحب کو روزے اور نماز کے درجے تک پہنچا دیتا ہے۔''

اور ایک روایت میں الفاظ یوں بھی ہیں:

((اِنَّ الْعَبْدَ لَيُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهِ دَرَجَةَ الصَّائِمِ الْقَائِمِ))

''بلاشبہ بندہ اپنے حسن اخلاق سے روزے دار اور شب زندہ دار کے درجے کو پالیتا ہے۔''

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حسن خلق کی اہمیت کی تاکید اور اس سے آراستہ ہونے کی ترغیب دیا کرتے تھے' اور اپنے قول و فعل سے مختلف اسالیب و طرق سے ان کے نفسوں میں اسے پسندیدہ بنایا کرتے تھے' اس بات کا ادراک رکھتے ہوئے کہ طبیعتوں کو مہذب بنانے' نفوس کا تزکیہ کرنے اور اخلاق کو خوبصورت بنانے میں اس کا انتہائی گہرا اثر ہے اور اس ضمن میں آپ ﷺ کا سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے یہ فرمان بھی ہے:

''اے ابوذر! کیا میں تیری دو خصلتوں کی جانب رہنمائی نہ کروں؟ وہ دونوں اختیار کرنے میں انتہائی ہلکی ہیں جبکہ یہ دونوں باقی خصائل سے میزان میں سب سے وزنی ہیں۔ عرض کی: جی ہاں یارسول اللہ کیوں نہیں' فرمایا: تو پھر حسن خلق کو اور لمبی خاموشی کو اختیار کرلو' مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے انسان ان دونوں خصائل کے علاوہ کے ساتھ خوبصورت نہیں ہوسکتے۔''[1]

اور آپ ﷺ کا یہ فرمان ہے:

''حسن خلق اضافہ ہے' برا خلق نحوست ہے' نیکی عمر میں زیادتی ہے اور صدقہ بری موت کو روکتا ہے۔''[2]

اور آپ ﷺ کی ایک دعا یہ بھی تھی:

((اَللّٰهُمَّ اَحْسَنْتَ خَلْقِيْ' فَاَحْسِنْ خُلُقِيْ))[3]

''اے اللہ! تو نے میری تخلیق خوبصورت بنائی ہے' لہٰذا تو میرا اخلاق بھی خوبصورت بنا دے۔''

---

1. رواہ ابویعلی والطبرانی فی 'الاوسط' ورجال ابی یعلی ثقات، مجمع الزوائد ۲۲/۸۔
2. مسند أحمد: ۵۰۲/۳ ورجاله ثقات۔
3. مسند أحمد: ۴۰۳/۱ ورجاله رجال الصحيح۔

بے شک رسول اکرم ﷺ کا دعا کرنا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے خلق کو بہترین بنا دے حالانکہ آپ کی ذات گرامی کے متعلق تو اللہ تعالیٰ نے خود وضاحت فرمائی ہے:

﴿ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴾ (القلم: ٦٨/٤)

''اور بیشک آپ اخلاق حسنہ کے اعلیٰ پیمانہ پر ہے۔''

آپ کے حسن خلق کا انتہائی زیادہ اہتمام کرنے پر بہت گہری دلیل ہے' اور آپ کی پر جوش رغبت پر واضح دلیل ہے کہ مسلمان ہمیشہ اس چیز میں مزید اضافہ چاہتے رہیں خواہ مسلمان اس کے روشن درجوں میں سے جس بھی درجے پر فائز ہوں' جس طرح ان کا عظیم نبی بھی اس دعا کے ذریعے اضافہ کا خواہشمند اور متمنی ہے۔

حسن خلق ایک جامع لفظ ہے' اس کے تحت وہ تمام عمدہ اخلاق آ جاتے ہیں جن کے ساتھ انسان خوبصورتی حاصل کر سکتا ہے' اپنا تزکیہ کر سکتا ہے اور جس کے ساتھ بلندی و رفعت کی منازل پا سکتا ہے جیسے کہ حیا' حلم' نرمی' عفو' فیاضی' خندہ روئی' صداقت' امانت' نصیحت' خیر خواہی' استقامت اور باطن کی صفائی وغیرہ سب مکارم اخلاق ہیں۔

تاہم اسلام کی معاشرتی ہدایت پر مشتمل نصوص و دلائل کا مکمل احاطہ کرنے والا اور ان کی چھان بین کرنے والا اپنے آپ کو ایسی لا تعداد نصوص کے سامنے کھڑا پائے گا جو ان بلند ترین معاشرتی اخلاق پر ابھارنے والی ہیں جو اس امر کی واضح دلیل ہے کہ اسلام مبالغے کی حد تک مسلمان انسان کی معاشرتی شخصیت کو ڈھالنے کا آرزومند ہے' وہ صرف عمومیات کی حد تک ہی نہیں بلکہ ایک ایک خلق کی تمام جزئیات میں سے ہر ہر جزئی اور شاخ کی اہمیت واضح کرتا ہے جو معاشرتی شخصیت کے ایک ایک پہلو کی تکمیل کرتی ہے جس کا اس دین میں خیال رکھا گیا ہے معاشرتی تربیت کرنے والے کسی دوسرے منہج میں اس کا اتنا خیال نہیں رکھا گیا۔

مسلمان خاتون کی شخصیت کو جلی اور نمایاں دیکھنے والے اور اس کی جستجو و تلاش کرنے والے کے لیے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے کہ وہ ایسی تمام نصوص کا بغور مطالعہ کرے اور ایسی تمام ہدایات و توجیہات اور تشریعات سے واقفیت حاصل کرے جن کو یہ نصوص مشتمل اور متضمن ہیں تاکہ وہ اس معاشرتی ترقی یافتہ شخصیت کو جلی اور نمایاں کرنے کی استطاعت و طاقت پا سکے جو

ایک مسلمان انسان کی خواہ وہ مرد ہے یا عورت' ہستی کو ممتاز کرتی ہیں اور تاکہ وہ اس ممتاز شخصیت کی طبیعت اور اس کی صفات کی حد بندی کر سکے' ان میں سے چند ایک صفات مندرجہ ذیل ہیں:

راست گو ہوتی ہے:

مسلمان خاتون تمام لوگوں کے ساتھ راست گو اور سچی رہتی ہے کیونکہ اس نے اسلام کی ابتدائی تعلیمات کو سمجھ لیا ہے جو سچائی اور راستی کی ترغیب دیتی ہیں' وہ اسے راس الفضائل اور تمام مکارم اخلاق کی اساس خیال کرتی ہے اور جھوٹ سے بچتی ہے اور اسے منبع رذائل و مفاسد اور اعمال بد کا مصدر مانتی ہے اور اس لیے بھی کہ مسلمان خاتون یہ اعتقاد رکھتی ہے کہ سچ نیکی کی طرف لے جاتا ہے اور وہ اپنے صاحب کو جنت تک پہنچا دیتی ہے اور جھوٹ فجور اور بدکاری کی جانب دھکیلتا ہے جو اپنے صاحب کو آتش دوزخ تک پہنچا دیتی ہے' جس طرح کہ اس بات کی رسول کریم ﷺ نے خبر دی ہے:

«اِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِىْ اِلَى الْبِرِّ' وَاِنَّ الْبِرَّ يَهْدِىْ اِلَى الْجَنَّةِ' وَاِنَّ الرَّجُلَ لَيَصْدُقُ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ صِدِّيْقًا' وَاِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِىْ اِلَى الْفُجُوْرِ' وَاِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِىْ اِلَى النَّارِ' وَاِنَّ الرَّجُلَ لَيَكْذِبُ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ كَذَّابًا»[1]

''بلاشبہ سچائی نیکی کی طرف ہدایت کرتی ہے اور بلاشبہ نیکی جنت کا راستہ دکھاتی ہے' اور بے شک آدمی سچ بولتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں صدیق لکھا جاتا ہے' اور بے شک جھوٹ بدکاری کی جانب لے جاتا ہے' اور بدکاری دوزخ کی جانب لے جاتی ہے اور آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کذاب لکھ دیا جاتا ہے۔''

یہی باعث ہے کہ مسلمان خاتون اس بات کی حریص رہتی ہے کہ وہ سچ بولنے والی ہی رہے وہ سچ اور راستی کو تلاش کرتی ہے اور اپنے اقوال و افعال میں اس کا التزام و اہتمام کرتی ہے' بلاشبہ یہ ایک بلند و بالا اور نہایت ارفع و اعلیٰ مقام ہے جس تک مسلمان عورت اپنی راست بازی اور باطن کی صفائی و ستھرائی کے سبب پہنچ جاتی ہے' تب وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں صِدیقہ اور مکرمہ لکھ دی جاتی ہے۔

[1] بخاري، كتاب الادب باب قول الله تعالى (يا ايها الذين امنوا اتقوا الله......) حديث: ٦٠٩٤۔ صحيح مسلم، كتاب البر و الصلة۔ باب قبح الكذب و حسن الصدق، ح: ٢٦٠٧۔

جھوٹی گواہی نہیں دیتی:

وہ متقی مسلمان خاتون جس کی شخصیت کو اسلامی تعلیمات اور اس کی بلند و بالا ہدایت نے ڈھال لیا ہوتا ہے وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتی کیونکہ جھوٹی گواہی شریعت اسلامیہ میں حرام ہے:

﴿ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ ﴾ (الحج: ۳۰/۲۲)

''اور جھوٹی بات سے بھی پرہیز کیا کرو۔''

جھوٹی شہادت حرام ہونے کے علاوہ امانت داری کو داغدار بناتی' شرافت میں خلل انداز ہوتی اور اپنے صاحب کی شخصیت کو مجروح بھی بناتی ہے' پھر اسے لوگوں کی نظروں میں ٹیڑھا حقیر اور گھٹیا بنا کر ظاہر کرتی ہے' اسی لیے قرآن کریم نے عباد الرحمٰن اور پسندیدہ برگزیدہ ہستیوں سے' خواہ مرد ہوں یا مستورات' یکساں طور پر ان سے اس گناہ کی قطعی نفی کی ہے' جہاں اس نے ان سے دیگر کبائر کی نفی کی ہے اور فرمایا ہے:

﴿ وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا ﴾

(الفرقان: ۷۲/۲۵)

''اور جو لوگ جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب لغویت پر ان کا گزر ہوتا ہے تو بزرگانہ طور پر گزر جاتے ہیں۔''

اس معصیت کے گھناؤنا اور گرانبار ہونے پر اس سے بڑھ کر کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے معاصی کی فہرست میں دو کبیرہ ترین گناہوں کے بعد ذکر کیا ہے جو انسان کو نعمتِ ایمان سے تہی دامن بنا دیتے ہیں' یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا' پھر بعد ازاں مسلمانوں کے کانوں میں بار بار اس لفظ کو پہنچایا ہے تا کہ اس میں مبتلا ہونے سے بچ جائیں اور خبردار رہیں اور آپ ﷺ اس وقت انتہائی غصے اور اشتعال میں تھے جب آپ ﷺ نے یوں ارشاد فرمایا تھا:

''کیا میں تمہیں اکبر الکبائر سے آگاہ نہ کر دوں؟ ہم نے عرض کی' ہاں کیوں نہیں یارسول اللہ! فرمایا: اللہ کے ساتھ شریک ٹھیرانا اور والدین کی نافرمانی کرنا' اس وقت آپ ﷺ ٹیک لگائے ہوئے تھے پھر آپ بیٹھ گئے اور فرمایا: خبردار! جھوٹی بات اور

جھوٹی گواہی' آپ مسلسل یہی فرماتے گئے' حتیٰ کہ ہم نے (دل میں) کہا: کاش آپ خاموش رہتے۔"①

خیر خواہی کرتی ہے:

فہم رکھنے والی متقی مسلمان خاتون مذموم عادات سے صرف اپنے نفس کو بچائے رکھنے پر ہی اکتفا نہیں کرتی بلکہ ہر اس خاتون کی بھی خیر خواہی اور درست رہنمائی کرتی ہے جس کا اس سے رابطہ اور تعلق ہوتا ہے' بالخصوص ان خواتین کی جو ہدایت الٰہی سے سرکش اور دور ہوتی ہیں' معاشرے میں کتنی ایسی خواتین ہیں جو اپنی جانوں پر زیادتی کرتی ہیں تو انہیں سمجھانے والوں کی اور ان کی خیر خواہی کرنے والوں کی کس قدر حاجت و ضرورت ہے جو ان کی نظروں کو اس جادۂ حق اور صراط مستقیم کی جانب موڑ سکیں جس پر چلنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

ہدایت یافتہ مسلمان خاتون کا اپنی بہنوں کی رہنمائی کرنا اور ان کی خیر خواہی کرنا کوئی نفلی' زائد اور ان کے اکرام و احترام والا کام نہیں ہے بلکہ یہ تو واجب اور ضروری کام ہے جس پر دین اسلام نے رغبت دلائی ہے بلکہ دین تو عین خیر خواہی کا نام ہے جس طرح کہ رسول کریم ﷺ نے اپنے فرمان میں اس امر کی وضاحت فرمائی ہے:

"دین خیر خواہی کا نام ہے، ہم نے عرض کی: کس کے لیے؟ فرمایا: اللہ کے لیے' اس کی کتاب کے لیے' اس کے رسول کے لیے' مسلمانوں کے سربراہوں کے لیے اور ان کی عوام کے لیے۔"②

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو رسول اللہ ﷺ سے نماز' زکوٰۃ اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے پر بیعت کیا کرتے تھے' اس کی شہادت سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان دے رہا ہے:

《 بَايَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى اِقَامِ الصَّلَاةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكَاةِ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ 》③

① صحیح بخاری، کتاب الادب، باب عقوق الوالدین من الکبائر، حدیث: ٥٩٧٦۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان۔ باب الکبائر واکبرھا، حدیث: ٨٧۔
② صحیح مسلم کتاب الایمان: باب بیان ان الدین النصیحۃ، حدیث: ٥٥۔
③ صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ باب البیعۃ علی ایتاء الزکاۃ، حدیث: ١٤٠١۔ صحیح مسلم، حوالہ سابق، حدیث: ٥٦۔

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی نماز قائم رکھنے پر' زکوٰۃ کی ادائیگی کرنے پر اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے پر۔''

رسول اکرم ﷺ نے نصیحت و خیر خواہی کی کس قدر عمدہ تعبیر بیان فرمائی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے: ''دین خیر خواہی کا نام ہے'' آپ ﷺ نے اس ایک لفظ ''خیر خواہی'' میں دین کو سمو کر کوزے میں دریا بند کر دیا ہے' یہ احساس بیدار کرنے کے لیے کہ ایک مسلمان کے ہاں نصیحت کی کس قدر زیادہ قدر و قیمت ہے اور اس کا افراد' خاندانوں اور معاشروں کی زندگی میں کس قدر گہرا اثر ہے' کسی بھی قوم میں خیر خواہی عام نہیں ہوتی مگر وہ صراط مستقیم کی رہنمائی دے دیے جاتے ہیں اور کسی بھی قوم میں خیر خواہی ناپید نہیں ہوتی مگر وہ بہت بڑی گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ نصیحت و خیر خواہی ان اہم ترین معاملات میں سے ایک ہے جن پر مسلمان نبی اکرم ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کیا کرتے تھے' اور اس کا درجہ نماز اور زکوٰۃ کے بعد آتا ہے جس طرح کہ سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے سابقہ مذکورہ قول میں موجود ہے۔

اس صحابی جلیل کی رسول اللہ ﷺ کی بیعت کرنے میں نصیحت و خیر خواہی کو نماز اور زکوٰۃ کے ساتھ ملانے میں اس امر کی دلیل ہے کہ مسلمان انسان کے اعمال کے ترازو میں اس کی کس قدر اہمیت ہے' اور آخرت میں اس کے کس درجہ خطرات سامنے آ سکتے ہیں اور یہی وجہ نظر آتی ہے کہ یہ ایک سچے متقی مسلمان آدمی کے اخلاق میں ایک بنیادی اخلاق کی حیثیت رکھتی ہے جو قیامت کے دن اپنے حسن انجام کا آرزومند ہو جس دن لوگ رب العالمین کے سامنے جوابدہی کے لیے کھڑے ہوں گے۔

اور جب ہم یہ بھی جان چکے ہیں کہ اسلام میں ذمہ داری مردوں اور عورتوں دونوں کو یکساں طور پر شامل ہے اور ہر کسی کو اس کے معاشرتی دائرہ کار میں ذمہ دار ٹھیرایا گیا ہے جسے رسول کریم ﷺ نے اپنے فرمان میں پوری طرح واضح فرمایا ہے:

''تم سبھی نگران ہو' اور تم سبھی اپنی اپنی نگرانی کے متعلق ذمہ دار ہو' امام نگران ہے اور اپنی رعیت کی بابت پوچھا جائے گا' آدمی اپنے اہل و عیال میں نگران ہے اور اپنی

رعیت کے متعلق مسئول ہو گا' عورت اپنے شوہر کے گھر میں نگران ہے اور اپنی ذمہ داری کی بابت باز پرس کی جائے گی' خادم اپنے مالک کے مال میں نگران ہے اور اپنی رعیت و ذمہ داری کی بابت پوچھا جائے گا' لہٰذا تم سبھی نگران ہو اور اپنی اپنی رعیت و نگرانی کے بارے میں پوچھے جاؤ گے۔'' ①

تو جب ہم ان باتوں کو جان لیں گے تو ہمیں خیر خواہی کرنے کے حوالے سے عورت کی ذمہ داری کا ادراک ہو جائے گا کہ اسے اپنے دائرہ کار میں جہاں وہ زندگی بسر کر رہی ہے ہر اس خاتون کی خیر خواہی کرنی چاہیے جو اس سے نفع حاصل کر سکتی ہے۔

خیر کی طرف راہنمائی کرتی ہے:

وہ متقی مسلمان خاتون جس کے نفس کو اسلام نے مہذب بنایا اور اسے انانیت اور غلبہ پسندی کے میل کچیل سے پاک و منزہ بنایا ہے، وہ ہر اس خیر پر راہنمائی کرتی ہے جسے وہ جانتی ہے تاکہ وہ اسے نور کی جانب نکال لائے' اور لوگ اس سے نفع حاصل کر سکیں' یہ دونوں پہلو اس کے لیے یکساں ہیں کہ وہ عمل خیر اس کے ہاتھوں پر پورا ہو یا کسی دوسری کے ہاتھوں سرانجام پائے کیونکہ وہ جانتی ہے کہ نیکی پر راہنمائی کرنے والے کو بھی اتنا ہی اجر و ثواب ملتا ہے جو کرنے والے کو ملتا ہے جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے فرمان گرامی میں اس کی خبر دی ہے:

((مَنْ دَلَّ عَلٰی خَیْرٍ فَلَهُ مِثْلُ اَجْرِ فَاعِلِهٖ)) ②

''جس نے خیر پر رہنمائی کی اس کے لیے کرنے والے کے ثواب کے برابر اجر ہے۔''

بلاشبہ مسلمان خاتون خیر کو اپنے نفس تک محدود رکھنے سے بعید رہتی ہے کہ لوگوں کے سامنے اس فعل کا اظہار کر کے فخر کا مظاہرہ کرے جو کہ غلبہ پسند اور فخر و غرور میں مبتلا عورتوں اور انا پسند لوگوں کا شیوہ ہوتا ہے' مسلمان خاتون جو نیکی پر راہنمائی کرنے والی ہے اس کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ دونوں حالتوں میں اس کا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ کے ہاں ثابت ہو جاتا ہے اور مسلمان

---

① صحیح بخاری، کتاب الجمعة، باب الجمعة فی القری والمدن، حدیث: ۸۹۳۔ صحیح مسلم۔ کتاب الامارة۔ باب فضیلة الامیر العادل حدیث: ۱۸۲۹۔

② صحیح مسلم کتاب الامارہ: باب فضل اعانة الغازی فی سبیل اللہ، حدیث: ۱۸۹۳۔

متقی خاتون کے لیے اللہ تعالیٰ کے پاس اجر وثواب اس شہرت اور ناموری سے کہیں بڑا اور عظیم ہے جو لوگوں کے پاس سے متوقع ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اس عمل سے معاشرے میں نیکی عام ہوتی ہے تاکہ معاشرے کا ہر فرد اپنی استطاعت کے مطابق، جو اسے اللہ تعالیٰ نے میسر فرمائی ہے، نیکی کا کام خود کرے۔

ان قاتل نفسانی آفتوں نے معاشرے سے کتنی ہی بھلائیوں کو دور رکھا ہوا ہے کیونکہ ایسے لوگ بس یہی چاہتے ہیں کہ نیکی کا کام وہ خود ہی کریں اور دوسرے لوگ نہ کرنے پائیں' لیکن ان کے ذاتی حالات انہیں یہ کام کرنے کی اجازت نہیں دیتے' تو اس طرح عمل خیر زندہ درگور ہو جاتا ہے' مصلحتیں معطل رہتی ہیں' اور معاشرے اس نیکی کی برکت سے محروم ہی رہتے ہیں جو بعض دماغوں میں گھوم رہی ہوتی ہے' جو اس نیکی کو کرنے کے انتظار میں اپنے ذہنوں اور سروں میں ہی چھپائے رکھتے ہیں اور بسا اوقات انہیں زندگی بھر وہ نیکی کا کام کرنے کی توفیق ہی نہیں ملتی تو اس طرح وہ نیکی انہی تاریک سروں میں مقید ومحبوس رہتی ہے۔

مسلمان' خواہ مرد ہوں یا عورتیں' وہ سبھی اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور حصول ثواب کے آرزو مند ہوتے ہیں' اس لیے وہ ایسی آفات سے دور رہتے ہیں' وہ نیکی کا راستہ جاننے کے بعد دوسروں کو بھی اس نیکی کی جانب رہنمائی کرتے رہتے ہیں اور اپنے پروردگار سے اتنا ہی ثواب پانے سے لطف اندوز ہو جاتے ہیں جتنا اجر وثواب کوئی عمل کرنے والا پانے میں حقدار بنتا ہے۔

ملاوٹ کرتی ہے اور نہ ہی دھوکا وفریب کرتی ہے:

راست گو مسلمان خاتون جو صداقت کی جویا اور اس سے مانوس ہوتی ہے بلکہ صداقت و راستی اس کے خصائل میں سے ایک خصلت اور اس کے عالی اخلاق میں سے ایک خلق بن چکا ہوتا ہے۔ وہ لوگوں کو دھوکا دیتی ہے اور نہ ہی ان سے دغا فریب کرتی ہے' کیونکہ ملاوٹ' دھوکا اور دغا گھٹیا اخلاق میں سے ہیں جو صداقت کے منافی ہیں اور اس سے میل نہیں کھاتے' اور یہ بات بھی واضح ہے کہ صداقت' خیر خواہی' استقامت' وفاداری' عدل اور انصاف کا تقاضا کرتی ہے اور دھوکا بازی' کذب بیانی' چکر بازی' دھوکا اور ملاوٹ سے دور رکھتی ہے۔

بلاشبہ سچی' دین حنیف اسلام کی ہدایت سے شکم سیر ہونے والی مسلمان خاتون کی فطرت

ملاوٹ، دھوکا اور دغا سے نفرت کرتی ہے۔ وہ برے اخلاق کے متعلق یہ ذہن رکھتی ہے کہ ان کے ارتکاب سے مرتکب کی اسلام سے نسبت بھی ختم ہو جاتی ہے، جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے فرمان گرامی میں ذکر کیا ہے جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے:

«مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا، وَمَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا» [1]

"جس نے ہمارے اوپر ہتھیار اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں ہے اور جس نے ہمیں دھوکا دیا وہ بھی ہم میں سے نہیں ہے۔"

اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک غلے کے ڈھیر کے پاس سے گزرے، اس میں اپنا ہاتھ داخل کیا تو آپ کی انگلیوں کو تراوٹ محسوس ہوئی، تو آپ ﷺ نے پوچھا: ارے بھئی! یہ کیا ہے؟ بولا: یا رسول اللہ! اسے بارش پہنچی ہے، تب آپ نے فرمایا:

"تو نے اسے غلے کے اوپر کیوں نہیں رہنے دیا تا کہ لوگ اسے دیکھ لیتے، جس نے دھوکا دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔" [2]

یہ اس لیے ہے کہ مسلمانوں کا معاشرہ انسانی جذبات و خیالات کی نظافت و طہارت پر، ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے پر اور اس کے افراد میں سے ہر فرد کے ساتھ ایفائے عہد اور وفاداری کرنے کی بنیادوں پر قائم ہے، تو جب بھی ان میں کوئی دھوکے باز، فریب کار اور دغا باز پایا جائے گا تو یوں سمجھیے کہ وہ اس معاشرے میں نووارد اور دخل انداز ہونے والا ہوگا، جو دراصل ان میں سے نہیں ہوگا۔

بلاشبہ اسلام نے دھوکا دہی، ملاوٹ اور دغا بازی کو ایسے گھناؤنے جرائم میں شمار کیا ہے جو اس کے صاحب کو دنیا میں بے عزت اور آخرت میں وہ سیاہ کر دیں گے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اعلان فرمایا ہے کہ قیامت کے دن تمام دغا بازوں کو الگ جمع کیا جائے گا اور ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ساتھ ایک ایک منادی ہوگا جو اعلان کر رہا ہوگا تا کہ سبھی اسے دیکھ لیں اور سب لوگوں کی نظریں اس کی دغا بازی کا مشاہدہ کرتی ہوں گی:

---

1. صحيح مسلم كتاب الايمان: باب قول النبي ﷺ من غشنا فليس منا، حديث: ١٠١۔
2. صحيح مسلم كتاب الايمان: باب من غشنا فليس منا۔ حديث: ١٠٢۔

((لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ' يُقَالُ: هٰذِهِ غَدْرَةُ فُلَانٍ)) ①

''قیامت کے دن ہر دغا باز کے لیے ایک جھنڈا ہو گا کہا جائے گا: یہ فلاں کی دغا بازی ہے۔''

ان دغا باز مردوں اور عورتوں کی کس قدر رسوائی اور بے عزتی ہو گی جو یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ زمانے نے ان کی دغا بازیوں کو اپنی لپیٹ میں رکھا ہوا ہے لیکن قیامت کے روز تمام گواہوں کے روبرو یہ سب ظاہر و منکشف کر دی جائیں گی' اور ان کی دغا بازی کے بقدر ان کے جھنڈے بھی بلند ہوں گے۔

قیامت کے روز ان کی رسوائی اور شرمندگی اس وقت مزید بڑھ جائے گی جب وہ اس رسول مکرم ﷺ کو پائیں گے جن پر اس خوفناک مقام پر شفاعت کی امیدیں وابستہ ہوں گی کہ وہ اعلان کرتے ہیں کہ اللہ رب العزت ان لوگوں سے خود لڑنے والے ہوں گے کیونکہ انہوں نے دغا بازی والے بھاری جرم کا ارتکاب کیا ہو گا' بلاشبہ یہ بہت ہی بڑا جرم ہے جو اس کے مرتکب سے رحمت الٰہی کے سامنے آڑ بن جائے گا اور اس کے رسول ﷺ کی شفاعت سے اسے محروم کر دے گا:

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: قیامت کے دن میں تین طرح کے لوگوں سے جھگڑوں گا: وہ آدمی جس نے میرے نام پر دیا پھر بے وفائی اور دھوکا دہی کی' وہ آدمی جس نے کسی آزاد کو فروخت کیا پھر اس کی قیمت کھائی' اور وہ شخص جس نے کسی کو مزدور رکھا اس سے کام تو پورا لیا لیکن اسے اس کی مزدوری نہ دی۔''②

بلاشبہ وہ سچی مسلمان خاتون جس نے اپنے سچے دین کی ہدایت سے سیرابی پائی ہے وہ ملاوٹ' دھوکے' فریب اور دغا بازی کے اخلاقِ سیئہ کی تمام شکلوں اور صورتوں سے دور رہتی ہے جبکہ دور حاضر کی عورتوں میں یہ چیزیں بکثرت موجود ہیں۔ یہ مسلمان خاتون اپنے نفس کو ان دھوکہ باز' فریب کار اور دغا باز عورتوں کے گروہ میں شامل ہونے اور ان کے راستے پر چلنے سے

---

① صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب اثم الغادر، حدیث: ٣١٨٦۔ ٣١٨٨۔ صحیح مسلم، کتاب الجهاد، باب تحریم الغدر، حدیث: ١٧٣٥۔١٧٣٨۔

② صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب اثم من باع حرا، حدیث: ٢٢٢٧۔

دور رکھتی ہے جن کو رسول اللہ ﷺ نے منافق عورتوں میں شمار کیا ہے:

((اَرْبَعٌ مَّنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا، وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِّنْهُنَّ كَانَ فِيهِ خَصْلَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ حَتّٰى يَدَعَهَا : اِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ، وَاِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ، وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ)) [1]

''چار باتیں جس میں ہوں گی وہ پکا اور خالص منافق ہوگا اور جس میں ان میں سے ایک بات ہوگی اس میں نفاق کی ایک بات ہوگی حتیٰ کہ اسے چھوڑ دے: جب اسے امین بنایا جائے تو خیانت کرے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو بے وفائی کرے اور جب جھگڑا کرے تو گالیاں دے۔''

وعدے کا پاس کرتی ہے:

راست باز مسلمان خاتون کے اخلاق اور اس کے بلند درجہ خصائل و شمائل میں سے ایک وعدے کو وفا کرنے والا خلق بھی ہے، کیونکہ وہ راستی اور سچائی کا ساتھی ہے اور اس کے نتائج میں سے ایک نتیجہ اور اس کے لاتعداد ثمرات میں سے ایک ثمر ہے۔

وعدے کو وفا کرنا ایک عمدہ اور قابل تعریف خصلت ہے جو اس سے متصف خاتون کی ترقی پر غماز ہے، جو اس کی زندگی میں کامیابی پر مددگار اور لوگوں میں محبت، احترام اور مرتبہ پانے کا ایک ذریعہ ہے۔

بچوں اور بچیوں میں اخلاقی اور نفسیاتی فضائل کو بونے کے لیے وفاداری اور ایفائے عہد کا اثر مخفی نہیں ہے جب وہ اپنی ماؤں کو اس سے آراستہ پائیں گی جو ان کے سامنے اعلیٰ نمونہ اور عمدہ مثالیں پیش کر رہی ہیں۔

وعدے کو وفا کرنے والی عادت مسلمان خاتون کے ہاں ایک معاشرتی زینت نہیں ہے، جس کے ذریعے وہ اپنی ساتھیوں، ہم عمروں اور سہیلیوں پر فخر کرتی ہو بلکہ یہ تو بنیادی اسلامی اخلاقیات میں سے ہے اور اس سے بھی زیادہ یہ تو صحتِ ایمان اور صدقِ اسلام پر واضح دلیل ہے۔

---

[1] صحيح بخاری، كتاب الإيمان، باب علامات المنافق، حديث : ٣٤۔ صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب خصال المنافق، حديث ٥٨۔

اس کو پائیدار بنانے اور اس سے کردار کو آراستہ کرنے پر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں بے شمار نصوص وارد ہیں:

﴿ يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ﴾ (المائدة : ٥/١)

''اے ایمان والو! عہد و پیمان پورے کرو۔''

﴿وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا﴾ (الاسراء : ٣٤/)

''اور وعدے پورے کرو' کیونکہ قول وقرار کی باز پرس ہونے والی ہے۔''

بے شک یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے ایماندار بندوں اور عورتوں کو ایفائے عہد کا اور عملی طور پر اس کے تقاضے پورا کرنے کا ایک قطعی حکم ہے جس سے چھٹکارا پانے' خلاصی حاصل کرنے اور راہ فرار اختیار کرنے کا کوئی راستہ نہیں ہے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو یہ لائق اور زیب نہیں ہے کہ جب بھی وہ اپنے نفسوں پر کوئی عہد ڈال لیں پھر اس سے رہائی پانے کی راہیں نکالیں بلکہ ان پر اسے پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے اور یہ بھی جان لیں کہ بعض آیات میں عہد کو اللہ تعالیٰ کی جانب بھی منسوب اور مضاف کیا گیا ہے جو اس عہد کی عظمت اور فرضیت پر دلالت کرتی ہیں:

﴿ وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ ﴾ (النحل: ٩١/١٦)

''اور اللہ کے عہد کو پورا کرو جب کہ تم آپس میں قول وقرار کرو۔''

یہی وجہ ہے کہ اسلام بدزبانی کرنے والے مردوں اور عورتوں' وعدوں پر بڑائی جتانے والے مردوں اور عورتوں اور بہت زیادہ بولنے والے مردوں اور عورتوں پر ناراض ہوتا ہے جو عملاً کچھ نہیں کرتے نہ انہیں پورا کرتے ہیں اور نہ انہیں نبھاتے ہیں:

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾ (الصف : ٦١/٢'٣)

''اے مسلمانو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں' تم جو کرتے نہیں اس کا کہنا اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں اور مومن خواتین کے لیے اس بات کو ناپسند کیا ہے کہ وہ بکواس اور یاوہ گوئی کے گڑھوں کے قریب ہوں یا خالی خولی بے مقصد وعدوں کو کرتے پھریں'

پھر ان کی خلاف ورزی کریں اور اپنے عہدوں سے جان چھڑاتے پھریں اور ان کے تقاضے پورے کرنے سے راہ فرار اختیار کرتے رہیں کیونکہ یہ باتیں مومنین اور مومنات کے لائق نہیں ہیں۔ مذکورہ آیت کریمہ کے ابتدائی حصے میں استفہام انکاری وارد ہے جو اس بڑی ناراضی کو بیان کر رہا ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کے لیے ناپسندیدہ فرما رہا ہے کہ اس میں مبتلا ہوں کہ وہ ایسی باتیں کہیں جو عملاً خود نہ کریں۔ اور رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں:

《 آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ 》[1]

''منافق کی تین نشانیاں ہیں' جب بات کرے تو جھوٹ بولے' جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے اور جب امین ٹھیرایا جائے تو خیانت کرے۔''

اور مسلم کی روایت میں ہے:

《 وَإِنْ صَامَ وَصَلَّى وَزَعَمَ أَنَّهُ مُسْلِمٌ 》[2]

''اگرچہ وہ روزے رکھے' نمازیں پڑھے اور یہ گمان بھی رکھے کہ وہ مسلمان ہے۔''

مسلمان خاتون کے اسلام کی خوبصورتی' صرف عبادات کا اہتمام کرنے میں ہی نہیں ہے بلکہ اپنے نفس کو اسلامی تعلیمات' اس کے بلند ترین اخلاق اور اس کی اعلیٰ ترین اقدار کو بجا لانا بھی ضروری ہے' وہ اس طرح کہ اس کے وجود سے صرف وہی امور صادر ہونے چاہئیں جو اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ہیں وعدہ خلافی نہ ہو' معاملات میں دھوکا و ملاوٹ شامل نہ ہو' وعدوں اور معاہدوں کی خیانت نہ ہو۔ راست گو اور اپنے دین حنیف کی تعلیمات کو سمجھنے والی مسلمان خاتون کی زندگی میں مذکورہ برائیاں نہیں ہوتیں' بلکہ اس کی روشن اور اعلیٰ ہدایت پر کاربند رہنے والی ہوتی ہے کیونکہ مذکورہ سب چیزیں اسلامی اخلاقیات کے منافی ہیں اور ایسی چیزیں صرف منافق مردوں اور منافق عورتوں کے برے اعمال ہی میں پائی جا سکتی ہیں۔ یہ حقیقت ان عورتوں کو جان لینی چاہیے جو اپنے بچوں کے ساتھ جھوٹ بولتی ہیں' ان سے وعدے کر کے' وعدوں کی خلاف ورزی کر جاتی ہیں کہ

---

[1] صحيح بخاري، كتاب الايمان، باب علامات المنافق، حديث: ٣٣۔ صحيح مسلم كتاب الايمان۔ باب خصال المنافق، حديث: ٥٩۔

[2] صحيح مسلم كتاب الايمان: باب بيان خصال المنافق۔

وہ اپنے عملوں سے ان بچوں کے نفوس میں جھوٹ بولنے اور وعدوں کی خلاف ورزی کے بیج بو رہی ہیں اور ان عورتوں کو جو اپنے وعدے کو دیوار پر پھینک مارتی ہیں اور اپنے کیے ہوئے وعدوں کے الفاظ کی عظمت ووقار کی پاسداری نہیں کرتیں' ان کو یہ بھی جان لینا چاہیے کہ وہ اس خلاف ورزی کا ارتکاب کر کے اپنے وعدوں کو بے قدر بنا کے منافق خواتین کی جماعت میں داخل ہو رہی ہیں اور منافق کی سزا تو جیسے کہ مشہور و معروف ہے دوزخ میں نچلا طبقہ ہوگا۔

نفاق سے اجتناب کرتی ہے:

راست گو ہدایت یافتہ مسلمان خاتون اپنے اقوال اور احکام میں بالکل صاف ہوتی ہے' وہ منافقت' مداہنت (چاپلوسی)' حرام خوش مزاجی اور جھوٹی تعریفوں سے مکمل طور پر دور رہتی ہے' کیونکہ وہ اپنے دین کی ہدایت سے یہ بات جانتی ہے کہ منافقت حرام ہے اور ایک راست گو مسلمان کی شخصیت کے لائق نہیں ہے۔

بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے منافقت اور چاپلوسی کی کیچڑ میں گرنے سے بچانے کے لیے راستے میں نشاناتِ راہ لگا دیے ہیں' جب نبی اکرم ﷺ نے بنی عامر کے لوگوں کو فرمایا تھا جو آپ کی ان لفظوں میں تعریف کرنے لگے تھے: ''آپ ہمارے سید ہیں'' تو آپ نے فرمایا تھا: ''سید اللہ تعالیٰ ہے'' انہوں نے کہا: ''آپ فضیلت میں ہم سب سے افضل ہیں' اور مہربانی اور کرم و سخاوت میں ہم سب سے بڑھ کر ہیں'' فرمایا: ''اپنی باتیں کرو جو تم کہنا چاہتے ہو، پوری بات کر دو یا کچھ بات کرو' اور شیطان تمہیں تکلف سے باتیں کرنے پر نہ اکسائے' کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ تم مجھے اس مرتبے سے بلند کرو جس پر مجھے اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے' میں محمد بن عبداللہ ہوں' اس کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔''[1]

---

[1] أحمد : (٢٥،٢٤/٤) سنن ابی داوٗد، كتاب الأدب، باب في كراهية التماد ح، حديث : ٤٨٠٦۔

اس حدیث مبارکہ میں عربی الفاظ "لا یستجرینکم" استعمال ہوئے ہیں یہ لفظ "الجری" سے ہے جس کا معنی وکیل ہے' یعنی رسول اللہ ﷺ یہ فرما رہے ہیں: وہ باتیں کرو جو تمہارے ذہنوں میں مشحضر ہیں مبالغہ آمیزی اور تکلف و تصنع سے باتیں نہ بناؤ جیسے کہ تم شیطان کے وکیل اور قاصد ہو گویا کہ تم اس کی زبان سے باتیں کر رہے ہو۔

بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کی تعریف کرنے میں حد سے آگے نکلنے پر مدح سراؤں کے لیے راستے بند کر دیے ہیں اور ان میں ایسے افراد بھی ہو سکتے ہیں جو قابل مدح وستائش بھی نہ ہوں' جب آپ نے اپنی مدح میں سیادت' فضیلت اور سخاوت کے اوصاف بیان کرنے والوں کو بھی روک اور ٹوک دیا تھا' حالانکہ آپ بلاشک وشبہ سید المرسلین' اعظم المسلمین اور افضل الناس ہیں کیونکہ آپ کے پیش نظر یہ بات تھی کہ اگر مدح وستائش کے دروازے کے دونوں پٹ کھول دیے گئے تو یہ لوگوں کو منافقت کے خطرناک میدانوں میں لے جائیں گے جس کی اسلام کی صاف' پاکیزہ اور بے عیب روح اجازت نہیں دیتی' جسے وہ حق بھی قبول نہیں کرتا جس حق پر یہ دین الٰہی کھڑا ہے' نبی اکرم ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو انسان کے روبرو اس کی مدح وستائش کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے کہ کہیں مدح کرنے والا انسان تکلف وتصنع کا شکار نہ ہو جائے تاکہ ممدوح کو غرور' تکبر' اکڑپن' غلبہ پسندی اور خود پسندی کا نشہ اور مستی نہ آن دبوچے۔

شیخین نے سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت لی ہے فرمایا: نبی اکرم ﷺ کی موجودگی میں ایک شخص نے دوسرے آدمی کی ستائش بیان کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: تیری خرابی ہو! تو نے اپنے ساتھی کی گردن کاٹ ڈالی ہے' تو نے اپنے ساتھی کی گردن کاٹ ڈالی ہے اور کئی بار یہی فرمایا پھر آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنے ساتھی کی مدح وستائش کرنے کو ضروری سمجھتا ہو تو اسے یوں کہنا چاہیے:

«اَحْسِبُ فُلَانًا' وَاللّٰهُ حَسِيْبُهٗ' وَلَا اُزَكِّيْ عَلَى اللّٰهِ اَحَدًا اَحْسِبُهٗ»

''میں فلاں کو ایسا خیال کرتا ہوں ویسے اللہ تعالیٰ ہی اس کا حساب رکھنے والا ہے' میں کسی کو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں پاک نہیں کہتا میں صرف اس کے متعلق گمان ہی کرتا ہوں۔''

اگر وہ اس کے متعلق ایسی ایسی باتیں جانتا ہو تب کہے۔ [1]

تعریف وستائش اگر ضرور ہی بیان کرنی ہو تو چاہیے کہ ممدوح کے حال کے مطابق ہو اور یہ چاہیے کہ معتدل اور محفوظ انداز سے ہو جس میں کوئی غلو ہو' نہ زیادتی ہو اور نہ ہی مبالغہ کی آمیزش ہو'

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الادب، باب ما یکرہ من التمادح' حدیث: ٦٠٦١ وصحیح مسلم کتاب الزھد: باب النھی عن الافراط فی المدح، حدیث: ٣٠٠٠

اس ایک طریقہ سے ہی معاشرے کو منافقت' کذب بیانی' دھوکا دہی' ریا کاری اور ظلم و زیادتی کے وبائی امراض سے بچایا جا سکتا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے الادب المفرد میں رجاء سے پھر محجن الاسلمی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا محجن رضی اللہ عنہ دونوں مسجد میں تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو نماز پڑھتے اور رکوع و سجود کرتے دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کون ہے؟ تو محجن رضی اللہ عنہ نے اس کا تعارف بیان کرنا شروع کر دیا: یارسول اللہ! یہ فلاں ہے' یہ فلاں ہے' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''رک جا اسے مت سنا تو اسے ہلاک کر دے گا۔''[1]

جبکہ مسند احمد کی روایت میں یوں ہے:

''یا نبی اللہ' یہ تو فلاں ہے جو اہل مدینہ کے بہترین لوگوں میں سے ہے' یا کہا: یہ اہل مدینہ میں سے سب سے زیادہ نماز پڑھنے والا ہے۔ فرمایا:

« لَا تُسْمِعْهُ' فَتُهْلِكَهُ.....مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلَاثًا.....اِنَّكُمْ اُمَّةٌ اُرِيْدُ بِكُمُ الْيُسْرَ »[1]

''اسے مت سنا' تو اسے ہلاک کر ڈالے گا...... دو یا تین مرتبہ فرمایا...... تم امت ہو' میں تمہارے لیے آسانی چاہتا ہوں۔''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدح و ستائش سنانے کو ہلاکت سے تعبیر فرمایا ہے کیونکہ اس کے اس انسانی نفس پر، جو اس کے سننے کی محبت پر پیدا کیا گیا ہے' بہت ہی زیادہ نفسیاتی اثرات ہیں تو پھر ممدوح لوگوں پر غرور کرتا' تکبر سے ناک چڑھاتا اور ان سے رخسار پھیرتا ہے۔ بالخصوص جب منافق' جھوٹے' دھوکے باز مداح' حکمران طبقے اور بڑے بڑے عہدے داروں اور سلطانوں کے ارد گرد زیادہ تعداد میں ہو جائیں' تو پھر وہ ایسے لوگوں سے تعریفیں سننے کے عادی بن جائیں گے بالآخر وہ نصیحت اور تنقید کو سننا بھی گوارا نہیں کریں گے بلکہ تعریف و تقریظ' مدح و ثنا اور خراج تحسین وصول کرنے اور خوشامدی انگیٹھیوں کے سلگانے کے علاوہ کچھ اور قبول ہی نہیں کریں گے۔

---

1. الادب المفرد ۱/۴۳۳ باب یحثی فی وجوه المداحین
2. رواه احمد ۵/۳۲' واسناده صحیح

ایسی صورت حال کے بعد پھر تعجب نہیں کہ حق ضائع ہونے لگے، عدل کو قتل کر دیا جائے فضیلت و معیار کو زندہ درگور کر دیا جائے اور معاشرہ تباہ و برباد ہو جائے۔

یہی باعث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا تھا کہ وہ مداحوں کے چہرے پر خاک ڈالیں تاکہ اسلامی معاشرے میں ان کی تعداد زیادہ نہ ہونے پائے کیونکہ ان کے بڑھنے سے نفاق عام ہوتا ہے، مبالغہ آمیزی کی بہتان ہوتی ہے اور بلائیں عام ہوتی ہیں۔

اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مدح و ستائش سے حرج محسوس کرتے تھے جب کبھی مداح سرا انہیں اس پیمانے سے ناپتے تھے، حالانکہ وہ اس ستائش و تعریف کے زیادہ حقدار اور اہل بھی تھے، صرف اس کی خطرناکیوں اور اس کی ہلاکتوں سے ڈرتے ہوئے اور بنیادی اسلامی اخلاق سے آراستہ رہتے ہوئے جو ایسے ارزاں اور بے مقصد کلمات و حالات سے بہت بلند تھے۔ نافع رحمہ اللہ اور دیگر حضرات سے مروی ہے کہ کسی آدمی نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: یَا خَیْرَ النَّاسِ! یَا ابْنَ خَیْرِ النَّاسِ، یعنی اے لوگوں میں سے بہترین! اے لوگوں میں سے بہترین کے صاحبزادے! تو سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں لوگوں میں سے بہترین نہیں ہوں اور نہ ہی لوگوں میں سے بہترین کا صاحبزادہ ہوں بلکہ میں تو اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ ہوں، اللہ تعالیٰ سے امید بھی رکھتا ہوں اور اس سے ڈرتا بھی ہوں، اللہ کی قسم! تم کسی آدمی کے متعلق ایسی باتیں بناتے رہتے ہو حتیٰ کہ اسے ہلاکت میں ڈال دیتے ہو۔[1]

بلاشبہ یہ ایک صحابی جلیل کا حکیمانہ مقولہ ہے جو اسلامی احساس کا شاہکار اور سیرت نبوی ﷺ کا شناسا تھا اور اس سیرت کو اپنے ظاہر و باطن میں اختیار کرنے والا بھی تھا۔

یقیناً صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس حکیمانہ تعلیم کو خوب سمجھا اور آپ ﷺ نفاق سے بچنے کے لیے اقوال و افعال سے بدستور ان کی رہنمائی فرماتے رہے آپ نے اپنے صحابہ کے سامنے اس فرق کو واضح تر طریقے سے بیان کیا جو اللہ تعالیٰ کی ذات کی خاطر خالص حق اور منافقت و چاپلوسی کے درمیان تھا۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ کچھ لوگوں نے آپ سے کہا: ہم بادشاہوں اور

---

[1] حیاۃ الصحابۃ ۳/۱۰۳۔

سلاطین کے پاس جاتے ہیں ہم ان کے پاس ان باتوں کے برخلاف باتیں کرتے ہیں جو ہم ان کے ہاں سے چلے آنے کے بعد کرتے ہیں، تو سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

((كُنَّا نَعُدُّ هٰذَا نِفَاقًا عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ)) [1]

''ہم تو اسے رسول اللہ ﷺ کے دور میں منافقت شمار کیا کرتے تھے۔''

اور راست گو مسلمان خاتون کے لیے دینی ہدایت اس طرح کی ہے جو اسے منافقت کی خطرناک وادیوں میں گرنے سے بچاتی ہے، جس میں دور حاضر کی بے شمار خواتین گری ہوئی ہیں جبکہ وہ یہ بھی خیال رکھتی ہیں کہ انہوں نے خوش مزاجی کی حدود کو تجاوز نہیں کیا وہ یہ نہیں جانتیں کہ کچھ خوش مزاجیاں حرام بھی ہوتی ہیں، وہ لاشعوری طور پر ایسی ہلاکت خیز اور ناپسندیدہ دور دراز کی وادیوں میں جا گرتی ہیں اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب وہ بیان حق سے خاموش رہتی ہیں یا ایسے لوگوں کی مدح وستائش کر گزرتی ہیں جو مدح وستائش کے حق دار ہی نہیں ہوتے۔

حیاء داری سے متصف رہتی ہے:

یہ بات طبعی امور میں سے ہے کہ عورت کی طبیعت میں حیا داری شامل ہے اور جو حیا داری یہاں پر میری مراد ہے اس کی علما کرام نے یوں تعریف کی ہے:

((هُوَ الْخُلُقُ النَّبِيلُ الْبَاعِثُ دَوَامًا عَلٰى تَرْكِ الْقَبِيحِ وَالْاِبْتِعَادُ عَنِ التَّقْصِيرِ فِي حَقِّ أَصْحَابِ الْحُقُوقِ))

''وہ اعلیٰ اور عمدہ خلق جو ہمیشہ ترک قبیح کا باعث ہو اور حق والوں کے حقوق میں کوتاہی کے ارتکاب سے دور رکھے۔''

اور خود رسول اللہ ﷺ حیا داری میں اعلیٰ نمونہ تھے جس طرح کہ عظیم صحابی سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ نے آپ کی بابت بیان کیا ہے:

((كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَشَدَّ حَيَاءً مِّنَ الْعَذْرَاءِ فِي خِدْرِهَا، فَإِذَا رَأَى شَيْئًا يَكْرَهُهُ عَرَفْنَاهُ فِي وَجْهِهِ)) [2]

---

[1] صحیح بخاری کتاب الاحکام: باب ما یکرہ من ثناء السلطان، حدیث: ۷۱۷۸۔

[2] صحیح بخاری۔ کتاب المناقب۔ باب صفۃ النبی ﷺ، حدیث ۳۵۶۲۔ صحیح مسلم۔ کتاب الفضائل۔ باب کثرۃ حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث: ۲۳۲۰۔

''رسول اکرم ﷺ کسی پردہ نشین کنواری دوشیزہ سے بھی بڑھ کر حیا دار تھے' آپ جب کسی ناپسندیدہ چیز کو دیکھتے تو ہم اس کا اثر آپ کے چہرہ مبارک پر پہچان لیتے۔''

رسول کریم ﷺ نے حیا داری کے خلق کو اپنی متعدد احادیث مبارکہ میں سراہا ہے۔

سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْحَیَاءُ لَا یَاْتِیْ اِلَّا بِخَیْرٍ)) [1]

''حیا بجز خیر کے کچھ نہیں لاتا۔''

اور صحیح مسلم کی روایت میں یوں بھی ہے:

''حیا سب کا سب ہی خیر ہے۔'' [2]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ فرمان رسول ﷺ مروی ہے فرمایا:

((اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ شُعْبَةً' اَوْ بِضْعٌ وَّ سِتُّوْنَ شُعْبَةً' فَاَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَدْنَاهَا اِمَاطَةُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ' وَالْحَیَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ)) [3]

''ایمان ستر اور کچھ زائد شاخوں پر مشتمل ہے یا ساٹھ اور کچھ زائد شعبوں پر مشتمل ہے' اس کا افضل ترین درجہ لا الہ الا اللہ کہنا ہے اور اس کا کم ترین درجہ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے اور حیا بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے۔''

بلاشبہ راست گو متقی مسلمان خاتون شرم وحیا کا پیکر' مہذب' خوش مزاج اور بیدار شعور ہوتی ہے اس سے کوئی ایسا فعل یا قول صادر نہیں ہوتا جو لوگوں کو اذیت دیتا ہو یا ان کے اعزازات و کرامات کو مخدوش کرتا ہو۔

وہ اس لیے کہ حیا کی عادت، جو اس کی طبیعت میں مضبوط ہو چکی ہو اور جو اسلامی حیا کے فہم سے تائید یافتہ ہو، اسے شرع کی مخالفت سے روکتی رہتی ہے اور لوگوں سے معاملات طے کرنے

---

1. صحیح بخاری، کتاب الادب، باب الحیاء، حدیث ۶۱۱۷۔ صحیح مسلم کتاب الایمان۔ باب شعب الایمان، حدیث: ۳۷۔
2. صحیح مسلم کتاب الایمان: حوالہ سابق۔
3. صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب امور الایمان، حدیث: ۹۔ صحیح مسلم کتاب الایمان۔ باب شعب الایمان، حدیث: ۳۵

میں ہر طرح کے انحراف اور کجی سے دور رکھتی ہے' وہ صرف انہی سے شرم وحیا نہیں کرتی بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ سے حیا رکھتی ہے اور اس سے اپنے دامن کو بچائے رکھتی ہے کہ اس کے ایمان میں ظلم کی ملاوٹ ہو کیونکہ حیا ایمان کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے اور یہ وہ بلند ترین مقام ہے جس تک عورت حیا داری سے آراستہ ہو کر پہنچ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باحیا مسلمان خاتون اس مغربی خاتون سے ممتاز نظر آتی ہے جو اپنے تمام حجابات ونقابات کو اتار چکی ہے۔

صاحب عفت اور خود دار ہوتی ہے:

مسلمان خاتون کی عادات واوصاف میں سے عفت اور خود داری بھی ہیں جب کبھی اسے کوئی تنگی لاحق ہوتی اور اسے کوئی فاقہ کی نوبت آتی ہے تو وہ صبر کا دامن تھام کر رکھتی' عفت وخود داری سے تمسک رکھتی اور لاحق ہونے والے فاقے کے بحران سے نکلنے کے لیے اپنی جدوجہد کو بڑھا لیتی ہے' اس کیفیت اور صورت حال میں دست سوال اور دست بھیک بالکل دراز نہیں کرتی اور نہ ہی ایسا سوچتی ہے بلکہ اسلام اس صورت حال اور موقف میں راست باز مسلمان خاتون کو اس درجہ تک گرنے سے بچاتا ہے اور اسے پاکدامنی' استغناء اور صبر کو اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ بھی اس کی مدد کرتا اور صبر وغنا اور پاکدامنی پر اسے ثابت قدم رکھتا ہے:

﴿ مَنْ يَّسْتَعْفِفْ يُعِفَّهُ اللّٰهُ، وَمَنْ يَّسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللّٰهُ، وَمَنْ يَّتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللّٰهُ، وَمَا أُعْطِيَ أَحَدٌ عَطَاءً خَيْرًا وَّأَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ ﴾[1]

''جو پاکدامنی اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے پاکدامن بنا دیتا ہے' اور جو بے نیازی اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بے نیاز کر دیتا ہے اور جو صبر کا دامن تھام کر رکھنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اسے توفیق صبر بھی دے دیتا ہے' اور کوئی بھی ایسی عطا وعنایت نہیں دیا گیا جو بہتری اور کشادگی میں صبر سے بڑھ کر ہو۔''

وہ عورت جو اپنے دین کی ہدایت سے روشنی لینے والی ہے یقیناً جانتی ہے کہ اسلام نے اغنیاء کے اموال میں فقراء کا حق مقرر کیا ہے۔ وہ بغیر کسی احسان مندی' اذیت اور ملامت کے اس کا تقاضا کر سکتے ہیں' وہی اسلام بیک وقت فقراء سے یہ بھی چاہتا ہے کہ وہ اس حق سے بے نیاز

[1] صحیح بخاری۔ کتاب الزکاۃ۔ باب الاستعفاف عن المسألة، حدیث: ١٤٦٩۔ صحیح مسلم۔ کتاب الزکاۃ۔ باب فضل التعفف والصبر، حدیث: ١٠٥٣

رہنے کی کوشش کریں اور یہ اعلان کرتا ہے اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے اور یہ بھی اعلان کرتا ہے کہ مسلمان خواہ مرد ہوں یا عورتیں اپنے ہاتھوں کو نیچے والا نہ بنائیں' یہ ان کے لیے زیادہ بہتر' لائق اور عزت بخش ہے اور اس میں کم دولت والوں اور تھوڑے سرمائے والیوں کو بھی درس ہے کہ وہ اپنی کوششیں تیز تر کر دیں' صدقات وعنایات پر ہی بھروسا نہ رکھیں' اس طرز میں ان کے چہرے کی رونق وتازگی کی بھی حفاظت ہے اور ان کی شرافت وخودداری کی بھی ضمانت ہے تاکہ کسی دن انہیں کوئی اذیت نہ دیکھنی پڑے' یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ منبر پر اعلان فرماتے ہوئے' صدقہ کرنے اور دست سوال دراز کرنے سے بچنے کی تلقین کر رہے ہیں کہ:

«اَلْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِّنَ الْیَدِ السُّفْلٰی' وَالْیَدُ الْعُلْیَا هِیَ الْمُنْفِقَةُ وَالسُّفْلٰی هِیَ السَّائِلَةُ» [1]

''دست بالا دستِ زیریں سے بہتر ہے اور دستِ بالا خرچ کرنے والا ہے جبکہ دستِ زیریں مانگنے والا ہے۔''

لایعنی اور بے مقصد امور میں دخل اندازی نہیں کرتی:

سمجھدار مسلمان خاتون ذہین اور ہوشمند ہوتی ہے لایعنی اور بے مقصد امور میں دخل نہیں دیتی اور نہ ہی اپنے اردگرد کی خواتین کے نجی حالات کی بحث وکرید کرتے ہوئے اپنی آنکھوں کو دراز کرتی ہے اور نہ ہی ان کے خاص امور میں اپنے آپ کو دھنساتی ہے اور نہ ہی کسی دوسرے کے مخصوص کام میں اپنے نفس کو چپکاتی ہے اور نہ ہی قریب یا بعید سے اس کے پیچھے پڑتی ہے جس کا نتیجہ گناہ یا مواخذہ کی صورت میں سامنے آ سکتا ہو جب وہ فضول معاملات میں دخل اندازی سے اجتناب کرتی اور اپنے نفس کو لغویات سے بچائے رکھتی ہے تو پھر اپنے دین کے پختہ ترین اخلاق کو مضبوطی سے تھام لیتی ہے جس نے مسلمان انسان کو ایسے گھٹیا پن سے اسے بلند تر کر دیا ہے' اسے مکارم اخلاق سے آراستہ بنا دیا ہے اور اسے لوگوں سے معاملات طے کرنے میں بہترین راستہ اختیار کرنے کی راہنمائی کی ہے:

[1] صحیح مسلم کتاب الزکاۃ: باب بیان ان الید العلیا خیر من الید السفلی، حدیث: ۱۰۳۳

«مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَالَا يَعْنِيهِ» ①

''آدمی کے بہترین اسلام میں سے یہ بھی ہے کہ وہ امور واقوال کو چھوڑ دے۔''

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَرْضٰى لَكُمْ ثَلَاثًا، وَيَكْرَهُ لَكُمْ ثَلَاثًا۔ يَرْضٰى لَكُمْ: أَنْ تَعْبُدُوهُ، وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، وَأَنْ تَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا وَيَكْرَهُ لَكُمْ: قِيلَ وَقَالَ، وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ وَإِضَاعَةَ الْمَالِ» ②

''بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے لیے تین باتیں پسند کرتا ہے اور تین باتیں ناپسند کرتا ہے: جو تمہارے لیے پسند کرتا ہے وہ یہ ہیں: تم اس کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیراؤ، اور سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقے فرقے مت بنو، اور جو تمہارے لیے ناپسند کرتا ہے وہ یہ ہیں: فضول باتیں، سوالات کی کثرت اور مال کا ضیاع۔''

بلاشبہ اس ربانی معاشرے میں جس کی اسلام پرورش کرتا ہے اس میں قیل وقال (فضول باتوں) اور کثرت سوالات کی گنجائش نہیں ہے اور نہ ہی اس میں لوگوں کے خاص معاملات میں دخل اندازی کرنے کی اجازت ہے، کیونکہ اس معاشرے کے افراد مرد اور عورتیں اس سے بڑے اور اہم ترین مقصد کے لیے کوشاں رہتے ہیں، وہ تو زندگی میں اپنے اپنے فرائض کی بجا آوری میں مشغول ومصروف رہتے ہیں، ہر کوئی اپنے اپنے دائرہ کار میں اور اپنے مخصوص احاطے میں ہے اور سبھی روئے زمین میں کلمۃ اللہ کی سربلندی کے لیے اپنی اپنی کاوشیں پیش کرنے میں مصروف رہتے ہیں اور لوگوں کے درمیان اسلام کی اقدار کو عام کرنے میں مگن رہتے ہیں، جو لوگ ان اعلیٰ ترین اعمال میں مصروف ومگن رہنے والے ہوں وہ ایسے گناہوں میں پڑنے کے لیے وقت کہاں سے لائیں گے؟ ان کے پاس اتنی فرصت نہیں ہوتی کہ ان گھٹیا امور کے پیچھے پڑیں۔

---

① سنن الترمذي أبواب الزهد: باب (١١) حديث: ٢٣١٧ و سنن ابن ماجة كتاب الفتن: باب كف اللسان عن الفتنة، حديث: ٣٩٧٦

② صحيح مسلم كتاب الأقضية: باب النهي عن كثرة المسائل من غير حاجة، حديث: ١٧١٥۔

وہ بہتان بازی اور عیب جوئی سے دور رہتی ہے:

متقی مسلمان خاتون لوگوں کے مخفی امور کی ٹوہ لگانے اور ان کی عزتوں کے پیچھے پڑنے سے اپنے کردار کو پاک صاف رکھتی ہے اور اس بات کو ناپسند کرتی ہے کہ اسلامی معاشرے میں ایسی باتیں پھیلیں' اس سلسلے میں وہ قرآن کریم اور سنت مطہرہ کی ان ہدایات و توجیہات پر عمل پیرا رہتی ہے جو ایسے فسادی مردوں اور فسادی عورتوں اور لوگوں کی عزتوں میں زبانیں ہلانے والوں اور والیوں کے متعلق دنیا و آخرت میں سخت ترین عذاب کی وعیدیں سناتی ہیں:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ﴾ (النور: ٢٤/١٩)

''جو لوگ مسلمانوں میں برائی پھیلانے کے آرزومند رہتے ہیں ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہیں۔''

یہ اس وجہ سے کہ جو شخص معاشرے میں بے حیائی کی خبریں پھیلاتا ہے اور جو بے حیائی کا ارتکاب کرنے والا ہے دونوں ہی برابر ہیں جس طرح کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

((اَلْقَائِلُ الْفَاحِشَةَ وَالَّذِيْ يَشِيْعُ بِهَا فِي الْاِثْمِ سَوَآءٌ)) [1]

''بے حیائی کی بات کرنے والا اور اسے پھیلانے والا گناہ میں برابر ہیں۔''

اپنے دین کی ہدایت کو یاد رکھنے والی مسلمان خاتون اس بات کا ادراک کر لیتی ہے کہ بعض تساہل پسند عورتوں اور کوتاہی کی مرتکب بعض عورتوں کے ہاں اس بشری کمزوری کا جو بار بار اعادہ ہوتا ہے اس کا علاج کیسے کرنا ہے۔ وہ عورتوں کے پوشیدہ امور اور ان کے عیوب کی ٹوہ لگانے اور معاشرے میں لوگوں کی زبانوں پر ان کی تشہیر کرنے سے علاج نہیں کرتی بلکہ ان کے کانوں پر وعظ و نصیحت کو اچھے طریقے سے پیش کرنے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو ان کے سامنے آراستہ کرنے سے اور ان کے نفوس میں معصیت کو ناپسندیدہ ٹھہرانے سے کرتی ہے' دورانِ اصلاح کوئی صراحت کرتی ہے اور نہ کوئی لعن طعن' نہ ہی کوئی روبرو بات کرتی ہے اور نہ ہی کوئی مقابلہ۔ پاکیزہ بات' اچھی نصیحت اور کانوں پر حق پیش کرنے میں اچھے انداز کو اختیار کرنے سے دلوں کے تالے کھلتے ہیں'

[1] اخرجه البخاري في الادب المفرد ١/٤١٩ باب من سمع الفاحشة فافشاها۔

نفس مطیع و فرمانبردار ہوتا ہے اور اعضائے جسمانی میں خشوع پیدا ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے تجسس کرنے اور مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے مخفی امور کی ٹوہ لگانے سے مندرجہ ذیل فرمان سے منع فرمایا ہے:

﴿ وَلَا تَجَسَّسُوا ﴾ (الحجرات : ۴۹/ ۱۲)

''اور بھید نہ ٹٹولا کرو۔''

کوتاہی کرنے والوں اور والیوں کی تشہیر کرنا' ان کے پوشیدہ رازوں کو ٹٹولنا' ان کی ٹوہ میں لگے رہنا اور ان سے متعلقہ باتوں کی کرید کرتے رہنا صرف ان کی ہی اذیت کا باعث نہیں ہے بلکہ اس پورے معاشرے کو بھی اذیت ہوتی ہے جس میں وہ زندگی گزارتے ہیں۔ اسی لیے تو قرآن کریم نے ان لوگوں کے متعلق وعید کو سخت الفاظ میں بیان کیا ہے جو معاشرے میں بے حیائی اور برائی کو عام دیکھنے کے آرزومند ہوتے ہیں۔ جس بھی معاشرے میں بے حیائی پھیلتی ہے' عزتوں میں کرید بڑھتی ہے اور افواہیں' قیاس آرائیاں اور بدگمانیاں عام ہوتی ہیں تو اس میں ڈھیلے پن اور عداوت کی وبا سرایت کرنے لگتی ہے۔ نفوس پر معصیت کا ارتکاب آسان اور ہلکا بن جاتا ہے' اخوت کے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں اس معاشرے کے افراد کے مابین عداوت' ناراضی' مکر اور بغض کی قلبی بیماریاں پھیل جاتی ہیں اور فساد عام ہو جاتا ہے' اور انہی باتوں کی طرف رسول اللہ ﷺ اپنے فرمان ذیل میں اشارہ فرما رہے ہیں:

''بلاشبہ تو اگر مسلمانوں کے عیوب اور پوشیدہ امور کی ٹوہ میں رہے گا تو تو انہیں فساد میں ڈال دے گا یا تو قریب ہے کہ انہیں فساد میں مبتلا کر دے۔''[1]

مذکورہ تمام باتوں کے پیش نظر رسول اکرم ﷺ نے عزتوں کے بارے میں زبان ہلانے اور پوشیدہ امور کی ٹوہ لگانے پر سختی کا اظہار فرمایا ہے اور جو شخص اس سلسلے میں سستی کا مظاہرہ کرے گا اسے پردہ دری ہونے اور رسوائی ہونے کی وعید بھی سنائی گئی ہے اگرچہ وہ اپنے گھر کے اندر ہی جم کر بیٹھا رہے:

«لَا تُؤْذُوا عِبَادَ اللّٰهِ' وَلَا تُعَيِّرُوهُمْ' وَلَا تَطْلُبُوا عَوْرَاتِهِمْ' فَإِنَّهُ مَنْ تَطَلَّبَ

[1] سنن ابی داؤد کتاب الادب: باب فی النھی عن التجسس حدیث: ۴۸۸۸ باسناد صحیح

عَوْرَةَ اَخِيهِ الْمُسْلِمِ طَلَبَ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ حَتّٰى يَفْضَحَهُ فِي بَيْتِهِ ﴾[1]

''اللہ کے بندوں کو اذیت نہ پہنچاؤ' اور نہ انہیں عار دلاؤ' نہ ان کے مخفی رازوں کی ٹوہ میں رہو' کیونکہ جو اپنے کسی مسلمان بھائی کے راز کی ٹوہ میں رہے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے مخفی راز کو عیاں کر دے گا حتیٰ کہ اسے اس کے گھر میں ہی ذلیل و رسوا کر ڈالے گا۔''

بلا شبہ رسول اکرم ﷺ ایسے زائد باتیں کرنے والے' شکوک وشبہات پیدا کرنے والے اور لوگوں کی شہرت اور ان کی عزتوں کے متعلق زبانیں دراز کرنے والے لوگوں سے بہت زیادہ رنج والم پاتے تھے اور آپ کا نفس مبارک ان حد سے تجاوز کرنے والوں سے ایذا دہی کی خبر کو سن کر بہت ہی غصے ہوتا تھا۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی اکرم ﷺ کے اشتعال اور غصے کی کچھ اس طرح تصویر کشی کی ہے:

رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسا خطبہ ارشاد فرمایا حتیٰ کہ آپ نے پردہ نشین عورتوں کو بھی سنایا اور فرمایا:

﴿ يَا مَعْشَرَ مَنْ آمَنَ بِلِسَانِهِ' وَلَمْ يَدْخُلِ الْإِيمَانُ قَلْبَهُ' لَا تُؤْذُوا الْمُؤْمِنِينَ' وَلَا تَتَّبِعُوا عَوْرَاتِهِمْ' فَإِنَّهُ مَنْ تَتَبَّعَ عَوْرَتَهُ اَخِيهِ الْمُسْلِمِ هَتَكَ اللّٰهُ سِتْرَهُ' وَمَنْ يَتَتَبَّعُ عَوْرَتَهُ يَفْضَحُهُ وَلَوْ فِي جَوْفِ بَيْتِهِ ﴾[2]

''اے وہ گروہ! جو اپنی زبان سے ایمان لایا ہے اور ایمان اس کے دل میں داخل نہیں ہوا' تم ایمان والوں کو اذیت نہ پہنچاؤ اور نہ ان کے مخفی رازوں کی ٹوہ میں رہا کرو' کیونکہ جو کوئی بھی اپنے مسلمان بھائی کے مخفی راز کی ٹوہ میں رہے گا اللہ تعالیٰ اس کے پردے چاک کر دے گا' اور جس کے مخفی راز کی اللہ تعالیٰ ٹوہ لگائے گا اسے ذلیل و رسوا کر دے گا وہ خواہ اپنے گھر ہی میں کیوں نہ ہو۔''

بلا شبہ ایک یہ آتشیں خطبہ ہے' اس میں رسول اکرم ﷺ کا لہجہ سخت ہے حتیٰ کہ آپ کی آواز پردہ نشین مستورات تک بھی پہنچ رہی ہے' اس خطبہ کی ابتدا آپ ﷺ نے اس عبارت سے فرمائی ہے:

---

1. مسند احمد: ۵/۲۷۹ واسنادہ حسن۔
2. مسند احمد: ۴/۴۲۰۔ ۴۲۱ ابو داؤد۔ کتاب الادب۔ باب فی الغیبة، حدیث: ۴۸۸۰۔

''اے وہ گروہ! جو اپنی زبان سے ایمان لایا ہے اور ایمان اس کے دل میں داخل نہیں ہوا۔''
کس قدر بھاری غلطی ہے! اور کس درجہ گناہ کبیرہ ہے! جسے رسول اللہ ﷺ لوگوں کی عزتوں میں زبانیں دراز کرنے والوں اور والیوں کو نعمت ایمان سے تہی اور خالی قرار دے رہے ہیں۔

ریاکاری سے دور رہتی ہے:

صاحب بصیرت ہدایت یافتہ مسلمان خاتون ریاکاری' فخر وغرور اور اکڑفوں کے تالاب میں نہیں گرتی کیونکہ وہ اپنے دین کی ہدایت کے ساتھ نجات پاتی اور دامن کو بچائے رکھتی ہے' کیونکہ جب اس نے بخوبی جان لیا ہے کہ اس کے دین کا لب لباب قول وعمل میں اللہ تعالیٰ کے حضور اخلاص پیش کرنا ہے اور یہ بھی جان چکی ہوتی ہے کہ اس ریاکاری کا بس یہی نتیجہ ہے کہ اجر ضائع ہوتا ہے' عمل برباد ہو جاتا ہے اور ایسے کام کرنے والے کے لیے روز قیامت رسوائی ہی رسوائی ہوگی۔

اور یہ سزا اس لیے ہے کہ انس وجن کی تخلیق کا مقصد ہی عبادت الٰہی ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴾ (الذاریات: ٥١/ ٥٦)
''میں نے جنات اور انسانوں کو محض اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں۔''

اور اس عبادت کو اللہ تعالیٰ تب ہی قبول فرماتے ہیں جب وہ خالص اس کی رضا کے لئے کی گئی ہو:

﴿ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ ﴾ (البينة: ٩٨/ ٥)
''انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں اسی کے لیے دین کو خالص رکھیں ابراہیم حنیف کے دین پر (چلتے ہوئے)۔''

یعنی حق کی جانب مائل رہتے ہوئے' سیدھے اور مخلص رہتے ہوئے عبادت کریں۔ جب کبھی مسلمان خاتون کے عمل میں ریاکاری کا کوئی شائبہ شامل ہو جائے یا ظاہر پرستی اور طلب شہرت کی نیت آ جائے یا حصول ستائش اور باتیں سننے کی خواہش پیدا ہو جائے تو اس کا عمل باطل

اور اس کا ثواب ضائع ہو جائے گا اور ایسا کرنے والی واضح گھاٹے اور خسران مبین کے ساتھ لوٹے گی' اس کے متعلق وہ واضح دوٹوک قرآنی تصریح اور وعید بڑی فٹ بیٹھتی ہے جو اپنے مال خرچ کرنے والوں کے بارے میں موجود ہے، جو خرچ کرنے کے بعد احسان اور اذیت کو اپنے خرچے کے پیچھے چلانے والے ہیں، جو مال لینے والوں اور محتاجوں کی عزت نفس کو مجروح کر ڈالتے ہیں:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ (البقرہ : ۲/۲٦٤)

''اے ایمان والو! اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور ایذا پہنچا کر برباد نہ کرو جس طرح وہ شخص جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لیے خرچ کرے اور نہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھے نہ قیامت پر' اس کی مثال اس صاف پتھر کی طرح ہے جس پر تھوڑی سی مٹی ہو پھر اس پر زور دار مینہ برسے اور وہ اسے بالکل صاف اور سخت چھوڑ دے' ان ریاکاروں کو اپنی کمائی میں سے کوئی چیز ہاتھ نہیں لگتی اور اللہ تعالیٰ کافروں کی قوم کو راہ نہیں دکھاتا۔''

محتاجوں سے احسان جتلانے والی بات کرنا ان صدقات کے اجر وثواب کو اکارت بنا دیتا ہے جس طرح چکنے پتھر پر اوپر سے گرایا جانے والا پانی مٹی کو صاف کر ڈالتا ہے' اس آیت مبارکہ کے آخر میں بیان شدہ خطرناک انجام اس پر مستزاد ہے کہ ایسے ریاکار ہدایت الٰہی کے مستحق نہیں رہتے بلکہ ان کا شمار کافروں کے زمرے میں ہوتا ہے۔

اس کی وجہ یہ نظر آتی ہے کہ یہ ریاکار لوگ لوگوں کے سامنے نیک عمل کو ظاہر کرتے ہیں ان کا مطلوب ومقصود رضائے رب رحمان نہیں ہوتا' مزید اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کا بیان بایں الفاظ بھی کیا ہے:

﴿ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَ لَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾ (النساء : ٤/١٤٢)

''صرف لوگوں کو دکھاتے ہیں اور یاد الٰہی تو یونہی سی برائے نام کرتے ہیں۔''

اسی لیے ان کے اعمال مردود ہو جاتے ہیں کیونکہ انہوں نے اللہ کے ساتھ غیر اللہ کو بھی شریک بنایا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ تو صرف وہی عمل قبول فرماتا ہے جو اس کے لیے خالص اور شرک کی آمیزش سے صاف ہوتا ہے جس طرح کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

((قَالَ اللّٰهُ تَعَالیٰ: اَنَا اَغْنَی الشُّرَکَآءِ عَنِ الشِّرْكِ مَنْ عَمِلَ عَمَلًا اَشْرَكَ فِيْهِ مَعِيَ غَيْرِيْ، تَرَکْتُهٗ وَشِرْکَهٗ))

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: میں شراکت کے معاملے میں تمام شریکوں سے بڑھ کر بے نیاز ہوں، جس کسی نے کوئی ایسا عمل کیا کہ اس میں میرے ساتھ کسی غیر کو بھی شریک کیا تو میں اسے اور اس کے شرک کو چھوڑ دیتا ہوں۔''[1]

اپنے دین کی ہدایت سے روشنی پانے والی مسلمان خاتون اپنے نیک اعمال میں اس خطرناک پھسلن سے ڈرتی رہتی ہے جس میں لاشعوری طور پر بے شمار عورتیں نیکی کے میدانوں میں عمل کرتے ہوئے گر پڑتی ہیں، بعض اوقات وہ اپنی کوششوں میں، اپنے ناموں کے ذکر میں اور مختلف مواقع میں ان سے خراج تحسین حاصل کرنے میں تعریف اور قدر افزائی کو جھانکتی رہتی ہیں یہاں سے پھسلن اور گراوٹ کا آغاز ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسئلہ میں کافی ووافی شرح وتفصیل بیان فرما دی ہے اور اس بھیانک رسوائی کو بھی بڑی وضاحت سے بیان کر دیا ہے جس سے ریاکار بڑے دن کی پیشی میں دوچار ہونے والے ہیں جس دن کوئی مال وزر فائدہ مند ہوگا اور نہ بیٹے ہی کام آسکیں گے مگر جو اللہ تعالیٰ کے ہاں سلامتی والا دل لے کر آئے گا یہ باتیں بھی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث مبارکہ میں موجود ہیں جس میں وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

''تمام لوگوں میں سے قیامت کے روز جس آدمی کے بارے میں سب سے پہلے فیصلہ کیا جائے گا وہ آدمی ہوگا جو شہید کیا گیا تھا، اسے لایا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمت کی پہچان کروائے گا جسے وہ پہچان لے گا۔ اللہ تعالیٰ پوچھے گا: تو نے اس کے ساتھ کیسے عمل کیا؟ وہ کہے گا:

---

[1] صحیح مسلم کتاب الزھد: باب تحریم الریاء، حدیث: ۲۹۸۵۔

میں نے تیرے راستے میں قتال کیا حتیٰ کہ میں شہید کر دیا گیا' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو جھوٹا ہے' تو نے اس لیے قتال کیا تھا تا کہ کہہ دیا جائے: بہادر ہے! سو کہہ دیا گیا' پھر اس کے متعلق حکم ہو گا اور اسے چہرے کے بل گھسیٹ کر جہنم واصل کر دیا جائے گا۔

ایک وہ آدمی ہو گا جس نے علم سیکھا اور اسے سکھایا ہو گا' اس نے قرآن پڑھا ہو گا' اسے لایا جائے گا' اللہ تعالیٰ اس کے سامنے بھی اپنی نعمتوں کی پہچان کروائے گا جنہیں وہ پہچانے گا' پھر اللہ تعالیٰ دریافت کرے گا: تو نے ان کے ساتھ کیسے عمل کیا؟ وہ کہے گا: میں نے علم حاصل کیا اور اسے سکھایا' میں نے تیری رضا کے لیے قرآن کی تلاوت کی' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو نے جھوٹ بولا ہے' تو نے اس لیے علم سیکھا تھا تا کہ کہہ دیا جائے: عالم ہے' تو نے قرآن کی تلاوت کی تا کہ کہا جائے: قاری ہے! اور یہ کہہ دیا گیا۔ پھر اس کے متعلق حکم ملے گا اور اسے چہرے کے بل گھسیٹا جائے گا' بالآخر آتش جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔

ایک وہ آدمی ہو گا جس کو اللہ تعالیٰ نے وسعت و فراخی دی تھی اور اسے انواع واقسام کے مال و دولت عطا فرمائے تھے' اسے سامنے لایا جائے گا' اللہ تعالیٰ اس کے روبرو بھی اپنی نعمتوں کو یاد کروائے گا جنہیں وہ یاد کرے گا' اللہ تعالیٰ دریافت کرے گا: تو نے ان کی موجودگی میں کیا عمل کیے؟ وہ کہے گا: میں نے کوئی بھی ایسا راستہ نہیں چھوڑا جس میں مال خرچ کرنے کو تو محبوب رکھتا تھا مگر میں نے اس میں تیری رضا جوئی کے لیے مال و دولت خرچ کر دیا' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو نے جھوٹ بولا ہے۔ تو نے تو اس لیے یہ کام کیے تھے تا کہ کہا جائے: بڑا سخی اور فیاض ہے! اور وہ کہہ دیا گیا' پھر اس کے بارے میں حکم ہو گا اور اسے منہ کے بل گھسیٹا جائے گا حتیٰ کہ جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔''[1]

وہ ہوشمند مسلمان خاتون جس نے اپنے پروردگار کی کتاب اور اس کے نبی ﷺ کی سنت سے ربانی ہدایت کی تازہ ہوا کے جھونکوں سے استراحت پائی ہے وہ اپنے نفس کو ریا کاری کی تمام شکلوں صورتوں سے دور رکھتی ہے' وہ اپنے تمام اعمال میں اللہ تعالیٰ کے حضور خلوص و اخلاص پیش کرنے کی انتہائی حریص رہتی ہے' وہ تو اپنے اعمال سے اس کے وجہ کریم کی متلاشی رہتی ہے اور

[1] صحيح مسلم، كتاب الامارة، باب من قاتل للرياء و السمعة، حديث: ١٩٠٥ـ

مندرجہ ذیل فرمان رسول ﷺ میں بیان کردہ ریاکاری کی بھیانک اور خوفناک تصویر کشی کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھتے ہوئے سیدھے راستے پر رہتی ہے:

((مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰهُ بِهِ، وَمَنْ يُرَائِيْ يُرَائِي اللّٰهُ بِهِ)) ①

''جس نے ریاکاری کے لیے عمل کیا اللہ تعالیٰ اسے رسوا کرے گا اور جس نے لوگوں میں حصول عظمت کے لیے عمل کیا اللہ تعالیٰ اس کے مخفی راز لوگوں کے سامنے عیاں کرے گا۔''

وہ فیصلے میں عدل و انصاف سے کام لیتی ہے:

بعض اوقات تقدیر مسلمان خاتون کو ایسی جگہ میں لے جاتی ہے جہاں پر اس سے اظہار رائے کرنے یا حکم صادر کرنے کا مطالبہ کیا جاتا ہے، اس مقام پر مسلمان خاتون کا ایمان، رشد و ہدایت اور تقویٰ نکھر کر سامنے آتا ہے۔ لہٰذا ہدایت یافتہ مسلمان خاتون عدل سے فیصلہ کرتی ہے، ظلم و جور نہیں کرتی اور نہ ہی طرفداری سے کام لیتی ہے اور نہ خواہش نفس کی جانب ہی مائل ہوتی ہے، خواہ حالات و ظروف کیسے ہی بن جائیں، کیونکہ وہ اپنے دین کی ہدایت سے یہ جانتی ہے کہ عدل کرنا اور ظلم کو دور کرنا دین کے جوہر اور اصل سے ہے جس پر کتاب الٰہی اور اس کے رسول ﷺ کی سنت مبارکہ کی قطعی اور صریح نصوص ناطق ہیں، جو ایسا دوٹوک فیصلہ کر رہی ہیں جن میں کوئی رو رعایت ہے اور نہ ہی ان میں اجتہاد کی کوئی گنجائش ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ﴾ (النسا: ٤/٥٨)

''اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں انہیں پہنچاؤ اور جب لوگوں کا فیصلہ کرو تو عدل و انصاف سے فیصلہ کرو۔''

عدل و انصاف جس کی حقیقت و کنہ کو مسلمان خاتون نے اپنے دین کی ہدایت سے سمجھا ہے وہ تو خالص صاف شفاف اور کھرا عدل ہے، اس کے میزان عدل کو محبت اور بغض کسی جانب

---

① صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب الریاء والسمعة، حدیث: ٦٤٩٩۔ صحیح مسلم کتاب الزهد باب تحریم الریاء، حدیث ٢٩٨٧

جھکا نہیں سکتے اور نہ ہی اس کو نکھارنے میں کوئی پیار یا قرابت داری یا نسب یا طبعی جھکاؤ ہی اثر انداز ہو سکتا ہے:

﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَ لَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴾ (المائدة : ٥/٨)

''اے ایمان والو! تم للّٰہیت کے ساتھ حق پر قائم ہو جاؤ' راستی اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ' کسی قوم کی عداوت تمہیں خلاف عدل پر آمادہ نہ کرے عدل کیا کرو' جو پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو' یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔''

مزید یہ فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى وَ بِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ﴾

(الانعام : ٦/١٥٢)

''اور جب تم بات کرو تو انصاف کرو گو وہ شخص قرابت والا ہی ہو اور اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا اس کو پورا کرو۔''

اور رسول اللہ ﷺ نے تو عدل کی اعلیٰ مثال قائم کر دی ہے جب آپ کے پاس اس مخزومیہ خاتون کی سفارش کرنے کے لیے سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ آئے تھے جس نے چوری کر لی تھی اور رسول مکرم ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا پکا فیصلہ کر لیا تھا' انہیں یوں فرمایا تھا:

''کیا تو حدود اللہ میں سے ایک حد میں سفارش کرتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر محمد (ﷺ) کی صاحبزادی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔''[1]

بلاشبہ یہی مطلق اور عام عدل ہے جسے ہر صغیر و کبیر پر اور سربراہ و رعایا پر اور ہر مسلم اور غیر مسلم پر نافذ کیا جائے گا' اس کی گرفت سے کوئی بھی چھٹکارا نہیں پا سکتا۔ یہی عدل تو ہے جو اسلامی اور دیگر معاشروں کے درمیان راستہ الگ الگ کرتا ہے۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الحدود، باب کراهیة الشفاعة فی الحد، حدیث : ٦٧٨٨۔ صحیح مسلم۔ کتاب الحدود، باب قطع السارق الشریف، حدیث: ١٦٨٨۔

ان واقعات میں سے ایک واقعہ تاریخ نے اپنے اوراق میں محفوظ رکھا ہے' اور جس کے سامنے پورے جہاں کی عدل و انصاف کی محفلیں اتنے زمانے گزرنے کے باوجود انگشت بدنداں ہیں، وہ ہے امیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا اپنے اس مدمقابل اور حریف یہودی کے پہلو میں قاضی شریح کے سامنے کھڑا ہونا جس نے آپ کی زرہ چوری کی تھی۔ قاضی کو امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے، یہودی کے خلاف ثبوت کا مطالبہ کرنے سے ان کا مقام و مرتبہ بالکل آڑے نہ آیا تھا۔ اور جس وقت امیر المومنین کوئی ثبوت و شہادت پیش نہ کر سکے تو قاضی نے امیر المومنین کے خلاف اور یہودی کے حق میں فیصلہ سنایا تھا۔ تاریخ اسلام اس طرح کی مثالوں سے معمور و لبریز ہے جو اسلامی معاشرے میں حق اور عدل کی سیادت پر دلالت کناں ہیں۔

یہی بنیاد ہے کہ اپنے دین کی تعلیمات کو لازم پکڑنے والی مسلمان خاتون اپنے اقوال وافعال میں عدل و انصاف کرنے والی ہوتی ہے' یہ عادت اس میں اس بنیاد کو مزید مستحکم و مضبوط بناتی ہے کہ اس کی وراثت میں حق قدیمی ہے اور اس کی امت میں عدل بہت پرانا ہے اور اس کی شریعت میں عدل اور حق سے روگردانی کرنا حرام ہے۔

وہ کسی پر ظلم نہیں کرتی:

متقی مسلمان خاتون اپنے اقوال وافعال میں عدل کی حریص ہونے کے بقدر اپنے اقوال و افعال میں ظلم سے بھی بچتی ہے' کیونکہ ظلم روز قیامت کئی تاریکیاں بن جائے گا جن میں ظالم مرد اور ظالم   تیں سرگرداں پھریں گے جس طرح کہ عظیم نبوی ہدایت نے اسے بیان کیا ہے:

«اِتَّقُوا الظُّلْمَ، فَاِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»[1]

''ظلم سے بچ جاؤ' کیونکہ ظلم قیامت کے دن' تاریکیوں میں بدل جائے گا۔''

اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ظلم کو قطعی طور پر حرام کر دیا ہے' جس میں کسی اجتہاد یا تاویل کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور یہ بات حدیث قدسی میں موجود ہے:

«يَا عِبَادِيْ! اِنِّيْ حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰى نَفْسِيْ، وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا، فَلَا تَظَالَمُوْا»[2]

---

1. صحیح مسلم کتاب البر والصلة، باب تحریم الظلم، حدیث: ۲۵۷۸
2. صحیح مسلم حوالہ سابق، حدیث: ۲۵۷۷

''اے میرے بندو! میں نے اپنی جان پر ظلم کو حرام کر لیا ہے اور میں نے اسے تمہارے درمیان بھی حرام ہی ٹھہرایا ہے لہٰذا آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔''

اور جب وہ اللہ جو خالق' بادشاہ' غالب' زبردست اور بڑی عظمت والا ہے اپنے نفس پر ظلم کو حرام قرار دے چکا ہے اور اس نے اسے بندوں کے درمیان بھی حرام ٹھہرا دیا ہے تو اس کے بعد ایک فانی کمزور بندے کے لیے کس طرح جائز اور روا ہو سکتا ہے کہ اپنے انسان بھائی پر ظلم کرتا پھرے؟ بلاشبہ رسول کریم ﷺ نے عقیدے اور دین کے بھائیوں پر ظلم کرنے کی نفی فرما دی ہے' خواہ ان کے باہمی حالات' اسباب اور تقاضے کیسے ہی کیوں نہ ہوں' کیونکہ اپنے دین کے مضبوط کڑے کو تھامنے والے مسلمان انسان سے ظلم کا وقوع سوچا بھی نہیں جا سکتا:

((اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ' لَا يَظْلِمُهُ' وَلَا يُسْلِمُهُ' وَمَنْ كَانَ فِيْ حَاجَةِ اَخِيْهِ كَانَ اللّٰهُ فِيْ حَاجَتِهِ' وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُّسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِّنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ' وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))[1]

''مسلمان' مسلمان کا بھائی ہے' وہ اس پر ظلم نہیں کرتا اور نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے اور جو اپنے بھائی کی حاجت میں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت میں رہتا ہے' اور جو کوئی مسلمان سے کسی مصیبت و پریشانی کو ہٹاتا ہے اللہ تعالیٰ روز قیامت کی پریشانیوں میں سے کسی پریشانی کو اس سے ہٹا دیں گے اور جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی پردہ پوشی کریں گے۔''

رسول اللہ ﷺ نے مسلمان انسان سے ظلم کی نفی کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا' خواہ وہ مرد ہو یا عورت' بلکہ اپنے بھائی کو دشمن کے حوالے کرنے یا اسے بے یار و مددگار چھوڑنے کی بھی نفی فرما دی ہے کیونکہ اس حوالگی اور بے یار و مددگار چھوڑنے میں بھی ظلم ہی ہے اور کتنا بڑا ظلم ہے' اور ساتھ ہی اپنے بھائی کی حاجت برآری کرنے' اس سے پریشانی کو ہٹانے کی کوشش کرنے اور اس کی پردہ پوشی کرنے کی بھی ترغیب دی ہے گویا کہ آپ ﷺ ایسے فضائل سے پیچھے رہنے میں ظلم' تقصیر

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المظالم، باب لا یظلم المسلم المسلم ولا یسلمه، حدیث: ۲۴۴۲۔
صحیح مسلم، کتاب البر والصلة ج باب تحریم الظلم، حدیث: ۲۵۸۰۔

اور اس حق اخوت میں بربادی و ہلاکت کی جانب اشارہ فرما رہے ہیں جس اخوت سے مسلمان اور اس کے بھائی کے درمیان رابطہ رہتا ہے۔

ہم نے گزشتہ احادیث مبارکہ کی نصوص کو دیکھ لیا ہے جو عمومی اور مطلق عدل کی ترغیب دے رہی ہیں جس عدل کی میزان کو محبت یا بغض یا میلان یا قرابت داری یا نسب جھکا نہیں سکتے' ہم نے اس حدیث مبارکہ کے جملوں میں ملاحظہ کر لیا ہے جو ہمیں مطلق ظلم سے بھی روک رہے ہیں اور یہ سبق دے رہے ہیں کہ ہر انسان پر عدل کو جاری کیا جائے' ہر انسان سے ظلم کو ہٹایا جائے' اگر چہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو' کیونکہ اللہ تعالیٰ تو عدل و احسان کا حکم دیتا ہے اور ظلم و برائی کرنے سے تمام لوگوں کو روک رہا ہے:

﴿ لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴾

(الممتحنة: ٦٠/٨)

''جن لوگوں نے تم سے مذہبی لڑائی نہیں لڑی اور تمہیں جلا وطن نہیں کیا ان کے ساتھ سلوک و احسان کرنے اور منصفانہ بھلے برتاؤ کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا' بلکہ اللہ تعالیٰ تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''

جس سے محبت نہ بھی ہو اس سے بھی انصاف کرتی ہے:

بعض اوقات زندگی مسلمان خاتون کو ایسی عورتوں کے ساتھ، جن سے اسے محبت نہیں ہوتی' رہنے کو ضروری اور لازم بنا دیتی ہے جیسے کہ اس کے سسر کے گھر میں کوئی عورت ہو یا کوئی دوسری خاتون ہو جس کے ساتھ اس کا اتفاق و محبت نہ ہو اور جس کے ساتھ اس کا دل خوش اور مطمئن نہ ہوتا ہو۔ اور ایسا بہت سے گھرانوں میں ہوتا ہے' اور اس سے انکار ممکن نہیں' کیونکہ روحیں ایک جگہ جمع کیے گئے لشکر ہیں' ان کے مابین جس قدر تعارف ہوا ہے اسی قدر ان میں باہمی الفت ہو گئی ہے اور جس قدر وہ ایک دوسرے سے ناواقف ناآشنا رہی ہیں اسی قدر ان میں اختلاف رہتا ہے' جس طرح کہ رسول اکرم ﷺ نے اس حدیث مبارکہ میں وضاحت فرمائی ہے جس کی صحت پر اتفاق ہے' تو مسلمان خاتون جس کی اسلام نے اپنی ہدایت پر تربیت فرما دی ہے وہ ایسی

صورت حال میں کس طرح بے خبر رہ سکتی ہے؟

کیا وہ اپنے تصرفات' معمولات' واقعات اور ردعمل میں منفی پہلو ہی اختیار کرے گی؟ یا وہ نرم دل' الفت کرنے والی' الفت پانے والی' خوش مزاج' انصاف پسند اور موقع شناس بن کر رہے گی حتیٰ کہ ان خواتین کے ساتھ بھی جن سے اسے محبت نہیں ہے؟

تو اس کا جواب یہی ہوگا کہ وہ مسلمان خاتون جس نے اسلامی ہدایت سے روشنی پائی ہے اور جس کی روح نے اسلام کی فیاضی اور روشن ومنور شعاعیں حاصل کر لی ہیں وہ تو خوش مزاج' انصاف پسند' موقع شناس اور سمجھدار بن کر ہی رہے گی۔ وہ جسے ناپسند سمجھتی ہے اس کے پاس اپنی ناپسندیدگی کو ظاہر نہیں کرے گی بلکہ اپنے دل ہی میں چھپائے رکھے گی' اس کا کوئی تصرف یا معاملہ یا ردعمل اس قدر پھیکا ہوا نہیں ہوگا کہ اس عورت کے خلاف جس سے وہ محبت نہیں رکھتی اس کا مخفی شعور کھل کر سامنے آجائے بلکہ یہ اپنے دل میں کراہیت کا احساس یا عدم محبت اور عدم اطمینان مخفی رکھتے ہوئے ایسا منظر پیش کرے گی کہ اپنے چہرے پر مسکراہٹ لائے گی' اس کے ساتھ حسن سلوک اور ملائمت سے پیش آئے گی اور نرم لہجے میں اس سے گفتگو کرے گی۔ اور یہی وہ اخلاق ہے جس پر رسول اکرم ﷺ اور آپ کے معزز صحابہ کرام متمکن تھے' سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ سے یہ فرمان مروی ہے:

《 اِنَّا لَنَکْشِرُ فِیْ وُجُوْہِ اَقْوَامٍ' وَاِنَّ قُلُوْبَنَا لَتَلْعَنُھُمْ 》

''ہم کچھ لوگوں کے چہروں پر بظاہر ہنستے مسکراتے ہیں جبکہ ان پر ہمارے دل لعنت کر رہے ہوتے ہیں''[1]

جناب عروہ بن زبیر سے مروی ہے' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو بتایا کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آنے کی اجازت طلب کی' تو آپ ﷺ نے فرمایا:

《 اِئْذَنُوْا لَہٗ فَبِئْسَ ابْنُ الْعَشِیْرَۃِ اَوْ بِئْسَ اَخُو الْعَشِیْرَۃِ 》

''اسے آنے کی اجازت دے دو' لیکن وہ قبیلے کا برا بیٹا ہے یا قبیلے کا برا بھائی ہے۔''

پھر جب وہ اندر آیا تو آپ ﷺ نے اس سے انتہائی نرم لہجے میں گفتگو فرمائی' پھر میں نے

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب الادب۔ باب المداراۃ مع الناس تعلیقا فی ترجمۃ الباب

عرض کی: یا رسول اللہ! آپ نے اس کے متعلق فرمایا جو بھی فرمایا' بعد ازاں آپ نے اس سے انتہائی نرمی سے باتیں کیں' تب آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَیْ عَائِشَةُ اِنَّ شَرَّ النَّاسِ مَنْزِلَةً عِنْدَاللّٰهِ مَنْ تَرَكَهُ۔اَوْ وَدَعَه۔ النَّاسُ اتِّقَاءَ فُحْشِهٖ)) ①

''اری عائشہ! اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرتبے میں سب لوگوں میں سے برا وہ شخص ہے جسے لوگ اس کی بدکلامی اور فحش گوئی کی وجہ سے چھوڑ دیں۔''

یہ اس لیے کہ لوگوں سے حسن سلوک' ان سے الفت کا برتاؤ اور ان سے نرمی سے گفتگو کرنا ایمان دار مردوں اور عورتوں کے اخلاق میں سے ہے مزید برآں بازو کو پست رکھنا' کلام کو نرم بنانا' دوران گفتگو لوگوں سے سختی کا رویہ چھوڑے رکھنا' الفت' باہمی محبت اور باہمی قربت ان اسباب میں سے ہیں جن پر اسلام نے رغبت دلائی ہے اور جنہیں اسلام نے لوگوں سے معاملات طے کرنے میں مسلمان مردوں اور عورتوں کو اپنانے کا حکم دیا ہے۔

وہ مسلمان خاتون جس کی اسلام نے تربیت کی ہے وہ اپنی پسند ناپسند اور حب و کراہت میں اپنے جذبات کے پیچھے نہیں چلتی بلکہ وہ تو معتدل' عادل' واقعیت پسند اور اپنے فیصلوں میں بالخصوص جن کے ساتھ وہ محبت نہیں رکھتی انصاف پسند ہوتی ہے۔ تمام مقامات میں اپنی عقل' اپنے دین' اپنی رواداری اور اپنے اخلاق کو مضبوط و راسخ رکھتی ہے وہ بجز حق کے شہادت نہیں دیتی' وہ بجز انصاف کے کوئی فیصلہ نہیں کرتی وہ بجز عدل و انصاف کے کوئی بات نہیں کرتی' اپنے تمام معاملات اور فیصلوں میں وہ ان امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے اعلیٰ کردار کو اپنانے کی کوشش جاری رکھتی ہے جو ایک دوسری کے بارے میں فیصلہ کرتے ہوئے عدل و انصاف اور تقویٰ کی چوٹی پر فائز تھیں۔

بلاشبہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تمام ازواج النبی ﷺ میں سے آپ ﷺ کے دل کے زیادہ قریب تھیں' اس سلسلے میں سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا آپ سے مقابلہ کیا کرتی تھیں' اور یہ قدرتی امر تھا کہ ان دونوں کے درمیان غیرت ہوتی' لیکن یہ غیرت دونوں میں سے کسی کے آڑے نہیں آئی

---

① صحیح بخاری، کتاب الادب، باب المداراۃ مع الناس، حدیث: ۶۱۳۱۔ صحیح مسلم۔ کتاب البر والصلة۔ باب مداراۃ من یتقی فحشه، حدیث ۲۵۹۱۔

کہ وہ دوسری کے متعلق برحق گواہی دے اور اپنی بہن کو ان صفات سے متصف بیان کرے جن کی وہ حامل ہے' ان صفات میں سے کچھ کم نہ کرتی تھی جو اس کے متعلق وہ جانتی تھی اور کسی فضیلت و برتری کو چھپاتی بھی نہ تھی جس سے وہ متصف ہوتی۔

صحیح مسلم میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بارے میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے:

''یہی وہ تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مرتبہ وعزت پانے میں مجھ سے برابری کیا کرتی تھی' میں نے زینب سے بڑھ کر کبھی کوئی ایسی خاتون نہیں دیکھی جو دین میں بہترین ہو' وہ اللہ سے بہت زیادہ ڈرنے والی' بات میں انتہائی زیادہ راست گو' بہت زیادہ صلہ رحمی کرنے والی' بہت زیادہ مقدار میں صدقہ کرنے والی اور اس کام میں، جس کے ذریعے وہ راستی وصداقت کو اختیار کرتی اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتی تھی، اپنے نفس کو انتہائی زیادہ عاجزی وفروتنی میں لانے والی تھی' البتہ وہ طبیعت کی قدرے گرم مزاج تھی لیکن وہ بھی بہت جلد ٹھنڈی ہو جایا کرتی تھی۔''[1]

صحیح بخاری میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا واقعہ افک کی بابت اپنی گفتگو کے دوران فرماتی ہیں کہ جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر طرح کی برائی سے بری قرار دے دیا تھا' آپ اس میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی شہادت کو سراہتے ہوئے فرماتی ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے معاملے میں زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے استفسار فرماتے ہیں' آپ نے پوچھا: اے زینب! تو کیا جانتی ہے؟ تو نے کیا دیکھا ہے؟ اس نے جواب دیا: ''یا رسول اللہ! میں اپنے کان اور آنکھ کو بچا کر رکھتی ہوں' اللہ کی قسم! میں اس کے بارے میں بجز بھلائی کے کچھ نہیں جانتی۔'' پھر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''حالانکہ وہ مجھ سے مقابلہ بھی کیا کرتی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے تقویٰ کی بدولت محفوظ رکھا۔''[2]

جو شخص سیر اور طبقات کی کتب کا مطالعہ کرتا رہتا ہے وہ امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے ایسے متعدد اقوال وفرمودات پائے گا جن میں ایک سوکن دوسری سوکن کی تعریف وستائش اور عدل وانصاف پر مبنی باتیں کرتی نظر آ رہی ہے۔

---

❶ صحیح مسلم فضائل الصحابة: باب فضائل ام المومنین عائشه۔ حدیث: ۲۴۴۲۔

❷ صحیح بخاری کتاب التفسیر باب لولا اذ سمعتموه ظن المومنون والمومنات بانفسهم خیرا۔ حدیث: ۴۷۵۰، مسلم۔ کتاب التوبة۔ باب فی حدیث الافك، حدیث: ۲۷۷۰۔

ان فرمودات میں سے ایک وہ بات ہے جسے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے متعلق فرماتی ہیں: سیدہ زینب رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ پسند تھیں' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے پاس سے کثرت سے چیزیں لیا کرتے تھے' وہ بہت زیادہ نیک' شب زندہ دار اور دن کو روزے رکھنے والی تھیں' بکثرت نیک اعمال اور بکثرت کھانے تیار کرنے والی تھیں اور پھر وہ سب چیزیں مسکینوں پر صدقہ وخیرات کر دیا کرتی تھیں۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو جب سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے فوت ہونے کی اطلاع ملی تو آپ سے یہ الفاظ مروی ہیں: ''وہ دنیا سے قابل ستائش حالت میں' انتہائی عبادت گزاری کے ساتھ اور یتیموں بیواؤں کی پناہ گاہ بن کر رخصت ہوئی ہیں۔''①

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں یہ قول ہے: ''اللہ کی قسم سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا اس حال میں گئی ہیں..... بلاشبہ وہ ہم میں سے سب سے زیادہ متقی تھیں اور ہم میں سے سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والی تھیں۔''②

امہات المومنین رضی اللہ عنہن کا سوکنوں کے ساتھ یہ خلق' انصاف اور عدل تھا' حالانکہ ان کے درمیان غیرت اور مقابلہ بازی بھی چلتی رہتی تھی' ہم اس سے یہ تصور کر سکتے ہیں کہ ان کا سوکنوں کے علاوہ دیگر خواتین کے ساتھ کس درجہ عمدہ اور اعلیٰ اخلاق ہوگا۔ بلاشبہ وہ ان مسلمان مستورات کے لیے اپنی عمدہ ترین سیرت اور اعلیٰ ترین اخلاقیات سے ترقی یافتہ انسانی معاشرت کا نمونہ مقرر کر رہی ہیں جو عقلمندی کے وسیع کناروں سے کراہیت و ناپسندیدگی کو ختم کر رہی ہیں اور غیرت کی غلو پسندی کو..... اگر وہ پائی بھی جائے..... انصاف' احسان اور فوقیت لے جانے کی کوشش کو غالب کرنے سے محدود کر رہی ہیں' اس طریقے پر عمل پیرا ہو کر مسلمان خاتون اس عورت سے بھی انصاف کرتی ہے جس سے وہ محبت نہ بھی رکھتی ہو' اس کے ساتھ اس کی خواہ کسی درجہ کی قرابت داری ہو یا اس کا کوئی تعلق ہو' وہ اس کے بارے میں فیصلہ کرتے ہوئے عادل رہتی ہے اور اس کے ساتھ معاملہ طے کرتے ہوئے نرم مزاج' عقلمند اور باوقار اور سنجیدہ رہتی ہے۔

---

① السمط الثمین: ۱۱۰ والاستیعاب ٤/ ۱۸۵۱' والاصابة ۸/ ۹۳۔

② الاصابة: ۸/ ۱۹۲۔

کسی کی مصیبت اور پریشان حالی پر خوش نہیں ہوتی:

وہ متقی اور مسلمان خاتون جس کی روح نے اسلام کی ہدایتِ حنیفیت کو نوش کر لیا ہے' جس نے اس کے بلند ترین اور روشن اخلاق سے اپنے آپ کو مزین کر لیا ہے وہ لوگوں میں سے کسی کی مصیبت پر خوش نہیں ہوتی' کیونکہ کسی کی مصیبت پر خوشی منانا ایک گھٹیا' اذیت دہ اور مجروح کرنے والی بد عادت ہے جو اپنے دین کی ہدایت سے آشنا متقی خاتون میں نہیں ہو سکتی اور نبی ﷺ نے اس سے منع کیا ہے اور اپنے اس فرمان گرامی سے اس کا ارتکاب کرنے سے خبردار بھی کیا ہے:

((لَا تُظْهِرِ الشَّمَاتَةَ لِأَخِيكَ، فَيَرْحَمَهُ اللّٰهُ وَيَبْتَلِيكَ))[1]

''اپنے کسی بھائی کی مصیبت پر اظہارِ فرحت نہ کیا کر' کہیں اللہ تعالیٰ اس پر رحم کر کے تجھے اس میں مبتلا ہی نہ کر دے۔''

وہ مسلمان خاتون جس کی اسلام نے تہذیب و تربیت کر دی ہو اس کے دل میں دوسروں کی برائیوں مصیبتوں پر خوش ہونے والی کیفیت نہیں ہوتی' بلکہ وہ تو مصیبت زدہ خواتین پر ترس کھانے والی اور انہیں تسلی دینے والی' ان کی پریشانی کو ہلکا کرنے کی کوشش کرنے والی اور ان کے دکھوں کو اپنا دکھ سمجھنے والی ہوتی ہے؛ جن نفوس میں ہدایتِ اسلام کی شمع فروزاں اور اس کی منور روشنی ضیاء پاشی کر چکی ہوتی ہے ان میں مصیبت پر خوشی منانے کو جگہ نہیں مل سکتی بلکہ اسے صرف انہی نفوس میں جگہ ملتی ہے جو تاریک' سخت' ٹھوس' اور حقد و بغض رکھنے والے اور مکر' کینے سے بھر پور' کسی کو دکھ دے کر ٹھنڈک محسوس کرنے والے' اذیت' انتقام اور مصیبت کو دیکھ کر خوش ہونے والے ہوتے ہیں۔ اور مسلمان خاتون جو صاحبِ تقویٰ ہو وہ اس نوع کی تمام رذالتوں قباحتوں سے مکمل طور پر بیزار ہوتی ہے اور ان برائیوں سے حتی المقدور دور رہتی ہے۔

بدگمانی سے اجتناب کرتی ہے:

راست باز مسلمان خاتون کے اخلاق میں سے ایک بات یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کے بارے میں ایسا گمان نہیں کرتی جو بلا دلیل ہو' بلکہ وہ بہت زیادہ بدگمانی کرنے سے بچتی ہے' جس

---

[1] سنن ترمذی کتاب صفۃ القیامۃ، باب (٥٤)، حدیث: ٢٥٠٦۔ وقال: حدیث حسن صحیح۔

طرح کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس کا حکم دیا ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ ﴾

(الحجرات: ٤٩/ ١٢)

''اے ایمان والو! بہت بدگمانیوں سے بچو' یقین مانو کہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں۔''

وہ اس بات کا ادراک کر لیتی ہے کہ لوگوں کے متعلق بدگمانی کرنے والے کو بسا اوقات بدگمانی گناہ میں بھی ڈال سکتی ہے بالخصوص جب گمان کرنے والا اپنے تصورات' اوہام اور اپنے اندیشوں کو بے مہار چھوڑ دے' پھر ایسا شخص لوگوں پر عیب لگاتا اور ان پر تہمت تراشتا ہے جبکہ وہ اس سے بری الذمہ اور لاتعلق ہوتے ہیں اور یہی وہ بدگمانی ہے جو اسلام میں حرام ہے۔

اسی لئے تو رسول اللہ ﷺ نے بدگمانی سے اور لوگوں پر ان کی عدم موجودگی میں الزام لگانے سے جو حقیقت اور یقین سے دور ہوتے ہیں بڑی سختی سے ڈرایا ہے اور فرمایا ہے:

((اِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ' فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ))

''تم بدگمانی سے بچو' کیونکہ بدگمانی سب سے بڑی جھوٹی بات ہے۔''

بلاشبہ نبی اکرم ﷺ نے بدگمانی کو سب سے بڑی جھوٹی بات قرار دیا ہے جبکہ مسلمان اور متقی خاتون تو اپنے تمام تر اقوال میں صداقت وراستی کو تلاش کرتی ہے' اس کی زبان پر کوئی ایسی بات نہیں آتی جس میں جھوٹ کی آمیزش ہو' تو وہ کس طرح سب سے بڑی جھوٹی بات کر سکتی ہے؟

نبی کریم ﷺ کی بلند ترین ہدایت' جو بدگمانی سے خبردار کر رہی ہے' جو اسے سب سے بڑی جھوٹی بات شمار کر رہی ہے مسلمان مردوں اور عورتوں کو لوگوں کے ظاہری اعمال دیکھنے کی طرف رہنمائی کر رہی ہے اور ان کے متعلق بدگمانیاں' شکوک' اوہام اور فضولیات بکنے سے دور بھی رکھ رہی ہے' مسلمان انسان کے اخلاق میں سے بلکہ اس کی شان کے لائق ہی نہیں ہے کہ وہ لوگوں کے بھید ٹٹولتا پھرے اور ان کی خاص باتوں کی کرید کرتا پھرے اور ان کی عزتوں کی ٹوہ میں چلتا پھرے کیونکہ بھید اور راز تو ایسی چیزیں ہیں جن کو وہی معبود برحق کھول سکتا ہے یا ان پر حساب لے سکتا ہے جو رازوں سے آشنا اور مخفی تر باتوں کو خوب جاننے والا ہے' انسان تو اپنے بھائی

❶ صحيح بخاري، كتاب الأدب، باب ماينهى عن التحاسد و التدابر، حديث: ٦٠٦٤-
صحيح مسلم- كتاب البر والصلة- باب تحريم الظن، حديث: ٢٥٦٣-

کے بارے میں صرف ظاہری عمل کی بنیاد پر ہی فیصلہ کر سکتا ہے جسے وہ دیکھتا یا جانتا ہے' ہمارے اسلاف اس پر کار بند تھے خواہ وہ صحابہ کرام ہوں یا تابعین عظام جنھوں نے اس صاف ستھری ہدایت' جو ہر طرح کی میل کچیل اور شک وشبہ سے بالاتر ہے' کی ٹھنڈی ہواؤں میں پرورش پائی ہے۔

امام عبدالرزاق نے عبداللہ بن عتبہ بن مسعود سے یہ روایت بیان کی ہے' کہتے ہیں: ''میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا تھا: لوگ عہد نبوی میں بذریعہ وحی پکڑ لیے جاتے تھے' اب تو وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے' اب ہم تمہارا صرف انہیں اعمال پر مواخذہ کریں گے جو تم سے ظاہر ہوں گے' جو ہمارے سامنے بھلائی ظاہر کرے گا ہم اسے امن دیں گے اور ہم اسے اپنے قریب کریں گے' اور اس کے مخفی اعمال میں سے ہمارے لیے کچھ نہیں ہوگا' اللہ تعالیٰ ہی اس کے مخفی امور پر اس کا محاسبہ فرمائے گا اور جو شخص ہمارے سامنے برائی ظاہر کرے گا نہ تو ہم اسے امن دیں گے اور نہ ہم اس کی اس بات پر تصدیق ہی کریں گے کہ اس کا باطن نیک ہے۔''[1]

یہی باعث ہے کہ اپنے دین کی ہدایت کو یاد رکھنے والی مسلمان خاتون تقویٰ اور عمل صالح کے اسباب کو اختیار کرتی ہے' اپنے ہر بول میں جسے وہ اپنے منہ سے نکالتی ہے محتاط رہتے ہوئے بولتی ہے، کہیں اس کی کسی دور ونزدیک والی مسلمان بہن کو نہ چھوئے' اپنے ہر فیصلے میں جسے وہ لوگوں کے حق میں صادر کرتی ہے خوب غور وفکر سے کام لیتی ہے وہ تو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ذیل کو یاد رکھتی ہے:

﴿ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ﴾ (بنی اسرائیل: ۱۷/۳٦)

''جس بات کی تجھے خبر ہی نہ ہو اس کے پیچھے مت پڑ' کیونکہ کان اور آنکھ اور دل ان میں سے ہر ایک سے پوچھ گچھ کی جانے والی ہے۔''

وہ اس قطعی حکیمانہ نہی کے پاس کھڑی رہنے والی ہے وہ تو بجز علم کے کوئی کلام نہیں کرتی اور نہ بجز یقین کے کوئی فیصلہ ہی کرتی ہے۔

بلاشبہ متقی مسلمان خاتون ہمیشہ اس نگران اور تیار فرشتے سے ڈرتی رہتی ہے جو اس کے ہر

[1] صحیح بخاری۔ کتاب الشهادات۔ باب الشهداء العدول، حدیث: ۲٦٤١

بول کو شمار کرنے اور احاطہ تحریر میں لانے کے لیے مقرر کیا گیا ہے، جو بول بھی وہ اپنی زبان سے نکالتی ہے اور جو حکم بھی اس کی زبان سے صادر ہوتا ہے تو اس طرح بدگمانی کے گناہ میں پڑنے سے وہ ہر دم ڈرتی اور کانپتی رہتی ہے:

﴿ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ﴾ (ق: ۱۸/۵۰)

''انسان منہ سے کوئی لفظ نکال نہیں پاتا مگر اس کے پاس نگہبان تیار ہے۔''

بلاشبہ بیدار مغز مسلمان خاتون ہر بول کی ذمہ داری کو سمجھتی ہے جسے وہ اپنی زبان سے ادا کرتی ہے' کیونکہ وہ جانتی ہے کہ ہر کلمہ جسے وہ ادا کرتی ہے یا تو اسے رضائے الٰہی کے مقامِ بلند پر اٹھاتا ہے یا اسے اس کی ناراضی اور غضب ناکی کے گھڑے میں گراتا ہے، اسی ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''بلاشبہ آدمی اللہ تعالیٰ کی رضا مندی والا کوئی لفظ بولتا ہے' اس کا گمان بھی نہیں ہوتا کہ یہ لفظ اس کو وہاں تک پہنچا دے گا جہاں تک اس نے اسے پہنچا دیا ہے' اللہ تعالیٰ اس لفظ کی وجہ سے اس کے لیے اپنی ملاقات والے دن تک اپنی رضا مندی لکھ دیتے ہیں' اور بلاشبہ آدمی اللہ کی ناراضی والا کوئی بول بولتا ہے' اس کا گمان بھی نہیں ہوتا کہ یہ بول اسے وہاں تک پہنچا دے گا جہاں تک اس نے پہنچا چھوڑا ہے' اس کے لئے اللہ تعالیٰ اس بول کی وجہ سے روز قیامت تک اپنی ناراضی لکھ دیتے ہیں۔''[1]

ایک بول کی ذمہ داری کس قدر بڑی ہے! اور زبانوں سے نکلنے والے فضول الفاظ اور یاوہ گوئی پر مرتب ہونے والے نتائج کس قدر گھناؤنے ہوتے ہیں!

بلاشبہ ذہین سمجھدار متقی مسلمان خاتون مجالس ومحافل میں ہونے والی بے شمار باتوں' افواہوں' بدگمانیوں اور خیالوں پر دھیان نہیں دیتی بالخصوص آرام طلب اور فارغ البال عورتوں کی محفلوں میں مسلمان خاتون اپنے نفس پر ایسی باتوں' افواہوں اور بدگمانیوں کا بوجھ لادنے پر کسی صورت رضا مند نہیں ہوتی' کہ پھر انہیں بلا دلیل آگے بیان بھی کرے جب تک کسی بات کی صحت پر کوئی

---

[1] صحیح، مالك في الموطا ۲/ ۹۸۵ كتاب الكلام، باب ما يؤمر به من الحفظ في الكلام واللفظ له۔ بخاري، كتاب الرقاق، باب في حفظ اللسان، حديث: ٦٤٧٨۔ باختلاف يسير

ثبوت یا یقین حاصل نہ کرلے بلکہ وہ تو ان باتوں کو ثبوت حاصل کرنے سے قبل بیان کرنے کو اس حرام جھوٹ میں شمار کرتی ہے جس کے متعلق رسول کریم ﷺ سے یہ نص وارد ہے:

((كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ)) [1]

''آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی بات کو بیان کرے۔''

وہ غیبت اور چغلی سے اپنی زبان کو قابو میں رکھتی ہے:

اپنی دینی ہدایت کو یاد رکھنے والی مسلمان خاتون متقی ہوتی ہے' وہ ظاہر و باطن میں اللہ سے ڈرتی رہتی ہے' وہ اس امر کی حریص رہتی ہے کہ اس کی زبان سے نکلنے والی بات غیبت یا چغلی نہ ہو' جس کے باعث وہ اپنے رب کو ناراض کرلے اور غیبت کرنے والیوں یا چغلی کھانے والیوں کے زمرے میں شامل ہو جائے جن کے متعلق اسلامی نصوص میں سخت ترین وعیدیں وارد ہیں۔

وہ تو اللہ تعالیٰ کا مندرجہ ذیل فرمان گرامی پڑھتی رہتی ہے:

﴿ وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (الحجرات: ٤٩/١٢)

''اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کرے' کیا تم میں سے کوئی بھی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے؟ تم کو اس سے گھن آئے گی' اور اللہ سے ڈرتے رہو' بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔''

وہ غیبت کے گھناؤنے اور ناپسندیدہ جرم کو محسوس کرتی ہے کیونکہ اسے اپنی مردہ بہن کا گوشت کھانے کے برابر رکھا گیا ہے' چنانچہ وہ توبہ کرنے کی جانب جلدی کرتی ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو ختم فرمایا ہے' وہ اپنے گناہ سے معافی مانگنے کی طرف لپکتی ہے اگر کبھی اس کی زبان کسی کی غیبت کرنے سے آلودہ ہو جاتی ہے' تو وہ رسول اکرم ﷺ کے مندرجہ ذیل فرمان گرامی کی طرف کان لگاتی ہے:

((اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ)) [2]

---

1. صحيح مسلم، المقدمه، باب النهي عن الحديث بكل ماسمع۔ حديث: ٥۔
2. صحيح مسلم كتاب الايمان: باب بيان تفاضل الاسلام۔ حديث: ٤١۔

''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔''

وہ احساس کر لیتی ہے کہ غیبت ایسا گناہ ہے جو زبان سے شہادتین کا اقرار کرنے والی مسلمان خاتون کے لائق نہیں ہے اور یقیناً جو خاتون اپنی مجلسوں میں غیبت کی عادی ہوتی ہے اس کا شمار صالح مسلمان خواتین میں نہیں ہوتا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: آپ کو صفیہ (رضی اللہ عنہا) کے متعلق فلاں فلاں بات ہی کافی ہے..... بعض راویوں نے کہا ہے: وہ آپ کا کوتاہ (چھوٹا) قد مراد لیتی تھیں..... تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لَقَدْ قُلْتِ كَلِمَةً لَوْ مُزِجَتْ بِمَاءِ الْبَحْرِ لَمَزَجَتْهُ))[1]

''تو نے تو ایسا لفظ بول دیا ہے کہ اگر اسے سمندر کے پانی میں ملا دیا جائے تو اسے بھی آلودہ بناڈالے۔''

اور مسلمان خاتون ان سات تباہ و برباد کرنے والے گناہوں کی تفصیل بھی سنتی ہے جن سے دامن بچانے کی طرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت دی ہے' اور دیکھتی ہے کہ ان میں غیبت سے بھی بڑھ کر خطرناک چیز موجود ہے اور وہ ہے بے خبر مومنہ پاکدامنہ خواتین پر تہمت لگانا' جس میں معاشرے کی بعض عورتیں واقع ہوتی رہتی ہیں:

''تم سات تباہ و برباد کرنے والی چیزوں سے دامن بچا کر رکھو' عرض کی گئی: یا رسول اللہ' وہ کونسی چیزیں ہیں؟ فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا' جادو کرنا' اس جان کو قتل کرنا جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے بجز حق کے' یتیم کا مال کھانا' سود خوری کرنا' میدان جنگ کے دن پشت دکھا کر بھاگ جانا اور پاکدامنہ بے خبر مومنہ خواتین پر تہمت لگانا۔''[2]

بلاشبہ صاحب بصیرت' اس بلند ترین نبوی ہدایت کو ازبر کرنے والی مسلمان خاتون غیبت کے معاملے میں بہت عمدہ موقف اختیار کرتی ہے' وہ اس کی تمام شکلوں میں سے کسی شکل

---

1. سنن أبي داوٗد، كتاب الادب، باب في الغيبة' حديث : ٤٨٧٥ و سنن الترمذي كتاب صفة القيامة، باب (٥١)، حديث : ٢٥٠٢ ،وقال : حديث حسن صحيح۔
2. صحيح بخاري، كتاب الحدود، باب رمي المحصنات، حديث: ٦٨٥٧ صحيح مسلم۔ كتاب الايمان۔ باب الكبائر و اكبرها، حديث: ٨٩۔

میں واقع ہونے سے بچتی رہتی ہے حتیٰ کہ وہ اپنی مجلس میں کسی کو غیبت کرنے کی اجازت بھی نہیں دیتی' بلکہ اپنی بہنوں سے بغاوت اور ظلم کی زبانوں کو روکتی ہے اور ان سے بری باتوں کو دفع کرتی ہے' صرف اور صرف اس فرمان رسول ﷺ پر عمل پیرا ہوتے ہوئے:

《 مَنْ ذَبَّ عَنْ لَحْمِ أَخِيهِ بِالْغِيبَةِ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُعْتِقَهُ مِنَ النَّارِ 》①

''جس نے اپنے بھائی کی کردارکشی سے اس کی عدم موجودگی میں دفاع کیا تو اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہے کہ اسے آگ سے آزاد کر دے۔''

متقی مسلمان خاتون چغلی کھانے سے بھی اپنی زبان کو محفوظ رکھتی ہے' بلاشبہ وہ معاشرے میں برائی' شر اور فساد پھیلانے میں چغلی کھانے کے خطرات کا ادراک کر لیتی ہے' اور اس کے ساتھ افراد کی باہمی محبت اور پیار کی کڑیوں کے ٹوٹنے کو بھی بخوبی سمجھ جاتی ہے' جس طرح کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنے فرمان گرامی میں اس کی وضاحت فرمائی ہے:

《 خِيَارُ عِبَادِ اللّٰهِ الَّذِينَ إِذَا رُؤُوا ذُكِرَ اللّٰهُ، وَشِرَارُ عِبَادِ اللّٰهِ الْمَشَّآؤُونَ بِالنَّمِيمَةِ، اَلْمُفَرِّقُونَ بَيْنَ الْأَحِبَّةِ، اَلْبَاغُونَ لِلْبُرَآءِ الْعَنَتَ 》②

''اللہ تعالیٰ کے بہترین بندے وہ لوگ ہیں جن کو دیکھنے سے اللہ یاد آ جاتا ہے' اور اللہ تعالیٰ کے بدترین بندے وہ لوگ ہیں جو چغلی کھانے والے' محبت رکھنے والوں کے مابین جدائی ڈالنے والے اور بے گناہوں کو مشقت و تکلیف پہنچانے والے ہیں۔''

چغلی خور خاتون کے لیے اتنا گناہ ہی کافی ہے کہ وہ پیار رکھنے والوں کے درمیان فساد ڈالنے والی ہے' باہم نفرت پیدا کرنے والی ہے' اسے دنیاوی زندگی کی رسوائی اور آخرت کی ناکامی ہی کافی ہوگی اگر وہ اپنی سرکشی' ضلالت اور لوگوں کے درمیان چغلی کھانے کے مرض میں مبتلا رہے گی' یہ صحیح حدیث مبارکہ تو ہر چغل خور پر جنت کی نعمتوں کو مکمل طور پر حرام قرار دے رہی ہے:

《 لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ نَمَّامٌ 》③

---

① رواہ احمد ٦/٤٦١ باسناد حسن۔
② رواہ احمد ٤/٢٢٧۔
③ صحیح بخاری، کتاب الأدب، باب مایکرہ من النمیمة، حدیث: ٦٠٥٦۔ صحیح مسلم کتاب الایمان۔ باب غلظ تحریم النمیمة، حدیث: ١٠٥۔

''چغل خور جنت میں داخل ہی نہیں ہوگا۔''

جس بات سے ایمان دار خاتون کا دل دہل جاتا اور چغلی کھانے کے خطرناک نتائج سے خوف وگھبراہٹ سے اس کا دل بھر جاتا ہے وہ یہ ہے کہ چغلی کھانے والے ہر شخص پر اس وقت سے ہی عذاب الٰہی شروع ہو جائے گا جونہی وہ قبر میں رکھا جائے گا' یہ بات ہم اس صحیح حدیث مبارکہ میں پاتے ہیں جسے شیخین وغیرہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے' فرمایا:

رسول اللہ ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے' تو فرمایا: ان دونوں کو عذاب دیا جا رہا ہے اور انہیں کسی بڑے گناہ پر عذاب بھی نہیں دیا جا رہا' بس ان میں سے ایک چغلی کھاتا تھا جبکہ دوسرا اپنے پیشاب سے نہیں بچتا تھا۔ فرمایا: پھر رسول اللہ ﷺ نے کھجور کی ایک سبز ٹہنی منگوائی۔ اس کی دو شاخیں بنائیں' پھر ایک شاخ اس قبر پر، گاڑ دی اور ایک اس قبر پر پھر فرمایا: ''امید ہے جب تک یہ خشک نہ ہوں ان سے نرمی برتی جائے گی۔''[1]

دشنام طرازی اور بدزبانی سے اجتناب کرتی ہے:

وہ مسلمان خاتون جس کو اسلام نے مہذب بنا دیا ہو اس کی زبان پر بیہودہ بات یا کوئی بد زبانی والی گفتگو نہیں آتی' وہ کسی کو گالی یا دشنام نہیں دیتی؟ کیونکہ وہ جانتی ہے کہ اسلام کی اخلاقی توجیہات وہدایات نے ان سے بڑی سختی سے منع کیا ہے' بلکہ گالی دینے کو فسق قرار دیا ہے جو آدمی کے اسلام کی اچھائی ونیک نامی کو داغدار بنا دیتی ہے اور فحش گو اور بدکلامی کرنے والے کو نا پسندیدہ اور اللہ تعالیٰ کا مبغوض بنا کر پیش کیا ہے۔

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

«سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ، وَقِتَالُهُ كُفْرٌ»[2]

''مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے لڑائی کرنا کفر ہے۔''

مزید فرمایا: «إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ فَاحِشٍ مُتَفَحِّشٍ»[3]

---

1. صحيح بخاري، كتاب الوضوء، باب من الكبائر، لا يستتر من بوله، حديث: ٢١٦۔ صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب الدليل على نجاسة البول، حديث: ٢٩٢۔
2. بخاري، كتاب الادب، باب ماينهى من السباب واللعن، حديث: ٦٠٤٤۔ مسلم: ٦٤۔
3. مسند احمد ٥/٢٠٢ الطبراني ورجاله ثقات۔ مجمع الزوئد ٨/٦٤۔

''بے شک اللہ تعالیٰ گندے اور فحش گو کو پسند نہیں فرماتا۔''

مزید فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی يُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِيءَ)) [1]

''بے شک اللہ تعالیٰ فحش گو اور بدکلام شخص کو ناپسند رکھتا ہے۔''

بلا شبہ یہ ایسی بد عادتیں ہیں جو اس مسلمان خاتون کے کسی طرح بھی لائق نہیں ہیں جس نے ربانی ہدایات کی ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکے پائے ہیں اور جس کے دل میں ایمانی بشاشت پیوست ہو چکی ہے اور جس کی زبان اور خیالات کو شریعت بیضاء کی تعلیمات نے مہذب بنا دیا ہے۔ اسی لیے وہ الزام بازی اور باہمی بغض وعداوت سے بہت دور رہتی ہے جس میں گالی گلوچ اور تو تکار کا تبادلہ ہوتا ہے' بلکہ یہ بیدار مغز مسلمان خاتون اس اخلاقی انحطاط اور ہلاکت سے مزید دور ہوتی جاتی ہے جیسے جیسے وہ رسول اکرم ﷺ کے اقوال وافعال اور سیرت معطرہ ومطہرہ کا اسوہ حسنہ اختیار کرتی جاتی ہے' آپ کے متعلق یہ بات مشہور ہے کہ آپ نے زندگی بھر کبھی دل آزار بات نہیں کی جو کسی انسان کے جذبات کو اذیت دینے والی ہو یا اس کی سمع خراشی کرنے والی ہو یا اس کی کسی طور اہانت کرنے والی ہو۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو سالہا سال تک رسول کریم ﷺ کی ذات عالی سے منسلک رہے ہیں:

((لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ ﷺ سَبَّابًا وَلَا فَحَّاشًا وَلَا لَعَّانًا' كَانَ يَقُولُ عِنْدَ الْمَعْتَبَةِ: مَا لَهُ ؟ تَرِبَ جَبِينُهُ)) [2]

''نبی کریم ﷺ گالی دینے والے تھے اور نہ ہی فحش گو اور نہ ہی لعنت کرنے والے تھے آپ ﷺ غصے کے عالم میں یہی کہا کرتے تھے: اس کو کیا ہو گیا ہے؟ اس کی پیشانی خاک آلود ہو۔''

بلکہ نبی اکرم ﷺ نے تو ان مشرکین کو لعنت کرنے سے بھی اپنی زبان کو بچا کر رکھا جنہوں

---

1. صحیح ابن حبان حدیث: ٥٦٩٣ رواه الطبراني ورجاله ثقات۔ مجمع الزوائد ٦٤/٨۔
2. صحیح بخاری کتاب الأدب، باب لم یکن النبی ﷺ فاحشا ولا متفحشا۔ حدیث: ٦٠٣١۔

نے آپ سے بے رخی برتی تھی اور آپ کی دعوت حق سننے سے اپنے دلوں کو بند کر لیا تھا' آپ نے تو کبھی انہیں اذیت نہیں پہنچائی' اور کبھی ان کے لیے تیز اور تیکھا لفظ نہیں بولا' اس کی خبر ہمیں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ دیتے ہیں' جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی گئی یا رسول اللہ! آپ مشرکین کے لیے بددعا فرمائیں تو فرمایا:

((اِنِّیْ لَمْ اُبْعَثْ لَعَّانًا، وَاِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً)) [1]

''مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ مجھے تو صرف رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شر کے ناسور کو جڑ سے اکھاڑنے اور نفوس سے ظلم وزیادتی اور حقد وبغض کی بیخ کنی کرنے میں بلند تر نظر آتے ہیں بلکہ آپ اس کی چوٹی پر پہنچ چکے ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے لیے ایسا تصور پیش کر رہے ہیں کہ جو شخص لوگوں پر ظلم وزیادتی کرنے میں اور ان کی عزتوں اور مالوں میں اپنی زبان کو بے لگام بنا لیتا ہے وہ اصل مفلس ہے جو دنیا اور آخرت میں خسارہ پائے گا' جب اس کی لوگوں پر ناسمجھی کی زیادتیاں اس کی زندگی میں کمائی ہوئی نیکیوں کو مٹا ڈالیں گی' اس کے تمام اعمال حسنہ کو ضائع کر دیں گی پھر اسے حساب کے خوفناک دن میں ایسا بے یارو مددگار چھوڑ دیں گی کہ اسے آگ سے بچانے والا کوئی بھی نہیں ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پوچھتے ہیں:

''کیا تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟''

صحابہ نے کہا: ہم میں مفلس وہ ہے جس کے پاس درہم ہوں اور نہ ہی مال ومتاع۔ فرمایا:

((اِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ اُمَّتِیْ یَأْتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ بِصَلَاةٍ وَّصِیَامٍ وَّزَكَاةٍ، یَأْتِیْ وَقَدْ شَتَمَ هٰذَا، وَقَذَفَ هٰذَا، وَأَكَلَ مَالَ هٰذَا، وَسَفَكَ دَمَ هٰذَا، وَضَرَبَ هٰذَا، فَیُعْطٰی هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ، وَهٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ، فَاِنْ فَنِیَتْ حَسَنَاتُهٗ قَبْلَ اَنْ یَّقْضِیَ مَا عَلَیْهِ اُخِذَ مِنْ خَطَایَاهُمْ، فَطُرِحَتْ عَلَیْهِ، ثُمَّ طُرِحَ فِی النَّارِ)) [2]

''بلاشبہ میری امت میں مفلس وہ شخص ہوگا جو قیامت کے دن نمازوں' روزوں اور

---

[1] صحیح مسلم کتاب البر والصلة: باب من لعنه النبی ﷺ۔ حدیث: ۲۵۹۹۔

[2] صحیح مسلم کتاب البر والصلة: باب تحریم الظلم۔ حدیث: ۲۵۸۱۔

زکوۃ کے ہمراہ آئے گا' اور ساتھ ساتھ اس نے اس کو گالیاں دی ہوں گی' اس پر تہمت لگائی ہوگی' اس کا مال کھایا ہوگا' اس کا خون بہایا ہوگا' اور اسے مارا ہوگا' تو اس کو اور اس کو اس کی نیکیاں دے دی جائیں گی' اگر اس کی نیکیاں اس کے ذمے واجب الادا امور نمٹانے سے قبل ہی ختم ہو جائیں گی تو ان (مظلوموں) کی خطائیں لے کر اس پر ڈال دی جائیں گی پھر اسے آتش جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔"

بلاشبہ ان راست باز مسلم خواتین کی زندگی سے جنہوں نے اسلام کے صاف شفاف اور خالص چشمے سے پانی پیا ہے ایسی فضول اور گھٹیا باتیں ختم ہو جاتی ہیں' ان میں ایسی چپقلشیں اور ایسے جھگڑے جو عورتوں کے اسلامی معاشرے میں سب وشتم اور گالی گلوچ کی طرف لے جاتے ہیں بالکل ہی ناپید ہو جاتے ہیں جو معاشرہ فضیلت' تہذیب اور انسانی جذبے کے احترام کی بنیادوں پر قائم ہے اور جو باہمی معاملات اور باہمی گفتگو میں معاشرتی ترقی کا ضامن ہے۔

کسی سے استہزاء بھی نہیں کرتی:

بلاشبہ اس مسلمان خاتون کی شخصیت جو تواضع کی محبت اور تکبر وغرور سے دوری کا شربت پلائی گئی ہے، یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ کسی کو مذاق واستہزاء کرے' اس لیے کہ وہ قرآنی ہدایت جس نے اس خاتون میں تواضع کی محبت اور کبروغرور کی ناپسندیدگی کو بو دیا ہے۔وہی تو ہے جس نے اسے عورتوں سے مذاق کرنے' انہیں بنظر حقارت دیکھنے اور ان سے استہزاء کرنے سے محفوظ رکھا ہے:

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَاءٍ عَسٰى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ (الحجرات: ۴۹/ ۱۱)

"اے ایمان والو! کوئی جماعت دوسری جماعت سے مسخرا پن نہ کرے، ممکن ہے کہ یہ اس سے بہتر ہو اور نہ عورتیں عورتوں سے، ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہوں' اور آپس میں ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ اور نہ کسی کو برے لقب دو' ایمان کے بعد گنہگاری برا

نام ہے اور جو توبہ نہ کریں وہی ظالم لوگ ہیں۔"

وہ نبوی ہدایت کے سرچشموں سے تواضع اور نرم مزاجی کے جام بھی نوش کرتی ہے اور تکبر، مسخرا پن اور لوگوں کو حقیر جاننے سے اپنے دامن کو دور رکھتی ہے، کیونکہ وہ صحیح مسلم میں مروی فرمان رسول ﷺ کا مطالعہ کرتی ہے کہ مسلمان خواتین کو حقارت کی نظروں سے دیکھنا تو محض شر اور برائی ہے:

《 بِحَسْبِ امْرِئٍ مِّنَ الشَّرِّ اَنْ يَّحْقِرَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ 》[1]

"آدمی کو اتنی ہی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے۔"

لوگوں سے نرمی کا برتاؤ کرتی ہے:

عورت کی طبیعت میں یہ بات ہے کہ وہ نرم دل، نرم مزاج، مشفق اور خوش مزاج ہوتی ہے، اور یہ بات عورت کی تخلیق اور پیدائش کے بھی زیادہ لائق ہے۔ اسی لیے تو عورتوں کا نام "صنف نازک" اور "جنس لطیف" بھی رکھا جاتا ہے۔

وہ مسلمان خاتون جس نے اپنے دین حنیف کی ہدایت سے سیرابی پائی ہو وہ اپنے گردونواح کی مستورات سے انتہائی نرم خو ہوتی ہے اور ان کے ساتھ معاشرت رکھنے میں انتہائی نرم مزاج اور ملائم خو ہوتی ہے کیونکہ نرمی، ملائمت اور سنجیدگی ایسی اعلیٰ صفات ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ بھی اپنے مومن بندوں میں محبوب رکھتے ہیں، کیونکہ جس میں بھی یہ صفات ہوں گی وہ صفات اسے دوسرے نفوس سے قریب ترین اور قلوب کا پسندیدہ و محبوب بنا دیں گی:

﴿ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ○ وَمَا يُلَقَّاهَا اِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلَقَّاهَا اِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ﴾ (حم السجدة : ٤١/ ٣٤، ٣٥)

"نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی۔ برائی کو بھلائی سے دفع کرو پھر تیرا دشمن ایسا ہو جائے گا جیسے دلی دوست۔ اور یہ بات انھیں کو نصیب ہوتی ہے جو صبر کریں اور اسے سوائے بڑے نصیب والوں کے کوئی نہیں پا سکتا۔"

[1] صحیح مسلم، کتاب البر: تحریم ظلم المسلم وخذله واحتقاره۔ حدیث: ٢٥٦٤ مطولاً

یقیناً نصوص ایک دوسرے کی مدد کرنے والی اور پیہم وارد ہوئی ہیں جو نرمی کو محبوب بنا رہی ہیں اور اس پر ابھار رہی ہیں اور اس امر کی تاکید بیان کر رہی ہیں کہ یہ ایسی بلند صفت اور عمدہ خوبی ہے جو اس لائق ہے کہ مسلمانوں کے معاشرے کی سیادت سنبھالے اور اس مسلم معاشرے کا ہر مسلم انسان جو اس معاشرے میں رہائش پذیر ہے اور اسلامی احکام کو یاد رکھتا ہے اور اس کی منور ہدایت سے روشنی پاتا ہے اسے نرمی سے متصف رہنا چاہیے۔ اور مسلمان خاتون کو اتنا ہی جان لینا کافی ہے کہ نرمی تو اللہ تعالیٰ کی بلند ترین صفات میں سے ایک صفت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے تمام امور میں پسند فرمایا ہے:

《إِنَّ اللّٰهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْأَمْرِ كُلِّهِ》 ①

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ نرمی کرنے والا ہے اور وہ تمام امور میں نرمی کو ہی پسند کرتا ہے۔"

بلاشبہ نرمی تو ایک خلق عظیم ہے اللہ تعالیٰ اس پر اتنا زیادہ اجر وثواب عطا فرماتا ہے جتنا کسی اور خلق پر عطا نہیں فرماتا:

《إِنَّ اللّٰهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ، وَيُعْطِي عَلَى الرِّفْقِ مَا لَا يُعْطِي عَلَى الْعُنْفِ، وَمَا لَا يُعْطِي عَلَى مَا سِوَاهُ》 ②

"بے شک اللہ تعالیٰ نرمی کرنے والا ہے نرمی کو پسند کرتا ہے، اور وہ نرمی پر وہ کچھ عطا کرتا ہے جو سختی پر عطا نہیں کرتا اور وہ اس قدر کسی دوسری خوبی پر بھی عطا نہیں کرتا۔"

بلند ترین نبوی ہدایت نرمی کو مزید مضبوط کر رہی ہے بلکہ اسے ہر چیز کی خوبصورتی قرار دے رہی ہے، جس چیز میں بھی نرمی آتی ہے اسے مزین اور نفوس وابصار میں محبوب بنا دیتی ہے اور جس چیز سے بھی یہ کھینچ لی جاتی ہے تو اسے داغدار اور قلوب وارواح کو اس سے متنفر بنا ڈالتی ہے:

《إِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُونُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ، وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ》 ③

"بلاشبہ نرمی کسی بھی چیز میں نہیں آتی مگر اسے مزین بنا دیتی ہے، اور کسی بھی چیز سے

---

❶ صحيح بخاري، كتاب الأدب، باب الرفق في الأمر كله، حديث: ٦٠٢٤ صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب فضل الرفق حديث: ٢١٦٥۔

❷ صحيح مسلم كتاب البر والصلة: باب فضل الرفق۔ حديث: ٢٥٩٣۔

❸ صحيح مسلم حواله سابق حديث: ٢٥٩٤۔

نکالی نہیں جاتی مگر اسے عیب دار بنا دیتی ہے۔''

رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام مسلمانوں کو لوگوں سے معاملات طے کرنے میں نرمی کا سبق دے رہے ہیں اور انہیں ایسا شاندار اور عمدہ تصرف کرنے کی درست رہنمائی فرما رہے ہیں جو ایسے مسلمان کے بالکل شایان شان ہے جو اللہ تعالیٰ کے مہربان اور بندوں کے ساتھ نرم دین کا پرچارک ہو' خواہ اس کا موقع کتنا ہی غصے اور ناگواری کو بھڑکانے والا ہو۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' کہتے ہیں: ایک اعرابی کھڑا ہوا اور اس نے مسجد میں پیشاب کر دیا' لوگ اس کو کوسنے لگے' تب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا:

''اسے چھوڑ دو اور اس کے پیشاب پر ایک پانی کا بھرا ڈول۔ یا پانی کا ڈول۔ بہا دو' کیونکہ تم آسانی پیدا کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو' اور تنگی بنانے والے بنا کر نہیں بھیجے گئے۔''[1]

نرمی' آسانی' سہولت اور فراخدلی سے دلوں کے دروازے کھل جاتے ہیں' لوگوں کو حق کی جانب دعوت ملتی ہے نہ کہ سختی' تنگی' شدت' گرفت اور ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ' اسی لیے تو اس باب میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں یہ بات ہے:

((بَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا' وَيَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا))[2]

''خوشخبریاں دو' نفرتیں نہ دلاؤ' آسانیاں پیدا کرو اور تنگیاں نہ لاؤ۔''

کیونکہ لوگ اپنی طبیعتوں کے اعتبار سے بد زبانی' سختی اور اکھڑ پن سے بھاگتے ہیں جبکہ رقت' خوش مزاجی' نرمی اور ملائمت سے الفت کرتے ہیں' اسی ضمن میں اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرمان ہے:

﴿ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ﴾ (آل عمران: ۱۵۹)

''اور اگر آپ بد زبان اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔''

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب الوضوء: باب صب الماء علی البول فی المسجد۔ حدیث: ۲۲۰

[2] صحیح مسلم، کتاب الجهاد، باب فی الامر بالتیسیر، حدیث: ۱۷۳۲۔

یہ ایک مستقل فرمان ہے' اور ثابت وقائم قانون و دستور ہے یہ اس خاتون کے لیے ہے جو خواتین کو راہ راست کی جانب دعوت دینے کی طرف متوجہ ہے کیونکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ بڑے احسن انداز سے ان کے دلوں میں اتر جائے اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے وہ نرمی' ہوشیاری' خوش مزاجی اور ملاطفت کے تمام ممکنہ راستوں کو استعمال میں لائے' اگرچہ اسے مستورات کی جانب سے بے رخی' اعراض اور بے مروتی کا سامنا ہی کرنا پڑے' کیونکہ پاکیزہ' نرم اور محبت بھرے بول نفس کے موڑوں اور گزرگاہوں میں اپنا راستہ بنا ہی لیتے ہیں اور یہ بھی یقینی بات ہے کہ ایسے بول مخاطبات کے دلوں میں مطلوبہ اثر پیدا کر ہی لیتے ہیں اور یہی وہ حکم تھا جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی سیدنا ہارون علیہ السلام کو دیا تھا جب انہیں سرکش' مغرور' متکبر اور خود پسند فرعون کے پاس بھیجا تھا:

﴿ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى﴾ (طٰہٰ: ۲۰/۴۳،۴۴)

''تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اس نے بڑی سرکشی کی ہے اسے نرمی سے سمجھاؤ کہ شاید وہ سمجھ لے یا ڈر جائے۔''

تو یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے کہ نرمی اس دین کی ہدایت میں شامل ہے جو مکمل خیر ہی خیر ہے جو یہ صفت دے دیا گیا تو یقیناً اس نے مکمل خیر کا احاطہ کر لیا اور جو اس سے محروم ہو گیا تو یقیناً وہ کامل خیر سے ہی محروم ہو گیا اور یہ بات اس حدیث مبارکہ میں موجود ہے جسے سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے' کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا تھا:

((مَنْ يُحْرَمِ الرِّفْقَ يُحْرَمِ الْخَيْرَ)) [1]

''جو نرمی سے محروم کر دیا گیا وہ تو خیر سے ہی محروم کر دیا گیا۔''

اور بلند ترین نبوی ہدایت نے اس امر کو بھی واضح بیان کر دیا ہے کہ یہ خیر افراد' گھرانوں اور قوموں پر اس وقت مسلسل برستی ہے جب ان کی زندگی کی باگ ڈور نرمی کے ہاتھ میں آ جاتی ہے اور یہ ان کے روشن ومنور اور خوبصورت وخوبرو اخلاق میں سے بن جاتی ہے' ہم یہ بات

---

[1] صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب فضل الرفق، حدیث: ۲۵۹۲۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث میں پاتے ہیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو یہ فرمایا تھا:

"اے عائشہ! نرمی اختیار کر کیونکہ اللہ تعالیٰ جب کسی گھرانے پر خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو انہیں نرمی کی راہ دکھاتے ہیں۔"①

ایک روایت میں یوں ہے:

"جب اللہ تعالیٰ کسی گھرانے کے لیے خیر کا' ارادہ فرما لیتے ہیں تو ان پر نرمی داخل فرما دیتے ہیں"②

اور سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

《 اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ خَيْرًا اَدْخَلَ عَلَيْهِمُ الرِّفْقَ 》③

"جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کے ساتھ خیر و بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو ان پر نرمی داخل کر دیتے ہیں۔"

اور اس سے بڑی کونسی خیر ہے کہ آدمی ایسا عمدہ کردار بنا لے جو اس کے لیے آتشِ دوزخ سے آڑ بن جائے؟ جس طرح کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسری حدیث پاک میں اس کی بایں الفاظ خبر دی ہے:

"کیا میں تمہیں اس آدمی کے متعلق خبر نہ دوں جو آگ پر حرام ہو جائے گا' یا اس آدمی کی خبر نہ دوں جس پر آگ حرام ہو جائے گی؟ وہ ہر مہربان عام آدمی، نرم خو اور نرم مزاج آدمی پر حرام ہو جاتی ہے۔"④

بلند ترین نبوی ہدایت انسان کو بلند لے جاتی ہے' وہ اس میں نرمی کی خو بوتی ہے اور اس سے نرمی کا اتنا مطالبہ کرتی ہے حتیٰ کہ ذبح ہونے والے جانور کے ساتھ بھی نرمی کرنے کا مطالبہ کر رہی ہے اور اسے اس احسان میں شمار کرتی ہے جس پر صالح متقی لوگ فائز ہوتے ہیں:

《 اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْاِحْسَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ فَاِذَا قَتَلْتُمْ فَاَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ

---

① رواہ احمد ٦/١٠٤' ورجالہ رجال الصحیح۔

② ایضًا

③ رواہ البزار' ورجالہ رجال الصحیح، مجمع الزوائد ٨/١٨ باب ماجاء فی الرفق۔

④ سنن الترمذی کتاب صفۃ القیامۃ: باب (٤٥) حدیث: ٢٤٨٨ وقال: حدیث حسن۔

وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذَّبْحَةَ، وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ، وَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ» [1]

''بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان لکھا ہے' تو جب تم قتل کرو تو اچھے طریقے سے قتل کرو اور جب تم ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو' چاہیے کہ تم میں سے ہر ایک اپنی چھری کو تیز کرے اور چاہیے کہ اپنے ذبیحہ کو راحت پہنچائے۔''

بے زبان ذبح ہونے والے حیوان کے ساتھ نرمی اس امر کی دلیل ہے کہ انسان کے نفس میں نرمی والا مادہ موجود ہے جو ذبح کرنے والا ہے اور اس امر کی بھی دلیل ہے کہ وہ ہر ذی روح کے ساتھ رحمت وشفقت کرنے والا بنے' تو جس آدمی کے دل میں ایسے ذی روح حیوانات کے معاملے میں نرمی کا یہ درجہ قرار پکڑ لے گا تو وہ شخص انسان کے ساتھ کس درجہ نرمی کرنے والا اور کرم کرنے والا بن جائے گا۔

متقی مسلمان خاتون استطاعت رکھتی ہے کہ وہ مندرجہ بالا اسلامی ہدایات کی روشنی میں بنی نوع انسان کے لیے نرمی کا تصور سمجھے حتیٰ کہ وہ نرمی حیوانات تک بھی پہنچنی چاہیے۔

وہ سراپا رحمت ہوتی ہے:

وہ مسلمان خاتون جس کے نفس نے اپنے فیاض اور فراخدل دین کی ہدایت سے سیرابی پائی ہوتی ہے وہ رحم دل اور مہربان بھی ہوتی ہے' اس کے قلبِ کبیر اور نفسِ طیب سے رحمت ومہربانی کے سرچشمے پھوٹتے ہیں: کیونکہ وہ اس حقیقت کا ادراک کر لیتی ہے کہ اپنے گردونواح کے لوگوں پر اس کا مہربانی کا سلوک کرنا ہی آسمان سے رحمت ومہربانی لانے کا موجب اور ذریعہ بنے گا' اور جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی رحمت نہیں ہوتی' اور رحمت الٰہی جس شخص سے بھی روک لی جائے تو وہ بلاشبہ اشقیاء محرومین اور خاسرین کے زمرے میں داخل ہو جاتا ہے۔ جس طرح کہ رسول کریم ﷺ کی زبان مبارک سے ارشادات صادر ہوتے ہیں:

«ارْحَمْ مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكَ مَنْ فِي السَّمَاءِ» [2]

''تو اہل زمین پر رحم کھا آسمان والا تجھ پر رحم کھائے گا۔''

---

1. صحیح مسلم کتاب الصید: باب الامر باحسان الذبح۔ حدیث ۱۹۵۵۔
2. رواہ الطبرانی' ورجالہ رجال الصحیح۔ مجمع الزوائد ۱۸۷/۸ باب رحمۃ الناس۔

((مَنْ لَمْ يَرْحَمِ النَّاسَ لَمْ يَرْحَمْهُ اللّٰهُ)) [1]

''جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ بھی اس پر رحم نہیں کرتا۔''

((لَا تُنْزَعُ الرَّحْمَةُ إِلَّا مِنْ شَقِيٍّ)) [2]

''رحمت نہیں کھینچی جاتی مگر بدبخت آدمی ہی سے۔''

متقی مسلمان خاتون کے دل میں رحمت فقط اپنے اہل خانہ اپنی اولاد' قرابت داروں اور رشتہ داروں تک ہی محدود نہیں رہتی بلکہ اس کے نفس میں رحمت کا دائرہ وسیع ہوتا ہے حتیٰ کہ عوام الناس کو بھی اس میں شامل کرتی ہے، کیونکہ وہ اس نبوی ہدایت کو سنتی ہے جو تمام لوگوں کو شامل سمجھتی ہے اور اسے شروط ایمان میں سے ایک شرط قرار دیتی ہے:

''تم ہرگز ایمان دار نہیں ہو سکتے حتیٰ کہ تم ایک دوسرے پر رحم کرنے لگو' صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! ہم تو سبھی رحم کرنے والے ہیں' فرمایا: تمہارے ایک کا اپنے ساتھی پر رحم کرنا ہی صرف رحم نہیں ہے بلکہ تمام لوگوں پر رحم کرنا اور رحمت کو عام کرنا رحم کرنا ہے۔'' [3]

بلاشبہ یہ عمومی اور سب کو شامل رحمت ہے' اسلام نے مسلمان مردوں اور عورتوں کے دلوں میں اس رحمت کے چشمے جاری کر دیے ہیں' اور اسے ان کی نمایاں ترین صفات میں سے ایک صفت بنایا ہے' تاکہ اسلامی معاشرہ اپنے مردوں اور عورتوں کے ساتھ' اپنے اغنیاء اور فقراء کے ساتھ' حتیٰ کہ اپنے تمام افراد کے ساتھ' ایک دوسرے کا خیال رکھنے والا اور ایک دوسرے پر رحم کرنے والا معاشرہ بن جائے' جس کے تمام پہلوؤں میں رحمت موجیں مار رہی ہو' اس کے تمام اطراف میں اخوت پھیلی ہوئی ہو اور اس کی فضاؤں میں باہمی نرمی و لطافت سرداری کر رہی ہو۔

---

1. صحیح ابن حبان حدیث: ٤٦٥۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل۔ باب رحمة صلی اللّٰه علیه وسلم الصبیان۔ حدیث: ٢٣١٩ بهذا اللفظ
2. اخرجه البخاری فی الادب المفرد ١/٤٦٦ باب ارحم من فی الارض۔ سنن ابی داؤد۔ کتاب الادب، باب فی الرحمة، حدیث: ٤٩٤٢
3. رواه الطبرانی' ورجاله رجال الصحیح۔مجمع الزوائد ٨/١٨٦ باب رحمة الناس۔

یقیناً رسول اللہ ﷺ اس خالص اور زبردست رحمت میں یکتا' بے مثال اور لاثانی و بے مثال تھے' حتیٰ کہ آپ ﷺ لوگوں کی امامت کرواتے ہوئے کسی بچے کے رونے کی آواز سن لیتے تو نماز کو مختصر فرما دیتے' صرف ماں کی اپنے بچے کے متعلق بے قراری کا احساس فرماتے ہوئے۔ شیخین نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت لی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''بے شک میں نماز میں داخل ہوتا ہوں تو میرا اسے لمبا کرنے کا ارادہ ہوتا ہے' پھر میں بچے کا رونا سنتا ہوں تو میں اپنی نماز اس بنا پر مختصر کر لیتا ہوں جو میں جانتا ہوں کہ اس کے رونے کے باعث اس کی ماں پر کس قدر بے قراری طاری ہوتی ہے۔''[1]

چند اعرابی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آئے' تو ان میں سے ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ بچوں کو چومتے ہیں؟ اللہ کی قسم! ہم تو انہیں نہیں چومتے' تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« اَوَ اَمْلِكُ اِنْ كَانَ اللّٰهُ نَزَعَ مِنْ قَلْبِكَ الرَّحْمَةَ؟ »[2]

''اگر اللہ تعالیٰ نے تیرے دل سے رحمت کو نکال دیا ہو تو میرا کیا اختیار ہے؟''

رسول اکرم ﷺ نے سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو چوما' تو اس وقت اقرع بن حابس التمیمی رضی اللہ عنہ بھی آپ کے پاس موجود تھے۔ اقرع بولے: میرے دس بیٹے ہیں میں نے تو کبھی ان میں سے کسی کو نہیں چوما' تب رسول اکرم ﷺ نے اس کی جانب دیکھا اور یوں فرمایا:

« مَنْ لَّا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ »[3]

''جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو مسلمانوں پر امیر مقرر کرنا چاہا' تو آپ نے سنا کہ وہ اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ جیسا بول ہی بول رہا ہے، وہ اپنے بچوں کو چومتا نہیں ہے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یہ فرماتے

---

1. صحیح بخاری، کتاب الأذان، باب من اخف الصلاۃ عند بکاء الصبی، حدیث: ۷۰۹، ۷۱۰۔ مسلم، کتاب الصلاۃ باب امر الائمۃ بتخفیف الصلاۃ۔ حدیث: ۱۹۲، ۴۷۰۔
2. صحیح بخاری، کتاب الادب۔ باب رحمۃ الولد وتقبیلہ و معانقتہ، حدیث: ۵۹۹۸۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب رحمتہ ﷺ الصبیان والعیال، حدیث: ۲۳۱۷
3. صحیح بخاری، حوالہ سابق، حدیث: ۵۹۹۷۔ مسلم، حوالہ سابق، حدیث: ۲۳۱۸۔

ہوئے اس کو تعینات کرنے سے ہٹ گئے:

((إِذَا كَانَتْ نَفْسُكَ لَا تَبَضُّ بِالرَّحْمَةِ لِأَوْلَادِكَ، فَكَيْفَ تَكُونُ رَحِيمًا بِالنَّاسِ؟ وَاللّٰهِ لَا أُوَلِّيكَ أَبَدًا))

''جب تیرا دل اپنی اولاد کے لیے رحمت ومہربانی سے نرم نہیں ہوتا تو تو لوگوں کے لیے کس طرح مہربان بن سکے گا؟ اللہ کی قسم! میں تجھے کبھی امارت پر تعینات نہیں کروں گا۔''

پھر اس حکم نامے کو چاک کر دیا جو اس کی تعیناتی کے لیے تیار کیا تھا۔

رسول اکرم ﷺ نے مسلمان مردوں اور عورتوں کے دلوں میں رحمت کے دائرے کو بہت وسیع فرمایا ہے کیونکہ انہیں اس طرح کا بنا دیا ہے کہ وہ انسان کے ساتھ رحم کرنے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ وہ تو حیوانوں پر بھی رحم کرتے ہیں اور یہ بات متعدد احادیث صحیحہ میں موجود ہے' ان میں سے ایک حدیث مبارکہ جسے شیخین نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ایک وقت کی بات ہے کہ کوئی آدمی راستے میں چلا جا رہا تھا' اسے سخت پیاس لگی' اس نے ایک کنواں پایا' اس میں نیچے اترا' پانی پیا پھر باہر نکل آیا' تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک کتا ہانپ رہا ہے' جو مارے پیاس کے کیچڑ چاٹ رہا ہے' وہ شخص کہتا ہے: لگتا ہے اس کتے کو بھی ویسی ہی پیاس لگی ہے جیسی مجھے لگی تھی' چنانچہ وہ کنویں میں اترا' اپنے موزے کو پانی سے بھرا' پھر اسے اپنے منہ میں تھام کر اوپر چڑھا اور اس کتے کو پانی پلایا' تو اللہ تعالیٰ نے اس کی قدر افزائی کی اور اسے معاف ہی کر دیا۔''

صحابہ کرام عرض کرتے ہیں: کیا ہمارے لیے ان جانوروں میں بھی اجر وثواب ہے؟ فرمایا: ہر تر جگر رکھنے والے میں اجر وثواب ہے۔[1]

شیخین نے ہی سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت لی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''ایک عورت کو بلی کے باعث عذاب دیا گیا' جسے اس نے محبوس رکھا حتیٰ کہ بھوکی ہی

[1] صحيح بخاري، كتاب الادب، باب رحمة الناس والبهائم، حديث: ٦٠٠٩، صحيح مسلم، كتاب السلام- باب فضل سقي البهائم المحترمة، حديث: ٢٢٤٤

مر گئی' تو اس کی وجہ سے ہی آتشِ دوزخ میں داخل ہو گئی۔فرمایا: لوگوں نے کہا......واللہ اعلم......نہ تو تو نے اسے کھلایا اور نہ ہی کچھ پلایا جب سے تو نے اسے محبوس کیا ہے' اور نہ ہی تو نے اسے آزاد چھوڑا ہے تاکہ خود زمین کے کیڑے مکوڑے ہی کھا لیتی۔'' ①

رسول اکرم ﷺ تو رحمت کے روشن زینوں پر بلند سے بلند ہوتے جا رہے ہیں حتیٰ کہ آپ اس کی غایت علیا تک پہنچ گئے ہیں' جب آپ نے ایک جگہ پر قیام فرمایا تو اچانک ایک چڑیا آپ کے سر مبارک پر آن کر اپنے پر پھڑ پھڑانے لگی' گویا کہ وہ آپ سے پناہ طلب کر رہی ہے اور اس آدمی کے ظلم کی شکایت بھی کر رہی ہے جس نے اس کے انڈے اٹھا لیے تھے۔آپ ﷺ نے پوچھا: ''تم میں سے کس نے اسے اس کے انڈوں کی وجہ سے پریشان کیا ہے؟'' ایک آدمی بولا: یا رسول اللہ! میں نے اس کے انڈے اٹھائے ہیں' تب نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''اس پر رحم کھاؤ' انہیں واپس رکھ آؤ۔'' ②

یقیناً نبی اکرم ﷺ نے اپنی اس عمدہ ترین رہنمائی میں یہی ارادہ فرمایا ہے کہ اس کے ذریعے مسلمان مردوں اور عورتوں کے دلوں میں عمیق وسیع اور ہمہ گیر احساس رحمت کو پیدا فرما دیں' تاکہ ہر وہ شخص جس نے شہادتین کا اقرار کیا ہے وہ اپنی طبیعت اور فطرت کے اعتبار سے ہی رحیم و کریم بن جائے' حتیٰ کہ حیوانات کے ساتھ بھی' اور جس وقت انسان کا دل رحم کھانے والا بن جائے گا حتیٰ کہ جانوروں پر بھی تو پھر یہ کس طرح ممکن ہو گا کہ وہ اپنے انسان بھائی کے لیے سخت دل رہے۔

بلاشبہ نبی کریم صلوات اللہ علیہ تو انسانوں اور حیوانوں کے لیے سراپا رحمت تھے آپ تو ہمیشہ اپنی بلند ترین ہدایات میں لوگوں پر رحمت کرنے کی ترغیب ہی دیتے رہتے تھے' اور مسلمان مردوں اور عورتوں کے دلوں میں اسے گہرے سے گہرا بناتے رہے تھے، اس بات کی تاکید کرتے

---

① صحیح بخاری کتاب المساقاۃ، باب فضل سقی الماء، حدیث: ٢٣٦٥۔ صحیح مسلم۔ کتاب السلام۔ باب تحریم قتل الھرۃ۔ حدیث: ٢٢٤٢۔

② بخاری فی الادب المفرد ١/٤٧٢ باب اخذ البیض من الحمرۃ۔ سنن ابی داؤد۔ کتاب الجھاد۔ باب فی کراھیۃ حرق العدو بالنار، حدیث: ٢٦٧٥۔ مسند احمد ١/٤٠٤۔

رہتے تھے کہ یہ بندوں کے ساتھ رحمت الٰہی کے حصول کی چابی ہے اور رحم کھانے والوں کے لیے اللہ کی معافی، اس کے ثواب اور اس کا درگزر حاصل کرنے کے اسباب میں سے ایک سبب ہے، خواہ وہ لوگ نافرمان اور گناہ گار ہی کیوں نہ ہوں۔

صحیح مسلم میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

''ایک وقت کی بات ہے کہ کوئی کتا کسی کنویں کے پاس گھوم رہا تھا، قریب تھا کہ پیاس اسے مار ہی ڈالے گی، کہ اچانک اسے بنی اسرائیل کی طوائفوں میں سے ایک طوائف نے دیکھ لیا، اس نے اپنا موزہ اتارا، اس کے ساتھ اس کے لیے پانی کھینچا، اسے پلایا، تو اس عمل کی وجہ سے اسے بخش دیا گیا۔''[1]

انسان پر رحمت کی کس قدر عظیم برکتیں ہیں! رحمت تیرے کیا کہنے! تو کس درجہ عمدہ ترین خوبی ہے جسے انسان اختیار کر سکتا ہے! اس رحمت کی شان ومنزلت اور درجہ ورفعت کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اللہ رب العزت اور رب ذوالجلال نے اس لفظ سے اپنے اسماء گرامی رکھے ہیں یعنی وہ الرحیم اور الرحمٰن ہے!

لوگوں کی منفعت اور دفع مضرت کے لیے کوشاں رہتی ہے:

وہ سچی مسلمان خاتون جس کے نفس نے اپنے دین برحق کی ہدایت سے فیض پایا ہے اس امر کی حریص رہتی ہے کہ وہ تعمیری کام، نفع رسانی اور خیر خواہی کے امور بجا لاتی رہے، وہ بھی صرف اپنی ذات ہی کے لیے نہیں بلکہ سب لوگوں کے لیے ایسی ہوتی ہے، وہ تو ہمہ وقت اس جستجو میں رہتی ہے کہ اسے اعمال خیر کے مواقع ملیں اور وہ انہیں سرانجام دینے میں جلدی کرے، وہ اس ضمن میں مقدور بھر اللہ تعالیٰ کے فرمان ذیل پر عمل پیرا رہنے کی کوشش کرتی ہے:

﴿ وَ افْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ (الحج: ۲۲/۷۷)

''اور نیک کام کرتے رہو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔''

وہ تو اس حقیقت کا ادراک کر لیتی ہے کہ لوگوں کے ساتھ بھلائی سے پیش آنا عمل خیر اور عبادت ہے بشرطیکہ وہ اس عمل سے رضائے الٰہی کی متلاشی رہے گی۔ عمل خیر کے دروازے تو تمام

---

[1] صحیح مسلم، کتاب السلام، باب فضل سقی البهائم۔ حدیث: ۲۲۴۵۔

مسلمانوں کے لیے ہمہ وقت کھلے ہوئے ہیں' وہ جب چاہیں ان میں داخل ہو سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور رضا مندی کو حاصل کر سکتے ہیں۔ نیکی' بھلائی اور معروف کے راستے تو متعدد اور بے شمار ہیں اور ان کے میدان انتہائی وسیع وعریض اور لمبے چوڑے ہیں' جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں عمل کرنے والوں کے لیے ہمہ وقت وسیع ہی رہتے ہیں' ان کا کوئی بھی عمل خیر جسے وہ اللہ تعالیٰ کے حضور حصول ثواب کے جذبے اور نیت سے پیش کریں گے ان کے لیے ان کے نامہ اعمال میں صدقہ بنا کر لکھا جاتا ہے:

((كُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ)) [1]

''تمام اچھے کام صدقہ ہیں۔''

((اَلْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ)) [2]

''پاکیزہ بول صدقہ ہے۔''

بلکہ اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت تو ہر اس مسلمان خاتون کو گھیر لیتی ہے جس کا باطن صاف ہو اور جس نے اپنی نیت کو اللہ تعالیٰ کی خاطر خالص بنا لیا ہو' وہ نیکی کرے تب بھی یہ رحمت اسے پہنچ جاتی ہے اور اگر وہ نیکی کا عمل نہ بھی کرے تب بھی اسے رحمت ڈھانپ لیتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ برائی والے عمل سے رکنے کی نیت کرے۔

سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمان اقدس روایت کرتے ہیں:

''ہر مسلمان پر صدقہ کرنا لازم ہے۔''

صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! اگر کوئی نہ پائے تو پھر کیا کرے؟

فرمایا: اپنے ہاتھوں سے کمائے اپنے نفس کو بھی فائدہ پہنچائے اور صدقہ بھی کرے۔

عرض کی: اگر وہ ایسا بھی نہ کر سکے یا اس سے ایسا نہ ہو پائے تو؟

---

1. صحيح بخاری، كتاب الادب، باب كل معروف صدقة۔ حديث: ٦٠٢١ عن جابرؓ۔ صحيح مسلم كتاب الزكاة۔ باب بيان ان رسم الصدقة يقع على كل من المعروف، حديث: ١٠٠٥ عن حذيفةؓ۔
2. صحيح بخاری۔ كتاب الجهاد۔ باب من اخذ بالركاب و نحوه، حديث: ٢٩٨٩۔ صحيح مسلم۔ حواله سابق، حديث ١٠٠٩۔

فرمایا: کسی مصیبت زدہ ضرورت مند کی مدد ہی کردے۔

عرض کی: آپ کا کیا خیال ہے اگر وہ یہ بھی نہ کرے؟

فرمایا: وہ معروف کا یا نیکی و بھلائی کا حکم ہی کردے۔

صحابہ نے عرض کی: آپ کا کیا خیال ہے اگر وہ ایسا بھی نہ کرے تو؟

فرمایا: ((يُمْسِكُ عَنِ الشَّرِّ فَإِنَّهَا لَهُ صَدَقَةٌ)) [1]

''وہ برائی ہی سے باز رہے بلاشبہ یہ بھی اس کے لیے صدقہ ہے۔''

رسول مکرم ﷺ معروف، نیکی، بھلائی اور خیر کے متعدد راستے اور انداز بیان فرماتے ہیں جن کی ہر مسلمان مرد و عورت استطاعت رکھتا ہے تاکہ وہ مذکورہ صدقات کے اجر و ثواب کو پانے والا بن سکے، لہٰذا مسلمان خاتون کے ذمے صدقہ کرنا لازم ہے، یعنی اس کے ذمے لازم ہے کہ معاشرے میں رفاہ عامہ اور بھلائی والے تعمیری امور سرانجام دیتی رہے، اگر وہ مذکورہ اعمال وافعال کی انجام دہی سے عاجز رہے اور کسی بھی عمل خیر کو اختیار نہ کرسکے تو کم ازکم اپنی زبان اور اپنے اعضائے جسمانی کو برائی سے تو روک سکتی ہے، تو ایسا کرنے میں بھی اس کے لیے صدقہ ہی کا اجر و ثواب ہے۔ مسلمان مردوں اور عورتوں کے مثبت اور منفی افعال سب کے سب اس حق کی خدمت کرنے میں متوجہ رہتے ہیں جو مسلمانوں کے معاشرے کی سیادت وقیادت کررہا ہے۔ اور مسلمان انسان تو ہوتا ہی ایسا ہے:

((اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهِ وَيَدِهِ)) [2]

''مسلمان وہی ہوتا ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان سلامت رہیں۔''

یہی وجہ ہے کہ مسلمان خاتون ہمیشہ فعل خیر اور عمل نیک پر آمادہ رہتی ہے، اس کے لیے کوشاں رہتی ہے اور یہی امید رکھتی ہے کہ وہ اس کے ہاتھوں سے سرانجام پائے، وہ برائی سے دامن کش رہتی اور اس سے پہلوتہی کرتی رہتی ہے اور اس بات کی پوری کوشش کرتی ہے کہ کہیں

---

1. صحیح بخاری، کتاب الادب، باب کل معروف صدقة، حدیث: ٦٠٢٢۔ صحیح مسلم۔ حوالہ سابق، حدیث: ١٠٠٨۔

2. صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده۔ حدیث: ١٠۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان۔ باب بیان تفاضل الاسلام، حدیث: ٤٠۔

اس سے آلودہ ہی نہ ہو جائے۔اس ذہنیت سے وہ اسلامی معاشرے میں سب مسلمان مردوں اورعورتوں میں سے بہترین بنی رہتی ہے' جس طرح کہ رسول اکرم ﷺ نے اس بات کی خبر دی ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ چند بیٹھے ہوئے لوگوں کے پاس کھڑے ہوئے اور فرمایا:

''کیا میں تمہیں تمہارے برے لوگوں میں سے اچھے لوگوں کے بارے میں نہ بتاؤں؟''

لوگ خاموش رہے' آپ ﷺ نے یہی جملہ تین بار دہرایا' تب ایک آدمی بولا جی ہاں! یارسول اللہ! فرمایا:

((خَيْرُكُمْ مَّنْ يُّرْجٰى خَيْرُهٗ وَيُؤْمَنُ شَرُّهٗ وَشَرُّكُمْ مَّنْ يُّرْجٰى خَيْرُهٗ وَلَا يُؤْمَنُ شَرُّهٗ)) ①

''تم میں سے بہترین وہ ہے جس سے خیر کی امید رکھی جائے اور اس کے شر سے محفوظ رہا جائے، اور تم میں سے برا وہ ہے جس سے خیر کی امید رکھی جائے اور اس کے شر سے امن نہ ہو''

وہ مسلمان خاتون جس نے اپنے اسلام کی حفاظت رکھی ہوتی ہے اور جس نے اس کی ہدایت کے چشمہ صافی سے پانی پیا ہے وہ اس صنف میں سے رہتی ہے جس سے خیر کی امید رکھی جاتی ہے اور جس کے شر سے امن رہتا ہے۔وہ دنیا میں فعل خیر کی طرف بڑھتی ہے تو یہی یقین رکھتی ہے کہ اس کی کوشش کبھی ضائع نہیں جائے گی' اس کی جدوجہد کسی صورت ناکام نہیں جائے گی بلکہ دنیا اور پھر آخرت میں اس معروف کا نیک بدلہ اسے ضرور ملے گا:

''جس نے کسی مومن سے دنیاوی پریشانیوں میں سے کوئی پریشانی دور کی تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی پریشانیوں میں سے ایک پریشانی اس سے دور ہٹا دے گا' اور جس نے کسی تنگ دست پر آسانی پیدا کی تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس پر آسانی پیدا کرے گا۔'' ②

---

❶ مسند أحمد (٢/٣٦٨، ٣٧٨) ابن حبان (حديث: ٥٢٧، ٥٢٨)۔

❷ صحيح مسلم كتاب الذكر والدعاء، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر۔ حديث: ٢٦٩٩۔

مسلمان خاتون عمل خیر کو بجالانے میں اپنی قدرت واستطاعت کے مطابق کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتی اور ایسا کس طرح نہ کرے، کیونکہ وہ رسول کریم ﷺ کی سیرت وہدایت سے یہ بات جانتی ہے کہ کسی بھی فعل خیر پر قدرت پانے کے باوجود اسے کرنے میں کوتاہی کرنا نعمتوں کے زوال کا باعث ہے:

''کوئی بھی بندہ ایسا نہیں ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے کسی نعمت کو مکمل کر دیا ہو' پھر اسے لوگوں کی ضروریات میں مصروف کر دیا جائے لیکن وہ کوتاہی کرے' تو بلاشبہ اس نے اس نعمت کو روبہ زوال کر دیا۔''[1]

مسلمان خاتون کسی بھی عمل خیر کو خواہ وہ چھوٹا سا ہی ہو حقیر نہیں جانتی جب تک اس کی سچی اور خالص نیت اللہ تعالیٰ کے لیے قائم رہے' بعض اوقات عمل خیر کا تعلق مسلمان مردوں اور عورتوں سے دفع مضرت اور کسی تکلیف دہ چیز کو ہٹانا بھی ہوتا ہے' اور بعض احادیث صحیحہ بھی اس کی دلکش تصویر کشی کر رہی ہیں' ان میں سے ایک یہ بھی ہے:

((لَقَدْ رَأَيْتُ رَجُلاً يَتَقَلَّبُ فِي الْجَنَّةِ فِي شَجَرَةٍ قَطَعَهَا مِنْ ظَهْرِ الطَّرِيقِ' كَانَتْ تُؤْذِي النَّاسَ))[2]

''بلاشبہ میں نے ایک شخص کو ایک درخت کی وجہ سے جنت میں کروٹیں بدلتے دیکھا ہے' جس نے راستے سے اسے اس لیے کاٹ ڈالا تھا کہ وہ لوگوں کو اذیت دیتا تھا۔''

یقیناً مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے کرنے کے لیے نیکی وخیر کی دو راہیں ہیں' جن کو سرانجام دے کر وہ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی وخوشنودی میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ سکتے ہیں:

نیکی کو بجالانا اور لوگوں کو نفع پہنچانا' اور ان سے تکلیف دہ چیزوں اور نقصان کو دور ہٹانا۔

یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ مسلمانوں سے تکلیف ومضرت کو ہٹانا کسی صورت بھی ان سے نیکی کرنے اور انہیں نفع پہنچانے سے درجہ میں کم نہیں ہے' دونوں ہی ان اچھے اور نیک اعمال میں سے ہیں جن پر ان کے فاعل کو اجر وثواب ملتا ہے' ہر زمان ومکان میں دنیاوی معاشرے ان

[1] الطبرانی فی الاوسط و سنده جید۔ مجمع الزوائد ۸/۱۹۲ باب فضل قضاء الحوائج۔

[2] مسلم کتاب البر والصلة: باب فضل ازالة الاذی عن الطریق۔ حدیث: ۱۲۹/۱۹۱٤۔

دونوں کاموں کے ایک ساتھ ہی ضرورت مند رہے ہیں کیونکہ ان دونوں راستوں سے معاشرے میں خیر و بھلائی پھیلتی ہے' اور اس کے افراد کے مابین محبت ومودت کے رشتے استوار ہوتے ہیں' اور پھر لوگ زندگانی کی خوشیاں اور حیات کی رونقیں محسوس کرتے ہیں' یہی وہ مقصد اور غایت ہے جس کو حاصل کرنے کے لیے اسلام ہمیشہ سے ہی نیکی کرنے' نفع پہچانے اور لوگوں سے تکلیف دہ امور کو دور ہٹانے کی ترغیب وتحریص دیتا آ رہا ہے۔

تکلیف دہ چیز کو اور نقصان دہ بات کو مسلمانوں سے دور ہٹانے کے سلسلے میں اسلام کی بلند ترین تعلیمات و ہدایات میں سے ایک وہ روایت بھی ہے جسے ابو برزہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں' کہتے ہیں: میں نے عرض کی: یا نبی اللہ! مجھے کوئی ایسی چیز سکھا دیں جس سے مستفید ہوسکوں' فرمایا:

((اِعْزِلِ الْاَذٰی عَنْ طَرِیْقِ الْمُسْلِمِیْنَ)) [1]

''مسلمانوں کے راستے سے تکلیف دہ چیز کو دور کر دے۔''

اور ایک روایت میں ہے: یا رسول اللہ! مجھے کسی ایسے عمل کی راہنمائی فرما دیں جو مجھے جنت میں داخل کروا دے' فرمایا:

((أَمِطِ الْأَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ فَھُوَ لَكَ صَدَقَةٌ)) [2]

''راستے سے اذیت دہ چیز کو ہٹا دے یہ تیرے لیے صدقہ ہوگا۔''

تو وہ معاشرہ کس درجہ ترقی یافتہ اور مہذب ہوگا جس معاشرے کی اسلام بنیادیں رکھ رہا ہے' جو اپنے ہر فرد کے دل و دماغ میں یہ بات ڈال رہا ہے کہ ان صالح اعمال میں سے، جو بندے کو اللہ تعالیٰ کے قریب کرتے اور ان کے عامل کو جنت میں داخل کرواتے ہیں، ایک عمل یہ بھی ہے کہ لوگوں کے راستے سے تکالیف دہ چیز کو دور ہٹائے۔

بلا شبہ انسانیت آج ایسے مہذب اور ترقی یافتہ معاشرے کی بہت زیادہ حاجت مند ہے جس کی اسلام بنیادیں رکھ رہا ہے، اس میں ہر فرد عمل خیر کرنے اور معاشرے کی ترقی میں شریک ہونے پر یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ اسے اللہ تعالیٰ کے قریب کر رہا ہے اور اسے جنت میں داخل کروائے گا'

---

1. صحیح مسلم کتاب البر والصلة، باب فضل ازالة الاذی عن الطریق۔ حدیث: ۲۶۱۸۔
2. حدیث صحیح رواہ احمد ٤/٤٢٣۔

اگر چہ وہ راستے سے اذیت دہ چیز کو ہٹانے سے بڑھ کر کوئی کام نہ بھی کر سکے۔ وہ معاشرہ جو ایسے حساس نفوس کی اس انداز سے ذہن سازی کرتا ہے جو بے توجہی برتنے، کم ہمتی دکھانے اور لاپروائی دکھانے کو برداشت نہیں کرتے' اس معاشرے کے درمیان اور اس معاشرے کے درمیان زمین وآسمان کا فرق ہے جو اپنے افراد کے نفوس میں یہ باتیں پیدا کرنے کی طرف کوئی توجہ ہی نہیں دیتا' آپ انہیں دیکھیں گے وہ لوگ گزر گاہوں میں کوڑا کرکٹ' فضلات اور تکلیف دہ چیزیں پھینکتے رہتے ہیں اور لوگوں کی اذیت وتکلیف کی چنداں پروا نہیں کرتے تو ایسے کام چور اور کم ہمت معاشرے میں' حکمران قوانین وضابطے بنانے کے لیے مجبور ہو جاتے ہیں جو مخالفت کرنے والوں کو سزائیں دیتے ہیں۔

کتنا واضح اور عظیم فرق ہے ان معاشروں کے درمیان' ایک وہ معاشرہ جو دین الٰہی کی ہدایت سے فیض یافتہ ہے' جس میں افراد راستے سے اذیت دہ اور تکلیف دہ اشیاء کو اللہ تعالیٰ کے حکم کو مانتے ہوئے اور اپنے اجر وثواب کی امید رکھتے ہوئے دور ہٹاتے ہیں اور دوسرا وہ معاشرہ جو ہدایت الٰہی سے باغی اور سرکش ہو' جس کے افراد اپنے فضلات کو اپنے بالا خانوں' کھڑکیوں اور گھروں کی چھتوں سے باہر پھینکتے ہوئے یہ پروا بھی نہیں کرتے کہ کن کن لوگوں پر یہ فضلات گر رہے ہیں!

متمدن مغربی دنیا نے اس معاملے میں لوگوں کی حالت کو بہتر بنانے کے لیے تنظیمیں بنائی ہیں تا کہ اپنے افراد کو احترام قانون اور احترام نظام سکھائیں اور انھیں قانون کی پاسداری کی اعلیٰ سطح تک لائیں جبکہ اسلام پندرہ صدیاں قبل ہی اس قانون اور پاسداری پر عمل کروانے میں سبقت لے جا چکا ہے' اب دونوں میں واضح فرق یہ ہے کہ مسلمان فرد اس نظام پر عمل کرنے میں ہمہ تن مصروف رہتا ہے تو اپنے اخلاص اور صدق قلب کے ساتھ' کیونکہ وہ اعتقاد رکھتا ہے کہ اس سے پیچھے ہٹنا اور اس سے باہر نکلنا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی زد میں آنا ہے اور اسے بروز قیامت اس کوتاہی پر سزا ملے گی' جبکہ مغربی دنیا کا فرد نظام کی مخالفت کرنے میں سول جرم کرنے سے بڑھ کر کچھ نہیں دیکھتا' جس پر کبھی اس کا ضمیر اسے ملامت کرتا ہے اور کبھی وہ بھی نہیں' پھر معاملہ یہیں پر ہی ختم ہو جاتا ہے' اور بالخصوص جب وہ لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو یا پھر حکمرانوں کی آنکھوں سے غافل ہو تو معاملہ کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتا ہے۔

تنگ دست مقروض کو مہلت دیتی ہے:

متقی مسلمان خاتون اپنی اخلاقی اور قلبی طبع کے ساتھ ممتاز ہوتی ہے اور درگزر اختیار کرنے' پسندیدہ اخلاق کو اپنانے اور حسن معاملہ سے مزین ہونے کے ساتھ اس کی شخصیت نمایاں ہوتی ہے۔ جب کبھی اس کا اپنی کسی بہن پر حق ہوتا ہے اور ادائیگی کا وقت قریب آن پہنچتا ہے اور مقروض بہن تنگ دست ہوتی ہے تو اسے مہلت دے دیتی ہے حتیٰ کہ اس کا تنگی کا وقت گزر جاتا ہے اور آسانی کی شکل جنم لے لیتی ہے۔ وہ صرف یہ عمل اللہ تعالیٰ کے درج ذیل فرمان گرامی پر عمل پیرا رہتے ہوئے کرتی ہے:

﴿ وَ اِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ﴾ (البقرة: ٢/٢٨٠)

''اور اگر کوئی تنگی والا ہو تو اسے آسانی تک مہلت دینی چاہیے''

یہ بات تو ظاہر ہے کہ تنگی والے کو مہلت دینا خلق کریم ہے' جس پر اسلام نے رغبت دلائی ہے' کیونکہ اس میں اپنے انسان بھائی کے ساتھ معاملہ کرنے میں انسان کی انسانیت کا مکمل لحاظ رکھا جاتا ہے' اگرچہ وہ صاحب حق بھی ہوتا ہے۔

اور مسلمان خاتون جب اپنی تنگ دست بہن کو مہلت دینے میں ان بلند ترین انسانی اقدار کو اپناتی ہے تو وہ بایں صورت اپنے رب کے حکم کو اپناتی ہے اور اس کے حضور عمل صالح کو پیش کرتی ہے' جو اسے روز قیامت کی پریشانیوں سے نجات دلائے گا اور اسے عرش عظیم کے سائے تلے جگہ دلوائے گا' جس روز اس سائے کے سوا کوئی دوسرا سایہ نہیں ہوگا۔

سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں فرماتے ہوئے سنا:

((مَنْ سَرَّهُ اَنْ يُّنْجِيَهُ اللّٰهُ مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ' فَلْيُنَفِّسْ عَنْ مُعْسِرٍ اَوْ يَضَعْ عَنْهُ)) [1]

''جسے یہ بات اچھی لگے کہ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن کی پریشانیوں سے نجات دے دے' تو اسے چاہیے کہ تنگ دست سے آسانی کا سلوک کرے یا اسے معاف ہی کر دے۔''

[1] صحیح مسلم کتاب المساقاۃ و المزارعۃ: باب فضل انظار المعسر۔ حدیث: ١٥٦٣۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

((مَنْ اَنْظَرَ مُعْسِرًا، اَوْ وَضَعَ لَهُ، اَظَلَّهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهُ)) ①

''جس نے کسی تنگ دست کو مہلت دی' یا اس کو معاف ہی دے دی' تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے روز اپنے عرش کا سایہ نصیب فرمائے گا جس دن اس کے سائے کے علاوہ کوئی اور سایہ نہیں ہوگا۔''

سچی مسلمان خاتون ان روشن ومنور زینوں پر بلند ہونے کی استطاعت رکھتی ہے' اگر وہ صاحب حیثیت سرمایہ والی ہے اور اپنی مقروض بہن کو قرضے میں مکمل رعایت دے دے یا اس کا کچھ حصہ چھوڑ کر اس کی ادائیگی میں مہلت دے دے تو اس طرح اجر عظیم پانے میں کامیاب ہو جائے' تو اپنی بہن کے قرضے میں رعایت دینے کے عوض میں اللہ تعالیٰ اسے اس سے کہیں بڑھ کر' کہیں زیادہ اور کہیں عظیم تر بدلہ عطا فرمائے گا' وہ اس کی کمی کو پورا کرے گا' اس کی لغزشوں سے درگزر فرمائے گا اور اسے قیامت کے دن کی ہولناکیوں سے نجات عطا فرمائے گا۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''ایک آدمی لوگوں سے قرضے کا لین دین کرتا تھا' وہ اپنے ملازم سے کہا کرتا تھا: جب تو کسی تنگ دست کے پاس جائے تو اس سے درگزر کرنا شاید کہ اللہ تعالیٰ بھی ہم سے درگزر فرما دے' تو وہ (مرنے کے بعد) اللہ تعالیٰ سے ملا تو اس نے بھی اس سے درگزر فرما دیا۔'' ②

سیدنا ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

''تم سے قبل ایک آدمی کا حساب لیا گیا' تو اس کے پاس اس عمل کے سوا کوئی نیکی نہ پائی گئی کہ وہ لوگوں سے قرضے کا لین دین کرتا تھا اور وہ خود صاحب حیثیت تھا' وہ اپنے ملازموں کو حکم دیتا تھا کہ تنگ دست سے درگزر کر دینا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

---

❶ حسن، صحیح' الترمذی کتاب البیوع: باب ماجاء فی انظار المعسر۔ حدیث: ۱۳۰۶۔

❷ صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء۔ باب ما ذکر عن بنی اسرائیل، حدیث: ۳۴۸۰۔
صحیح مسلم کتاب المساقاۃ باب فضل انظار المعسر، حدیث: ۱۵۶۲۔

﴿نَحۡنُ اَحَقُّ بِذٰلِكَ مِنۡهُ تَجَاوَزُوۡا عَنۡهُ﴾ ①

''ہم تو اس بات کے اس سے زیادہ حقدار ہیں' اس سے درگزر فرمادو۔''

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے پاس اس کے بندوں میں سے ایک ایسا بندہ لایا گیا جسے اللہ تعالیٰ نے مال و دولت عطا کر رکھا تھا' اللہ تعالیٰ نے دریافت کیا: تو نے دنیا میں کس طرح عمل کیا؟ جب کہ اس نے یوں بھی فرمایا ہے:

﴿وَلَا يَكۡتُمُوۡنَ اللّٰهَ حَدِيۡثًا﴾ (النساء: ٤/ ٤٢)

''اور وہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات نہ چھپا سکیں گے۔''

اس نے عرض کی: اے میرے پروردگار! تو نے مجھے اپنا مال عطا فرمایا' تو میں لوگوں سے خرید و فروخت کیا کرتا تھا' تخفیف کرنا میرا معمول تھا' میں صاحب حیثیت پر آسانی کرتا تھا اور تنگ دست کو مہلت ہی دے دیتا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا:

''میں تیری نسبت اس کا زیادہ حقدار ہوں' میرے (اس) بندے سے درگزر کر دو۔''

عقبہ بن عامر اور ابو مسعود الانصاری رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''ہم نے بالکل اسی طرح اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا ہے۔'' ②

کریم اور سخی ہوتی ہے:

اپنے دینی احکامات کا اہتمام کرنے والی اور اس کے روشن اور فیاض اخلاق سے متصف ہونے والی مسلمان خاتون کی صفات میں سے سخاوت' جود و کرم اور عطا کرنا بھی ہیں وہ فیاضی و سخاوت کرنے والی ہوتی ہے' اس کے دونوں ہاتھ تنگ دستوں اور حاجت مندوں کے لیے کھلے رہتے ہیں' تو اس کے دونوں ہاتھ عطا کو پانی کی مثل بہاتے ہیں اور خیر کو بارش کی طرح خوب گراتے ہیں' جب کبھی بھی کوئی بلانے والا کسی خرچ کی جانب بلاتا ہے یا جب بھی کوئی ایسا موقع آتا ہے جس میں خرچ کرنا قابل ستائش ہوتا ہے۔

وہ اس بات پر مکمل وثوق رکھتی ہے کہ وہ جو کچھ بھی خیر و بھلائی سے آگے بھیج رہی ہے اللہ تعالیٰ

① صحیح مسلم کتاب المساقاۃ والمزارعۃ، باب فضل انظار المعسر۔ حدیث: ١٥٦١۔

② صحیح مسلم، حوالہ سابق حدیث ١٥٦٠۔

کے ہاں اسے ہرگز ہرگز ضائع نہیں کیا جائے گا بلکہ اسے حکیم وعلیم ذات کے ہاں باقی اور محفوظ رکھا جا رہا ہے:

﴿ وَ مَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴾ (البقرۃ: ۲/۲۷۳)

''تم جو کچھ مال خرچ کرو تو اللہ تعالیٰ اس کا جاننے والا ہے۔''

اور اس کا یہ بھی کامل ایمان ہے کہ وہ جو کچھ بھی فی سبیل اللہ خرچ کرتی ہے اس کا اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں سے کئی گنا زیادہ معاوضہ ملنے والا ہے۔ جس کے ساتھ وہ دنیا میں عظیم مرتبے سے اور آخرت میں بہت ہی زیادہ اجر سے ہمکنار ہونے والی ہے:

﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَ اللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴾ (البقرۃ: ۲/۲۶۱)

''جو لوگ اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس دانے جیسی ہے جس میں سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ جسے چاہے بڑھا چڑھا کر دے اور اللہ تعالیٰ کشادگی والا اور علم والا ہے۔''

﴿ وَ مَآ اَنفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ﴾ (سبا: ۳۴/۳۹)

''تم جو کچھ بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اللہ اس کا پورا پورا بدلہ دے گا''

﴿ وَمَا تُنفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنفُسِكُمْ وَ مَا تُنفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ وَ مَا تُنفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴾ (البقرۃ: ۲/۲۷۲)

''اور تم جو بھی چیز اللہ کی راہ میں دو گے اس کا فائدہ خود پاؤ گے' تمہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کی طلب کے لئے ہی خرچ کرنا چاہیے' تم جو کچھ مال خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدلہ تمہیں دیا جائے گا اور تمہارا حق نہ مارا جائے گا۔''

اور بلاشبہ وہ اس بات کا بھی ادراک رکھتی ہے کہ اگر وہ اپنے نفس کی بخیلی سے نہ بچائی گئی بلکہ اس پر مال و دولت اور خزانے جمع کرنے کی حرص ہی غالب رہی تو پھر اس کا مال تلف بھی ہو سکتا ہے' اس کی دولت تباہی سے بھی دو چار ہو سکتی ہے' جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے اس

سے آگاہ فرمادیا ہے:

''ہر روز جس میں بندے صبح کرتے ہیں دو فرشتے اترتے ہیں' ان میں سے ایک کہتا ہے: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو بدلہ عطا فرما' اور دوسرا کہتا ہے: اے اللہ! کنجوس کے مال کو تلف فرما دے۔''[1]

اور حدیث قدسی میں ہے:

((أَنْفِقْ يَا ابْنَ آدَمَ يُنْفَقْ عَلَيْكَ))[2]

''اے ابن آدم! تو خرچ کر' تجھ پر بھی خرچ کیا جائے گا۔''

سچی مسلمان خاتون اس بات پر بھی یقین رکھتی ہے کہ فی سبیل اللہ اس کا مال خرچ کرنا اس کے مال وجائداد میں سے کچھ بھی کم نہیں کرتا بلکہ اسے مزید بڑھاتا' اس کا تزکیہ کرتا اور اسے بابرکت بنا دیتا ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس بات کی اپنے فرمان گرامی میں یوں تاکید بیان فرمائی ہے:

((مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِّنْ مَّالٍ ......))[3]

''صدقہ سے مال میں کمی نہیں آتی۔''

بلکہ وہ تو اس بات پر اعتقاد رکھتی ہے کہ اس نے جو کچھ راہ للہ خرچ کر دیا ہے درحقیقت وہی باقی ہے کیونکہ وہ اس کے صحیفۂ عمل میں درج کر دیا گیا ہے' اور جو اس کے علاوہ ہے وہ تو زائل ہونے والا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کی نظروں کو جود وسخا اور انفاق واکرام کے سلسلے میں اسی بلند ترین اقدار کی جانب مبذول فرمایا ہے جس وقت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ نے ذبح شدہ بکری کے متعلق یہ استفسار فرمایا تھا: ''اس سے کتنا باقی بچ گیا ہے؟'' عرض کی: ''ایک دستی کے سوا کچھ بھی باقی نہیں بچا۔''

---

1. صحیح بخاری۔ کتاب الزکاۃ باب قوله تعالی (فاما من اعطی واتقی) حدیث: ۱۴۴۲۔ صحیح مسلم کتاب الزکاۃ باب فی المنفق والممسلك حدیث: ۱۰۱۰
2. صحیح بخاری۔ کتاب التفسیر، باب قوله تعالی (وکان عرشه علی الماء) حدیث ۴۶۸۴، صحیح مسلم کتاب الزکاۃ باب الحث علی النفقة حدیث ۹۹۳
3. صحیح مسلم کتاب البر والصلة: باب استحباب العفو والتواضع۔ حدیث: ۲۵۸۸

تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا: ''اس کی دستی کے سوا سارا ہی باقی رہ گیا ہے۔''①

مذکورہ بالا بات کی وجہ سے اپنے دینی احکامات پر نگاہ رکھنے والی مسلمان خاتون خرچ کرنے میں جلدی کرتی ہے' عنایت کرنے کی طرف لپکتی ہے اور جود وسخا کی جانب سبقت لے جانے کی کوشش کرتی ہے' اپنی مملوکہ وجمع شدہ اشیاء کو حتیٰ المقدور اپنے ہاتھوں تلے رکھتی ہے جب بھی وہ کسی پکارنے والے کی پکار کو جود وسخا کے لیے سنتی ہے۔

سخاوت کی مختلف صورتوں میں سے ایک صورت وہ بھی ہے جسے مسلمان خاتون جانتی ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بایں الفاظ روایت کی ہے:

''نبی اکرم ﷺ عید کے دن باہر نکلے' آپ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی' اس سے قبل کوئی نماز پڑھی اور نہ ہی بعد میں پڑھی' پھر آپ عورتوں کے پاس تشریف لائے اور انہیں صدقہ کرنے کا حکم دیا' تو عورتیں اپنی بالیاں اور ہار صدقہ کرنے لگیں۔''②

بخاری ہی کی روایت میں یوں بھی ہے: ''پھر آپ ﷺ عورتوں کے پاس آئے تو انہیں صدقہ کا حکم دیا جس پر وہ اپنی بغیر نگین اور نگین والی انگوٹھیاں سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے کپڑے میں ڈالنے لگیں۔''③

بخاری کی تیسری روایت میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یوں آتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے عید کے روز دو رکعتیں ادا فرمائیں نہ اس سے پہلے کچھ نماز پڑھی اور نہ ہی بعد' پھر آپ عورتوں کے پاس تشریف لے آئے' اور آپ کے ہمراہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ بھی تھے' آپ ﷺ نے انہیں صدقہ کرنے کا حکم دیا' جس پر عورتیں اپنی بالیاں اتار کر دینے لگیں۔④

امہات المومنین اور سلف صالحین کی خواتین نے سخاوت' جود وکرم اور صدقات وخیرات میں نہایت بلند ترین مثالیں قائم کی ہیں جنھیں تاریخ نے سنہرے حروف سے قلمبند کیا ہوا ہے۔

ان مثالوں میں سے ایک مثال وہ ہے جسے امام ذہبی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''سیر اعلام النبلاء''⑤

---

① سنن ترمذی کتاب صفۃ القیامۃ باب (۲۳) حدیث: ۲۴۷۰۔
② صحیح بخاری کتاب اللباس: باب القلائد والسخاب للنساء۔ حدیث: ۵۸۸۱۔
③ صحیح بخاری کتاب اللباس: الخاتم للنساء۔ حدیث: ۵۸۸۰۔
④ صحیح بخاری کتاب اللباس باب القرط للنساء۔ حدیث: ۵۸۸۳۔
⑤ سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۱۸۷۔

میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حالات زندگی میں یوں بیان فرمایا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا نے ستر ہزار درہم صدقہ کیے جبکہ آپ اپنی قمیص پر پیوند بھی لگائے ہوئے تھیں۔

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کے پاس ایک لاکھ درہم بھیجے جو آپ رضی اللہ عنہا نے شام ہونے سے قبل ہی بانٹ دیئے' آپ کی لونڈی نے آپ سے عرض کی: کاش کہ آپ ہمارے لیے ایک درہم کا گوشت ہی خرید دیتیں' تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: تو تم نے مجھے کیوں نہ بتایا؟

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں ایک لاکھ قیمت کا ایک ہار روانہ فرمایا' جسے آپ رضی اللہ عنہا نے امہات المومنین میں تقسیم فرما دیا۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے آپ کے پاس دو بورے بھر کر مال وزر بھیجا' جس کی مالیت ایک لاکھ تھی' آپ رضی اللہ عنہا نے ایک بڑا طشت منگوایا' اور آپ نے لوگوں میں اس مال و دولت کو تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ تو جب شام ہوئی تو فرمایا: اری لڑکی! میرا افطاری کا سامان لاؤ۔ آپ رضی اللہ عنہا روزے رکھا کرتی تھیں' تو لونڈی بولی: ام المومنین! آپ نے تو ہمیں ایک درہم کا گوشت بھی خرید کر نہ دیا؟ فرمایا: مجھے سخت سست نہ کہہ' اگر تو مجھے یاد دلا دیتی تو میں منگوا دیتی۔

آپ کی ہمشیرہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا جود وسخا میں آپ سے پیچھے نہ تھیں' سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے خبر دی ہے کہ میں نے سیدہ عائشہ اور سیدہ اسماء رضی اللہ عنہما سے بڑھ کر کسی عورت کو بھی زیادہ سخی وفیاض نہیں دیکھا۔ اوران دونوں کی سخاوت مختلف انداز کی ہوتی تھی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تو چیزوں کو جمع کرتی رہتی تھیں جب آپ کے ہاں کچھ چیزیں جمع ہو جاتیں تو انہیں بانٹ دیتی تھیں لیکن سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا توکل کے لیے کوئی چیز جمع ہی نہ کرتی تھیں۔

ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا اپنے ہاتھوں سے کام کرتی تھیں اور پھر کمائی کر کے صدقہ وخیرات کیا کرتی تھیں' آپ رضی اللہ عنہا تمام امہات المومنین میں سے صدقہ وخیرات اور اعمال خیر میں سب سے لمبے ہاتھوں والی تھیں۔ آپ ہی کے بارے میں وہ فرمان رسول ہے جو آپ نے اپنی زوجات محترمات سے فرمایا تھا:

> ''تم میں سے مجھے سب سے جلدی ملنے والی وہ ہوگی جو تم میں سے سب سے زیادہ لمبے ہاتھوں والی ہوگی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: وہ سب ایک دوسری سے مقابلہ کیا کرتی

تھیں کہ ان میں سے کس کے ہاتھ زیادہ لمبے ہیں' فرماتی ہیں: ہم میں سے لمبے ہاتھوں والی زینب تھی کیونکہ وہ اپنے ہاتھوں سے کام کرتی تھی اور صدقہ کیا کرتی تھی۔''[1]

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے آپ کے لیے کچھ عطیہ روانہ فرمایا' جب وہ آپ کے پاس لایا گیا' تو فرمانے لگیں: اللہ تعالیٰ عمر کو معاف فرمائے' میرے علاوہ میری دوسری بہنیں اس مال کو تقسیم کرنے پر زیادہ قوت رکھتی تھیں' انہوں نے بتایا: یہ سارا مال آپ ہی کے لیے ہے۔فرمانے لگیں: سبحان اللہ! اس کو ادھر کر دو اور اس پر کپڑا ڈال دو' پھر اس واقعہ کی راویہ برزہ بنت رافع سے فرماتی ہیں: کپڑے کے اندر ہاتھ ڈال کر مٹھی بھر و اور اسے فلاں کی اولاد کو دے آؤ اور فلاں کے اہل وعیال کو دے آؤ جو بھی آپ کے رشتہ دار تھے یا آپ کی کفالت میں یتیم تھے' بالآخر اس کپڑے کے نیچے معمولی سی رقم رہ گئی' برزہ بنت رافع نے آپ سے عرض کی: ام المومنین! اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے' اللہ کی قسم! اس مال میں ہمارا بھی تو حق ہے' تب فرمانے لگیں: جو کپڑے کے نیچے ہے وہ سارا تمہارا ہے' تو ہمیں اس کے نیچے سے پچاس درہم ملے تھے' پھر آپ نے اپنے ہاتھ کو آسمان کی جانب بلند کیا اور فرمایا: اے اللہ! اس سال کے بعد عمر کا عطیہ مجھ تک نہ پہنچے' چنانچہ اس سے قبل ہی آپ وفات پا گئیں۔

ابن سعد نے روایت کیا ہے کہ جب سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے لیے مال کو لادا گیا تو فرمانے لگیں: اے اللہ! اس مال کا ابتدائی حصہ مجھ تک نہ پہنچے' کیونکہ یہ فتنہ ہے' پھر آپ نے اسے اپنے رشتہ داروں اور حاجت مندوں میں تقسیم فرما دیا' پھر اس مال کے پاس آئیں یہ سارا حال سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو فرمانے لگے: یہ ایسی خاتون ہے جس سے خیر ہی کی امید ہے چنانچہ آپ ان کے دروازے پر کھڑے ہوئے' سلام عرض کیا اور یوں عرض پرداز ہوئے: جو مال آپ نے تقسیم فرما دیا ہے مجھے اس کی خبر مل گئی ہے' پھر انہوں نے ایک ہزار درہم مزید یہ کہہ کر بھیج دیے کہ انہیں آپ اپنے پاس رکھ لیں' لیکن آپ رضی اللہ عنہا نے وہ بھی اس راستے میں لگا دیے' اور اپنے پاس ایک درہم یا ایک دینار بھی نہ رکھا۔

---

[1] صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب فضائل ام المومنین زینب رضی اللہ عنہا۔ حدیث: ۲۴۵۲۔

ان خواتین میں سے جن کی جود وسخا کے حالات کی تاریخ شہادت دیتی ہے، ایک خاتون سکینہ بنت الحسین رحمہا اللہ بھی ہیں جو اپنے ہاتھوں میں آنے والی چیزوں کو سخاوت فرما دیا کرتی تھیں' اگر آپ کے پاس مال نہ ہوتا تو سوالیوں اور حاجت مندوں کی خاطر اپنی کلائی کے زیورات بھی اتار دیا کرتی تھیں۔

انہی میں سے ایک خاتون عاتکہ بنت یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ بھی تھیں جو اپنے سارے مال ومتاع سے آل ابوسفیان کے فقراء کے لیے دست کش ہوگئی تھیں۔ ①

ان میں سے ایک خاتون ام البنین سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی ہمشیرہ بھی ہیں جو کہ جود وسخا میں ایک نشانی تھیں' فرمایا کرتی تھیں: ہر قوم کی کسی نہ کسی چیز میں انتہائی رغبت ہوتی ہے اور میری رغبت سخاوت میں ہے' وہ ہر جمعہ کو ایک گردن آزاد کیا کرتی تھیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک گھوڑے پر سامان لادا کرتی تھیں' اور فرمایا کرتیں: افسوس ہے کنجوسی پر' اگر کنجوسی کی کوئی قمیص ہوتی تو میں اسے نہ پہنتی' اور اگر کوئی راستہ ہوتا تو میں اس پر نہ چلتی۔ ②

ان خواتین میں سے ایک خلیفہ ہارون الرشید کی زوجہ زبیدہ بھی تھیں' جنہوں نے اہل مکہ اور حاجیوں کے لیے ایک نہر کھدوائی تھی' جو پانی کے چشموں اور بارشی نالوں سے جوڑی گئی تھی' جس کا نام ہی ''نہر زبیدہ'' رکھا گیا ہے' جو اس دور میں ''عجائبات دنیا'' میں شمار کی جاتی تھی۔ اور جب آپ کے خزانچی نے اس عظیم منصوبے کے اخراجات کو زیادہ خیال کیا تو انہوں نے اسے زندہ جاوید رہنے والا یہ جملہ سنایا تھا:

''کام کرو خواہ تمہیں کسی کی ایک ضرب پر ایک دینار بھی کیوں نہ دینا پڑے۔''

اور اگر ہم اپنی تاریخ میں عورتوں کی فیاضی وسخاوت اور جود وکرم کے نقوش وآثار کا جائزہ لینے لگ جائیں تو یقیناً ہم اس میدان میں عاجز آ جائیں' ہمیں اتنا ہی جان لینا کافی ہے کہ ایسی سخی' صدقہ کرنے والی' اپنا مال پیش کرنے والی مومنہ اور مسلمہ خواتین کے اعلیٰ کردار کے نمونے اسلامی معاشروں سے آغاز اسلام سے لے کر ہمارے دور حاضر تک غائب نہیں رہے بلکہ ہر

① طبقات ابن سعد ۸/۱۰۹' ۱۱۰' صفة الصفوة ۲/۴۸' ۴۹' وسیر اعلام النبلاء ۲/۲۱۲۔

② احکام النساء لا بن الجوزی: ۴۴۶۔

زمان ومکان میں عالم اسلام کے اطراف واکناف میں ان کا واضح اور نمایاں وجود چمکتا دمکتا نظر آ رہا ہے جو ان خواتین کی سخاوت وفیاضی کی شہادت پیش کر رہے ہیں' بے شمار مقامات اور بڑے بڑے رفاہ عامہ کے امور مثلاً مدارس' مساجد' ہسپتالوں اور ان جیسے نیکی واحسان کے دیگر اعمال میں وہ پیش پیش نظر آتی ہیں' وہ اپنی نیکی کے لیے عمومی تقاضوں کو تلاش کیا کرتیں' مسلمان مردوں اور عورتوں کو نفع دینے والے نیکی کے منصوبوں میں اپنی بخشش وعطا کو دل کھول کر پیش کرنے والی تھیں' وہ تنگی' فاقہ' محرومی اور مصیبت کی جگہوں کی تلاش میں رہا کرتی تھیں' وہ یتیموں کے آنسو خشک کیا کرتیں' مسکینوں کی سوزش کو ٹھنڈا کیا کرتیں' مصیبت زدہ کی مصیبت کو دور کیا کرتیں' عریاں بدن کو ڈھانپا کرتیں اور دوبارہ ٹوٹ جانے والی ہڈیوں کو جوڑنے میں کوشاں رہنے والی تھیں۔

اپنے دین کی ہدایت کو از بر رکھنے والی مسلمان خاتون صدقے کو حقیر نہیں سمجھتی خواہ وہ معمولی سا ہی کیوں نہ ہو' بلکہ اپنی قدرت واستطاعت کے مطابق اسے خرچ کرتی رہتی ہے' وہ تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے اجر وثواب پر پختہ یقین رکھنے والی ہوتی ہے خواہ صدقہ معمولی سا ہی کیوں نہ ہو' اللہ تعالیٰ کے اس فرمان اقدس سے رہنمائی لیتے ہوئے:

﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ﴾ (البقرۃ: ۲/ ۲۸۶)

''اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔''

اور رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان گرامی پر عمل پیرا رہتے ہوئے:

((اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشَقِّ تَمْرَةٍ)) [1]

''آگ سے بچو خواہ کھجور کا کچھ حصہ (صدقے میں) دے کر ہی سہی۔''

اور آپ کے اس فرمان گرامی پر عمل کرتے ہوئے:

''اے عائشہ! آگ سے پردہ کر لو' خواہ کھجور کا ایک ٹکڑا دے کر ہی سہی' بلاشبہ وہ بھوکے کو شکم سیر شخص کے قائم مقام کر دیتا ہے۔'' [2]

مسلمان خاتون کا حق بنتا ہے کہ وہ اپنی تحویل میں موجود گھریلو طعام یا اپنے خاوند کے مال سے صدقہ کرے' جب وہ اس کی طرف سے صدقہ وخیرات پر رضا مندی دیکھے' تو اس طرح

---

1. صحیح بخاری کتاب الزکاۃ: باب اتقوا النار ولو بشق تمرۃ۔ حدیث: ۱۴۱۷۔
2. مسند أحمد (۶/ ۷۹) باسناد صحیح۔

صدقہ کرنے پر اسے اجر وثواب ملے گا اور اس کے خاوند کو اس مال کے کمانے پر اجر وثواب ملے گا اور خزانچی کو بھی اس کا اجر وثواب ملے گا جیسے کہ ان متعدد احادیث مبارکہ میں یہ بات وارد ہے جنہیں بخاری اور مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے' ان میں سے ایک روایت یہ ہے:

« إِذَا أَنْفَقَتِ الْمَرْأَةُ مِنْ طَعَامِ بَيْتِهَا......وَفِي رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ مِنْ بَيْتِ زَوْجِهَا......غَيْرَ مُفْسِدَةٍ كَانَ لَهَا أَجْرُهَا بِمَا أَنْفَقَتْ' وَلِزَوْجِهَا أَجْرُهُ بِمَا كَسَبَ' وَلِلْخَازِنِ مِثْلُ ذٰلِكَ' لَا يَنْقُصُ بَعْضُهُمْ أَجْرَ بَعْضٍ شَيْئًا » ①

''جب عورت اپنے گھر کے طعام میں سے خرچ کرے...... اور مسلم کی روایت میں ہے: اپنے شوہر کے گھر سے...... وہ گھر کو ویران کرنیوالی نہ ہو تو اسے اجر وثواب ملے گا...... اس وجہ سے کہ اس نے خرچ کیا ہے' اس کے شوہر کو بھی اجر ملے گا کہ اس نے کمایا تھا' اور خزانچی کو بھی اسی طرح اجر ملے گا' ان میں سے ایک دوسرے کے اجر وثواب کو کچھ بھی کم نہیں کرے گا۔''

بلاشبہ اسلام نے مسلمان مردوں اور عورتوں سے یہ تقاضا کیا ہے کہ وہ اپنے معاشروں میں تعمیری کام' نیکی' بخشش' عطیہ اور تعاون میں ایک دوسرے کے دست وبازو بنیں' مانگنے والوں اور تہی دامن لوگوں کے لیے بقدر استطاعت اور طاقت ان کی خیر مسلسل جاری رہتی ہے اور اسلام نے ان کے ایک ایک نیک عمل اور فعل خیر کو صدقہ قرار دیا ہے' جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس فرمان اقدس میں اس بات کو بیان کیا ہے:

''ہر مسلمان کے ذمے صدقہ کرنا ہے'' صحابہ نے عرض کی: یا نبی اللہ! تو جو کوئی نہ پائے؟ فرمایا: اپنے ہاتھ سے کام کرے' اپنی ذات کو بھی نفع پہنچائے اور صدقہ بھی کرے۔ عرض کی: تو اگر وہ ایسا بھی نہ کر پائے؟ فرمایا: وہ کسی حاجت مند پریشاں حال شخص کی مدد کردے۔ عرض کی: اگر کوئی یہ بھی نہ کر پائے؟ فرمایا: وہ نیکی کا کام کرے' برائی سے باز رہے تو بلاشبہ یہی اس کے لیے صدقہ ہوگا۔'' ②

---

① صحیح بخاری کتاب الزکاۃ: باب من امر خادمه بالصدقة۔ حدیث ۱۴۲۵۔ صحیح مسلم۔ کتاب الزکاۃ باب اجر الخازن الامین۔ حدیث: ۱۰۲۴۔

② صحیح بخاری کتاب الزکاۃ باب علی کل مسلم صدقة، حدیث: ۱۴۴۵۔ صحیح مسلم۔ کتاب الزکاۃ باب بیان ان اسم الصدقة......الخ حدیث: ۱۰۰۸۔

بلاشبہ اسلام نے فعل خیر کے دروازوں کو مردوں اور عورتوں کے لیے مکمل طور پر کھول دیا ہے' اغنیاء کے لیے بھی اور فقراء کے لیے بھی' تاکہ سبھی لوگ ان میں داخل ہوسکیں' اور اسلام نے شہادتین پکارنے والے ہر شخص پر فعل خیر بجا لانے کو واجب قرار دیا ہے' اور اسے صدقہ سے تعبیر کیا ہے' تاکہ محتاج تہی دست آدمی یہ محسوس نہ کرے کہ وہ اپنے ہاتھوں کے خالی ہونے کی بنا پر معاشرتی اشتراک سے محروم ہے' اس طرح اسلام نے اس کے لیے اس مشارکت کے دروازے کھول دیے ہیں اور اس نے ہر فعل خیر کو صدقہ قرار دیا ہے اور محتاج وفقیر کو اسے سرانجام دینے پر ثواب ملے گا جس طرح سرمایہ دار اور غنی کو اپنا مال خرچ کرنے پر اجر وثواب ملتا ہے:

((كُلُّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ)) [1]

''ہر نیکی ہی صدقہ ہے۔''

اس طریقے سے اسلام نے معاشرے کے تمام افراد کی فعل خیر میں مشارکت کو یقینی بنا دیا ہے' اور معاشرے کی تعمیر' ترقی' تحسین اور افزائش میں سبھی کو شامل کر لیا ہے' اور تمام لوگوں کے دلوں میں اس مشارکت کے ساتھ راحت' طمانیت' خوشی اور مسرت کو داخل کیا ہے جو انسان کو اس کی انسانیت کا شعور دلاتی ہے' اس کی عزت وکرامت کی حفاظت کرتی ہے' اور اس زندگی میں اس کے اندر ذمہ داری کا احساس اجاگر کرتی ہے اور اس کے اجر وثواب کو ثابت کرتی ہے۔

سخی وفیاض مسلم خاتون اپنے عطیات وعنایات کے لیے ایسے محروم محتاج مساکین کا انتخاب کرتی ہے جو پاکدامنی اختیار کرتے ہیں اور لوگوں سے چمٹ چمٹ کر سوال نہیں کرتے بلکہ دستِ سوال دراز نہ کرنے کے باعث لوگ انہیں اغنیاء ہی شمار کرتے ہیں' اور وہ انہیں حتی المقدور تلاش کرتی ہے' کیونکہ ایسے لوگ ہی بخشش' عنایت' مہربانی' رعایت اور تعاون کے زیادہ حقدار ہوتے ہیں' اور رسول اکرم ﷺ نے اپنے فرمان ذیل میں ایسے ہی لوگوں کی طرف متوجہ کیا ہے:

((لَيْسَ الْمِسْكِينُ الَّذِي تَرُدُّهُ التَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ، وَلَا اللُّقْمَةُ وَ اللُّقْمَتَانِ، إِنَّمَا الْمِسْكِينُ الَّذِي يَتَعَفَّفُ))

''مسکین وہ شخص نہیں ہے جو ایک یا دو کھجوریں' ایک لقمہ یا دو لقمے لے کر واپس آ جاتا

---

[1] صحيح بخاري، كتاب الادب، باب كل معروف صدقة حديث: ٦٠٢١ـ عن جابرؓ۔ صحيح مسلم حواله سابق حديث ١٠٠٥ عن حذيفة رضي الله عنه۔

ہے بلکہ مسکین تو وہ شخص ہے جو دستِ سوال دراز کرنے سے بچتا ہے۔“

اور صحیحین کی ایک روایت میں الفاظ یوں آتے ہیں:

”مسکین ایسا آدمی نہیں ہے جو لوگوں پر گھومتا پھرے کہ ایک لقمہ یا دو لقمے یا ایک کھجور اور دو کھجوریں اسے واپس کر دیں بلکہ مسکین تو وہ شخص ہوتا ہے جو اپنے پاس ایسی چیز نہیں پاتا جو اسے غنی بنا دے اور نہ اسے اس طرح کا سمجھا ہی جاتا ہے تاکہ اسے صدقہ ہی دیا جا سکے اور نہ وہ لوگوں سے مانگنے کے لیے راستوں میں کھڑا ہی ہوتا ہے۔“ [1]

اور مسلمان خاتون اپنی عطا و بخشش کے لیے حتیٰ المقدور یتیم کو خاص کرتی ہے اگر وہ صاحب کشائش و صاحب فراخ ہو تو اس کی کفالت ہی اپنے ذمہ لے لیتی ہے' اس کی تربیت کرتی اور اس کے اخراجات پورے کرنے کی ذمہ داری ہی اٹھا لیتی ہے' اپنے ان قیمتی اخراجات کرنے میں وہ اللہ تعالیٰ سے ان بلند ترین درجات، عظیم شرف اور مقامِ کریم کی امید رکھتی ہے، جو اللہ تعالیٰ نے یتیم کی کفالت کرنیوالے کے لیے تیار فرمائے ہیں۔ جو کہ اس نے جنت میں رسول اللہ ﷺ کی ہمسائیگی کی صورت میں عطا کرنا ہے' جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اپنے اس فرمان میں خبر دی ہے:

« أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ » [2]

”میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے۔“

اور آپ ﷺ نے اپنی انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کو قدرے کشادہ کرتے ہوئے اشارہ فرمایا۔“

اسی طرح متقی اور اپنی عطا و عنایت سے نیکی کرنے والی مسلمان خاتون بیوہ اور مسکین کو بھی خاص کرتی ہے' جن کے ساتھ احسان کرنے پر دین حنیف کی ہدایت نے بڑا زور دیا ہے' اور ان کے ساتھ احسان کرنے والے کو بہت بڑے ثواب کا وعدہ دیا ہے جو روزے دار اور شب زندہ دار کے ثواب کے برابر بنتا ہے' یا فی سبیل اللہ جہاد کرنے والے کے برابر ہوتا ہے' جس طرح کہ

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ باب (لایسالون الناس الحافا) حدیث: ۱۴۷۶، ۱۴۷۹۔
صحیح مسلم کتاب الزکاۃ باب المسکین الذی لا یجد غنی ......حدیث: ۱۰۳۹۔

[2] صحیح بخاری، کتاب الادب، باب فضل من یعول یتیما، حدیث: ۶۰۰۵۔

ہمیں رسول مکرم ﷺ نے خبر دی ہے:

《 اَلسَّاعِیُ عَلَی الْاَرْمِلَةِ وَالْمِسْكِیْنِ كَالْمُجَاهِدِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ" وَأَحْسِبُهٗ قَالَ: "وَ كَالْقَائِمِ لَا یَفْتُرُ، وَ كَالصَّائِمِ لَا یُفْطِرُ》[1]

''بیوہ اور مسکین کی خاطر کوشش کرنے والا فی سبیل اللہ جہاد کرنے والے کے برابر ہے'' اور میں خیال کرتا ہوں کہ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا: ''اور ایسے شب زندہ دار کے برابر ہے جو تھکتا نہیں ہے' اور ایسے روزہ دار کے برابر ہے جو کبھی افطار نہیں کرتا۔''

یہ اس لیے ہے کہ بیوہ اور مسکین کی خبر گیری کرنا اور یتیم کی کفالت اور دیکھ بھال کرنا اشرف واعلیٰ اعمال اور ان انسانی عمدہ ترین رفاہ عامہ کے امور میں سے ہیں جو مسلمان خاتون کی شخصیت سے مناسبت رکھتے ہیں' ان کے ساتھ اس کی نرمی' رقت' انسانیت' تزکیہ اور شرافت میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔

عطیہ دے کر احسان نہیں جتاتی:

جب کسی دن اللہ تعالیٰ مسلمان خاتون کو سخاوت و بخشش کرنے کی کوئی توفیق عطا فرما دیتا ہے تو وہ احسان جتلانے اور اذیت پہنچانے کے جوہڑ میں نہیں پلٹتی بلکہ وہ اس امر کی پوری حرص کرتی ہے کہ اس کی یہ عنایت وسخاوت خالص اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے لیے بن جائے اور وہ ان لوگوں میں سے بن جائے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان گرامی ہے:

﴿ اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَاۤ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَاۤ اَذًی لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴾

(البقرۃ: ۲/۲۶۲)

''جو لوگ اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر اس کے بعد نہ تو احسان جتاتے ہیں نہ ایذا دیتے ہیں' ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے' ان پر نہ تو کچھ خوف ہے اور نہ وہ اداس ہوں گے۔''

---

1. صحیح بخاری۔ کتاب النفقات۔ باب فضل النفقة علی الاھل، حدیث: ۵۳۵۳، صحیح مسلم کتاب الزھد باب فضل الاحسان الی الارملة حدیث ۲۹۸۲

اپنے دین کی ہدایت سے فیض یاب ہونے والی مسلمان خاتون پر یہ امر پوشیدہ نہیں رہتا کہ احسان جتلانے اور اذیت پہنچانے کی مثل کوئی دوسری چیز نہیں ہے جو صدقہ کے ثواب کو مٹاتی اور ختم کرتی ہے بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایماندار بندوں اور ایماندار خواتین کو یہی تنبیہ ہے کہ وہ احسان جتلانے والے عمل سے بچ کر رہیں' یہ کیے کرائے کو ضائع کرنے والا کام ہے' صدقے کے اجر وثواب کو مٹا کر رکھ دینے والا ہے' تاکہ اس کا دل ہل جائے اور اس کے کان اس بات کو یاد رکھیں' اور تاکہ وہ اپنے ذہن میں کوئی ایسا ایک لفظ بھی نہ سوچے جس میں احسان واذیت کی بو آتی ہو:

﴿ يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَٰتِكُم بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ ﴾

(البقرة: ٢/ ٢٦٤)

''اے ایمان والو! اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور ایذا پہنچا کر برباد نہ کرو۔''

بلاشبہ کسی ایسے محتاج انسان پر احسان جتانا' جسے حاجت وضرورت نے کچھ لینے پر مجبور کر دیا ہو' اس کی انسانیت کی توہین وتذلیل ہے' اس کی عزت وکرامت کی رسوائی ہے' اس کی قدر ومنزلت کی بے قدری ہے۔ اور ایسی سب حرکتیں شریعت اسلام میں حرام ہیں جو دینے والے اور لینے والے دونوں کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیتی ہیں جن کے درمیان تقویٰ اور عمل صالح کے علاوہ کوئی خاص امتیاز اور فرق نہیں ہے۔ اور ایک بھائی اپنے دوسرے بھائی پر احسان نہیں جتاتا' اور نہ ہی اس کے نفس اور اس کی عزت وعظمت میں اسے اذیت ہی پہنچاتا ہے۔ اسی لیے تو اس حدیث میں احسان جتلانے والے کے لیے سخت ترین وعید وارد ہے' جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' کیونکہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بدترین لوگوں کی فہرست میں شامل کیا ہے جن سے بروز قیامت اللہ تعالیٰ گفتگو بھی نہیں فرمائیں گے' نہ ان کی طرف نظرِ رحمت سے دیکھیں گے' نہ ان کا تزکیہ کریں گے بلکہ ان کے لیے عذاب الیم ہوگا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا ہے:

تین آدمی ایسے ہوں گے جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ کلام فرمائیں گے' نہ ان کی طرف نظر رحمت سے دیکھیں گے' نہ انہیں پاک وصاف ہی فرمائیں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی باتیں تین بار دہرائیں' سیدنا

ابوذر رضی اللہ عنہ بولے: ناکام ہو جائیں اور گھاٹا پا جائیں' یارسول اللہ! وہ کون لوگ ہوں گے؟ فرمایا: اپنے تہبند کو ازراہِ تکبر ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا' احسان جتلانے والا' اور جھوٹی قسم کھا کر اپنے سامان کو بیچنے والا۔'' ①

وہ بردبار ہوتی ہے:

وہ ہدایت یافتہ مسلمان خاتون جس کے نفس نے اسلام کے سرچشمہ جاری سے سیرابی پائی ہے اور اس کے بلندترین عالی ظرف نے اخلاق سے شکم سیری کی ہے' اس کا نفس بردباری کو اپناتا ہے اور اسے غصہ پی جانے کی عادت ڈالتا ہے' اسے درگزر کرنے اور احسن طریقے سے معاملے کو ٹالنے کی تربیت دیتا ہے' فقط اللہ تعالیٰ کے فرمان گرامی پر عمل پیرا رہتے ہوئے:

﴿ وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ (آل عمران: ٣/١٣٤)

''غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں' اللہ تعالیٰ ان نیکوکاروں کو دوست رکھتا ہے''

اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر عمل کرتے ہوئے:

﴿ وَلَا تَسْتَوِى الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِىْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِىٌّ حَمِيْمٌ ☆ وَمَا يُلَقّٰهَا اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقّٰهَا اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴾ (حم السجدة: ٤١/٣٤، ٣٥)

''نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی۔ برائی کو بھلائی سے دفع کرو پھر تیرا دشمن ایسا ہو جائے گا جیسے دلی دوست اور یہ بات انہیں کو نصیب ہوتی ہے جو صبر کریں اور اسے سوائے بڑے نصیب والوں کے کوئی نہیں پا سکتا۔''

یہ بات تو مسلم ہے کہ غصے کے وقت ضبط نفس سے کام لینا' غصے کو پی جانا' بردباری اور وقار و حوصلے سے کام لینا' مسلمان مردوں اور عورتوں کے ان عمدہ ترین اخلاق میں سے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے ایماندار بندوں سے پسند فرماتا ہے' اور یہی وہ بات ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

① صحیح مسلم کتاب الایمان: باب تحریم اسبال الازار والمن بالعطیة۔ حدیث: ١٠٦

نے اس حدیث میں تاکیداً بیان کی ہے جسے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ آپ سے بایں الفاظ روایت کرتے ہیں' کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشج عبدالقیس سے فرمایا تھا:

((اِنَّ فِیْکَ خَصْلَتَیْنِ یُحِبُّهُمَا اللّٰهُ: اَلْحِلْمُ وَالْاَنَاةُ)) ①

''تجھ میں دو ایسی خوبیاں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے: بردباری اور وقار و حوصلہ۔''

یہی باعث تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو بھی یہی نصیحت فرمائی تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نصیحت کی صرف ایک بات پوچھ رہا تھا: ''غصہ نہ کیا کر۔''

اس شخص نے بار بار یہی عرض دہرائی: مجھے کوئی نصیحت فرمائیں' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر بار اسی لفظ کو جواب میں فرماتے رہے جو مکارم اخلاق کو جمع کرنے والا ہے:

((لَا تَغْضَبْ)) ''غصہ نہ کیا کر۔'' ②

مسلمان خاتون بھی بعض اوقات غصہ کرتی ہے' لیکن اس کا یہ غصہ اللہ کے لیے ہوتا ہے اپنی ذات کے لیے نہیں ہوتا' وہ اس وقت غصہ کرتی ہے جب دیکھتی ہے کہ خواتین کی محفلوں میں اسلامی اقدار کی بے حرمتی ہو رہی ہے' اس کے احکامات اور اس کی تعلیمات سے بے رخی برتی جا رہی ہے اور دین کے خلاف بڑی دیدہ دلیری دکھائی جا رہی ہے۔ ایسے موقعوں پر غصہ کھانا اور اظہار خفگی کرنا اس کا حق بھی بنتا ہے اور یہی وہ طریقہ تھا جس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی عمل پیرا تھے' روایت کیا ہے:

((مَا انْتَقَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لِنَفْسِهٖ، اِلَّا اَنْ تُنْتَهَكَ حُرْمَةُ اللّٰهِ، فَیَنْتَقِمُ لِلّٰهِ بِهَا)) ③

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنی ذات کے لیے انتقام نہیں لیا' الا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی حرمت پامال ہوتی ہو تو آپ اس کی خاطر اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے انتقام لیتے تھے۔''

بلاشبہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام غضب ناک بھی ہوتے تھے' اور آپ کے چہرہ مبارک کا رنگ بھی تبدیل ہو

---

❶ مسلم کتاب الایمان، باب الامر بالایمان باللّٰہ تعالٰی و رسولہ، حدیث: ۱۷' ۱۸ مطولاً۔

❷ صحیح بخاری کتاب الادب: باب الحذرمن الغضب، حدیث: ۶۱۱۶

❸ صحیح بخاری کتاب المناقب: باب صفة النبی صلی اللہ علیہ وسلم' حدیث: ۳۵۶۰، ۶۸۵۳ وصحیح مسلم کتاب الفضائل: باب مباعدته صلی اللہ علیہ وسلم للاثام' حدیث: ۲۳۲۷۔

جاتا تھا جب آپ دیکھتے تھے کہ دین کی شہرت داغدار ہو رہی ہے یا اس کے احکامات کی تعمیل و تطبیق میں غلطی کا ارتکاب ہو رہا ہے یا اس کی حدود کو قائم کرنے میں سستی و غفلت کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔

آپ اس دن بھی ناراض اور غضب ناک ہوئے تھے جب آپ کے پاس ایک آدمی نے آ کر یہ کہا تھا: میں فلاں شخص کے نماز لمبی کرنے کی وجہ سے نماز فجر کو تاخیر سے پڑھتا ہوں' نبی اکرم ﷺ کو نصیحت کے موقع پر جتنا غصے کے عالم میں اس دن دیکھا گیا اتنا کبھی نہ دیکھا گیا تھا' آپ ﷺ نے فرمایا:

« يَا اَيُّهَا النَّاسُ! اِنَّ مِنكُمْ مُّنَفِّرِينَ' فَاَيُّكُمْ اَمَّ النَّاسَ فَلْيُوجِزْ' فَاِنَّ مِنْ وَّرَائِهِ الْكَبِيرَ وَالصَّغِيرَ وَذَا الْحَاجَةِ » [1]

''اے لوگو! بلاشبہ تم میں بھگانے والے بھی ہیں' تم میں سے جو بھی لوگوں کی امامت کروائے تو اسے چاہیے کہ نماز ہلکی رکھے' کیونکہ اس کے پیچھے عمر رسیدہ' چھوٹا اور ضرورت مند بھی ہے۔''

آپ اس دن بھی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر ناراض ہوئے تھے' جس دن آپ سفر سے واپس آئے تھے اور گھر میں ایسا باریک کپڑا دیکھا تھا جس میں تصاویر تھیں تو آپ نے اسے دیکھتے ہی پھاڑ دیا اور آپ کا رنگ متغیر ہو گیا تھا اور یوں فرمایا تھا:

« يَا عَائِشَةُ ! اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الَّذِينَ يُضَاهُونَ بِخَلْقِ اللّٰهِ » [2]

''اے عائشہ! بروز قیامت اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ لوگ تمام خلقت سے بڑھ کر عذاب میں مبتلا ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے مشابہت کرتے ہیں۔''

آپ ﷺ اس روز بھی غضب ناک ہوئے تھے جس روز سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے مخزومیہ عورت کے معاملے میں بات کی تھی جس نے چوری کا ارتکاب کیا تھا' اور رسول اللہ ﷺ نے

---

1. صحيح بخارى، كتاب الادب، باب مايجوز من الغضب......، حديث : ٦١١٠۔ صحيح مسلم۔ كتاب الصلاة باب امر الائمة بتخفيف الصلاة، حديث ٤٦٦۔
2. صحيح بخارى۔ كتاب اللباس۔ باب ما وطئى من التصاوير، حديث: ٥٩٥٤۔ صحيح مسلم، كتاب اللباس باب تحريم تصوير صورة الحيوان، حديث ٩٢/٢١٠٧۔

اس پر حد قائم کرنے کا عزم ظاہر کیا تھا' لوگوں نے باہم صلاح مشورہ کرتے ہوئے کہا تھا: اس عورت کے معاملے میں رسول اللہ ﷺ سے بات کون کرے گا؟ پھر خود ہی کہنے لگے: سیدنا اسامہ بن زید کے علاوہ کوئی دوسرا یہ جرأت وہمت نہیں کر سکتا' یہ رسول اکرم ﷺ کے انتہائی پیارے ہیں' چنانچہ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے بات چیت کی' تو رسول اللہ ﷺ نے غضب ناک ہوتے ہوئے فرمایا تھا:

''کیا تو اللہ تعالیٰ کی حدوں میں سے ایک حد میں سفارش کرتا ہے؟''

پھر آپ ﷺ کھڑے ہوئے' خطبہ ارشاد فرمایا اور یوں واضح کیا:

((إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ، وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ! وَأَيْمُ اللّٰهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا)) [1]

''یقیناً تم سے پہلے لوگ اس وجہ سے ہلاک ہو گئے ہیں کہ جب ان میں کوئی معزز شخص چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے' اور جب ان میں سے کوئی کمزور شخص چوری کرتا تو اس پر حد قائم کر دیتے' اللہ کی قسم! اگر فاطمہ' محمد کی صاحبزادی بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔''

اس طرح کا غصہ تھا رسول اللہ ﷺ کا' اور یہ تھے اسبابِ غضب شریعت اسلامیہ میں! کہ غضب وغصہ فقط اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کے لیے ہو' اپنی ذات کے لیے نہ ہو۔

اپنے دین کی ہدایت کو ذہن نشین رکھنے والی اور اخلاق رسول ﷺ کو اپنانے والی مسلمان خاتون نبی اکرم ﷺ کے معمولات' ہدایات' تصرفات اور افعال مبارکہ کو ہی اپنا نصب العین اور مطمح نظر رکھتی ہے' لوگوں سے ناراضی پا کر وہ اپنے نفس کو قابو میں رکھتی ہے' اور اپنے غضب وغصے کا اظہار اس وقت کرتی ہے جب وہ اللہ کے لیے' اس کے دین کے لیے اور اس کی حرمتوں کے لیے ہو۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الحدود باب إقامة الحدود علی الشریف، حدیث: ٦٧٨٧، ٦٧٨٨۔ صحیح مسلم، کتاب الحدود باب قطع السارق الشریف وغیرہ حدیث ١٦٨٨۔

فراخدل ہوتی ہے کسی سے حسد و کینہ نہیں رکھتی:

مسلمان خاتون حسد وحقد کو اٹھائے نہیں پھرتی اور نہ ہی کینہ اس کے دل میں کوئی راستہ پا سکتا ہے' کیونکہ عظمت والے اسلام نے اس کے دل سے بغض وحقد والی سیاہی کو کھرچ دیا ہے' اور کینہ کی آگ کو بجھا دیا ہے' اس کے دل کو کدورت سے پاک بنا دیا ہے اور اس میں محبت' بھائی چارے' درگزر' بخشش اور معافی کے بیجوں کو بو دیا ہے۔

بلکہ اسلام نے تو ایسی قلبی امراض کے خلاف اعلان جنگ کر رکھا ہے' جہالت' عصبیت' بغض' کینہ' عداوت' انتقام اور جوش کے ساتھ اس کی صلح ومصالحت نہیں ہو سکتی اور اسلام نے مسلمان مردوں اور عورتوں کے نفوس میں عفوودرگزر' باہمی محبت ومودت اور احسان وعنایت کو محبوب وپسندیدہ بنا دیا ہے' فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾
(آل عمران: ۳/۱۳٤)

''غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ ان نیکوکاروں کو دوست رکھتا ہے۔''

یہ ستائش وتوصیف ہے غصہ پی جانے والوں کی جو حسد وبغض اور کینے کو پالتے نہیں ہیں' بلکہ عفوودرگزر اور بخشش واحسان اور معافی وغفران کی بلندیوں تک چڑھ جاتے ہیں' بلاشبہ یہ بلندیاں انتہائی بلندترین اور روشن ومنور بلندیاں ہیں' اور انتہائی اونچی ہونے کے ساتھ ساتھ مشکل تر بھی ہیں' ان تک رسائی وہی نفوس قدسیہ پا سکتے ہیں جن کی قلبی صفائی ہو چکی ہو' جنہوں نے دشمنی' انتقام' کراہیت اور بغض وحقد کے وسوسوں کو نکال پھینکا ہو' وہی پھر مستحق بنتے ہیں کہ احسان کے بلندترین مراتب علیا پر فائز ہو سکیں۔اور اللہ ایسے ہی احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

بلاشبہ اسلام ایسی ہی بلندترین ہدایت کے ساتھ دلوں کی اتھاہ گہرائیوں میں سرایت کرنے کی استطاعت رکھتا ہے' انہیں پاک وصاف بناتا ہے' پھر ان دلوں کو جو غصے' عداوت اور کینے سے زنگ آلود ہو چکے ہوں' محبت' نفرت اور دوستی کے ذریعے نرم وملائم بنا دیتا ہے۔

اس تبدیلی کے واضح ترین شواہد میں سے ایک وہ واقعہ بھی ہے جو تبدیلی ہند بنت عتبہ کے

دل پر طاری ہوئی تھی' اسلام لانے سے قبل ان کا دل رسول اکرم ﷺ کے لیے' آپ کے اہل بیت کے لیے اور آپکے صحابہ کرام کے لیے بغض وعداوت کے زہر اور کینے وکدورت کی آگ سے بھرا ہوا تھا' حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن ان کے خون کو مباح قرار دے دیا تھا اس جرم کی پاداش میں جوانہوں نے غزوہ احد کے دن آپ کے چچا سیدنا حمزہؓ کے بدن کا مثلہ کروایا تھا، لیکن جس وقت وہ مشرف باسلام ہوئیں اور اسلام ان کے رگ وریشے میں پیوست ہو گیا تو وہی رسول اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں یوں کہتی ہوئی حاضر ہوئی تھیں:

《 يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا كَانَ عَلٰى ظَهْرِ الْاَرْضِ مِنْ اَهْلِ خِبَاءٍ أَحَبُّ اِلَيَّ أَنْ يَّذِلُّوْا مِنْ أَهْلِ خِبَائِكَ' ثُمَّ مَا اَصْبَحَ الْيَوْمَ عَلٰى ظَهْرِ الْاَرْضِ اَهْلُ خِبَاءٍ اِلَيَّ اَنْ يَّعِزُّوْا مِنْ اَهْلِ خِبَائِكَ 》

''یا رسول اللہ! روئے زمین پر آپ کے گھر والوں سے بڑھ کر کوئی بھی گھرانے والے ایسے نہ تھے کہ جن کی ذلت ورسوائی مجھے محبوب تھی اور آج صورت حال ایسی ہوگئی ہے کہ پوری سطح زمین پر آپ کے گھرانے والوں سے بڑھ کر کوئی بھی گھرانے والے ایسے نہیں ہیں جن کی عزت وسربلندی مجھے محبوب ہو۔''

اللہ کے راستے میں اور اس کے سچے اور برحق دین کے راستے میں' خون ڈھل جاتے ہیں' وحشت زائل ہو جاتی ہے' دلوں کی دوریاں ختم ہو کر قربتوں میں تحلیل ہو جاتی ہیں' کدورتوں کے زخم مندمل ہو جاتے ہیں اور بغض وعداوت کی جڑیں بیخ وبن سے اکھڑ جاتی ہیں۔

بلاشبہ قرآن کریم نے انسانیت کے دل کو اس بلند ترین مگر مشکل تر گھاٹی اور چوٹی تک پہنچانے کے لیے نہایت ہی شاندار پیرائے کو اختیار کیا ہے۔ اس نے اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ جس شخص پر ظلم ہوا ہو اس کا حق بنتا ہے کہ وہ بدلہ لے سکتا ہے اور اپنی زیادتی کا رد کر سکتا ہے' کیونکہ برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی ہی ہے' لیکن اس نے مظلوم انسان کو صرف بدلہ وانتقام لے کر اپنے جوش انتقام کو ٹھنڈا کرنے پر ہی نہیں چھوڑا بلکہ اس کے ہاتھ کو انتہائی نرمی وملاطفت سے تھام کر عفو ودرگزر اور معافی وبخشش کی بلند ترین سیڑھی پر چڑھا دیا ہے اور پھر اس بلند مرتبے کو اس کا

---

❶ صحيح بخاري، كتاب الايمان والنذور، باب كيف كانت يمين النبي ﷺ، حديث: ٦٦٤١ ـ صحيح مسلم كتاب الاقضية باب قضية هند، حديث: ١٧١٨

محبوب مرتبہ بنا کر یوں پیش کیا ہے کہ یہی ہمت والے اور بلند ترین کاموں میں سے ایک کام ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ۝ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴾ (الشوریٰ : ۴۲/۳۹۔۴۳)

''اور جب ان پر ظلم و زیادتی ہو تو وہ صرف بدلہ لے لیتے ہیں' اور برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے اور جو معاف کر دے اور اصلاح کرے اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے۔ فی الواقع اللہ تعالیٰ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔ اور جو شخص اپنے مظلوم ہونے کے بعد برابر کا بدلہ لے تو ایسے لوگوں پر الزام کا کوئی راستہ نہیں۔ یہ راستہ صرف ان لوگوں پر ہے جو خود دوسروں پر ظلم کریں اور زمین میں ناحق فساد کرتے پھریں' یہی لوگ ہیں جن کے لیے درد ناک عذاب ہے اور جو شخص صبر کرلے اور معاف کر دے یقیناً یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ایک کام ہے۔''

جس وقت واقعہ افک کے ایام میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نفس کو غمی کی لہر نے ڈھانپ لیا تھا' جسے بعض گناہ گار زبانیں ہلکے ہلکے بڑھا چڑھا رہی تھیں جو آپ کی صدیقہ اور طاہرہ صاحبزادی کی دل آزاری کا باعث تھی تو انہوں نے قسم کھالی تھی کہ ان لوگوں سے اپنا دستِ تعاون اور دستِ عنایت کھینچ لیں گے جو اس میں بحث و کرید کرتے ہیں اور وہ ان لوگوں میں سے تھے جن کے ساتھ آپ احسان کیا کرتے تھے اور جن پر آپ عنایات و نوازشات فرمایا کرتے تھے' جب آپ نے اپنی غمی و جوش کے غلبے میں یہ مشاہدہ کیا کہ وہ فضل و احسان کا انکار کر رہے ہیں' وہ معروف و نیکی کے حقدار نہیں رہے لیکن وہ اللہ تعالیٰ جو سیدنا صدیق اکبر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دل و ضمیر کی صداقت کو جاننے والا تھا' جو اس کے خلوص و ایثار کو اللہ اور اس کے رسول کے لیے دیکھنے والا تھا' اس نے آپ کو اسی جوشِ انتقام اور جذبہ تشفی پر نہ چھوڑا جو کچھ وقت کے لیے آپ کے دل میں پیدا ہوا تھا بلکہ اس اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کے جوہر اصلی' صفائی قلب اور نفس مومنہ کی

طہارت کی جانب پھیر دیا اور آپ کو درگزر، معافی اور فراخدلی اختیار کرنے پر قائل کر لیا، اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ فرمان نازل فرمایا تھا:

﴿ وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾ (النور: ٢٤/ ٢٢)

''تم میں سے جو بزرگی اور کشادگی والے ہیں انہیں اپنے قرابت داروں اور مسکینوں اور مہاجروں کو راہ للہ دینے سے قسم نہ کھا لینی چاہیے بلکہ معاف کر دینا اور درگزر کر لینا چاہیے۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف فرما دے؟ اللہ تعالیٰ قصوروں کا معاف فرمانے والا مہربان ہے۔''

بلاشبہ وہ ربانی معاشرہ جو ایمانی اخوت کی بنیادوں پر استوار ہے، معاملے کو افراد کے درمیان باہمی محاسبے، غلطیوں کی تاک میں رہنے، غصہ نکال کر سکون پانے، انتقام لینے اور اپنی ذات کی خاطر بدلہ لینے کی آڑ میں اچھالتا نہیں ہے بلکہ وہ تو اخوت، بھائی چارے، چشم پوشی کرنے، درگزر سے کام لینے اور دوسروں کی غلطیوں کو فراموش کرنے کی تلقین کرتا ہے، اور انہی امور کی جانب اسلام نے دعوت دی ہے اور ایمانی اخوت بھی اسی کی ترغیب دیتی ہے:

''نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی، برائی کو بھلائی سے دفع کرو پھر تیرا دشمن ایسا ہو جائے گا جیسے دلی دوست اور یہ بات انہیں کو نصیب ہوتی ہے جو صبر کریں اور اسے سوائے بڑے نصیبے والوں کے کوئی نہیں پا سکتا۔'' (حم السجدة: ٤١/ ٣٤۔٣٥)

یہ ایک حقیقت ہے کہ جس وقت برائی کا جواب برائی سے دیا جائے گا تو وہ لوگوں کے درمیان عداوت، بغض اور کینے کی آگ بھڑکائے گی، اور حسد، کینے اور کراہیت کو دل میں جاگزیں کرے گی۔ لیکن جب برائی کے مقابلے میں اچھائی کی جائے گی تو وہ عداوت کی آگ کو بجھائے گی، غصے کی آواز کو خاموش کر دے گی، دل کے جوش کو ٹھنڈا بنا دے گی، اندرونی کدورت کی میل کچیل کو دھو ڈالے گی اور مکر و فریب کی دھیمی دھیمی آوازوں کو بھی بجھا ڈالے گی، تو پھر اس کے نتیجے میں دشمنی رکھنے والیاں ایک دوسرے کی دلی اور جگری سہیلیاں بن جائیں گی، صرف ایک میٹھے

بول کے ساتھ' ان دونوں میں سے کسی ایک کی ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ۔ اللہ کی قسم! یہ تو بہت ہی عظیم کامیابی ہو گی' کہ ایک عورت برائی کو بھلائی اور اچھائی سے دفع کر دے' تو اس طرح دشمنی دوستی میں بدل جائے گی' کراہت محبت میں تحلیل ہو جائے گی' اور اس عظیم کامیابی کو بجز بڑے نصیبے والے کے کوئی دوسرا نہیں پا سکتا جس کے لیے آیت کریمہ نے بھی اشارہ کر دیا ہے' یعنی کچھ صبر اور ضبط اعصاب اور برائی کو باحسن طریق دفع کرنے سے کام لینا پڑے گا۔

ربانی مسلمان معاشرے میں جس کی محبت' مودت اور درگزر پر بنیادیں استوار ہیں' ایمان والیوں راست باز خواتین کا یہی دستور اور اخلاق ہوتا ہے' جسے نفوس وقلوب میں مستحکم وپائیدار کرنے کے لیے قرآن کریم اور حدیث مبارکہ کی نصوص پیہم بیان ہو رہی ہیں اور ان دلوں کی مسلسل یہ تربیت کر رہی ہیں کہ یہ اس اچھے درگزر کو اختیار کرنے والے بن جائیں جس کے پیچھے کدورت' کینے اور کراہیت کا کوئی اثر تک باقی نہ رہے:

﴿ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴾ (الحجر: ۱۵/۸۵)

''پس تو وضعداری اور اچھائی سے درگزر کر لے۔''

رسول اللہ ﷺ اپنے اقوال وافعال کے اعتبار سے اس بلند ترین اور عمدہ ترین انسانی اخلاق کا زندہ ترجمہ تھے' اس درگزر کرنے اور معافی دینے اور اس سے اپنے آپ کو آراستہ کرنے کی ترغیب دینے پر بہترین نمونہ تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا ہے:

((مَا ضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ شَيْئًا قَطُّ بِيَدِهِ' وَلَا امْرَأَةً وَّلَا خَادِمًا' إِلَّا أَنْ يُّجَاهِدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ' وَمَا نِيْلَ مِنْهُ شَيْءٌ قَطُّ فَيَنْتَقِمُ مِنْ صَاحِبِهِ' إِلَّا أَنْ يُّنْتَهَكَ شَيْءٌ مِّنْ مَّحَارِمِ اللّٰهِ تَعَالٰى' فَيَنْتَقِمُ لِلّٰهِ تَعَالٰى)) [1]

''رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا' نہ کسی عورت کو اور نہ ہی کسی خادم کو' البتہ آپ فی سبیل اللہ جہاد کیا کرتے تھے' اور ایسا بھی نہیں ہوا کہ آپ کی ذات مبارکہ پر کبھی کوئی حملہ کیا گیا ہو اور آپ نے اس کے مرتکب سے انتقام لیا ہو الا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی حرمتوں میں سے کسی حرمت کی پائمالی ہوتی ہو تو آپ اللہ تعالیٰ

---

[1] صحیح مسلم' کتاب الفضائل: باب مباعدته ﷺ للآثام۔ حدیث: ۲۳۲۷۔

کے لیے انتقام لیتے تھے۔''

آپ ﷺ تو اپنے رب العزت کی مندرجہ ذیل رہنمائی کا کامل نمونہ تھے:

﴿ خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴾ (الاعراف: ۷/۱۹۹)

''آپ درگزر کو اختیار کریں نیک کام کی تعلیم دیں اور جاہلوں سے ایک کنارہ ہو جائیں۔''

اور آپ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان گرامی پر عمل پیرا رہتے تھے:

﴿ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ ﴾ (حم السجدۃ: ۴۱/ ۳۴)

''برائی کو بھلائی سے دفع کرو۔''

ربانی اخلاقی آیات میں سے یہ ایک ایسی بے مثال آیت ہے جو تمام لوگوں کو اپنے عظیم اخلاق کے ساتھ محیط ہے جو یہ سبق دیتی ہے کہ لوگوں کی برائی کا جواب برائی سے نہ دیا جائے بلکہ اس کا مقابلہ عفوودرگزر' نیکی کی تعلیم اور جاہلوں سے کنارہ کشی کی صورت میں دیا جائے اور بھلائی کو اختیار کر کے ان کی برائی کو دور کیا جائے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے یہ فرمان مروی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ چلا جا رہا تھا آپ ﷺ پر ایک نجرانی دھاری دار موٹے کنارے والی چادر تھی' اچانک ایک اعرابی نے آپ کو آپ کی چادر سے پکڑ لیا اور زور زور سے کھینچنے لگا' میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے کندھے پر اس چادر کے شدید کھنچاؤ کے سبب نشان پڑ گئے تھے' پھر وہ بولا: اے محمد! اس مال میں سے جو اللہ کے مال سے تیرے پاس ہے میرے لیے بھی کچھ کا حکم کر' آپ ﷺ اس کی طرف متوجہ ہوئے' کچھ مسکرائے' پھر اسے عنایت کرنے کا حکم دیا۔''[1]

آپ ﷺ کے نفس شریفہ میں درگزر کرنے والی خوبی کی جڑیں اس قدر گہری اور مضبوط ہو چکی تھیں کہ آپ ﷺ نے تو اس یہودی عورت کو بھی معاف فرما دیا تھا جس نے آپ کے لیے بکری کا زہر آلود گوشت بھیجا تھا اور یہ واقعہ اس حدیث میں موجود ہے جسے شیخین نے روایت کیا

---

[1] صحیح بخاری کتاب اللباس باب البرود والحبرۃ، حدیث: ۵۸۰۹۔ صحیح مسلم کتاب الزکاۃ باب العطاء من سأل بفحس و غلظۃ، حدیث: ۱۰۵۷

ہے کہ ایک یہودیہ نے رسول اللہ ﷺ کو بکری کا زہر آلود گوشت ہدیہ میں بھیجا' آپ ﷺ نے اس میں سے خود بھی کھایا اور آپ کے ساتھ صحابہ کرام کی ایک جماعت نے بھی کھایا' پھر رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا: ''رک جاؤ کیونکہ یہ زہر آلود گوشت ہے۔'' اس خاتون کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا' تو آپ نے اس سے دریافت کیا: ''تجھے اس حرکت پر کس چیز نے اکسایا اور ابھارا ہے؟'' بولی: ''میں نے یہ جاننا چاہا تھا کہ اگر تو آپ نبی برحق ہوں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی اطلاع کر دے گا اور یہ آپ کو کچھ بھی ضرر نہ پہنچا سکے گا' اور اگر آپ نبی برحق نہیں ہوں گے تو ہم آپ سے راحت پا لیں گے۔'' صحابہ بولے: کیا ہم اسے قتل نہ کر ڈالیں؟ فرمایا: نہیں اور آپ ﷺ نے اسے معاف فرما دیا۔ [1]

جب قبیلہ دوس نے نافرمانی کی' اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حکم پر فرمانبرداری واطاعت گزاری کرنے سے انکار کیا' تو سیدنا طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یوں کہنے لگے: بلاشبہ دوس نے نافرمانی کی ہے اور اطاعت گزاری سے انکار کیا ہے' لہٰذا آپ ان کے لیے بددعا فرمائیں چنانچہ رسول اللہ ﷺ قبلہ رخ ہو گئے' اپنے ہاتھوں کو اٹھا لیا۔ لوگ کہنے لگے: بنو دوس ہلاک ہو گئے۔

لیکن رسول اللہ ﷺ تو لوگوں پر' بندوں پر مہربان' رحم کرنے والے اور درگزر کرنے والے تھے' آپ کب پسند کرتے تھے کہ انہیں عذاب الٰہی اپنی گرفت میں لے لے' آپ بایں الفاظ قبیلہ دوس کے لیے دعائیں کرنے لگے:

((اَللّٰھُمَّ اھْدِ دَوْسًا وَائْتِ بِھِمْ' اَللّٰھُمَّ اھْدِ دَوْسًا وَائْتِ بِھِمْ' اَللّٰھُمَّ اھْدِ دَوْسًا وَائْتِ بِھِمْ)) [2]

''اے اللہ! قبیلہ دوس کو ہدایت دے دے اور انہیں ہمارے پاس لے آ' اے اللہ!

---

1. شیخین نے اس سے ملتے جلتے الفاظ روایت کیے ہیں۔ دیکھیے صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب الشاة المسمومة: ۳۱۶۹، ۴۲۴۹۔ و صحیح مسلم، کتاب السلام، باب السم، حدیث: ۲۱۹۰۔
2. بخاری، کتاب المغازی، باب قصة دوس و الطفیل بن عمرو الدوسی، حدیث: ۴۳۹۲۔ صحیح مسلم۔ کتاب فضائل الصحابة۔ باب من فضائل غفار واسلم حدیث: ۲۵۲۴۔

قبیلہ دوس کو ہدایت سے سرفراز فرما اورانہیں ہمارے پاس لے آ' اے اللہ! قبیلہ دوس کو ہدایت نصیب فرما اور انہیں ہمارے یہاں لے آ۔''

آپ ﷺ تو مسلمان مردوں اور عورتوں کے نفوس میں عفوودرگزر کی عادت بو رہے تھے' خواہ انہیں برائی' رکاوٹ' بے رخی اور قطع تعلقی ہی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہو' کیونکہ آپ ﷺ تو اپنی تربیت کرنے والی تیز ترین نظروں سے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی تھیں یہ محسوس کر رہے تھے کہ لوگ سختی' شدت اور پکڑ دھکڑ سے قبول کرنے کی بجائے نرمی' شفقت اور درگزر سے کہیں زیادہ قبولیت کی استطاعت رکھتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کی یہی مضبوط ترین ہدایت سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے سامنے ظاہر ہوتی ہے جب انہوں نے آپ ﷺ سے بایں الفاظ دریافت کیا تھا: آپ مجھے فضیلت والے اعمال کی خبر دیں' تو آپ ﷺ نے یوں فرمایا تھا:

((يَا عُقْبَةُ! صِلْ مَنْ قَطَعَكَ، وَأَعْطِ مَنْ حَرَمَكَ وَ أَعْرِضْ عَمَّنْ ظَلَمَكَ، وَفِي رِوَايَةٍ: وَاعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَكَ))[1]

''اے عقبہ! اس سے تعلق جوڑ جو تجھ سے توڑے' اسے دے جو تجھے محروم رکھے' اس سے درگزر کر جو تجھ پر ظلم کرے' اور ایک روایت یہ ہے'' اسے معاف کر دے جو تجھ پر ظلم کرے۔''

یہ عالی اخلاق امہات المومنین رضی اللہ عنہن میں بھی سرایت کر چکا تھا جیسا کہ اس سلسلے میں روایت ہے کہ ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی لونڈی امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس آئی' کہنے لگی: امیر المومنین! (سیدہ) صفیہ تو ہفتے کے دن سے محبت رکھتی ہے اور یہودیوں سے صلہ رحمی کرتی ہے۔ تب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کرنے کے لیے پیغام بھیجا تو انہیں نے یوں جواب دیا: رہی بات ہفتہ کے دن کی تو جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کے بدلے میں جمعہ کا دن عطا فرما دیا ہے میں نے ہفتہ کے دن سے کبھی محبت نہیں کی' اور رہے یہودی' تو ان سے میری رشتہ داری ہے اس لیے ان سے میں صلہ رحمی کرتی ہوں۔

---

[1] مسند أحمد (٤/١٤٨، ١٥٨) والطبرانی، و رجال احمد ثقات، مجمع الزوائد ٨/١٨٨ باب مکارم الاخلاق۔

پھر آپ رضی اللہ عنہا اپنی لونڈی کی طرف متوجہ ہوئیں' اس سے پوچھا کہ تجھے اس چغل خوری اور افتراء پردازی پر کس چیز نے آمادہ کیا ہے؟ تو لونڈی نے جواب دیا: ''شیطان نے'' تو فوراً سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا برائی کو بھلائی سے دفع کرنے والی خوبی کو اختیار کرتی ہیں' آپ نے اپنی لونڈی سے فرمایا: ''جا چلی جا (آج سے) تو آزاد ہے۔''[1]

کوئی شک وشبہ نہیں اس بات میں کہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا ان لوگوں میں سے ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان گرامی صادق آتا ہے:

﴿ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ○ وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ﴾ (حم السجدة: ٤١/٣٤'٣٥)

''نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی' برائی کو بھلائی سے دفع کرو پھر تیرا دشمن ایسا ہو جائے گا جیسے دلی دوست۔ اور یہ بات انہیں کو نصیب ہوتی ہے جو صبر کریں اور اسے سوائے بڑے نصیبے والوں کے کوئی نہیں پا سکتا۔''

وہ رنج آفریں نہیں راحت رساں ہوتی ہے:

اپنے دین کی ہدایت کو یاد رکھنے والی خاتون تنگی پیدا کرنے کے بجائے آسانی پیدا کرتی ہے کیونکہ آسانی پیدا کرنے والا خلق اتنا افضل اور اعلیٰ ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کے لیے پسند کرتا ہے:

﴿ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ﴾ (البقرة: ٢/١٨٥)

''اللہ تعالیٰ کا ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے سختی کا نہیں۔''

یہی وجہ ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت مسلمان مردوں اور عورتوں کو آسانی پر ابھارنے کے لیے آ رہی ہے' اور انہیں تنگی پیدا کرنے سے روک رہی ہے:

« عَلِّمُوا وَيَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا' وَإِذَا غَضِبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْكُتْ »[2]

---

1. الاستیعاب ٤/١٨٧٢ والاصابة ٨/١٢٧۔
2. اخرجه البخاری فی الادب المفرد ١/٣٤٢ باب العفو والصفح عن الناس۔

''سکھاؤ' آسانی پیدا کرو اور تنگی و سختی پیدا نہ کرو' اور جب تم میں سے کوئی غصے میں آ جائے تو چاہیے کہ وہ خاموش ہو جائے۔''

بلاشبہ جو خاتون اسلامی ہدایت کے واضح ہو جانے کے باوجود بھی تنگی پیدا کرے گی یا معاملے میں الجھن لائے گی تو وہ متقی اور بہترین خاتون نہیں ہو گی' تنگی کی جانب تو وہی عورت مائل ہو گی...... حالانکہ شریعت اسلام نے آسانی پیدا کرنے کو اس کے لیے محبوب بنایا ہے...... جس خاتون کے کردار و اخلاق میں پیچیدگی' جس کی طبیعت میں دشواری' جس کی شخصیت میں خلل' جس کی تربیت میں نقص اور جس کی سرشت میں تنگی و کنجوسی ہو گی۔

رہی اپنے پروردگار کی اطاعت گزار اور اپنے دین کی ہدایت کو اختیار کرنے والی معتدل کردار والی مسلمان خاتون تو وہ تنگی و پیچیدگی سے نا آشنا ہوتی ہے' وہ معاملات کو الجھانے اور پیچ دار بنانے کی طرف مائل نہیں ہوتی' اس سلسلے میں وہ رسول اکرم ﷺ کے اخلاق عالیہ سے ہدایت لینے والی ہوتی ہے جس کی بابت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے اس فرمان میں آپ ﷺ کے متعلق خبر دے رہی ہیں:

> ''رسول اللہ ﷺ کو کبھی دو کاموں میں اختیار نہیں دیا گیا مگر آپ ﷺ نے ان میں سے آسان تر کو پسند فرمایا ہے جب تک وہ گناہ والا کام نہ ہوتا۔ اگر تو وہ گناہ والا کام ہوتا تو آپ لوگوں سے سب سے زیادہ اس سے دور رہنے والے ہوتے تھے' اور رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی امر میں اپنی ذات کے لیے کسی سے انتقام نہیں لیا الا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی حرمت پامال ہو رہی ہو' تو تب آپ اللہ تعالیٰ کے لیے انتقام لیتے تھے۔''[1]

اور متقی سمجھدار مسلمان خاتون تو رسول اللہ ﷺ کی سنت کے پاس ٹھہر جانے والی ہوتی ہے اس سے تجاوز نہیں کرتی اور نہ آپ کے کسی امر کی مخالفت ہی کرتی ہے۔

وہ حسد نہیں کرتی:

تجاوز کرنے والی خاتون ہی اکثر حسد میں واقع ہوتی ہے' کیونکہ وہ دیکھتی ہے کہ بہت سی

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المناقب۔ باب صفة النبی ﷺ، حدیث: ۳۵۶۰۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب مباعدته ﷺ للآثام، حدیث: ۲۳۲۷۔

خواتین ایسی ہیں جنہیں حسن و جمال اور علم و عقل اس سے کم ملی ہے لیکن مال و دولت اور نعم و ثروت میں ڈوبی ہوئی ہیں' اسے ان نعمتوں میں سے بہت کم چیزیں ملی ہیں جو ان کی زندگیوں میں اور ان کے ہاتھوں میں ہے' تو اسی احساس و سوچ کے باعث ان سے حسد کرنے لگتی ہے۔ جبکہ مسلمان خاتون جو بیدار مغز ہے اور راست رو ہے' وہ اس اخلاقی پھسلن سے بچی رہتی بلکہ محفوظ و مصئون رکھی جاتی ہے کیونکہ اس نے اپنے اس دین کے سچے احکامات از بر کر لیے ہوتے ہیں جو اسے یہ سکھاتے ہیں کہ اس زندگی میں ہر چیز تقدیر و قضاء کے ساتھ چل رہی ہے اور اس دنیاوی زندگی کا ساز و سامان خواہ جس حد تک بھی پہنچ جائے وہ بلاشبہ قلیل ہی ہے۔ مزید وہ یہ بھی جان لیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمانبردار بندوں کے لیے جو مقدر کیا ہے اس پر راضی رہنے والی مسلمان خواتین کے لیے بھی بہت کچھ تیار کیا گیا ہے' اور وہ یہ بھی جانتی ہے کہ خاتون کی اصلی اور حقیقی قدر و قیمت تقویٰ کے پلڑے اور عمل صالح کے ساتھ اس کے جھکنے میں ہے اور ان وقتی اور عارضی زائل ہونے والی دنیاوی مال و متاع کے ساتھ بالکل نہیں ہے جو چند چیزیں اس کے پاس بھی ہیں' جوں جوں یہ اقدار اس خاتون کے قلب و دماغ میں پختہ و مستحکم ہوتی جاتی ہیں توں توں اس کے نفس کی صفائی' پاکی اور طمانیت بڑھتی جاتی ہے اور وہ ان خواتین میں سے بنتی جاتی ہے جو اپنے پروردگار کی رضا مندی سے کامیاب ہونے والی ہوتی ہیں اگرچہ وہ بکثرت عبادت گزاری نہ بھی کرنے والی ہو۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے حسن سند کے ساتھ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یوں روایت بیان کی ہے فرماتے ہیں:

''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يَطْلُعُ الْآنَ عَلَيْكُمْ رَجُلٌ مِّنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ)) [1]

''ابھی تمہارے پاس آنے والا شخص اہل جنت میں سے ایک فرد ہوگا۔''

تو اچانک ایک انصاری آدمی دکھائی دیا' جس کی داڑھی سے وضو کے قطرات ٹپک رہے تھے اور اس نے اپنے جوتے بائیں ہاتھ میں اٹھا رکھے تھے۔

اگلا دن آیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ ویسا ہی ارشاد فرمایا' تو وہی آدمی پہلی کی سی حالت

---

1. وہ تھے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جس طرح کہ آپ کا نام صراحت سے امام ابن کثیر رحمہ اللہ کی کتاب ''البداية والنهاية ٨/ ٧٤ میں آیا ہے۔

کے ساتھ نمودار ہوا' تو جب تیسرا روز ہوا تو نبی اکرم ﷺ نے ویسا ہی ارشاد مبارک جاری فرمایا' اور وہی آدمی اپنی پہلی جیسی حالت کے ساتھ تشریف لایا۔

جب نبی اکرم ﷺ نے وہ نشست برخاست کی تو سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ اس مذکورہ موصوف شخص کے پیچھے ہو لیے اور یوں عرض پرداز ہوئے: میری اپنے ابا جان سے کچھ تو تکار ہوگئی ہے اور میں نے تین دنوں تک ان کے ہاں نہ جانے کی قسم کھا لی ہے' اگر آپ مناسب سمجھیں تو آپ مجھے یہ مدت اپنے ہاں گزارنے کی اجازت دے سکتے ہیں آپ ایسا کر لیں تو میں آپ کے پاس چلتا ہوں۔ وہ بولا: ''جی ہاں!''

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: سیدنا عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے تینوں راتیں اس کے پاس گزاریں' تو انہوں نے اسے رات میں قیام کرتے ہوئے بھی نہ دیکھا ماسوائے اتنی سی بات کے کہ جب نیند سے بیدار ہوتے یا اپنے بستر پر کروٹ بدلتے تو اللہ عزوجل کا ذکر کر لیتے اور اللہ اکبر کہہ لیتے' حتیٰ کہ نماز فجر کی ادائیگی کے لیے کھڑے ہوتے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہاں یہ بات ضرور ہے کہ میں نے اس سے ماسوائے خیر و بھلائی کے کچھ اور نہ سنا۔

تو جب تینوں راتیں گزر گئیں لگتا تھا کہ میں اس کے عمل کو حقیر ہی سمجھ لوں گا میں نے عرض کی: اے اللہ کے بندے! میرے اور میرے ابا جان کے درمیان کوئی غصہ اور قطع تعلقی نہ تھی۔ میں نے تو رسول اکرم ﷺ کو تین بار یہ فرماتے ہوئے سنا تھا:

''ابھی تمہارے سامنے اہل جنت میں سے ایک شخص نمودار ہونے والا ہے۔''

تو تینوں مرتبہ آپ ہی نمودار ہوئے تھے' تو میں نے یہ تہیہ کر لیا تھا کہ آپ کے پاس ٹھیروں اور دیکھوں کہ آپ کے عمل کیسے ہیں' تاکہ میں بھی آپ کی اقتداء و پیروی کر سکوں' میں نے تو آپ کو کوئی بڑا عمل کرتے نہیں دیکھا' تو ذرا بتائیں وہ کون سا عمل ہے جس نے آپ کو اس مرتبے تک پہنچا دیا ہے کہ جو رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہے؟ وہ بولا: کوئی عمل نہیں بس میرے تو وہی اعمال ہیں جو آپ نے دیکھ لیے ہیں۔

جب میں واپس پلٹا تو اس نے مجھے پھر بلایا اور پھر بولا: میرے کوئی زیادہ عمل تو نہیں ہیں بس وہی ہیں جو آپ نے مشاہدہ کر لیے ہیں البتہ اتنی سی بات ضرور ہے کہ میں اپنے دل میں کسی

بھی مسلمان کے خلاف کوئی دھوکا فریب نہیں رکھتا' اور نہ کسی پر اس نعمت پر حسد ہی کرتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا فرمائی ہوئی ہے' تب سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہاں! بالکل یہی وہ بات ہے جس نے آپ کو اس مقام تک پہنچا دیا ہے اور یہ ایسی بات ہے جس کی ہم طاقت نہیں پاتے۔ ①

بلاشبہ یہ حدیث حقد اور حسد سے دل کو صاف رکھنے' دھوکے اور فریب سے سینے کو سلامت رکھنے' آخرت میں انسان کے اچھے انجام کو مستحکم بیان کرنے' اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند مقام کو پالینے اور عملوں کی قبولیت پانے خواہ تعداد میں تھوڑے ہی کیوں نہ ہوں' کی تاثیر پر دلالت کرتی ہے۔ اور یقیناً یہ تاثیر اس آدمی کا' جو باوجود عبادت کو کم مقدار میں بجالانے البتہ اپنی باطنی صفائی رکھنے اور لوگوں کو اپنی اذیت سے سلامت رکھنے کے باعث جنت میں داخل ہو رہا ہے' اس عورت کے ساتھ موازنہ کرنے سے کھل کر سامنے آتی ہے جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا تھا جو رات بھر جاگتی اور دن بھر روزے سے رہتی تھی لیکن وہ اپنے ہمسایوں کو اذیت پہنچاتی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

«لَا خَيْرَ فِيهَا، هِيَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ» ②

''اس میں کوئی خیر نہیں ہے' وہ دوزخ والوں میں سے ہے۔''

اور اس وجہ سے یہ بات مسلّم ہے کہ وہ انسان جو اسلام کے ترازو میں ہمیشہ اپنا پلڑا جھکا ہوا دیکھنا چاہتا ہے یقیناً وہی ہوگا جس کا باطن صاف شفاف ہو' جس کا دل کینہ' حسد' عداوت' کدورت اور بغض ونفرت سے پاک ہو' خواہ اس کی عبادت گزاری کم درجہ کی ہی کیوں نہ ہو۔

رہا وہ انسان جو عبادت بکثرت بجالاتا ہے جبکہ اس کا دل غصے' حسد اور کینے سے بھرپور رہتا ہے' تو اس کی عبادت فقط ظاہری شکل وصورت کی ہی عبادت ہوگی جو ایمان کے کسی مضبوط سہارے کے بغیر کھڑی ہوگی' اس لیے تو وہ اس کے نفس وقلب کو حسد وغیرہ سے پاک وصاف کرنے میں کچھ اثر نہیں دکھا سکی جس کے متعلق رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں خبر دی ہے کہ انسان کے دل میں ایمان اور حسد ایک ساتھ اکٹھے نہیں ہو سکتے:

---

❶ مسند احمد ۳/۱۶۶۔

❷ اخرجه البخاري في الادب المفرد ۱/۲۱۰ باب لا يوذي جاره۔ مسند احمد (۲/۴۴۰)۔

«لَا يَجْتَمِعُ فِيْ جَوْفِ عَبْدٍ الْإِيْمَانُ وَالْحَسَدُ» [1]

''کسی بندے کے دل میں ایمان اور حسد جمع نہیں ہو سکتے۔''

سیدنا ضمرہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

«لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَّا لَمْ يَتَحَاسَدُوْا» [2]

''لوگ اس وقت تک خیر سے رہیں گے جب تک وہ باہم حسد نہ کریں گے''

سمجھدار ہوشمند مسلمان خاتون وہی ہے جو بہترین عبادت گزاری کو اور حسد کی آلائش' دھوکے کینہ کی میل کچیل اور کدورت کی گدلاہٹ سے نفس وقلب کو صاف رکھتی ہے' اس کے ذریعے خاتون تقویٰ کے اعلیٰ ترین مراتب پر بلند ہو سکتی ہے۔

اسی طرح اپنے پروردگار کے ہاں بلند ترین درجات پر فائز ہو سکتی ہے' اپنی دنیا میں لوگوں کی محبتیں' ان کے اعزاز واکرام کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکتی ہے، مزید برآں وہ ایک صاف ستھرے' باہم متحد' ترقی یافتہ' اور اپنے اوپر عائد شدہ فریضہ ربانی کو ادا کرنے والے اسلامی معاشرے کی تعمیر میں ایک مضبوط صاف ستھری اینٹ بھی ثابت ہو سکتی ہے۔

نام ونمود اور ظاہر پسندی سے دور رہتی ہے:

اپنے دین کی ہدایت کو یاد رکھنے والی اور اس کے عمدہ واعلیٰ اخلاق سے آراستہ ہونے والی مسلمان خاتون متواضع حقیقت پسند اور سچی ہوتی ہے' برتری' غرور اور جھوٹ سے ناآشنا ہوتی ہے' وہ کسی چیز کو جو اس کے پاس موجود نہ ہو زیادہ تعداد میں ظاہر نہیں کرتی جھوٹے بلند بانگ دعوے نہیں کرتی اور نہ اپنی ہم عمروں اور اپنی ہم جولیوں کے درمیان شیخی ہی بگھارتی ہے' بلکہ وہ اس مذموم اور قبیح عادت سے اپنے دامن کو بچا کر رکھتی ہے۔ کیونکہ یہ عادت اس کی اسلامی اقدار سے مزین وآراستہ طبیعت سے میل کھاتی ہے اور نہ ہی مطابقت رکھتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں ایک خاتون حاضر ہو کر اور یہ دریافت کرتی ہے کہ اگر وہ یوں کہہ لے کہ یہ چیز اس کے خاوند نے دی ہے حالانکہ وہ اس نے نہ دی ہو اس سے اس کی مراد باہم فخر کرنے' شیخی

---

[1] رواه ابن حبان في صحيحه (٤٦٠٤) كتاب السير: باب فضل الجهاد۔

[2] رواه الطبراني ورجاله ثقات۔ مجمع الزوائد ٨/٧٨ باب ما جاء في الحسد والظن۔

بگھارنے اور خود کو بلند تر ظاہر کرنے کی ہو تو رسول اکرم ﷺ نے اسے بایں الفاظ جواب دیا:

«اَلْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ يُعْطَ كَلَابِسِ ثَوْبَيْ زُوْرٍ» ①

''کسی ایسی چیز کے ساتھ شکم سیری ظاہر کرنے والا جو اسے دی نہیں گئی جھوٹ کے دو کپڑے پہننے والی کی مثل ہے۔''

بلاشبہ اسلام ایسا دین ہے جو سچائی' صفائی' تواضع اور حقیقت پسندی پر قائم ہے اور جھوٹ' دھوکے' ملاوٹ' برتری جتانے' تکبر' غرور اور جھوٹے دعووں کو ناپسند کرتا ہے۔ اسی لیے اس نے اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کے لیے باہم فخر وغرور' بندوں پر برتری جتانے' نمائش' تکاثر اور ظاہر پسندی کو ناپسند ٹھیرایا ہے اور اس آدمی کی بہت زیادہ مذمت بیان کی ہے جو اس بد عادت کا عادی ہو جیسے اس شخص کی مذمت کی جاتی ہے جو جھوٹے' جعلی' اور تصنع کے کپڑے پہننے والا ہو۔

غلو اور تکلف سے اجتناب کرتی ہے:

یہی وجہ ہے کہ ہدایت یافتہ مسلمان خاتون اپنے خلق میں' تصرفات میں اور اعمال میں طبعی معتدل ہوتی ہے' وہ اپنی گفتگو میں غلو نہیں کرتی' اور نہ ہی لوگوں کی توجہ حاصل کرنے اور ظاہر پسندی کی خاطر تکلف وتصنع سے باتیں کرتی ہے' تکلف تو ہر چیز میں قابل نفرت ہے اور غلو فطرت سلیمہ کے ہاں تھوکنے کے لائق ہے۔کوئی بھی خاتون جو اپنی گفتگو میں غلو اختیار کرتی ہے یا اپنے تصرفات میں تکلف وتصنع سے کام لیتی ہے تو یقیناً اس کی طبیعت میں خلل' اس کی فطرت میں کجی اور اس کی خلقی ونفسی تکوین' ترتیب میں نقص ہے۔اسی لیے تو رسول اللہ ﷺ نے غلو کرنے والے مردوں اور غلو کرنے والی عورتوں پر سختی فرمائی ہے اور پھر اسی سختی وشدت کو آپ کے جلیل القدر دونوں اصحاب سیدنا ابوبکر وسیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے بھی جاری رکھا' یہاں تک کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے میں نے رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر غلو ومبالغہ کرنے والوں پر سختی کرنے والا کوئی نہیں دیکھا' اور میں نے آپ کے بعد

---

① صحیح مسلم کتاب اللباس والزینة: باب النهي عن التزوير في اللباس وغيره۔ حدیث: ۲۱۲۹' ۲۱۳۰۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کسی کو ان پر سخت گرفت کرنے والا نہیں پایا' اور میں یہ گمان کرتا ہوں کہ عمر رضی اللہ عنہ تمام اہل زمین میں سے ان پر زیادہ سختی کرنے والے تھے۔"[1]

اس کی شخصیت لوگوں کے لیے محبوب و پسندیدہ ہوتی ہے:

مسلمان خاتون اس بات کی حریص ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کی محبوب و پسندیدہ بن جائے' اس طریقے سے کہ وہ عمل صالح کرے اور اس انداز سے کہ ان کے درمیان اس عمل صالح کا مفید اثر چھوڑے اور سماج میں اچھی شہرت پائے۔

اس سے لوگوں کی محبت' محبت الٰہی کی دلیل ہے' کیونکہ اس کے لیے زمین میں قبولیت رکھ دی گئی ہے' اس وجہ سے لوگوں کے دلوں کے تالے اس کے لیے کھل جاتے ہیں' تو وہ ان تمام لوگوں کے لیے محبوب و پسندیدہ بن جاتی ہے جو بھی اسے پہچانتا ہو یا اس کے متعلق سنتا ہو' اسی ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"بے شک اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتے ہیں تو جبریل کو بلاتے ہیں اور یوں فرماتے ہیں: میں فلاں شخص سے محبت کرتا ہوں لہٰذا تو بھی اس سے محبت کر' تو اس سے جبریل محبت کرتے ہیں' پھر وہ آسمان میں منادی کرتے ہیں اور یوں کہتے ہیں: "اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے محبت رکھتے ہیں' اس لئے تم لوگ بھی اس سے محبت رکھو' پھر اس کے لیے روئے زمین پر قبولیت رکھ دی جاتی ہے۔ اور جب وہ کسی بندے سے نفرت و بغض رکھتا ہے تو جبریل کو بلاتا ہے اور یوں کہتا ہے: بے شک میں فلاں شخص سے بغض رکھتا ہوں لہٰذا تو بھی اس سے بغض رکھ' تب جبریل اس شخص سے بغض رکھتے ہیں' پھر آسمان والوں میں منادی کرتے ہیں: "بے شک اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے نفرت کرتے ہیں تم بھی اس سے نفرت و بغض کرو" فرمایا: پس وہ بھی اس سے بغض ونفرت کرتے ہیں' پھر پوری زمین میں اس کے لیے ناراضی اور نفرت پھیلا دی جاتی ہے۔"[2]

یہ ہے وہ غیبی الٰہی راز جس کے ذریعے بعض مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں لوگوں کی محبت

---

1. رواہ ابویعلی والطبرانی' و رجالھما ثقات۔ مجمع الزوائد ۱۰/۲۵۱ باب ماجاء فی المتنعمین والمتطعین۔

2. صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ: باب اذا احب اللہ عبدا۔ حدیث: ۲٦۳۷۔

سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ یہ تو دراصل اللہ تعالیٰ کی ہی محبت ہے جو اس نے آسمان وزمین والوں کے درمیان پھیلا دی ہے' ان کے لیے زمین میں قبولیت رکھ دی جاتی ہے۔ یا یہ اس کی بغض وناراضی ہے جو زمین والوں میں رکھ دی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی محبت وخوشنودی کی بشارت ونوید صرف ایمان دار مردوں اور عورتوں کے لیے ہی ہے جو ایمان لائے ہیں اور عمل صالح کرتے ہیں' اور لوگ ان کے اعمال صالحہ کی تعریفیں کرتے ہیں' تو ایسے ہی لوگ ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ ان کی زندگی ہی میں خوشخبری دینے میں جلدی کرتا ہے کہ لوگ ان کی تعریفیں کرتے ہیں اور ان سے محبت کرتے ہیں' جیسے کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا: آپ کا اس آدمی کے متعلق کیا خیال ہے جو کوئی عمل خیر کرتا ہے اور لوگ اس کی تعریف وستائش کرتے ہیں؟ فرمایا:

((تِلْكَ عَاجِلُ بُشْرَى الْمُؤْمِنِ))

''وہ تو مومن کی بشارت کا جلد ملنے والا حصہ ہے۔''

اور صحیح مسلم ہی کی ایک روایت میں یوں ہے:

''اور لوگ اس عمل خیر پر اس سے محبت کرتے ہیں۔''[1]

مکارم اخلاق سے آراستہ مسلم خاتون' اللہ تعالیٰ کی حدود کی پاس داری کرنے والی' مامور بہ کام کی پیروی کرنے والی اور ممنوعہ امر سے رک جانے والی ہوتی ہے' تو ایسی عورت ہی دنیا میں جلدی بشارت پانے کی حقدار اور اہل ہوتی ہے اور وہ اپنے جاننے پہچاننے والوں اور اپنے اعمال صالحہ کی خبر سننے والوں کے لیے پسندیدہ ہوتی ہے مثلاً جاہل خواتین سے درگزر واعراض کرنا' برائی کا جواب نیکی سے دینا' پریشان حال اور محروم القسمت لوگوں پر نرمی وشفقت کرنا' لوگوں کے لیے خیر چاہنا' انہیں اپنے اوپر ترجیح دینا' معروف ونیکی کا کہنا' گفتگو میں اختصار رکھنا' فیصلے میں عدل کرنا' معاملے میں انصاف کا دامن تھام کر رکھنا' غیبت چغلی اور لوگوں کی دل آزاری سے پہلوتہی کرنا' ان کے علاوہ دیگر اخلاق فاضلہ جن کی اسلام نے رغبت دلائی ہے' اور جنہیں قیمتی زیور قرار

[1] صحیح مسلم کتاب البر والصلة: باب اذا اثنی علی الصالح فھی بشری۔ حدیث: ۲٦٤۲

دیا ہے جن سے ہر مسلمان خاتون آراستہ اور مزین ہوتی ہے، جس نے اپنے دین کے احکام کو سمجھ لیا اور اس کی عظیم ہدایت کو یاد رکھ لیا تو بلاشبہ وہ دنیا میں لوگوں کی محبت اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور اس کی جنتوں کو حاصل کر لے گی۔

الفت کرنے والی اور الفت پانے والی ہوتی ہے:

سمجھدار، ہوشمند مسلمان خاتون الفت کرنے والی اور دوسری خواتین سے الفت پانے والی ہوتی ہے، وہ مستورات سے الفت کرتی ہے، اور ان کے ساتھ گھل مل کر رہتی اور ان سے محبت رکھتی ہے، جس کے نتیجے میں وہ بھی اس سے الفت کرتیں اور اس کے ساتھ میل ملاپ رکھتیں اور محبت کرتی ہیں، کیونکہ اس کی شخصیت نرم مزاجی، جاذبیت، رقت اور حسن معاشرت کی خوگر ہوتی ہے۔ اور یہ وہ بلند ترین مقام ہے جس پر خاتون معاشرتی صفات کے باعث پہنچ جاتی ہے، عورتوں سے رابطے رکھ کر، اپنا اعتماد بحال کر کے اور ان میں اپنا اثر ورسوخ پیدا کر کے وہ اس مقام بلند کی اہل بنتی ہے، اور یہ خواتین صرف اسی خاتون کی بات سنتی ہیں جو ان سے الفت کرتی ہو، ان پر اعتماد کرتی ہو، اور ان کے پاس بیٹھ کر اطمینان پاتی ہو۔ وہ کسی کی فقط گفتگو ہی سے قائل نہیں ہوتی جب تک کسی خاتون سے ان چیزوں یعنی اعتماد، محبت، احترام اور تعظیم کو اپنی ذات کے لیے مشاہدہ نہ کر لے۔

یہی وجہ ہے کہ ایسی نصوص وارد ہیں جو اس نرم مزاج، پسندیدہ اخلاق رکھنے والے، الفت کرنے والے اور الفت پانے والے گروہ کی شان وعظمت کو بلند سے بلند تر بیان کرنے والی ہیں، خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں، اور یہ نصوص ایسے گروہوں کو رسول اکرم ﷺ کی ذات کے لیے محبوب ترین بناتی ہیں اور قیامت کے دن بلحاظ مجلس ایسے ہی لوگ آپ کے قریب ترین ہوں گے:

«أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَحَبِّكُمْ إِلَيَّ وَأَقْرَبِكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟»

''کیا میں تمہیں ان لوگوں کے متعلق نہ بتاؤں جو قیامت کے دن میرے محبوب ترین ہوں گے اور از روئے مجلس میرے قریب ترین ہوں گے؟''

آپ نے یہی باتیں دو یا تین مرتبہ دہرائیں، صحابہ کرام نے عرض کی: جی ہاں یا رسول اللہ! فرمایا:

«أَحْسَنُكُمْ خُلُقًا» [1]

---

[1] مسند احمد ۲/ ۱۸۵۔ واسنادہ جید

''تم میں سے جو سب سے بہترین اخلاق والے ہوں گے۔''

اور بعض روایات میں یہ الفاظ بھی ہیں:

((اَلْمُوَطَّاءُ وْنَ اَكْنَافًا اَلَّذِيْنَ يَأْلَفُوْنَ وَيُؤْلَفُوْنَ))

''جو اپنے پہلوؤں (بازوؤں) کو نرم رکھتے ہیں یعنی جو الفت کرتے ہیں اور الفتیں پاتے ہیں۔''

مسلمان خاتون کی اہم ترین صفات میں سے ہے کہ وہ سب کی پسندیدہ اور مرکز الفت ہوتی ہے' وہ عورتوں سے محبت رکھتی اور وہ اس سے محبت کرتی ہیں' انہیں جب کبھی موقع میسر آئے تو وہ اس کی طرف لپکتی ہیں تا کہ وہ اس کی پر مزہ اور لذیذ باتوں کو' اس کی دلچسپ ومرغوب رہنمائی کو اور اس کے نفع مند علم کو پورے انہماک سے حاصل کریں۔ایسی ہی روشن دماغ مسلمان خاتون استطاعت رکھتی ہے کہ وہ بار امانت کو ادا کر سکے' نفع مندی کو عام کر سکے' اور ایسی خاتون ہی بیداری پیدا کرنے میں امیدوں کا ملجا و ماویٰ ٹھیرتی ہے اور شعور آفرینی کا اہتمام کرتی ہے۔سمجھدار' اپنے دین کی ہدایت سے فیض یاب ہونے والی' الفت کرنے والی اور الفتیں پانے والی مسلمان خاتون کی یہی حالت اور یہی مقام ہوتا ہے اور جو اس درجہ تک نہیں پہنچی اس میں کوئی خیر نہیں ہوتی' جس طرح کہ حدیث شریف میں وارد ہے:

((اَلْمُؤْمِنُ يَأْلَفُ وَيُؤْلِفُ، وَلَا خَيْرَ فِيْمَنْ لَا يَأْلَفُ وَلَا يُؤْلَفُ)) [1]

''مومن الفت کرنے والا اور الفت پانے والا ہوتا ہے اور جو شخص الفت کرتا ہے اور نہ الفت پاتا ہے اس میں کوئی خیر نہیں ہوتی۔''

رسول کریم ﷺ نے اپنی امت کے لیے لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرنے میں اور تالیف قلوب کے سلسلے میں مکمل فوقیت ومہارت دکھانے میں ایک اعلیٰ مثال قائم فرما دی ہے، اور اپنی امت کو اس سلسلے میں قول' عمل اور کردار وسلوک میں مکمل پیروی کرنے کی طرف دعوت دی ہے' اور لوگوں کے دلوں تک رسائی پانے کی کیفیت کے ضمن میں اور ان کی محبت' پسند اور پیار کو پانے کی غرض سے ایک راہ اعتدال متعین فرما دی ہے' آپ علیہ الصلاۃ والسلام ہمیشہ مسکراہٹ' نرم اخلاق اور

---

[1] مسند احمد (۲/ ۴۰۰) و البزار' و رجال احمد رجال الصحیح' مجمع الزوائد ۸/ ۸۷ باب المومن یالف ویولف۔

نرم بازو والے رہتے تھے اور کبھی بد زبانی و درشت گوئی نہ فرماتے تھے' جب کسی قوم کے پاس پہنچتے تو مجلس کے آخر ہی میں بیٹھ جاتے اور اسی کا ہی حکم دیتے' اور اپنے تمام ہم نشینوں کو یکساں حصہ عطا فرماتے' آپ کے ہم نشینوں میں سے کوئی بھی یہ خیال نہ کرتا تھا کہ آپ نے اس سے بڑھ کر کسی دوسرے کی تکریم کی ہے' اگر کسی نے کوئی حاجت مانگی ہے تو اس کو وہ چیز دیے بغیر واپس نہ کرتے تھے یا پھر اس سے انتہائی نرمی سے گفتگو کرتے تھے' آپ کے اخلاق واوصاف تمام لوگوں پر محیط تھے' گویا کہ آپ ان کے باپ ہیں' اور باقی سب لوگ حق رکھنے میں آپ کے ہاں مساوی تھے' لوگ آپ کی مجلس میں ہم رتبہ وہم مرتبہ ہوتے تھے' تقویٰ کی وجہ سے ایک دوسرے پر برتری پاتے تھے' متواضع ومنکسر بن کر رہتے تھے' بڑے کی توقیر وتعظیم بجالاتے اور چھوٹے پر رحم کرتے تھے' حاجت مند کو ترجیح دیتے اور اجنبی مسافر کی حفاظت کرتے تھے۔

آپ صلوات اللہ علیہ اپنے سے امید رکھنے والے کو مایوس نہ کرتے تھے' اور نہ ہی وہ آپ سے ناکام لوٹتا تھا' آپ نے تین باتیں بالکل چھوڑ رکھی تھیں' جھگڑا' زیادہ لمبی گفتگو اور بے مقصد باتیں' اور لوگوں کے معاملے میں تین چیزوں کو بالکل ترک کر دیا تھا' کسی کی مذمت نہ کرتے' کسی کو عار نہ دلاتے' اور کسی کے عیب کی ٹوہ نہ لگاتے۔ اور صرف وہی کلام فرمایا کرتے جس میں ثواب کی امید ہوتی' جب آپ گفتگو فرماتے تو آپ کے ہم نشین اپنے سروں کو یوں جھکائے ہوئے ہوتے گویا کہ ان کے سروں پر پرندے ہیں' تو جب آپ خاموش ہوتے تب باہم باتیں کرتے' آپ کی موجودگی میں باہم نہ جھگڑتے تھے' آپ ﷺ اس چیز سے ہنستے تھے جس سے وہ ہنستے' اور اس چیز سے تعجب بھی فرماتے جس پر وہ تعجب کرتے' کسی اجنبی کی گفتگو یا طلب میں شدت وسختی پر صبر کا دامن تھام کر رکھتے حتیٰ کہ آپ کے صحابہ کرام ہی گفتگو کے دوران میں مدد کو پہنچتے' اور آپ انہیں فرمایا کرتے جب تم کسی صاحبِ حاجت کو دیکھو تو اس کی مدد کرو' آپ تعریف وثناء کو قبول نہ فرماتے مگر کسی بدلہ دینے والے سے' آپ کسی کی بات کو نہ کاٹتے تھے حتیٰ کہ وہ بات پوری کر لیتا' اور وہ خود ہی بات مکمل کر کے یا وہاں سے اٹھ کر جانے سے اسے قطع کرتا۔ [1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہمیں بیان فرماتی ہیں کہ آپ برے لوگوں سے بچ کر رہتے تھے' آپ انہیں

[1] حیاۃ الصحابۃ ۱/۲۲'۲۳۔

نرمی، گفتار اور حسن کردار سے جھکا لیتے تھے، ایک آدمی نے آپ کے پاس آنے کی اجازت طلب کی، آپ ﷺ نے فرمایا: اسے اجازت دے دو، قبیلے کا برا بھائی ہے یا فرمایا: قبیلے کا برا بیٹا ہے" جب وہ اندر آ گیا تو آپ نے اس سے نرمی سے باتیں کیں، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا عرض کرتی ہیں: یا رسول اللہ! آپ نے تو اس کے بارے میں ایسا اور ایسا کہا تھا پھر آپ نے اس سے نرمی سے باتیں بھی کیں! فرمایا: "اری عائشہ! بلاشبہ لوگوں میں سے برا وہ ہے جسے لوگ اس کی فحش و برائی سے بچنے کے لیے چھوڑ دیں۔" ①

بلاشبہ پختہ کردار والی اور سیرت نبوی کے سامنے اپنے دل و دماغ کو کشادہ رکھنے والی مسلمان خاتون اپنے نبی الامین صلوات اللہ وسلامہ علیہ کے نقش قدم پر چلتی ہے، لوگوں سے معاملات طے کرنے میں، وہ صالح ہوں یا طالح، تو اس طرح نسوانی محفلوں کی خواتین میں جو اس کے بارے میں جانتی ہوں یا سنتی ہوں وہ محبوب، مقبول اور الفتیں پانے والی ہوتی ہے۔

وہ کسی کا راز فاش نہیں کرتی:

سمجھدار پختہ کردار کی حامل مسلمان خاتون کے دل سے یہ بات اوجھل نہیں ہوتی کہ راز کی حفاظت کرنا ان خوبصورت ترین اخلاق اور صفات میں سے ہے جن سے انسان آراستہ وپیراستہ ہوتا ہے، خواہ مرد ہو یا عورت، یہ اس لیے کہ راز کی حفاظت کرنا شخصیت کی پختگی، خلق کی متانت، چال ڈھال کی بردباری اور عقل کی برتری پر دلالت کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ مسلمان خاتون جس نے اسلام کی ہدایت کی شرابِ خالص چسکیاں لے لے کر پی ہو وہ اس راز کی حفاظت کرنے والی رہتی ہے جس کی حفاظت کے لیے اسلام نے اسے دعوت دی ہے، اور وہ اسلام کی ان نمایاں ترین شخصیات کے زمرے اور خلاصے میں اپنے آپ کو شامل کر لیتی ہے جن کے اخلاق عمدہ تر ہوتے ہیں اور راز کی حفاظت کرنا ان کے اوصاف علیا میں سے ایک بلند صفت ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے راز کی حفاظت کرنے کی پہلے پہل فضیلت پانے اور اس فضیلت کو تھامنے پر مکمل تندہی دکھانے پر واضح ترین واقعات میں سے یہ واقعہ ہے جس میں سیدنا ابوبکر اور

① صحیح بخاری کتاب الادب، باب مایجوز من اغتیاب اهل الفسد الریب، حدیث: ٦٠٥٤ وصحیح مسلم کتاب البر والصلة، باب مداراة من یتقی فحشه، حدیث: ٢٥٩١۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے جو موقف اور انداز اختیار کیا تھا جب انہوں نے اپنی صاحبزادی سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے بیوہ ہونے پر ان دونوں حضرات کے سامنے اپنی بیٹی کے ساتھ نکاح کی بات کی تھی اور ان دونوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کو چھپائے رکھا۔

امام بخاری رحمہ اللہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا عمر فاروق بن خطاب رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا جس وقت بیوہ ہوگئیں تو کہتے ہیں: ''میں سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے ملا اور ان پر حفصہ کا رشتہ پیش کیا تو یوں کہا: اگر آپ چاہیں تو میں حفصہ بنت عمر کا نکاح آپ سے کر دیتا ہوں' وہ بولے: میں اپنے معاملے پر غور کروں گا' میں چند ایام ٹھیرا رہا' پھر وہ مجھے ملے اور یوں کہنے لگے: مجھے یہی بہتر لگتا ہے کہ میں ابھی نکاح نہ کروں' پھر میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملا اور یوں عرض کی: اگر آپ پسند کریں تو میں حفصہ بنت عمر کا آپ سے نکاح کر دیتا ہوں۔ جس پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے اور مجھے کوئی جواب نہ دیا' مجھے آپ پر سیدنا عثمان سے زیادہ غصہ آیا۔ میں نے پھر چند راتیں یونہی گزاریں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خود مجھے اس کے ساتھ نکاح کرنے کا پیغام دیا' چنانچہ میں نے اس کا نکاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا' پھر مجھے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ملے تو فرمانے لگے: شاید کہ آپ کو مجھ پر غصہ آیا تھا جب آپ نے مجھ سے حفصہ کے رشتہ کی بات کی تھی اور میں نے آپ کو کوئی جواب تک نہ دیا تھا؟ میں نے کہا: جی ہاں بالکل! کہتے ہیں: آپ کے مجھ پر حفصہ کا رشتہ پیش کرنے میں پھر میرے جواب نہ دینے میں اس کے سوا کوئی اور چیز مانع نہ تھی کہ میں جانتا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اپنے نکاح کرنے کی خواہش کا ذکر کیا ہے اور میں ایسا نہ تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کو افشا کر دیتا اور اگر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسے چھوڑ دیتے تو میں اسے قبول کر لیتا۔'' [1]

راز کی حفاظت کرنے والی فضیلت میں اسلاف کے صرف مرد حضرات ہی پر بس نہیں ہے بلکہ اس میں وہ بچے اور خواتین بھی شامل ہیں جنہوں نے ہدایت اسلام سے سیرابی پائی ہے' اور ان کے قلوب وعقول اس کی چمکدار روشنی سے منور ہوئے ہیں' ہم یہ بات اس حدیث میں پاتے ہیں

[1] صحیح بخاری، کتاب النکاح: باب عرض الانسان ابنته علی اهل الخیر۔ حدیث: ۵۱۲۲۔

جسے امام مسلم رحمہ اللہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں' فرمایا:

''رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے جبکہ میں بچوں کے ساتھ کھیل کود رہا تھا' آپ نے ہمیں سلام کیا' اور مجھے کسی ضرورت کے لیے بھیج دیا' اور میں اپنی امی جان کے پاس دیر سے گھر آیا' تو جونہی میں آیا تو وہ بولیں: تجھے کس چیز نے روکے رکھا؟ میں نے عرض کی: مجھے رسول اللہ ﷺ نے کسی کام کے لیے بھیجا ہوا تھا۔ وہ بولیں: آپ کا کونسا کام تھا؟ میں نے عرض کی: وہ تو ایک راز ہے۔ وہ بولیں: رسول اللہ ﷺ کے راز کو کسی کے سامنے ہرگز بیان نہ کرنا' سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

((وَاللّٰهِ لَوْ حَدَّثْتُ بِهِ أَحَدًا لَحَدَّثْتُكَ بِهِ يَا ثَابِتُ))[1]

''اللہ کی قسم! اگر میں وہ کسی سے بیان کرتا تو اے ثابت! میں اسے تیرے سامنے ضرور بیان کرتا۔''

ام انس رضی اللہ عنہا نے اپنے صاحبزادے میں رسول اللہ ﷺ کے راز کی حفاظت رکھنے کی حرص کو دیکھا تو پھر اس حرص کو مزید تقویت بخشی' جب اس نے اس سے یہ تقاضا کیا کہ وہ راز نبوی ﷺ سے کسی کو بھی آگاہ نہیں کرے گا' پھر انہوں نے یہ راز ثابت بنانی تابعی رحمہ اللہ کو بھی بیان نہ کیا جو آپ سے اس حدیث کے راوی ہیں اور والدہ کو اطلاع پانے کی محبت وحرص نے اپنے چھوٹے سے برخوردار کو بھی مجبور نہ کیا' تاکہ وہ اس راز سے آشنائی پا سکے جو اس کے صاحبزادے نے اس سے بھی چھپایا ہوا تھا' یہ تھی تربیت اسلام' اور یہ تھا وہ بلند مرتبہ اور بلند سطح جس پر انسان کو متمکن کیا تھا اس تربیت نے' خواہ وہ کوئی مرد تھا' یا خاتون یا کوئی بچہ۔

جب رازوں کو افشا کرنا ان بری عادات میں سے ہے جن کی وجہ سے انسان مبتلائے رنج وغم ہوتا ہے اور قابل نفرت بن جاتا ہے تو تمام رازوں میں سے بدترین افشا ان امور کا ہے جو ازدواجی زندگی کے متعلق ہوں' اور اس قبیح عادت کا مرتکب اور عادی قیامت کے دن سب سے برے لوگوں میں سے ہوگا' جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے فرمان اقدس میں یوں وضاحت کی ہے:

---

[1] صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة: باب فضائل انس: حدیث: ۲۴۸۲ اور ثابت رحمہ اللہ تابعی ہے جو سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے اس روایت کا راوی ہے۔

《 إِنَّ مِنْ أَشَرِّ النَّاسِ [1] عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ الرَّجُلَ يُفْضِي إِلَى الْمَرْأَةِ وَتُفْضِي إِلَيْهِ ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا 》[2]

''بلاشبہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے ہاں تمام لوگوں میں سے بدترین وہ آدمی ہوگا جو بیوی سے ملتا ہے اور وہ اس سے ملتی ہے' پھر وہ اس کے راز کو پھیلاتا ہے''

ایسی خلوت نشینی کے رازوں کو انتہائی پوشیدگی اور مضبوط قلعے میں بند بلکہ کئی تہوں میں مخفی ہونا چاہئے' جنہیں خلوت کرنے والوں کے علاوہ کوئی نہ جانتا ہو' ایسی خلوتوں کے بھیدوں کو لوگوں کے پاس صرف وہی آدمی ہی نشر کرتا ہے جس کی عقل میں دیوانگی کی کیفیت ہو' جس کے خلق میں بے ہودگی کا نشان ہو اور جس کی شخصیت میں تلون مزاجی' دیوسیت' بھڑوے پن اور گھٹیا پن کا مادہ ہو۔ مسلمان مرد اور عورتیں تو ایسی تمام چیزوں سے محفوظ و بعید ہوتے ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے دین کی ہدایت کو سیکھا ہوتا ہے اور اس کے چمکدار اور خوبصورت اخلاق سے اپنے نفوس کو مزین و منور کیا ہوتا ہے۔

خوش مزاج اور خندہ پیشانی والی ہوتی ہے:

معزز شریف مسلمان خاتون پر یہ امر مخفی نہیں رہتا کہ اپنے خاوند کے ساتھ مخصوص زندگی اور اپنی معاشرتی عام زندگی کی کامیابی کے اہم ترین عوامل میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ خوش مزاج اور خندہ پیشانی والی بن کر رہے' ہنس مکھ ہو' اس کے چہرے پر مسکراہٹ چھائی رہے' اس کے دانتوں سے بشاشت و بشارت جھلک رہی ہو' یہ سب چیزیں وہ ہیں جو اسے لوگوں کی پسندیدہ اور ان کے دلوں کے قریب کر دیں گی اس کے علاوہ یہ چیزیں حسن خلق' جمالِ شخصیت اور جاذبیتِ ہیئت کی ترجمان بھی ہیں' اور یہ اس معروف میں سے بھی ہیں جس پر اسلام نے رغبت و انگیخت فرمائی ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

---

[1] اس روایت میں ''اشر الناس'' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جبکہ علمائے نحو یہ کہتے ہیں کہ ''اشر'' اور ''اخیر'' استعمال کرنا جائز نہیں ہے بلکہ یوں کہا جائے گا ''هو خير منه'' اور ''هو شر منه''۔ اور احادیث صحیحہ میں دونوں طرح کے الفاظ وارد ہیں۔

[2] صحیح مسلم کتاب النکاح: باب تحریم افشاء سر المراۃ۔ حدیث: ۱٤۳۷

«لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا، وَلَوْ أَنْ تَلْقَى اَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلِيْقٍ»[1]

''کسی بھی معروف (نیکی) کو حقیر نہ جان' خواہ وہ تیرا اپنے (مسلمان) بھائی سے خندہ روئی سے ملنا ہی کیوں نہ ہو۔''

رسول کریم ﷺ کی سیرت وہدایت میں سے یہ بات بھی ہے کہ مسلمان انسان اپنے بھائی سے کشادہ روئی اور بشاشت ومسکراہٹ کے ساتھ ملے' اور آپ صلوات اللہ وسلامہ علیہ اپنے کسی بھی صحابی کو نہ ملتے تھے مگر آپ تبسم فرما رہے ہوتے اور آپ کے چہرہ مبارک پر بشاشت ہوتی جس طرح کہ یہ بات اس حدیث میں موجود ہے جسے شیخین نے صحابی جلیل سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں:

«مَا حَجَبَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مُنْذُ اَسْلَمْتُ، وَلَا رَآنِيْ اِلَّا تَبَسَّمَ فِيْ وَجْهِيْ»[2]

''نہیں روکا مجھے (اپنے پاس آنے سے) رسول اللہ ﷺ نے جب سے میں اسلام لایا' اور نہیں دیکھا مجھے آپ ﷺ نے مگر مجھے دیکھتے ہی تبسم ضرور فرمایا۔''

بلاشبہ ہنستے منہ والی اور خندہ پیشانی والی خاتون اپنے شوہر کے دل میں خوشی کی لہر پیدا کر دیتی ہے جب بھی اس کی نگاہ اس پر پڑتی ہے' تو اس سے اس کی محبت' عزت وتکریم میں وہ مزید اضافہ کا موجب بنتی ہے اور یہی حال ہوتا ہے اس کا نسوانی اجتماعات میں جن میں وہ زندگی گزارتی ہے' کیونکہ چہرے کی بشاشت کشادہ قلبی اور پسندیدہ بلند اخلاق کے علاوہ کوئی دوسری چیز نہیں ہے جو باہمی الفت ومحبت' باہمی ملاطفت وعطوفت کو زیادہ کر سکتی ہو۔ بلاشبہ یہی وہ صفات' خصائص اور امتیازی علامات ہیں جن کی نرم مزاج اور خوش خلق مسلمان خاتون ہی سب سے بڑھ کر لائق وحقدار ہے پھر وہ انہی امتیازی علامات' خصائص اور صفات کے ذریعے ہی دلوں تک رسائی حاصل کرتی اور دوسروں کے نفوس کی تہوں تک سرایت کر جاتی ہے۔

---

[1] صحیح مسلم كتاب البر والصلة، باب استحباب طلاقة الوجه۔ حديث: ٢٦٢٦۔

[2] صحيح بخاری كتاب الادب: باب التبسم والضحك' حديث : ٦٠٨٩ وصحيح مسلم كتاب فضائل الصحابة، باب فضائل جرير بن عبدالله۔ حديث : ٢٤٧٥۔

ہنس مکھ طبیعت والی ہوتی ہے:

بیدار مغز مسلمان خاتون ہنس مکھ طبیعت والی، منکسر المزاج اور شیریں گفتار ہوتی ہے، وہ ایسے اوقات میں جن میں مزاح مستحسن ہو، کھیل کود طبیعتوں کو اچھا لگتا ہو اور نفوس کی دل جوئی کرنی مناسب ہو، وہ اپنی بہنوں اور سہیلیوں سے ہنسی ومزاح کرنے سے نفرت نہیں کرتی۔

یہ بات اپنی جگہ مسلّمہ ہے کہ مسلمان خاتون کا ہنسی مزاح بھی مشروع، جائز اور اسلامی رنگ میں رنگا ہوتا ہے، جس کے اندر وہ گھٹیا پن، حقارت اور کم عقلی ونادانی پر نہیں اترتی۔ بلکہ رسول اکرم ﷺ بھی اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہنسی مزاح فرمالیا کرتے تھے، لیکن آپ ﷺ اپنی ہنسی مزاح میں دائرہ حق سے باہر نہ نکلا کرتے تھے، رسول کریم ﷺ کی بابت صحابہ کرام کا ایک اثر یوں مروی ہے: یا رسول اللہ! آپ بھی ہم سے ہنسی مزاح کر لیتے ہیں؟ فرمایا:

((إِنِّيْ لَا أَقُوْلُ إِلَّا حَقًّا)) [1]

"بے شک میں ماسوائے حق کے کچھ نہیں کہتا۔"

اسی طرح ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی تھے، ان کی ہنسی مزاح اور باہمی خوش طبعی ودل لگی کے انتہائی شاندار اور نادر وعمدہ واقعات ہیں جو ان کے اور رسول اکرم ﷺ کے مابین ہوا کرتے تھے۔

ان واقعات میں سے جنہیں کتب حدیث وسیر نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کے بیٹوں میں سے ایک چھوٹے سے بچے سے مزاح فرمایا کرتے تھے جس کی کنیت ابوعمیر تھی، اس کا ایک پرندہ تھا جس سے وہ کھیلا کرتا تھا۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے اسے غمگین دیکھا۔ اور دریافت فرمایا: مجھے کیا ہے کہ میں ابوعمیر کو غمگین دیکھ رہا ہوں؟ صحابہ نے بتایا: یا رسول اللہ! اس کا وہ پرندہ فوت ہو گیا ہے جس سے وہ کھیلا کرتا تھا تو نبی اکرم ﷺ نے اس بچے سے خوش طبعی کرتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا:

((أَبَا عُمَيْرُ! مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ؟)) [2]

"اے ابوعمیر! نغیر نے کیا کیا؟" [3]

---

1. اخرجه البخاري في الادب المفرد ١/٣٦٥ باب المزاح۔ سنن الترمذي، ح: ١٩٩٠۔
2. النغیر: النغر کی اسم تصغیر ہے، یہ ایک ایسا پرندہ ہے جو چڑیا کے مشابہ ہوتا ہے۔
3. صحيح بخاري، كتاب الادب، باب الكنية للصبي، حديث: ٦٢٠٣۔ صحيح مسلم: ٢١٥٠۔

ایک آدمی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں سواری کے لیے اونٹ مانگنے حاضر ہوا تو نبی مکرم ﷺ نے اسے از راہ مزاح یوں کہا: ''میں تجھے اونٹنی کے بچے پر سوار کرتا ہوں''

وہ بولا: یا رسول اللہ! میں اونٹنی کے بچے کو کیا کروں گا؟ تب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اونٹ بھی تو اونٹنیوں کے بچے ہوتے ہیں۔''①

امام احمد رحمہ اللہ نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ ایک دیہاتی آدمی جس کا نام زاہر تھا وہ نبی اکرم ﷺ کے پاس دیہات سے تحفے تحائف لایا کرتا تھا' پھر جب وہ جانے کا ارادہ کرتا تو نبی اکرم ﷺ بھی اس کے لیے کچھ سامان تیار فرمایا کرتے' نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ زَاهِرًا بَادِيَتُنَا وَنَحْنُ حَاضِرُوْهُ))

''بلاشبہ زاہر ہمارا دیہاتی بھائی ہے اور ہم اس کے شہری بھائی ہیں۔''

اور رسول اللہ ﷺ اس سے محبت فرماتے تھے' اور وہ کوتاہ قد سیاہ فام شخص تھا' رسول اللہ ﷺ اس کے پاس تشریف لائے اس وقت وہ اپنا سامان بیچ رہا تھا' آپ ﷺ نے اسے پچھلی جانب سے بازوؤں میں لے لیا اور آپ کو وہ شخص دیکھ نہیں رہا تھا' وہ بولا: مجھے چھوڑو! کون ہے؟ اس نے مڑ کر دیکھا تو اس نے نبی ﷺ کو پہچان لیا' جونہی اس نے آپ کو پہچانا تو اپنی پشت کو نبی اکرم ﷺ کے سینے سے لگائے رکھنے میں اس نے کوئی کسر نہ اٹھائے رکھی' اور رسول اللہ ﷺ پکارنے لگے: ''اس غلام کو کون خریدے گا؟''

وہ بولا: یا رسول اللہ! اس صورت میں اللہ کی قسم آپ مجھے کم قیمت ہی پائیں گے۔ تب رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: لیکن تو اللہ کے ہاں کم قیمت نہیں ہے۔''②

ایک بڑھیا نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور یوں عرض پرداز ہوئی: یارسول اللہ! آپ میرے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ مجھے جنت میں داخل فرما دے' آپ ﷺ نے از راہ مزاح وخوش طبعی فرمایا: اے ام فلاں! جنت میں بڑھیا داخل نہیں ہوگی، بوڑھی عورت لوٹی اور رونے لگی، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اسے خبر کردو کہ وہ اس حالت میں داخل نہیں ہوگی کہ وہ بوڑھی ہو کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

---

① بخاري في الادب المفرد ١/٣٦٦ باب المزاح۔ سنن أبي داوٗد: ٤٩٩٨۔

② شمائل ترمذي: ٢٤٠۔ مجمع الزوائد ٩/٣٦٨ باب ما جاء في زاهر بن حزام۔

﴿ إِنَّا أَنْشَأْنَاهُنَّ إِنْشَاءً ۝ فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا ﴾ (الواقعة: ٥٦/٣٥، ٣٦)

''ہم نے ان کی بیویوں کو خاص طور پر بنایا ہے اور ہم نے انہیں کنواریاں کر دیا ہے۔''①

رسول اللہ ﷺ ہنس مکھ، خوش باش، محبت کرنے والی اور خوش طبع و مزاح کرنے والی نفسیات پر دلالت کرنے والی احادیث میں سے ایک وہ حدیث بھی ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، فرماتی ہیں:

''میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ ایک سفر میں ساتھ گئی تھی، میں ابھی بچی ہی تھی میرے وجود پر گوشت نہ آیا تھا اور میں اتنی فربہ بھی نہ تھی، تو آپ نے لوگوں سے کہا: آگے بڑھ جاؤ، چنانچہ وہ آگے چلے گئے، پھر آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''آؤ بھئی میں تجھ سے دوڑ کا مقابلہ کرتا ہوں۔''②

چنانچہ میں نے مقابلے کی بات کو قبول کیا دوڑ لگائی تو میں آپ سے سبقت لے گئی، آپ اس وقت خاموش رہے، حتیٰ کہ مجھ پر گوشت آ گیا اور میں فربہ ہو گئی اور میں اس مقابلے کو بھول ہی گئی، میں ایک بار پھر رسول اللہ ﷺ کے ہم سفر تھی، آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا: آگے چلے جاؤ، چنانچہ وہ آگے بڑھ گئے، پھر آپ نے مجھے کہا: ''آؤ بھئی میں تجھ سے دوڑ لگاتا ہوں'' میں نے آپ سے دوڑ لگائی تو آپ مجھ سے سبقت لے گئے، پھر آپ مسکراتے ہوئے یوں فرماتے ہیں: ''یہ اس کے بدلے میں ہے'' یعنی یہ اس شکست کا بدلہ ہے۔

بلاشبہ رسول مکرم ﷺ مسلمانوں کے امام، قائد اور معلم تھے، آپ ان سے کبھی کبھار مزاح بھی فرما لیتے تھے، اور بعض اوقات ان سے خوش طبعی بھی کر لیا کرتے تھے، آپ کی بڑی بڑی قائدانہ ذمہ داریوں یعنی امت مسلمہ کی تیاری، اسلامی ریاست کا قیام، جہادی دستوں کی روانگی اور ان جیسے دیگر اہم ترین امور آپ کو ایسی پر لطف، خوش کن اور مزاح سے بھرپور گفتگو کرنے سے مشغول نہ کر سکے جن کے ذریعے آپ بعض اوقات تو اپنے صحابہ کے دلوں میں فرحت و سرور داخل فرمایا کرتے اور بعض اوقات اپنی ازواج مطہرات کے دلوں میں خوشیاں لایا کرتے تھے۔

ان واقعات مزاح میں سے ایک واقعہ یہ بھی ہے جسے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بایں طور بیان کیا

---

❶ شمائل ترمذی (٢٤١) عن الحسن البصری مرسلاً۔ مجمع الزوائد (١٠/٣١٩)۔

❷ صحیح أحمد ٦/٢٦٤، وابو داود کتاب الجهاد: باب فی السبق علی الرجل، ح: ٢٥٧٨۔

ہے' فرماتی ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ کے لیے حلوا پکایا اور آپ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئی' میں نے سیدہ سودہ (رضی اللہ عنہا) سے بھی کہا: تم بھی کھاؤ جب کہ نبی اکرم ﷺ میرے اور ان کے درمیان تھے' انہوں نے کھانے سے انکار کر دیا' میں نے کہا: تو ضرور کھائے گی وگرنہ میں تیرے چہرے پر مل دوں گی' وہ تب بھی نہ مانیں' چنانچہ میں نے حلوے میں ہاتھ ڈالا' اور پھر ان کے چہرے پر مل دیا' نبی اکرم ﷺ خوب ہنسے' پھر آپ ﷺ نے ان کی خاطر اپنے ہاتھ کو پھیلایا اور انہیں کہا: تو بھی اس کے چہرے پر لگا اور ایک روایت میں یوں ہے: آپ ﷺ نے اس کی خاطر اپنے گھٹنے کو جھکایا تاکہ وہ مجھ سے بدلہ وقصاص لے لے' چنانچہ انہوں نے پلیٹ میں سے کچھ حلوا لیا اور میرے چہرے پر لگا دیا اور رسول اللہ ﷺ ہنستے جا رہے تھے۔''[1]

خلاصہ کلام' یہ سب شواہد وآثار اسلام اور اہل اسلام کی زندہ دلی پر واضح اور کھلا ثبوت ہیں اور اس بات پر بھی جو اسلام اپنے بیٹوں اور بیٹیوں سے چاہتا ہے کہ وہ ہنس مکھ' خوش طبیعت اور خوش مزاج رہیں بلاشبہ یہ دور حاضر کی باصلاحیت مسلمان خاتون کی پسندیدہ صفات بھی ہیں' جو اس کی شخصیت کی جاذبیت' خوبصورتی اور تاثیر میں مزید نکھار لاتی ہیں۔

وہ دلوں میں مسرتیں داخل کرتی ہے:

ہدایت یافتہ مسلمان خاتون اپنی گفتگو اور اپنے مذاکرات میں عورتوں کے ماحول میں خوشی پھیلانے کی خواہش مند ہوتی ہے اور ان کے نفوس میں بہجت' تازگی اور بیداری عام کرنے کی کوشش کرتی ہے' فرحت بخش خبریں سنانے سے اور مفید نادر اور عمدہ خوش کن باتیں کرنے سے یہ فریضہ سرانجام دیتی ہے' اللہ تعالیٰ کے حلال کردہ دائرے اور حلقے میں رہتے ہوئے دلوں میں خوشی ومسرت کو داخل کرنا اسلام کا مقصود ومطلوب ہے جس پر شرع حنیف نے ابھارا ہے اور اس فعل کے سرانجام دینے کی رغبت دی ہے' تاکہ اہل ایمان مردوں اور عورتوں کی فضائیں مودت ومحبت سے معمور وبھرپور رہیں اور بہترین وعمدہ تر افعال کو سرانجام دینے کے لیے اور مطلوبہ قربانیوں اور مشقتوں کو برداشت کرنے کے لیے فضائیں خوشگوار رہیں۔

---

1. رواہ ابویعلی' ورجالہ رجال الصحیح' محمد بن عمرو بن علقمۃ کے علاوہ' البتہ اس کی حدیث بھی حسن ہوتی ہے' مجمع الزوائد: ٤/٣١٦۔

اسی بنا پر اسلام بھی اس آدمی کو جو مسلمان مردوں اور عورتوں کے دلوں میں خوشیاں پیدا کرتا ہے اسے بڑی خوشی و مسرت کی نوید سناتا ہے' جو اللہ تعالیٰ بروز قیامت اس کے دل میں پیدا کرے گا:

((مَنْ لَقِيَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ بِمَا يُحِبُّ اللّٰهُ لِيَسُرَّهُ بِذٰلِكَ، سَرَّهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))[1]

''جو شخص اپنے مسلمان بھائی سے اس طریقے اور انداز سے ملاقات کرے گا تاکہ اس کو خوش کر دے اور اللہ تعالیٰ کو بھی وہ طریقہ اور انداز محبوب ہو' تو اللہ تعالیٰ بروز قیامت اس شخص کو خوش کر دے گا۔''

بلاشبہ عقلمند سمجھدار مسلمان خاتون ایسی حلال اور جائز بہت سی خوشیاں تلاش کرتی ہے جن کو بروئے کار لا کر وہ اپنی بہنوں کے دلوں میں خوشیاں پیدا کر سکتی ہے خواہ وہ پرتپاک علیک سلیک ہو' یا گفتار کی شیرینی ہو' یا کوئی نظر التفات ہو' یا کوئی نکتہ آفرینی ہو' یا کوئی خوش کن بول ہو' یا محبت بھری مسکراہٹ ہو' یا پرخلوص ملاقات ہو' یا فرحت بخش تحفہ ہو' یا مسلسل خبر گیری ہو' یا کوئی خالص عطیہ ہو یا کوئی تسلی دینے والی غم خواری ہو' جس کے باعث دلوں کے دروازے کشادہ ہو جائیں' محبت کے بیج بوئے جائیں' پیار کے رشتے مستحکم ہو جائیں اور اخوت کے ناتے مضبوط ہو جائیں۔

وہ سخت گیر اور انتہا پسند نہیں ہوتی:

اپنے دین کی ہدایت کو یاد رکھنے والی مسلمان خاتون مباح امور میں سخت گیر اور انتہا پسند نہیں ہوتی' جن کاموں کو شرع حنیف نے مختلف اوقات و مختلف مناسبات میں مباح اور جائز رکھا ہے جیسے کہ عیدوں' شادیوں اور خوشی کی محافل میں جائز شعروں کو گانا اور آسودگی بخشنے والے بعض کھیل کھیلنے جن میں کھیلنے والوں کو کسی فساد کا اندیشہ نہ ہو' یا جن سے کسی طرح کا فتنہ جنم نہ لیتا ہو۔

اگرچہ وہ خاص موقعوں میں جائز کھیل کود کو اختیار کر لیتی ہے لیکن اسے اپنا مقصود اصلی اور اپنی عادت ثانیہ ہی نہیں بنا لیتی بلکہ اپنے اس دین کی ہدایت کی اتباع ہی میں رہتی ہے جس نے بعض اوقات کی مناسبت سے کھیل کود کو جائز قرار دیا ہے' جس کی تائید میں متعدد صحیح احادیث بھی وارد ہیں۔

---

[1] طبراني في الصغير واسناده حسن۔انظر مجمع الزوائد ۱۹۳/۸ باب فضل قضاء الحوائج۔

صحیح بخاری میں ہے کہ سیدہ عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے ایک عورت کو جو آپ کی کفالت میں یتیم بچی کی حیثیت سے پروان چڑھی تھی' ایک انصاری مرد کے گھر رخصت کیا' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« يَا عَائِشَةُ! مَا كَانَ مَعَكُمْ لَهْوٌ' فَإِنَّ الْأَنْصَارَ يُعْجِبُهُمُ اللَّهْوُ »[1]

''اے عائشہ! کیا تمہارے پاس کوئی تفریح طبع کا کھیل نہیں ہے' کیونکہ انصار تفریح طبع کے کام کو پسند کرتے ہیں۔''

امام بخاری رحمہ اللہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی سے آپ کا یہ قول روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس اس وقت تشریف لائے جب دو بچیاں میرے ہاں یوم بعاث کے گیت گا رہی تھیں[2] تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بستر پر لیٹ گئے' اور اپنا چہرہ دوسری جانب کر لیا۔ پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے' تو انہوں نے مجھے ڈانٹا اور یوں فرمایا:

« مِزْمَارُ الشَّيْطَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم »

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موسیقی کے شیطانی آلات!''

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی طرف رخ کیا اور ارشاد فرمایا' انہیں رہنے دے۔ تو جونہی آپ کا دھیان دوسری جانب ہوا تو میں نے انہیں آنکھ کے اشارے سے چلے جانے کو کہا تو وہ دونوں چلی گئیں۔[3]

صحیح بخاری کی روایت میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« يَا أَبَا بَكْرٍ! إِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيدًا' وَهٰذَا عِيدُنَا »[4]

''اے ابوبکر! یقیناً ہر قوم کی عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے۔''

امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمان بھی روایت کیا ہے: عید کے روز سوڈانی حبشی

---

1. صحیح بخاری کتاب النکاح' باب النسوة اللاتی یھدین المراۃ الی زوجھا۔ حدیث: ۵۱۶۲۔
2. بعاث: مدینہ منورہ کے نواح میں ایک جگہ کا نام ہے جہاں پر اسلام سے قبل اوس اور خزرج کے مابین لڑائی ہوئی تھی' اس کا نام ''یوم بعاث'' رکھا گیا تھا' اس دن کے بارے میں شاعروں کے بہت سے اشعار تھے جو گائے جاتے تھے۔
3. صحیح بخاری کتاب العیدین: باب الحراب والدرق یوم العید۔ حدیث: ۹۴۹
4. صحیح بخاری کتاب العیدین: باب سنۃالعیدین لا ھل الاسلام۔ حدیث ۹۵۲

لوگ ڈھالوں اور نیزوں سے کھیل رہے تھے' یا تو میں نے نبی اکرم ﷺ سے سوال کیا یا پھر آپ نے خود ہی فرمایا: کیا تو بھی انہیں دیکھنا چاہتی ہے؟ میں نے عرض کی: جی ہاں! تو آپ ﷺ نے مجھے اپنے پیچھے کھڑا کر لیا' آپ کا رخسار میرے رخسار پر تھا' اور آپ فرما رہے تھے: اے بنی ارفدہ![1] کھیلو خوب کھیلو! یہاں تک کہ میں تھک گئی' آپ نے پوچھا! بس اتنا ہی؟ میں نے عرض کی: جی ہاں! فرمایا: ''اچھا پھر چلی جاؤ۔''[2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کے متعدد طرق جمع کیے ہیں جن میں سے ایک طریق زہری رحمہ اللہ کا بھی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں:

((حَتّٰی اَکُوْنَ اَنَا الَّذِیْ اَسْأَمُ))[3]

''حتیٰ کہ وہ میں ہی تھی جو اکتا گئی۔''

زہری کے طریق سے صحیح مسلم میں یوں آتا ہے:

''پھر آپ ﷺ میری خاطر کھڑے رہے حتی کہ میں ہی واپس چلی آئی۔''[4]

ان میں سے ایک طریق یزید بن رومان کا ہے جو امام نسائی نے ذکر کیا ہے: رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

''کیا تو ابھی شکم سیر نہیں ہوئی' کیا ابھی تیرا جی نہیں بھرا؟''[5]

کہتی ہیں: تو میں ''نہیں'' کہتی رہی تا کہ میں آپ ﷺ کے ہاں اپنا مقام و مرتبہ دیکھتی رہوں۔

سنن نسائی میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ابوسلمہ کی روایت میں یوں ہے: 'میں نے کہا یا رسول اللہ! جلدی نہ کیجیے' آپ میرے لیے کھڑے رہے' آپ نے پھر کہا: جی بھر گیا ہے؟ میں نے کہا: ازواج کو یہ معلوم ہو جائے کہ آپ ﷺ کا میرے ہاں کتنا مقام و مرتبہ ہے اور میرا آپ کے ہاں کتنا مقام ہے۔'' اور زہری کی روایت میں باب النکاح میں یہ الفاظ زائد بھی بیان کیے ہیں:

---

1. یہ اہل حبشہ کا لقب ہے۔
2. صحیح بخاری کتاب العیدین: باب الحراب و الدرق یوم العید۔ حدیث: ۹۵۰
3. صحیح بخاری کتاب العیدین: باب الحرب و الداق یوم العید۔ حدیث: ۹۵۰
4. ایضًا
5. ایضًا

((فَاقْدُرُوا قَدْرَ الْجَارِيَةِ الْحَدِيثَةِ السِّنِّ، الْحَرِيصَةِ عَلَى اللَّهْوِ))[1]

''اس نوخیز لڑکی کا خیال رکھو' جو کھیل کود کی حریص و شوقین ہے۔''

فتح الباری میں ہے : سراج نے' ابوالزناد کے طریق سے' عروہ سے' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روز یوں فرمایا:

((لِتَعْلَمَ يَهُودُ أَنَّ فِي دِينِنَا فُسْحَةً، إِنِّي بُعِثْتُ بِحَنِيفِيَّةٍ سَمْحَةٍ))[2]

''تاکہ یہودی جان لیں کہ ہمارے دین میں تفریح و کشادگی بھی موجود ہے اور بے شک مجھے نرمی والی شریعت کے ساتھ مبعوث فرمایا گیا ہے۔''

امام الترمذی اپنی سنن میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمان روایت کرتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے کہ ہم نے لوگوں کا شور اور بچوں کی آوازیں سنیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک حبشیہ ہے جو کرتب دکھا رہی ہے اور بچے اس کے گرد جمع ہیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے عائشہ! آجا اور دیکھ لے۔''

چنانچہ میں بھی آ گئی' تو میں نے اپنی ٹھوڑی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے پر رکھ لی اور اس کی جانب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے اور سر مبارک کے درمیان سے دیکھنے لگی' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''کیا ابھی تیرا جی نہیں بھرا؟'' تو میں کہنے لگی: نہیں' تاکہ میں آپ کے نزدیک اپنا مقام و مرتبہ دیکھ لوں' اچانک سیدنا عمر رضی اللہ عنہ آ گئے' تو لوگ انھیں دیکھتے ہی منتشر ہو گئے' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنِّي لَأَنْظُرُ إِلَى شَيَاطِينِ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ قَدْ فَرُّوا مِنْ عُمَرَ))[3]

''بلاشبہ میں جنوں اور انسانوں کے شیاطین کی جانب دیکھ رہا ہوں کہ وہ عمر کو دیکھتے ہی بھاگ گئے ہیں۔''

کہتی ہیں: چنانچہ میں بھی پلٹ آئی۔

---

1. ایضًا
2. مسند احمد (٦/١١٦، ٢٢٣)
3. سنن ترمذی۔ کتاب المناقب۔ باب مناقب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حدیث: ٦٩١ وقال : ھذا حدث حسن صحیح غریب من ھذا الوجه ٥/٦٢١۔

بلاشبہ یہ اور ان جیسی دیگر نصوص، جنہیں کتب احادیث نے محفوظ رکھا ہے، یقیناً رسول اللہ ﷺ کے بحیثیت خاوند کے حسن اخلاق پر واضح شواہد ہیں اور آپ کی اپنی رفیقۂ حیات کے ساتھ نرمی و ملاطفت رکھنے پر اور اس کی سعادت و مسرت کا خیال رکھنے پر واضح ثبوت ہیں، علاوہ ازیں یہ اسلام کی عورت کے ساتھ فیاضی، کشادگی اور آسانی پر بھی شواہد ہیں جب اس نے اس کے لیے کھیل کود کی ایک خاص حد تک اجازت رکھی ہے جسے آج کل کے بعض تشدد پسند انتہائی بڑا جرم شمار کرتے ہیں، جس پر عورت کو حبس بے جا کی سزا بھی دی جاتی ہے۔

بلاشبہ سمجھدار اپنے دین کی ہدایت کی بصیرت رکھنے والی مسلمان خاتون کی حالت میں سے یہ ہے کہ وہ اپنے اکثر و غالب حالات میں محنت کرنے والی ہوتی ہے، اعلیٰ و بلند امور کی طرف دھیان رکھنے والی اور سرسری امور سے اعراض برتنے والی ہوتی ہے لیکن یہ عادت بعض موقعوں پر کھیل کود سے رکاوٹ بھی نہیں بنتی، بالخصوص جنہیں اسلام اور شرع حنیف نے مباح اور جائز رکھا ہے، اور جن میں مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے وسعت، فراخی اور کشادگی رکھی ہے۔ وہ اس لیے کہ حکیم و خبیر شارع جو کہ نفوس کی جبلتوں سے خوب خوب آشنا ہے، اور ان کی وقتاً فوقتاً خوش طبعی، راحت طلبی، آرام پسندی اور بوجھ میں تخفیف کاری کے رجحانات کو بھی اچھی طرح جانتا ہے، اس طرح نفوس ان امور کے بعد محنت کی طرف پلٹ آتے ہیں اور یہ طریقہ کار زیادہ چستی پیدا کرنے والا، زیادہ پختگی و عزیمت لانے والا اور زیادہ استعداد پیدا کرنے والا ہوتا ہے تاکہ نفوس ذمہ داریوں اور دیگر بوجھوں کو بسہولت اٹھا سکیں، اور یہی وہ چیز ہے جسے اسلام نے انسان کی خاطر اپنے متوازن، معتدل اور حکیمانہ منہج میں اختیار کیا ہے۔

وہ تکبر اور نخوت میں مبتلا نہیں ہوتی:

راست باز، سمجھدار مسلمان خاتون تکبر نہیں کرتی، اور نہ ہی دیگر عورتوں پر ناک بھوں ہی چڑھاتی ہے جو اس سے حسن و جمال میں کمتر، یا مال و دولت یا حسب و نسب یا عہدہ و مقام میں کم درجہ ہوتی ہیں، کیونکہ اپنے دین کی ہدایت سے روشنی لینے والی مسلمان خاتون اس حقیقت کو اچھی طرح جانتی ہے کہ دنیا میں تکبر، برتری اور بلند بانگ دعوے کرنے سے وہ خاتون آخرت کی نعمتوں سے محروم ہو جائے گی جن اخروی نعمتوں کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں تکبر کرنے والے مردوں

اور تکبر کرنے والی خواتین پر حرام قرار دے دیا ہے' اور ان نعمتوں کو صرف ان لوگوں کے لیے رکھا ہے جو زمین میں برتری' تکبر اور شیخی خوری نہیں چاہتے:

﴿ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَ لَا فَسَادًا وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴾ (القصص: ۲۸/۸۳)

''آخرت کا یہ بھلا گھر ہم ان ہی کے لیے مقرر کر دیتے ہیں جو زمین میں اونچائی' بڑائی اور فخر نہیں کرتے اور نہ فساد چاہتے ہیں۔ پرہیز گاروں کے لیے نہایت ہی عمدہ انجام ہے۔''

اور وہ یہ بھی جانتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر اکڑنے والے' شیخی خورے اور فخر وغرور رکھنے والے کو پسند نہیں کرتا:

﴿ وَ لَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَ لَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴾ (لقمان: ۳۱/۱۸)

''لوگوں کے سامنے اپنے رخسار نہ پھلا اور زمین پر اترا کر اور اکڑ کر نہ چل' کسی تکبر کرنے والے شیخی خورے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔''

جو شخص سنت مطہرہ کی نصوص پر غور وفکر کرتا ہے وہ رسول اللہ ﷺ کی انتہائی توجہ اور عنایت کو دیکھ کر حیران وششدر رہ جاتا ہے، کہ آپ نفوس سے تکبر کی جڑ کو اور فخر وغرور کے ناسور کو کس طرح جڑ سے اکھاڑ پھینکنا چاہتے ہیں' اس سے منع فرماتے ہیں' اس سے لوگوں کو نفرت دلاتے ہیں' اور جو مرد وزن اس مرض میں مبتلا ہیں انہیں آخرت کی مکمل رسوائی اور خسارے سے ڈراتے ہیں' اگرچہ ان کے دلوں میں شیطان ایک ذرہ برابر بھی تکبر ڈال دے' تو ایسے لوگ بھی متکبرین ہی میں شمار ہوں گے جن پر جنت کا داخلہ ہی اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دے دیا ہے' جس طرح کہ اس حدیث مبارکہ میں ہے:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ كِبْرٍ))

''وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا۔''

ایک آدمی عرض کرنے لگا: بلاشبہ آدمی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا لباس خوبصورت ہو اور اس کا

جوتا بھی خوبصورت ہو؟ فرمایا:

((اِنَّ اللّٰہَ جَمِیْلٌ یُحِبُّ الْجَمَالَ ' اَلْکِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَ غَمْطُ النَّاسِ)) [1]

"بے شک اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند فرماتا ہے لیکن تکبر یہ ہے کہ حق کو ٹھکرایا جائے اور لوگوں کو بنظر حقارت دیکھا جائے۔"

سیدنا حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرما رہے تھے:

((اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِاَھْلِ النَّارِ: کُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُسْتَکْبِرٍ)) [2]

"کیا میں تمہیں دوزخ والوں کی خبر نہ دوں: وہ ہر تندرو (سرکش و بدمزاج)' اکڑ اکڑ کر چلنے والا اور تکبر کرنے والا ہے۔"

تکبر کرنے والیوں' بلندی و برتری چاہنے والیوں اور اپنی سہیلیوں پر اکڑ و غرور رکھنے والیوں کے لیے اتنی معنوی ذلت ہی کافی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے آخرت میں تیار کر رکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی نظر رحمت سے محرومی' ان سے گفتگو کرنے کی محرومی اور ان کا تزکیہ کرنے سے محرومی رکھے گا اور بلا شبہ یہ ایک ایسی رسوائی اور ذلت ہو گی جس سے بڑھ کر کوئی دوسری ذلت اور رسوائی نہ ہو گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

((لَا یَنْظُرُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اِلٰی مَنْ جَرَّ اِزَارَہٗ بَطَرًا)) [3]

"اللہ تعالیٰ بروز قیامت اس شخص کی طرف نہیں دیکھے گا جس نے اکڑ و غرور سے اپنی چادر کو گھسیٹا ہو گا۔"

اور یوں بھی فرماتے ہیں:

((ثَلَاثَۃٌ لَا یُکَلِّمُھُمُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ ' وَلَا یُزَکِّیْھِمْ ' وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْھِمْ وَلَھُمْ

---

1. صحیح مسلم کتاب الایمان: باب تحریم الکبر۔ حدیث: ۹۱۔
2. صحیح بخاری کتاب التفسیر باب قولہ تعالی (عتل بعد ذلک زنیم) حدیث: ۴۹۱۸۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، باب النار یدخلھا الجبارون، حدیث: ۲۸۵۳۔
3. صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب من جرثوبہ من خیلاء، حدیث: ۵۷۸۸۔ صحیح مسلم کتاب اللباس باب تحریم جر الثوب خیلاء، حدیث: ۲۰۸۷۔

عَذَابٌ اَلِيْمٌ: شَيْخٌ زَانٍ، وَمَلِكٌ كَذَّابٌ، وَعَائِلٌ مُسْتَكْبِرٌ)) ①

''تین آدمی ایسے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے کلام نہیں کرے گا' اور نہ ان کا تزکیہ کرے گا اور نہ ان کی جانب نظر رحمت سے دیکھے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا: بوڑھا زانی' جھوٹا بادشاہ' اور تکبر کرنے والا فقیر۔''

اور یہ اس لیے کہ کبریائی اللہ تعالیٰ کی شان ہے' اور یہ کمزور وضعیف پیدا شدہ مخلوق کی شان نہیں ہے اور بلاشبہ ہر وہ شخص جس کا نفس اسے تکبر پر بہکاتا اور آمادہ کرتا ہے وہ مقام الوہیت پر ہاتھ ڈالتا ہے اور وہ عظیم و برتر خالق کی صفات میں سے ایک صفت کو اس سے چھیننا چاہتا ہے' تو وہ آخرت میں شدید عذاب اور مزید رسوائی سے دوچار ہوگا' جس طرح کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے:

((قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: اَلْعِزُّ اِزَارِي وَالْكِبْرِيَاءُ رِدَائِيْ، فَمَنْ نَازَعَنِي بِشَيْءٍ مِّنْهُمَا عَذَّبْتُهُ)) ②

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: عزت میری ازار (تہبند) ہے اور کبریائی میری ردا (چادر) ہے' تو جس نے بھی مجھ سے ان دونوں میں سے کوئی چیز چھیننے کی کوشش کی میں اسے عذاب سے دوچار کروں گا۔''

یہی وجہ ہے کہ سنت مطہرہ میں نصوص مسلسل پیہم اور متواتر آئی ہیں جو ایمان دار مردوں اور عورتوں کو خبردار کر رہی ہیں کہ کبھی غفلت اور بشری کمزوری کے کسی لمحے میں بھی انہیں تکبر و غرور کا کوئی حملہ نہ دبوچ لے، تاکہ وہ اس غیر پسندیدہ عادت سے آلودہ ہونے سے بچے رہیں اور اس کی جانب پھسلنے سے محفوظ رہیں۔ ان خبردار رکھنے والی ڈرانے والی نصوص میں سے ایک یہ بھی ہے:

((مَنْ تَعَظَّمَ فِيْ نَفْسِهِ، أَوِ اخْتَالَ فِيْ مِشْيَتِهِ، لَقِيَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ، وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ)) ③

---

① صحيح مسلم كتاب الايمان، باب بيان غلظ تحريم اسباب الازار، حديث: ١٠٦

② صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب تحريم الكبر، حديث: ٢٦٢٠۔

③ اخرجه البخاري في الادب المفرد ٢/٧ باب الكبر۔

''جو اپنے دل ہی میں بڑا بنا یا وہ اپنی چال ڈھال ہی میں اکڑفوں سے چلا تو اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ وہ اس پر غضبناک ہو گا۔''

وہ متواضع ہوتی ہے:

کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ اپنے دین کی ہدایت کی چند چیزیں یاد رکھنے والی مسلمان خاتون متواضع ومنکسر المزاج ہوتی ہے' پہلو کی نرم' دل کی فراخ اور معاشرت کی شفاف ہوتی ہے' یہ اس لیے کہ وہ ان مذکورہ تکبر کرنے والے مردوں اور عورتوں کے لیے وارد تہدید و وعید سے بھرپور نصوص کے بالمقابل تواضع اور بازوؤں کو پست رکھنے والی پسندیدہ مرغوب اور رغبت دلاتے والی نصوص کو بھی موجود پاتی ہے جو ہر اس شخص کو جو اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اختیار کرے گا رفعت' بلندی اور عزت کا وعدہ دیتی ہیں' جس طرح کہ اس فرمان رسول ﷺ میں موجود ہے جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے:

((مَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰهِ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ)) [1]

''نہیں تواضع اختیار کی کسی نے بھی اللہ کے لیے مگر اللہ تعالیٰ اس کو سر بلندی عطا فرماتا ہے۔''

اور آپ ﷺ کا یہ فرمان گرامی ہے:

((اِنَّ اللّٰهَ اَوْحٰى اِلَیَّ اَنْ تَوَاضَعُوْا حَتّٰى لَا یَفْخَرَ اَحَدٌ عَلٰى اَحَدٍ' وَلَا یَبْغِیَ اَحَدٌ عَلٰى اَحَدٍ)) [2]

''بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی کی ہے کہ تم (ہر کوئی) تواضع و عاجزی اختیار کرو حتیٰ کہ کوئی ایک دوسرے پر فخر نہ کرے اور نہ ایک دوسرے پر ظلم کرے۔''

سیرت مصطفیٰ ﷺ پر غور وفکر کرنے والی مسلمان خاتون آپ کی عظیم شخصیت کو تواضع' پہلو نرم رکھنے' بازو جھکائے رکھنے' خندہ پیشانی اختیار کرنے' کھلے دل سے معاف کرنے' عمدہ اخلاق بنانے اور دل کی فیاضی ظاہر کرنے میں آپ کو بے مثال' منفرد اور زندہ نمونہ پاتی ہے' حتیٰ کہ

---

1. صحیح مسلم، کتاب البر والصلة: باب استحباب العفو والتواضع۔ حدیث: ۲۵۸۸۔
2. صحیح مسلم کتاب الجنة، باب الصفات التی یعرف بها فی الدنیا اهل الجنة۔ حدیث: ۶۴/۲۷۶۵۔

جب آپ کھیلتے بچوں کے پاس سے بھی گزرتے تو ان کے پاس کھڑے ہو کر خندہ پیشانی سے مسکراہٹ کے ساتھ مزاح کرتے ہوئے سلام کہتے' آپ کو اس درجہ عظیم تواضع اختیار کرنے سے آپ کا عظیم مرتبہ نبوت بھی آڑے نہ آتا تھا اور نہ ہی قیادت کی جلالت اور مرتبے کی رفعت ہی رکاوٹ بنتی تھی۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے یوں ذکر کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کے پاس سے گزرے تو آپ نے انہیں سلام کیا اور اس پر اضافہ کرتے ہوئے مزید فرمایا: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کیا کرتے تھے۔''[1]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ کی لونڈیوں (معمولی عورتوں) میں سے کوئی لونڈی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو جہاں لے جانا چاہتی لے جاتی تھی' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے اپنی حاجت کو پورا کرواتی۔''[2]

تمیم بن اسید مدینہ میں آتا ہے تاکہ اسلامی احکامات کی بابت سوالات کرے تو یہ اجنبی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کا اشتیاق رکھنے والا شخص دولت اسلامیہ میں ایسا پہلا آدمی پاتا ہے کہ جس کے پاس کوئی لمبی لمبی قطاریں ہیں اور نہ چوکیدار ہیں اور نہ ہی دربان ہیں' وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تن تنہا منبر پر تشریف رکھے ہوئے خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے دیکھتا ہے' وہ استفسار کرنے کے لیے اور سوالات دریافت کرنے کے لیے آگے بڑھتا ہے' تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکمل فراخی' کشادگی' تواضع اور الفت کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اس کے سوالات کا جواب ارشاد فرماتے ہیں۔ ہم یہ پورا نقشہ تمیم ہی کی زبانی سنتے ہیں جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے ان کے الفاظ میں بیان کیا ہے:

''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا تو آپ خطبہ دے رہے تھے' میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! ایک اجنبی نووارد شخص ہے جو اپنے دین کی بابت چند سوالات پوچھنے کے لیے حاضر خدمت ہوا ہے' جو نہیں جانتا کہ اس کا دین کیا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری جانب متوجہ ہو گئے' اپنا خطبہ

---

1. صحیح بخاری، کتاب الاستئذان باب التسلیم علی الصبیان، حدیث: ٦٢٤٧۔ صحیح مسلم کتاب السلام۔ باب استحباب السلام علی الصبیان، حدیث: ٢١٦٨۔
2. صحیح بخاری کتاب الادب، الکبر، حدیث: ٦٠٧٢۔

چھوڑ کر میرے پاس آ گئے' ایک کرسی منگوائی گئی' آپ اس پر براجمان ہو گئے اور آپ اس علم میں سے مجھے بھی سکھانے لگے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھایا تھا' پھر آپ خطبے کی طرف آئے تو اس کے بقیہ حصے کو مکمل فرمایا۔''[1]

آپ صلوات اللہ وسلامہ صحابہ کرام کے دلوں میں تواضع کی خوبی' جو کشادگی' فراخی' فیاضی' پہلو کی نرمی اور طبیعت کی خوش مزاجی پر مبنی ہے' بوتے ہیں' لوگوں کی دعوتوں اور ان کے ہدایا کو بڑی خندہ پیشانی سے قبول فرما کر ان کے لیے ایک عمدہ مثال قائم کرتے ہیں' خواہ وہ معمولی اور کم قیمت ہی کیوں نہ ہوتے' جس طرح کہ اس روایت میں ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے:

((لَوْ دُعِيتُ إِلَى ذِرَاعٍ أَوْ كُرَاعٍ لَأَجَبْتُ، وَلَوْ أُهْدِيَ إِلَيَّ ذِرَاعٌ أَوْ كُرَاعٌ لَقَبِلْتُ))[2]

''اگر مجھے کسی جانور کی دستی یا پائے کی طرف بھی دعوت دی جائے تو میں قبول کروں گا اور اگر میری جانب کوئی دستی یا پایہ بھی ہدیہ بھیجا جائے تو میں اسے بھی قبول کر لوں گا۔''

اری تواضع تیری عمدہ ترین شکلوں کے کیا کہنے! اور اے انسانی عظمت تیری بلند ترین اقدار پر جان بھی نچھاور ہے!

اپنے لباس اور روپ میں معتدل رہتی ہے:

اپنے دین کی ہدایت کو ذہن نشین رکھنے والی مسلمان خاتون اپنے ہر معاملے میں اعتدال کو لازم رکھتی ہے' بالخصوص اپنے ملبوسات اور اپنے روپ میں' وہ اپنے روپ کی خوبصورتی کا خیال تو رکھتی ہے لیکن بلا اسراف' بلا مبالغہ اور بلا فخر و ریا' وہ اپنے نئے ملبوسات تیار کرنے میں ایک مرتبہ زیب تن کر لینے کے بعد انہیں پھینک دینے میں اسراف اور مبالغہ کی ہر صدا اور آواز کے پیچھے نہیں بھاگتی اور نہ وہ فیشن کی ختم نہ ہونے والی رسومات کے پیچھے ہی ہلکان ہوتی ہے' جس طرح کہ بعض جاہل' آوارہ اور فضول خرچی کرنے والی مستورات کرتی ہیں' اور نہ ہی وہ اپنی معتدل اور پسندیدہ شکل وصورت' اپنے ملبوسات اور اپنی نزاکت سے بے پروائی برتتی ہے بلکہ وہ ان

---

1. صحيح مسلم، كتاب الجمعة باب حديث التعليم في الخطبة حديث: ٨٧٦۔
2. صحيح بخاري، كتاب الهبة، باب القليل من الهبة۔ حديث: ٢٥٦٨۔

چیزوں میں حد اعتدال پر کھڑی رہتی ہے جسے قرآن کریم نے بایں الفاظ بیان فرمایا ہے بلکہ اسے رحمٰن کے مؤمن بندوں اور ایماندار خواتین کی پسندیدہ صفات میں شمار کیا ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴾ (الفرقان: ٢٥/ ٦٧)

''اور جو خرچ کرتے وقت بھی نہ تو اسراف کرتے ہیں اور نہ بخیلی' بلکہ ان کا خرچ دونوں کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔''

مسلمان خاتون اس امر سے ڈرتی ہے کہیں وہ فیشن کی غلامی کا شکار نہ بن جائے اور نہ ہی وہ ملبوسات کو رواج دینے والوں کو استحکام دیتی ہے' جو لوگ نہ تو اللہ تعالیٰ کا وقار ہی رکھتے ہیں اور نہ عورت کی بھلائی ہی چاہتے ہیں بالخصوص مسلمان خاتون کی۔ وہ تو اس عبودیت سے ڈرتی رہتی ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے خبردار کیا ہے اور اسے تباہی' ہلاکت اور ناکامی کا منبع و مرکز قرار دیا ہے:

((تَعِسَ عَبْدُ الدِّيْنَارِ وَالدِّرْهَمِ وَالْقَطِيْفَةِ وَالْخَمِيْصَةِ' اِنْ اُعْطِيَ رَضِيَ وَاِنْ لَّمْ يُعْطَ لَمْ يَرْضَ)) [1]

''دینار' درہم' جھالردار چادر اور ریشمی یا اونی دھاری دار کپڑے کا بندہ ہلاک ہو جائے کہ اگر اسے دے دیا جائے تو راضی ہو جائے اور اگر نہ دیا جائے تو راضی نہ ہو۔''

مسلمان خاتون کی دینی ہدایت میں ایسی ہدایات موجود ہیں جو اسے فخر و مباہات' تکبر' غرور اور حسن و جمال پر خود پسندی وغیرہ کی مہلکات و واہیات میں گرنے سے بچاتی ہیں' اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے اس طرح بھی بیان کیا ہے:

''دراں حالیکہ ایک شخص اپنی دو دھاری چادروں میں اکڑتا جا رہا تھا' اسے اپنا آپ بڑا اچھا لگ رہا تھا' تو اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں دھنسا دیا' اب وہ قیامت تک زمین میں دھنستا ہی چلا جائے گا۔'' [2]

بلاشبہ مسلمان خاتون حلال زیبائش اور مشروع حسن کو اختیار کرتی ہے اور قیمتی خوبصورت اور

---

1. صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب الحراسة فی الغزو فی سبیل الله۔ حدیث: ٢٨٨٦۔
2. صحیح مسلم کتاب اللباس: باب تحریم التبختر فی المشی۔ حدیث: ٢٠٨٨

عمدہ کپڑے زیب تن کرتی ہے اور یہ سب وہ پاکیزہ چیزیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے حلال رکھا ہے بغیر اس کے کہ وہ مبالغہ' اسراف اور بے راہ روی کی مرتکب ہو' اور یہی وہ راہ اعتدال ہے جس کی طرف اسلام نے دعوت دی ہے اور جس پر رغبت دلائی ہے' معتدل' سمجھدار' باعصمت' باوقار خاتون کے درمیان اور اسراف کرنے والی' گھٹیا کردار والی' بے پروا اور اوچھی عورت کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔

سمجھدار مسلمان خاتون اپنے لباس اور اپنے روپ میں افراط وتفریط کے درمیان رہتی ہے نہ تو وہ اپنی زینت میں' اپنے ملبوسات میں اور اپنی ہیئت میں اسراف و افراط ہی کرتی ہے اور نہ وہ اپنی شکل وصورت' اپنے کپڑوں اور اپنے ظاہری حسن وروپ میں کنجوسی کی حد تک تفریط وکوتاہی سے ہی کام لیتی ہے یا وہ زینت' نزاکت اور روپ نکھارنے میں بے رغبتی کا ہی مظاہرہ کرتی ہے یہ گمان کرتے ہوئے کہ اس طرح وہ اپنے رب کی عبادت گزاری کرنے اور اس کی رضا مندی حاصل کرنے میں فائز المرام ہو سکتی ہے۔

اور یہ بات یاد رکھیں کہ جو خاتون خوبصورت کپڑے پہن کر اپنی سہیلیوں پر فخر وغرور' تکبر و برتری اور اکڑ اور شیخی خوری کا اظہار کرتی ہے وہ گنہگار ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ شیخی خورے اور اکڑ وغرور کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور جو اللہ تعالیٰ کی نعمت کو ظاہر کرنے کے لیے' اس کی فرمانبرداری اور اطاعت پر مدد لینے کے لیے لباس پہنتی ہے وہ فرمانبردار ہے اور ثواب کی حقدار ہے۔

اور جو عورت اچھے عمدہ ملبوسات سے کنارہ کش رہتی ہے اور مال پر بخل کرتے ہوئے انہیں پہننا چھوڑ دیتی ہے تو اس کا لوگوں کے دلوں میں کوئی احترام و مقام نہیں رہتا' اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں اسے کوئی اجر وثواب ملتا ہے' اور رہی وہ خاتون جو از راہِ زہد خوبصورت ملبوسات پہننے کو ترک کر دیتی ہے جو یہ گمان رکھتی ہے کہ وہ ان مباح اشیاء کو اپنے نفس پر حرام ٹھہرا کر اپنے رب کی عبادت گزاری میں مصروف رہنا چاہتی ہے تو وہ بھی گنہگار ہے' جس طرح کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔[1]

خاتون کی دین و دنیا میں سعادت کا معیار یہی ہے: میانہ روی' توسط اور اعتدال۔ اور اپنے دین کی ہدایات کی پاسداری کرنے والی مسلمان خاتون کی یہی حالت ہونی چاہیے' جو اس

---

[1] فتاوی ابن تیمیة ۲۲/۱۳۸' ۱۳۹۔

کے روشن و منور احکام کو لازماً اختیار کیے رکھتی ہے' اس کا لباس صاف ستھرا' خوبصورت' دیدہ زیب' مرتب اور اپنی جیسی دیگر خواتین کی مانند ہوتا ہے جو اس پر اللہ تعالیٰ کی نعمت کا مظہر ہوتا ہے۔ جس میں کوئی فضول خرچی ہوتی ہے نہ شیخی و برتری کا اظہار اور نہ ہی فخر و مباہات کی آمیزش ہوتی ہے۔

اعلیٰ و بلند امور کا اہتمام کرتی ہے:

وہ مسلمان خاتون جس نے اپنے دین کی ہدایت کو یاد رکھا ہے وہ اعلیٰ و بلند امور کے سوا دیگر امور کا اہتمام نہیں کرتی اور وہ بے وقعت' گھٹیا اور مندے کاموں سے اپنے نفس کو دور رکھتی ہے جو ترقی یافتہ اور اعلیٰ کردار کے حامل انسان کی توجہ اور دھیان کے حقدار نہیں ہوتے اور ایسی خاتون عورتوں کے ساتھ اپنے تعلقات کو خیالات کی بلندی اور مقاصد واہداف کی عظمت کی بنیاد پر استوار رکھتی ہے اس کی زندگی میں آوارہ' باتونی اور گھٹیا کردار کی حامل مستورات سے دوستی کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی اور نہ ہی حقیر کاموں' گھٹیا امور اور سرسری حرکتوں میں مشغول ہونے کی اس کے پاس کوئی فرصت ہوتی ہے اور نہ ہی وہ اپنے اوقات کو گھٹیا' لغو' کم تر اور بے مقصد امور میں گزارتی ہے اور یہی وہ چیزیں ہیں جنہیں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے مومن بندوں اور مومنہ خواتین میں محبوب رکھتے ہیں جس طرح کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنے اس فرمان میں خبر دی ہے:

((اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ كَرِيْمٌ يُحِبُّ الْكُرَمَاءَ' وَيُحِبُّ مَعَالِيَ الْأُمُوْرِ وَيَكْرَهُ سَفْسَافَهَا)) [1]

''بے شک اللہ عزوجل کریم ہے اور کریم لوگوں کو ہی پسند فرماتا ہے اور وہ بلند ترین امور کو پسند فرماتا ہے' اور سرسری و گھٹیا امور سے کراہت کرتا ہے۔''

مسلمانوں کے کاموں میں بھی دلچسپی لیتی ہے:

اپنے دین کے احکامات کو یاد رکھنے والی مسلمان خاتون صرف اپنے گھر' اپنے خاوند اور اپنی اولاد کے کاموں میں ہی دلچسپی نہیں لیتی بلکہ مسلمانوں کے امور کا بھی اہتمام کرتی ہے' ان کی خبروں اور واقعات کی بھی خبر رکھتی ہے' اس عظیم دین کی ہدایت پر عمل پیرا ہوتے ہوئے جس نے تمام مسلمانوں کو بھائی بھائی شمار کیا ہے اور ان سب کو باہمی مودت' باہمی رحم وکرم اور باہمی الفت و نرمی

---

[1] الطبرانی فی الکبیر و رجالہ ثقات۔ مجمع الزوائد ۸/۱۸۸ باب مکارم الاخلاق۔

میں ایک جسم کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ جب اس کا کوئی عضو بیمار ہو جاتا ہے تو باقی سارا وجود بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور ان سب کو ایسی عمارت کے ساتھ بھی تشبیہ دی ہے جس کا بعض بعض کو مضبوط کرتا ہے۔

یہی باعث ہے کہ دور حاضر کی سمجھدار مسلمان خاتون کا اہتمام مسلمان شخص' مسلمان خاندان' اسلامی معاشرہ اور امت اسلامیہ سب کے لیے ہوتا ہے جو اس کی مسلمان شخصیت سے جنم لیتا ہے جو روح اسلام سے شکم سیر ہونے والی اور اس کی ہدایت' اس کے احکامات اور انسان' زندگی اور دنیا کے متعلق اسلامی نظریے سے واقفیت رکھنے والی ہوتی ہے' اور اس کے شعور میں اس ذمہ داری اور مسئولیت کا احساس بھی ہوتا ہے جو اسلام نے ہر مسلمان مرد و زن پر تبلیغ کرنے اور اس کے احکامات کو لوگوں کے سامنے بیان کرنے کے سلسلے میں عائد کیا ہے۔

مسلمان خاتون کی تاریخ میں ایسی برگزیدہ خواتین کے بے شمار نمونے موجود ہیں جو مسلمان مردوں اور عورتوں کے انفرادی اور اجتماعی امور کی دیکھ بھال کرنے میں مشہور و معروف تھیں' ان نمونوں میں سے ایک نمونہ جسے امام مسلم رحمۃ اللہ نے سالم مولیٰ شداد سے روایت کیا ہے۔ کہتے ہیں: میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوا جس دن سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تھے' تو سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ بھی تشریف لائے' انہوں نے آپ رضی اللہ عنہا کے ہاں آ کر وضو فرمایا' تو وہ فرمانے لگیں: اے عبدالرحمٰن! وضو کو مکمل کرو' کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرما رہے تھے:

((وَيْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ))[1]

''ایڑیوں کے لیے آگ سے ہلاکت ہے۔''

کیونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی نگاہوں نے دیکھ لیا تھا کہ ان کے بھائی عبدالرحمٰنؓ وضو میں اپنی ایڑیوں کو اچھی طرح نہیں دھو رہے ہیں' آپ یہ چیز دیکھ کر خاموش نہ رہ سکیں' بلکہ وضو کے کامل کرنے کے وجوب پر خبردار فرماتی ہیں' جس طرح انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بذات خود سنا تھا' اور یہی ہے دوسروں کا اچھا خیال رکھنا بلکہ ہر مسلمان مرد و زن پر واجب ہے کہ جب کبھی اور جہاں کہیں بھی امر بالمعروف یا نہی عن المنکر کا داعیہ موجود ہو یہ عمل سر انجام دے۔

---

[1] صحیح مسلم کتاب الطهارة: باب وجوب غسل الرجلين۔ حديث: ٢٤٠۔

جب سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو خنجر مارا گیا اور آپ نے اپنے قریب الموت ہونے کا احساس کر لیا تو اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاؤ انہیں سلام عرض کرنا' اور پھر ان سے اجازت طلب کرنا کہ میں ان کے حجرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس دفن ہونا چاہتا ہوں۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ آپ کے پاس حاضر ہوئے' اور انہیں اپنی آمد کا مقصد بتایا۔ وہ فرمانے لگیں: ہاں بڑی خوشی اور اعزاز و اکرام کے ساتھ' پھر فرمانے لگیں: اے میرے برخوردار! عمر کو میری طرف سے سلام پہنچانا' اور انہیں یہ کہنا:

«لَا تَدَعْ أُمَّةَ مُحَمَّدٍ بِلَا رَاعٍ، اِسْتَخْلِفْ عَلَيْهِمْ، وَلَا تَدَعْهُمْ بَعْدَكَ هَمَلًا، فَإِنِّي أَخْشَى عَلَيْهِمُ الْفِتْنَةَ» [1]

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو کسی راعی (حکمران و خلیفہ) کے بغیر نہ چھوڑ جانا' ان پر خلیفہ مقرر کر دیں، انہیں اپنے پیچھے بغیر نگران کے نہ چھوڑ جائیں' کیونکہ مجھے ان کے متعلق فتنہ کا اندیشہ ہے۔''

بلاشبہ یہ امت کے معاملے میں ایک انتہائی دور اندیش' ہدایت یافتہ اور درست رائے ہے' اس کے متعلق اندیشے کا اظہار کر رہی ہیں کہ اسے کسی نگران کے بغیر نہ چھوڑ جائیں جو اس کے امور کی نگرانی کرے' اس کے معاملے کو سنبھالے' اس کی وحدت اور اس کے امن کی حفاظت کرے۔

دور حاضر کی مسلمان خاتون کے لیے ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ میں ایک قندیل ہے' جس سے اپنے جوہر اسلام کے فہم پر ہدایت لے سکتی ہے' اس کے لیے یہ الفاظ مینارۂ نور ہیں جن سے اپنی دینی مسئولیت اور اپنی امت کی خدمت کے سلسلے میں روشنی لے سکتی ہے' اور ان الفاظ سے مسلمانوں کے معاملے کی دیکھ بھال کرنے کی اہمیت بھی واضح ہو رہی ہے' تاکہ وہ بھی مسلمانوں کی بیداری کے عمل میں اپنے اوپر عائد شدہ ذمہ داری کو بصیرت سے ادا کرنے والی بن جائے اور انہیں دعوت دینے والی بن جائے کہ وہ اپنے اس اصلی مقام کی جانب پلٹ آئیں جو ان کے رب نے ان سے ارادہ کیا ہے کہ یہ بہترین امت ہے جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہے۔

---

[1] طبقات ابن سعد ۳/۳۶۳۔

وہ مہمان نواز ہوتی ہے:

راست باز سچی مسلمان خاتون مہمان کا استقبال کر کے دلی راحت وسکون پاتی ہے' وہ اس کا اکرام کرنے میں جلدی کرتی ہے' اس سلسلے میں اپنے اللہ پر ایمان اور آخری دن پر ایمان لانے کی آواز پر لبیک کہتی ہے' جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے فرمان ذیل میں بیان فرمایا ہے:

((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ)) ①

''جو شخص اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اپنے مہمان کی تکریم کرے۔''

مسلمان خاتون جب مہمان کی تکریم کرے گی تو وہ اپنے ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کو مضبوط و مستحکم کرے گی' اور ضیافت کے اس حق کو پورا کرے گی جس کا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے اور جس کا نام آپ ﷺ نے ''جائزہ'' یعنی انعام رکھا ہے، گویا کہ وہ مہمان کا شکریہ ہے کہ اس نے میزبان کو اس عمل صالح کا موقع عطا کیا ہے' جس پر اس کا ایمان مضبوط ہوتا ہے اور اس کا رب راضی ہوتا ہے:

((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ جَائِزَتَهُ قَالُوْا: وَمَا جَائِزَتُهُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: يَوْمُهُ وَلَيْلَتُهُ، وَالضِّيَافَةُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ، فَمَا كَانَ وَرَاءَ ذٰلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ))

''جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اپنے مہمان کا انعام عزت سے ادا کرے' صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ اس کا انعام کیا ہے؟ فرمایا: اس کا ایک دن اور ایک رات (عمدہ کھانا پیش خدمت کرنا)' اور ضیافت تین دن ہوتی ہے' اور جو اس سے زائد ہوں گے وہ صدقہ ہوگا۔''

یہاں سے ثابت ہوا کہ مہمان کی عزت و تکریم ایک ایسا پسندیدہ اور قابل عزت عمل ہے جو

❶ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب من کان یؤمن باللّٰہ.....حدیث : ۶۰۱۸۔ صحیح مسلم کتاب الایمان، باب تحریم ایذاء الجار، حدیث ۴۷۔

❷ بخاری، حوالہ سابق، حدیث: ۶۰۱۹۔ صحیح مسلم، کتاب اللقطة باب الضیافة، حدیث: ۱۴/۴۸۔

ہر مسلمان خاتون کو محبوب ہونا چاہیے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہے' وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب کی حقدار ٹھہرتی ہے اور لوگوں کے درمیان نیک نامی اور ذکر خیر پاتی ہے' اور اسلام نے ضیافت کا ایک نظام بنایا ہے اور اس کی حدود کو بیان فرمایا ہے۔ مہمان کا انعام تو ایک دن رات ہے پھر ضیافت کا واجبی درجہ آتا ہے اور اس کی مدت تین ایام ہے' اور جو اس سے زائد ہوگا وہ صدقہ ہوگا جو مہمان نواز سخی خاتون کے نامہ اعمال میں درج ہوگا۔

اسلام میں مہمان نوازی کوئی اختیاری کام نہیں ہے جو مزاج' نفسیات اور شخصی اجتہاد کے تابع ہو بلکہ یہ تو ہر مسلمان مرد و عورت پر واجب ہے' لہٰذا ان دونوں کو چاہیے کہ وہ اپنے واجب عمل کو ادا کرنے میں جلدی دکھائیں جب کبھی بھی کوئی رات کے وقت آنے والا ان کے دروازے پر دستک دے یا کبھی ان کے گھر میں کوئی مہمان بن کر تشریف لے آئے۔

« لَيْلَةُ الضَّيْفِ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ، فَمَنْ أَصْبَحَ بِفِنَائِهِ فَهُوَ دَيْنٌ عَلَيْهِ، فَإِنْ شَاءَ اقْتَضَاهُ وَإِنْ شَاءَ تَرَكَهُ »[1]

''مہمان کی رات کی مہمان نوازی ہر مسلمان پر حق واجب ہے' جس آدمی کے گھر کے صحن میں مہمان نے صبح کی تو (اس کی مہمان نوازی) اس کے ذمہ قرض ہے' اگر وہ چاہے تو اس کا تقاضا کرلے اور اگر وہ چاہے تو اسے چھوڑ دے۔''

اور جو لوگ مہمانوں کو خوش آمدید کہنے میں تنگ دلی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور ان کے لیے دروازے بند رکھتے ہیں تو ان میں کوئی خیر ہی نہیں ہے جس طرح کہ اس حدیث میں آیا ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ نے نبی اکرم ﷺ سے بایں الفاظ روایت کیا ہے:

« لَا خَيْرَ فِيمَنْ لَّا يُضِيفُ »[2]

''جو شخص مہمان نوازی نہیں کرتا اس میں کوئی خیر نہیں۔''

یقیناً اسلام نے ہر مسلمان مرد و زن پر مہمان نوازی واجب قرار دی ہے' اور اسے مہمان کا ایک فرضی حق شمار کیا ہے لہٰذا کسی مسلمان کو اس کی ادائیگی میں کوتاہی کا مرتکب ہونا نہیں چاہیے

---

1. اخرجه البخاري في الادب المفرد : ٢/٢٠٧ باب جائزة الضيف۔
2. رواه الامام احمد : ٤/١٥٥، و رجال الصحيح۔

اگر کسی قوم میں کنجوس مستحکم ہونے لگے اور نوبت یہاں تک پہنچ جائے کہ وہ مہمان کا حق بھی غصب کرنے لگ جائیں تو اسلام نے مہمان کو یہ حق بھی دیا ہے کہ وہ ان سے اپنا حق وصول کرے اور یہ اس حدیث مبارکہ میں ہے جسے شیخین وغیرہ نے سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہتے ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ ہمیں روانہ فرماتے ہیں تو ہم کسی قوم کے ہاں پڑاؤ ڈالتے ہیں لیکن وہ ہماری مہمان نوازی نہیں کرتے تو اس معاملے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

« اِنْ نَزَلْتُمْ بِقَوْمٍ فَاُمِرَ لَكُمْ بِمَا يَنْبَغِي لِلضَّيْفِ فَاقْبَلُوْا، فَاِنْ لَّمْ يَفْعَلُوْا فَخُذُوْا مِنْهُمْ حَقَّ الضَّيْفِ الَّذِي يَنْبَغِي لَهُمْ »[1]

''اگر تم کسی قوم کے پاس اترو اور تمہارے لیے اس چیز کا حکم دے دیا جائے جو مہمان کو چاہیے تو وہ قبول کرلو لیکن اگر وہ ایسا نہ کریں تو ان سے مہمان کے حق کو لے لیا کرو جو ان کو دینا چاہیے تھا۔''

بلاشبہ مہمان کی عزت وتکریم ایک عمدہ اسلامی خلق ہے یہی وجہ ہے کہ آپ کسی ایسی مسلمان خاتون کو نہیں پائیں گے جس کا اسلام تو بہترین ہو مگر وہ بخیل، کنجوس اور مہمان کے اکرام کرنے سے باز رہنے والی ہو یا اس کے استقبال واکرام سے دور رہتے ہوئے اپنے خاوند کی رسوائی وبدنامی کا باعث بننے والی ہو خواہ اس کے خاوند کی اور اس کی گھریلو حالت کیسی بھی ہو کیونکہ دو کا کھانا تین افراد کو کفایت کر جاتا ہے اور تین کا کھانا چار افراد کو کافی ہو جاتا ہے لہٰذا کسی مہمان کے اچانک تشریف لانے سے فکر مند اور پریشان نہ ہونا چاہیے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

« طَعَامُ الْاِثْنَيْنِ كَافِي الثَّلَاثَةِ، وَطَعَامُ الثَّلَاثَةِ كَافِي الْاَرْبَعَةِ »[2]

''دو کا کھانا تین کو کافی ہوتا ہے اور تین کا کھانا چار کو کافی ہوتا ہے۔''

---

1. صحیح بخاری، کتاب الادب، باب اکرام الضیف، حدیث: ۶۱۳۷۔ صحیح مسلم، کتاب اللقطة باب الضیافة و نحوها، حدیث: ۱۷۲۷۔
2. صحیح بخاری کتاب الاطعمة: باب طعام الواحد یکفی الاثنین، حدیث: ۵۳۹۲۔ صحیح مسلم۔ کتاب الاشربة باب فضیلة المواساة فی الطعام القلیل، حدیث: ۲۰۵۸۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

((طَعَامُ الْوَاحِدِ يَكْفِي الِاثْنَيْنِ، وَطَعَامُ الِاثْنَيْنِ يَكْفِي الْأَرْبَعَةَ، وَطَعَامُ الْأَرْبَعَةِ يَكْفِي الثَّمَانِيَةَ))[1]

''ایک آدمی کا کھانا دو کو کفایت کر جاتا ہے اور دو افراد کا کھانا چار کو کفایت کر جاتا ہے اور چار اشخاص کا کھانا آٹھ کو کفایت کر جاتا ہے۔''

بلاشبہ وہ مسلمان خاتون جس کی نفسیات کو اسلام نے مہذب بنا دیا ہے، اور جس کی طبیعت کو اس کی عالی ہدایت نے سلیقہ مند بنا دیا ہے وہ کھانے پر زیادہ ہاتھوں کے داخل ہونے سے ڈرتی نہیں ہے، جبکہ اس کے مدمقابل مغربی خاتون کا حال یہ ہے کہ وہ نہ تو مہمان کا استقبال کرتی ہے۔ نہ اس کی آمد سے قبل کھانا ہی تیار کرتی ہے۔ مسلمان خاتون اپنے مہمانوں کا استقبال کرتی ہے خواہ وہ ان کی ملاقات کے لیے اچانک ہی آ جائیں وہ اپنے کھانے اور اپنے خاندان کے کھانے میں شریک ہونے پر انہیں مرحبا و خوش آمدید کہتی ہے اور اس ضمن میں اپنے اوپر کچھ بھی گرانی محسوس نہیں کرتی اگر اس کے معدے میں چند لقمے کم چلے جائیں؛ کیونکہ مسلمان خاتون کے لیے بھوک کو برداشت کر لینا مہمان سے روگردانی کرنے سے، جس کی عزت افزائی کرنے کا حکم اللہ اور اس کے رسول نے دیا ہے، زیادہ آسان ہے، بلکہ وہ تو یہ اعتقاد رکھتی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ایک کے کھانے میں برکت ڈال دیتا ہے تو وہ دو افراد کو کافی ہو جاتا ہے اور دو کے کھانے میں برکت ڈالتا ہے تو وہ چار اشخاص کو کافی ہو جاتا ہے اور اسی طرح اس خشک مزاجی، روکھے پن اور ناراضی کی کوئی وجہ ہی نہیں ہے جس میں مغربی انسان مبتلا نظر آتا ہے، جو مادی تہذیب کا پروردہ ہے خواہ وہ مشرق کا ہو یا مغرب کا۔

یقیناً ہمارے سلف صالحین نے اکرامِ ضیف میں اعلیٰ مثالیں رقم فرمائی ہیں حتیٰ کہ بعض کی مہمان نوازی پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھی اظہار پسندیدگی فرمایا ہے، اور یہ بات ہم اس حدیث مبارکہ میں پاتے ہیں جسے امام بخاری اور امام مسلم رحمہ اللہ نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ایک شخص حاضر ہوا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کے پاس

---

[1] صحيح مسلم كتاب الاشربة: باب فضيلة المواساة في الطعام القليل۔ حديث: ٢٠٥٩۔

کھانے کے بندوبست کے لیے پیغام بھیجا' سب نے یہی جواب بھیجا: ہمارے پاس پانی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ تب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اس کی مہمان نوازی کون کرے گا؟'' ایک انصاری آدمی نے کہا: ''میں۔'' چنانچہ وہ اسے اپنے ہاں لے گیا' اور جا کر اپنی بیوی سے کہنے لگا: ''رسول اللہ ﷺ کے مہمان کی تکریم و تعظیم کرو' وہ بولی: ہمارے ہاں تو بچوں کے کھانے کے سوا اور کچھ بھی نہیں' وہ انصاری بولا: اپنے کھانے کو تیار کرو' اپنے چراغ کو درست کرو' اور جب تیرے بچے رات کے کھانے کی طلب کریں تو انہیں دلاسے دے کر سلا دینا' چنانچہ اس نے کھانے کو تیار کیا' اور اپنے چراغ کو درست کر لیا' اور اپنے بچوں کو سلا دیا' پھر وہ چراغ کو درست کرنے کے بہانے کھڑی ہوئی تو اس نے چراغ کو بجھا دیا' اور دونوں نے مہمان کو یہ باور کرایا کہ وہ دونوں بھی کھانا کھا رہے ہیں' پھر دونوں نے بھوکے رہ کر رات گزاری' پھر جب علی الصباح وہ صحابی رسول اللہ ﷺ کے ہاں حاضر ہوا' تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَقَدْ عَجِبَ اللّٰهُ مِنْ صَنِيعِكُمَا بِضَيْفِكُمَا اللَّيْلَةَ)) [1]

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آج کی شب مہمان کے ساتھ تمہارے عمل کرنے کو پسند فرمایا ہے۔''

اور پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی:

﴿ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ (الحشر: ٥٩/٩)

''بلکہ خود اپنے اوپر انہیں ترجیح دیتے ہیں گو خود کو کتنی ہی سخت حاجت ہو' بات یہ ہے کہ جو بھی اپنے نفس کی حرص سے بچیں وہی کامیاب اور بامراد ہیں۔''

بلاشبہ مسلمان خاتون مہمان نواز ہوتی ہے' وہ مہمان کو خوش آمدید کہتی ہے خواہ وہ کسی وقت بھی آ جائے' اس کے اچانک آ جانے سے پریشان و فکرمند نہیں ہوتی' اس طرح وہ اپنے خاوند کی بہترین معاون بنتی ہے تا کہ وہ بھی اس کی مثل مہمان نواز اور سخی بن جائے' مہمان کی آمد پر راحت و سکون محسوس کرتی ہے' اور ہنس مکھ اور دمکتے مسکراتے چہرے کے ساتھ' خندہ پیشانی سے مہمان کی

---

[1] صحيح بخاري۔ كتاب مناقب الانصار۔ باب (يؤثرون على انفسهم) حديث: ٣٧٩٨۔ صحيح مسلم۔ كتاب الاشربة۔ باب اكرام الضيف، حديث: ٢٠٥٤۔

عزت افزائی میں جلدی دکھاتی ہے جس طرح کہ شاعر[1] نے کہا ہے:

أُضَاحِكُ ضَيْفِي قَبْلَ اِنْزَالِ رَحْلِهِ
وَ يُخْصِبُ عِنْدِيْ وَالزَّمَانُ جَدِيْبُ
وَ مَا الْخِصْبُ لِلْأَضْيَافِ أَنْ يَكْثُرَ الْقِرٰى
وَ لٰكِنَّمَا وَجْهُ الْكَرِيْمِ خَصِيْبُ

''میں اپنے مہمان کو خوش حال و آسودہ رکھتا ہوں اس کا سامان اتارنے سے قبل ہی' وہ میرے پاس خوشحال رہتا ہے جبکہ زمانہ قحط زدہ ہوتا ہے۔''

''مہمانوں کی خوشحالی اس بات میں نہیں ہے کہ وہ مہمانی زیادہ کھائے بلکہ سخی کا چہرہ ہی اسے تروتازہ رکھتا ہے۔''

اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دیتی ہے:

وہ مسلمان خاتون جس نے دین اسلام کی ہدایت سے سیرابی پائی ہے وہ دوسروں کو اپنے آپ پر ترجیح دیتی ہے' اگرچہ اس کے پاس مال وافر مقدار میں نہ ہو' یہ اس لیے کہ ایثار و ترجیح دینا ایک بلند ترین' پسندیدہ اور شریفانہ خوبی ہے' جس کو اسلام نے بہت سراہا ہے اور اس سے متصف ہونے کی ترغیب دی ہے۔ تاکہ اس کے ذریعے سے مسلمان آدمی راست باز اور شریف بن کر ممتاز بن سکے۔

بلاشبہ رسول اکرم ﷺ کے بعد انصار صحابہ رضی اللہ عنہم ایثار میں پیش رو ہیں' کیونکہ ان کے بارے میں قرآن کریم نازل ہوا ہے جس کی تلاوت کی جاتی ہے' جو ان کے لازوال ایثار کی زمانہ گزرنے کے باوجود تعریف و ستائش کر رہا ہے' جس قرآن نے انہیں انسانی نسلوں اور گروہوں کے لیے دائمی منارۂ نور بنا دیا ہے' کہ جنہوں نے ان انصار صحابہ سے سیکھا ہے کہ سخاوت و فیاضی کیسی ہونی چاہیے' ایثار کیسا ہونا چاہیے، اور یہ بات اس موقع کی ہے جب انہوں نے اپنے مہاجر بھائیوں کا استقبال کیا تھا کہ جن کے پاس ذاتی ملکیت میں کوئی چیز نہ تھی' تو انہوں نے اپنا سب کچھ ان پر نچھاور کر دیا:

---

[1] یہ شاعر حاتم الطائی ہے جس طرح کہ "العقدالفرید ۱/۱۳۶" میں ہے۔

﴿ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُ وا الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوْتُوا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَّمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾

(الحشر: ۵۹/ ۹)

''اور ان کے لیے جنہوں نے اس گھر (یعنی مدینہ) میں اور ایمان میں ان سے پہلے جگہ بنالی ہے' اپنی طرف ہجرت کر کے آنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ دے دیا جائے اس سے وہ اپنے دلوں میں کوئی رشک اور دغدغہ نہیں رکھتے بلکہ خود اپنے اوپر انہیں ترجیح دیتے ہیں گو خود کو کتنی ہی سخت حاجت ہو' بات یہ ہے کہ جو بھی اپنے نفس کی حرص سے بچ جائیں وہ ہی کامیاب اور بامراد ہیں۔''

اور نبی اکرم ﷺ کی زندگی مبارکہ تو ایثار سے بھری پڑی ہے' اور اسی سے ہی آپ ﷺ نے اولین مسلمانوں کے دلوں میں اسے راسخ فرمایا ہے' اور ان کی طبیعتوں اور عادتوں میں اسے پیوست وسرایت کیا ہے۔ سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک دھاری دار بنی ہوئی چادر لے کر آئی' اور یوں عرض پرداز ہوئی: میں نے اسے اپنے ہاتھوں سے بنا ہے تاکہ میں یہ آپ کو پہناؤں' نبی اکرم ﷺ کو اس کی ضرورت بھی تھی آپ نے وہ لے لی' تب رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے تو آپ نے وہی چادر باندھی ہوئی تھی' تو فلاں شخص بول اٹھا: یہ آپ مجھے پہنا دیں' یہ کس قدر خوبصورت ہے! آپ ﷺ نے فرمایا: بالکل ٹھیک۔ تب نبی اکرم ﷺ اسی جگہ پر بیٹھ گئے پھر واپس گئے' اس چادر کو تہہ لگائی اور پھر اس آدمی کے پاس بھیج دی۔ لوگوں نے اس آدمی سے کہا: تو نے اچھا نہیں کیا' نبی اکرم ﷺ نے یہ پہنی ہوئی تھی اور آپ کو اس کی ضرورت بھی تھی' پھر تو نے اس کا سوال کر دیا حالانکہ تجھے بخوبی علم تھا کہ آپ ﷺ کسی سائل کو لوٹاتے نہیں ہیں' وہ کہنے لگا: اللہ کی قسم! میں نے یہ چادر پہننے کے لیے نہیں مانگی بلکہ میں نے تو صرف اس لیے مانگی ہے تاکہ یہ میرا کفن ہو جائے۔ سیدنا سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: تو وہ چادر اس کا کفن ہی بنی۔ [1]

[1] صحیح بخاری کتاب الجنائز: باب من استعد الکفن' حدیث: ۱۲۷۷

آپ ﷺ کا نفس خوش ہو جاتا اور آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی تھیں جب آپ ﷺ ایثار کے حوالے سے اپنی بوئی ہوئی فصل کی پیداوار کا مشاہدہ فرماتے جو مسلمانوں کی زندگی میں ہر لمحہ ثمر بار رہتی ہے' جب کبھی تنگ دستی' قحط زدگی اور مال کی کمی سامنے آتی' آپ اپنے فرمان گرامی میں اس کی یوں تعبیر بیان فرماتے ہیں:

''بے شک اشعری قبیلہ کے لوگ سفر جہاد کے دوران میں جب ان کا زادراہ ختم ہو جاتا ہے یا ختم ہونے کے قریب ہوتا ہے یا (حالت قیام میں) ان کے اہل وعیال کا کھانا مدینہ ہی میں کم ہو جاتا ہے تو وہ اپنے پاس موجود چیزیں ایک کپڑے میں جمع کر لیتے ہیں' پھر اسے ایک برتن میں مساوی طور پر تقسیم کر لیتے ہیں' لہٰذا وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔''[1]

کیا خوبصورت ہے وہ ایثار جسے انسانیت نے انصار سے پہچانا ہے! جسے انسانیت نے اور اسلام کی نسلوں نے اشعری قبیلہ سے پہچانا ہے' اور کس قدر عظیم ہے رسول کریم ﷺ کا فضل جس نے مسلمان مردوں اور عورتوں کی اس پہلی نسل کے دلوں میں اس کے بیج بوئے ہیں' اور پھر بعد کی مسلمان نسلوں نے ان سے وراثت میں یہ ایثار پایا ہے حتیٰ کہ اسلامی معاشرے کی عمدہ ترین صفات میں سے یہ ایک بنیادی صفت بن چکی ہے۔

اپنی عادتوں کو اسلامی پیمانوں اور سانچوں میں ڈھالتی ہے:

اپنے دین کے احکامات کی بصیرت رکھنے والی مسلمان خاتون اپنی ہر دل پسند عادت کی طرف نہیں جھکتی' جس پر لوگ فریفتہ ہوتے ہوں' کیونکہ بعض اوقات وہ عادت جاہلی' قدیمی یا نئی موروثی عادات میں سے بھی ہو سکتی ہے جس کی اسلام اجازت نہیں دیتا' تو ایسی عادت مسلمان خاتون کی نگاہوں میں غیر مقبول ہوتی ہے اگرچہ لوگ اس پر فریفتہ ہی ہوتے جا رہے ہوں۔

مسلمان خاتون اپنے گھر کو تماثیل اور تصاویر سے مزین نہیں کرتی اور نہ اپنے گھر میں ماسوائے چوکیداری کے کتا ہی پالتی ہے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے منع فرمایا ہے' ان چیزوں کی حرمت میں آپ سے مروی صحیح نصوص بڑی سختی سے حرمت کو بیان کر رہی ہیں' جن میں تساہل

[1] صحیح بخاری، کتاب الشرکة، باب الشرکة فی الطعام حدیث: ۲٤۸٦۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة باب من فضائل الاشعریین، حدیث: ۲۵۰۰۔

یا رخصت کا کوئی رخنہ نہیں ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

((إِنَّ الَّذِيْنَ يَصْنَعُوْنَ هٰذِهِ الصُّوَرَ يُعَذَّبُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يُقَالُ لَهُمْ: أَحْيُوْا مَا خَلَقْتُمْ))[1]

''بے شک وہ لوگ جو یہ تصاویر بناتے ہیں روز قیامت مبتلائے عذاب کیے جائیں گے' انہیں کہا جائے گا: جو تم نے پیدا کیا تھا انہیں زندہ کرو۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر سے تشریف لائے' میں نے ایک چھوٹی سی کھڑکی پر پردہ لٹکایا ہوا تھا جس میں تصاویر تھیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جونہی اسے دیکھا آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا' فرمایا:

((يَا عَائِشَةُ ! اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا عِنْدَاللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الَّذِيْنَ يُضَاهُوْنَ بِخَلْقِ اللّٰهِ))[2]

''اے عائشہ! قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں لوگوں میں سے سب سے زیادہ عذاب انہیں ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے مشابہت اختیار کرتے ہیں.....فرماتی ہیں: ہم نے اسے پھاڑ دیا اور اس سے ایک یا دو تکیے بنا لیے۔''

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

((كُلُّ مُصَوِّرٍ فِي النَّارِ يُجْعَلُ لَهُ بِكُلِّ صُوْرَةٍ صَوَّرَهَا نَفْسٌ، فَيُعَذِّبُهُ فِي جَهَنَّمَ))

''ہر مصور آتش دوزخ میں ہوگا' ہر اس تصویر کی جگہ پر جو اس نے بنائی ہوگی ایک نفس (جان) بنائی جائے گی جو اسے جہنم میں عذاب دے گا۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اگر تو لازماً ہی کچھ بنانے والا ہے تو درخت اور وہ چیز بنا لے

---

[1] صحيح بخاری كتاب اللباس باب عذاب المصورين يوم القيامة، حديث: ٥٩٥١ـ صحيح مسلم كتاب اللباس باب لا تدخل الملائكة بيت فيه كلب، حديث: ٢١٠٨

[2] صحيح بخاری۔ كتاب اللباس۔ باب ما وطئى من التصاوير، حديث: ٥٩٥٤ـ صحيح مسلم، حواله سابق، حديث: ٢١٠٧

جس میں روح نہ ہو۔"①

سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَّلَا صُورَةٌ))②

"جس گھر میں کتا اور تصویر ہو اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔"

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہتی ہیں: سیدنا جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک گھڑی میں آپ کے پاس آنے کا وعدہ کیا' وہ گھڑی اور وقت آ گیا مگر وہ نہ آئے' فرماتی ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں لاٹھی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے دست مبارک سے پھینک دیا اور یہ فرماتے جا رہے تھے:

((مَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهُ وَلَا رُسُلُهُ))

"اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف کرتا ہے اور نہ ہی اس کے رسول۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری طرف دھیان کیا تو کیا دیکھا کہ آپ کی چارپائی کے نیچے کتے کا پلا ہے' دریافت کیا: "یہ کتا کب داخل ہوا؟" میں نے عرض کی: "اللہ کی قسم! مجھے تو اس کا علم ہی نہیں ہوا' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سیدنا جبریل حاضر خدمت ہوئے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: "آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا' میں آپ کے انتظار میں بیٹھا رہا اور آپ آئے ہی نہیں؟" انہوں نے جواب دیا:

((مَنَعَنِي الْكَلْبُ الَّذِي كَانَ فِي بَيْتِكَ' إِنَّا لَا نَدْخُلُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَلَا صُورَةٌ))③

"مجھے اس کتے نے آنے سے روکے رکھا جو آپ کے گھر میں تھا' بے شک ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا ہو اور نہ ہی تصویر والے گھر میں۔"①

اس بارے میں نصوص لاتعداد ہیں' جو تمام کی تمام تصاویر کو پھیلانے اور تماثیل کو نصب

❶ صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب بیع التصاویر، حدیث ۲۲۲۵، صحیح مسلم۔ حوالہ سابق حدیث: ۲۱۱۰۔

❷ بخاری، کتاب اللباس، باب التصاویر، حدیث: ۵۹۴۹، صحیح مسلم، حدیث: ۲۱۰۶۔

❸ صحیح مسلم کتاب اللباس والزینۃ: باب تحریم تصریر الحیوان۔ حدیث: ۲۱۰۴۔

کرنے کو حرام قرار دے رہی ہیں۔ پھر زمانے نے اس حرمت کی حکمت سے پردہ اٹھایا ہے اور بالخصوص اس دور میں جس میں منافق مرد اور منافق عورتیں، طفیلی مرد اور عورتیں، لالچی حضرات اور باغیوں سے خواہشات وابستہ رکھنے والے لوگ ہوں، جو ان کی بے راہ رویوں اور بے اعتدالیوں کو ان کے سامنے آراستہ کر کے اور خوشامدی الفاظ میں پیش کرتے ہیں، اسی قبیل سے یہ امر بھی ہے جو ان کی زندگی میں یا ان کی موت کے بعد ان کے فوٹو اور مجسمے نصب کرتے ہیں، تاکہ انہیں کامل معبود یا آدھے معبود بنالیں، اور وہ اپنے عظمت کے تختوں پر چار زانو ہو کر بیٹھتے ہیں اور ڈنڈوں کوڑوں کی زد سے کمزور مردوں اور کمزور عورتوں کی پشتوں پر مارتے ہیں۔

بلاشبہ وہ اسلام جو عقیدہ توحید لایا ہے اور جس نے پندرہ صدیوں سے شرک و جاہلیت کے بتوں کو پاش پاش کر دیا ہے۔ وہ ان بتوں کا انکاری ہے کہ وہ مسلمان مردوں اور عورتوں کی زندگی میں دوبارہ لوٹ آئیں کہ ایک بار فلاں لیڈر کا نام باقی رکھا جائے اور دوسری بار فلاں فن کار او ماہر کے نام کی تکریم و تعظیم کی جائے اور تیسری مرتبہ فلاں شاعر یا عالم یا ادیب کے نام کی عزت و عظمت کے جھنڈے گاڑے جائیں۔ اسلامی معاشرہ تو توحید پرستوں کا معاشرہ ہوتا ہے۔ جس میں بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کی بھی تعظیم و تقدیس اور بزرگی پہچانی نہیں جاتی، یہی وجہ ہے کہ اس میں ان بتوں، مجسموں اور پورٹریٹوں کے لیے کوئی جگہ نہیں ہوتی۔

باقی رہا معاملہ کتے پالنے کا، تو جب وہ شکار کے لیے یا مویشیوں کے لیے یا زمین کے لیے ہوں تو ان میں کوئی امر مانع نہیں ہے، جس طرح کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے، کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

((مَنِ اقْتَنٰى كَلْبًا لَا كَلْبَ صَيْدٍ أَوْ مَاشِيَةٍ ، فَإِنَّهُ يَنْقُصُ مِنْ أَجْرِهِ كُلَّ يَوْمٍ قِيرَاطَانِ))[1]

''جس نے کوئی کتا پالا ماسوائے شکاری کتے کے یا مال مویشی (کی رکھوالی کے) کتے کے، تو روزانہ اس کے اجر سے دو قیراط کم کیا جاتا ہے۔''

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب الذبائح۔ باب من اقتنی کلبا لیس بکلب صید، حدیث: ٥٤٨٠۔
صحیح مسلم۔ کتاب البیوع۔ باب الامر بقتل الکلاب، حدیث: ١٥٧٤

اور گھروں میں مغربی طرز پر کتے پالنے' ان کی خصوصی دیکھ بھال اور ان سے لاڈ پیار ان کے لیے سپیشل کھانے اور مخصوص شیمپو' صابن کا اہتمام کرنا اور ان کے لیے خاص قسم کے ٹب اور حمام بنانا وغیرہ جن پر یورپ اور امریکہ میں سالانہ کئی ملین ڈالر خرچ کیے جاتے ہیں۔تو یہ انداز اسلام سے اور اس کی واضح ترین تعلیمات و عادات سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ اہل مغرب کی نفسیاتی کیفیت اور خشک مادی زندگی نے ان کو اس انتہا تک پہنچا دیا ہے کہ وہ حد درجہ کتوں کے قریب ہو رہے ہیں اور اپنی سماجی زندگی میں انسانی محبت کے فقدان کو کتوں سے پوری کر رہے ہیں جبکہ اسلام میں معاشرتی زندگی تو انسانی محبت و عاطفت سے لبریز اور معمور زندگی ہوتی ہے۔ جس میں ایسے رجحان اور غلط میلان کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔[1]

سمجھدار مسلمان خاتون جو اپنے دینی احکامات کو یاد رکھتی ہے۔سونے اور چاندی کے برتنوں میں اکل و شرب بھی نہیں کرتی خواہ اس کے ہاں کتنی ہی مال و دولت کی فراوانی اور نعمتوں کی شادابی کیوں نہ ہو' کیونکہ شریعت اسلامیہ میں سونے اور چاندی کے برتنوں کو ممنوع اور حرام ٹھیرایا گیا ہے۔ہم اس حرمت کا ذکر رسول اللہ ﷺ کی متعدد صحیح اور قطعی احادیث مبارکہ میں پاتے ہیں۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

« اَلَّذِيْ يَشْرَبُ فِيْ آنِيَةِ الْفِضَّةِ إِنَّمَا يُجَرْجِرُ فِيْ بَطْنِهِ نَارَ جَهَنَّمَ »[2]

''جو شخص چاندی کے برتن میں پیتا ہے تو بلا شبہ وہ اپنے پیٹ میں آتش جہنم کو بھرتا ہے۔''

اور صحیح مسلم کی روایت میں ہے:

« إِنَّ الَّذِيْ يَأْكُلُ أَوْ يَشْرَبُ فِيْ آنِيَةِ الْفِضَّةِ وَالذَّهَبِ »[3]

''بلا شبہ جو شخص چاندی اور سونے کے برتن میں کھاتا پیتا ہے۔''

اور ایک روایت میں یوں بھی ہے:

« مَنْ شَرِبَ فِيْ إِنَاءٍ مِّنْ ذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ فَإِنَّمَا يُجَرْجِرُ فِيْ بَطْنِهِ نَارًا مِّنْ

---

1. اس غلط رجحان کا تجزیہ ملاحظہ فرمائیں۔
2. صحیح بخاری۔ کتاب الاشربة باب آنیة الفضة، حدیث: ٥٦٣٤۔ صحیح مسلم۔ کتاب اللباس باب تحریم استعمال اوانی الذھب و الفضة حدیث: ٢٠٦٥
3. مسلم، کتاب اللباس والزینة، باب تحریم استعمال اوانی الذھب والفضة، حدیث: ٢٠٦٥۔

جهنم)) [1]

''جو شخص سونے یا چاندی کے برتن میں پانی پیے تو یقیناً وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے۔''

بلاشبہ سمجھدار مسلمان خاتون ہر جگہ میں معاشرے میں مقبول و پسندیدہ عادات میں سے ہر عادت کو اسلام کے حکم' اس کی اقدار اور اس کے مفاہیم پر پیش کرتی ہے۔ تو اس میں سے جو اس سے موافقت رکھے اسے قبول کر لیتی ہے۔ اور جو اس مخالفت رکھے اسے چھوڑ دیتی اور اسے پھینک دیتی ہے' خواہ اس عادت کا تعلق منگنی سے ہو یا شادی سے' یا اس کا تعلق گھریلو' خاندانی اور معاشرتی زندگی کے ساتھ ہو' کیونکہ عادات تو قبیلوں اور اسلامی ملکوں میں مختلف و متباین ہوتی ہیں لیکن ان کا اعتبار اسلام سے موافقت رکھنے اور اس عادت کے مشروع ہونے پر بھی ہوگا۔ نہ کہ اس کے لوگوں کے درمیان رائج اور عام ہونے کا اعتبار ہوگا۔

خوردونوش میں اسلامی آداب کو ملحوظ رکھتی ہے:

بیدار مغز مسلمان خاتون اپنے خوردونوش میں اسلامی آداب کو اختیار رکھنے کی حرص کے ساتھ ممتاز ہوتی ہے' آپ اسے دسترخوان پر کھانے تناول کرتے ہوئے دیکھیں یا دسترخوان پر کھانے چنتے ہوئے مشاہدہ کریں تو آپ ملاحظہ کریں گے تو وہ کھانے میں' پینے میں اور ترتیب مائدہ میں اسلامی آداب وشعائر کی پابند ہوگی۔

وہ اللہ تعالیٰ کا نام لینے کے بعد ہی کھانا تناول کرنا شروع کرے گی' اپنے دائیں ہاتھ سے کھائے گی اور اپنے سامنے سے کھانا لے گی' فرمان رسول اکرم ﷺ پر عمل پیرا ہوتے ہوئے:

((سَمِّ اللّٰهَ وَ كُلْ بِيَمِيْنِكَ وَ كُلْ مِمَّا يَلِيْكَ)) [2]

''اللہ کا نام لے' اپنے دائیں ہاتھ سے کھانا کھا اور اپنے سامنے سے کھا۔''

اور جب وہ کھانے کے آغاز میں اللہ تعالیٰ کا نام لینا بھلا دی جاتی ہے تو وہ اس کے رہ

---

1. مسلم، کتاب اللباس والزینة: باب تحریم استعمال اوانی الذهب والفضة، حدیث: ٦٥۔
2. صحیح بخاری، کتاب الاطعمة، باب التسمیة علی الطعام، حدیث: ٥٣٧٦۔ صحیح مسلم، کتاب الاشربة، باب آداب الطعام والشراب، حدیث: ٢٠٢٢۔

جانے کا تدارک کرتی ہے اور اس طرح کہتی ہے:

((بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهُ وَآخِرَهُ))

جس طرح کہ اس حدیث میں ہے جسے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے' کہتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''جب تم میں سے کوئی کھانا کھانے لگے تو اسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کرے' تو اگر وہ اس کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ کا نام لینا بھول جائے تو اسے یوں کہنا چاہیے: "بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهُ وَآخِرَهُ" یعنی اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں اس کے اول میں بھی اور اس کے آخر میں بھی۔''[1]

اور دوسرا مسئلہ تو وہ ہے اپنے دائیں ہاتھ سے کھانا کھانے کا' اسلامی آداب کی پابند مسلمان خاتون اپنے دائیں ہاتھ سے کھاتی ہے' بائیں ہاتھ سے نہیں کھاتی' کیونکہ دائیں ہاتھ سے کھانا کھانے کا اور بائیں ہاتھ سے نہ کھانے کی بہت سی احادیث مبارکہ بھی واضح الفاظ کے ساتھ وارد ہیں' ان میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فرمان گرامی یہ ہے:

''جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو اسے چاہیے کہ اپنے دائیں ہاتھ سے کھائے اور جب وہ پانی پیئے تو اسے چاہیے کہ اپنے دائیں ہاتھ سے پیئے کیونکہ شیطان اپنے بائیں ہاتھ سے کھاتا اور بائیں ہاتھ ہی سے پیتا ہے۔''[2]

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان اقدس:

''تم میں سے کوئی اپنے بائیں ہاتھ سے ہرگز نہ کھائے اور نہ ہی اپنے بائیں ہاتھ سے پیئے' بلاشبہ شیطان اپنے بائیں ہاتھ سے کھاتا اور پیتا ہے۔''[3]

اور نافع اس میں مزید اضافہ کرتے ہیں:

---

1. سنن أبی ابوداوٗد، کتاب الاطعمة، باب التسمية علی الطعام، حدیث : ۳۷۶۷ و سنن الترمذی کتاب الاطعمة، باب ما جاء فی التسمیته علی الطعام، حدیث: ۱۸۵۸ حسن صحیح۔
2. صحیح مسلم کتاب الاشربة: باب آداب الطعام والشراب۔ حدیث : ۲۰۲۰
3. صحیح مسلم ایضاً۔

《 و لا یا خذ بھا و لا یعط بھا 》[1]

''نہ اس ہاتھ سے کوئی چیز لے اور نہ ہی کوئی چیز دے۔''

رسول اللہ ﷺ جب کسی کو بائیں ہاتھ سے کھانا کھاتے دیکھتے تو اسے منع کرتے' اسے سمجھاتے اور ادب سکھاتے اور بعض اوقات اس پر سختی فرماتے اور جب اس کی طرف سے تکبر دیکھتے اور اس فعل پر اصرار ملاحظہ کرتے تو اس کے لیے بددعا بھی کرتے:

سیدنا سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنے بائیں ہاتھ سے کھانا شروع کیا' تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے دائیں ہاتھ سے کھا۔'' وہ بولا: میں طاقت نہیں رکھتا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو طاقت نہ پائے۔''

اسے تکبر نے ہی روکے رکھا! پھر وہ اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے منہ تک نہ اٹھا سکا۔[2]

اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر کام اور ہر چیز میں داہنی جانب کو ہی پسند کیا کرتے تھے اور اس سے پکڑنے کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں شیخین اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس دودھ لایا گیا جس میں کنویں کا پانی ملایا گیا تھا، آپ کے دائیں طرف ایک اعرابی تھا جب کہ آپ کی بائیں جانب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے، آپ نے نوش فرمایا پھر اعرابی کو دے دیا اور فرمایا: 《 اَلْاَیْمَنَ فَالْاَیْمَنَ 》[3]

''دائیں طرف سے شروع کرو اور پھر دائیں طرف بڑھا دو۔''

ایک مرتبہ آپ ﷺ کے پاس کوئی مشروب لایا گیا' آپ کی دائیں طرف ایک بچہ تھا۔[4] اور آپ کی بائیں طرف بڑے لوگ تھے۔ آپ نے نوش جان فرمایا اور پھر بچے سے کہا: اب پینے کی باری تو تیری ہے' کیا تو ان بزرگوں کی وجہ سے اپنے حق سے دست بردار ہوتا ہے؟ تو بچہ بولا: نہیں اللہ کی قسم! یا رسول اللہ! میں آپ کا جھوٹا پینے کی سعادت کسی دوسرے کو نہیں دوں گا۔ اس

---

1. صحیح مسلم ایضاً۔
2. صحیح مسلم کتاب الاشربة، باب آداب الطعام والشراب۔ حدیث: ۲۰۲۱
3. صحیح بخاری، کتاب الاشربة، باب شرب اللبن بالماء، حدیث: ۵۶۱۲۔ صحیح مسلم۔ کتاب الاشربة، باب استحباب ادارة الماء باللبن، حدیث: ۲۰۲۹۔
4. وہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تھے۔

سلسلے میں سیدنا سہیل بن سعد رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے جس کی اصل عبارت یوں ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مشروب لایا گیا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے کچھ پیا' اس وقت آپ کے دائیں طرف ایک بچہ تھا اور آپ کی بائیں جانب عمر رسیدہ حضرات تھے' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے سے کہا:

''کیا تو مجھے اجازت دیتا ہے کہ میں انہیں دے دوں؟''

تو بچے نے کہا:

''نہیں اللہ کی قسم! میں آپ سے بچے ہوئے حصے پر کسی دوسرے کو ترجیح نہیں دوں گا'

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ اس کے ہاتھ میں رکھ دیا۔''[1]

یہ شواہد اور نصوص اور ان جیسے دیگر دلائل اس امر پر قطعی دلالت کرتے ہیں کہ داہنی جانب کو اختیار کرنا' اسلامی آداب میں سے ایک اہم ترین ادب ہے جسے سچے مسلمان انسان کو بذات خود کسی سستی' رخصت اور توقف کے بغیر اختیار کرنا چاہیے اور یہی وہ طرز عمل تھا جسے صحابہ اور تابعین نے بھی اپنایا تھا' ان میں سے کوئی بھی اس کے خلاف نہ کرتا تھا۔ اور امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ داہنی جانب کی اہمیت کو اجاگر کیا کرتے تھے اور اس سے تساہل برتنے والے سے چشم پوشی نہ برتا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ رعایا کی خبر گیری کرتے ہوئے گشت کے دوران میں آپ نے ایک آدمی کو دیکھا جو اپنے بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا۔ تو آپ نے اس سے کہا: اے اللہ کے بندے! اپنے دائیں ہاتھ سے کھا' آپ نے ایک مرتبہ پھر اسے بائیں ہاتھ سے کھاتے ہوئے دیکھا' تو درے سے اسے ہلکا سا مارا' اور اسے کہا: اے اللہ کے بندے! اپنے دائیں ہاتھ سے کھا' آپ نے اسے تیسری مرتبہ بھی بائیں ہاتھ سے کھاتے ہوئے دیکھا' اسے درے سے ہلکا سا مارا اور سختی سے فرمایا: اے اللہ کے بندے! دائیں ہاتھ سے کھایا کرو۔ اس آدمی نے جواب دیا: اے امیر المومنین! بے شک وہ مشغول ہے' تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اس کا شغل کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: اسے یوم موتہ

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الاشربة، باب هل يستأذن الرجل من عن يمينه، حديث ٥٦٢٠۔
صحیح مسلم كتاب الاشربة۔ باب استحباب ادارة الماء باللبن، حديث: ٢٠٣٠۔

نے مشغول کر دیا ہے۔ یعنی وہ موتہ کے روز لڑائی میں شہید ہو گیا ہے۔ تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے' اور اس آدمی کی طرف معذرت کرتے ہوئے' اس سے ہمدردی کرتے ہوئے یوں کہنے لگے: تجھے وضو کون کرواتا ہے؟ تیری ضروریات کا انتظام کون کرتا ہے؟ تیرے امور پر تیری معاونت کون کرتا ہے؟ پھر آپ نے اس کی نگہداشت و رعایت رکھنے کا حکم صادر فرمایا۔

امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اپنی رعایا میں سے ایک آدمی کے کردار میں اتنے چھوٹے سے عمل کا خیال رکھنا اس کی اہمیت کو بیان کر رہا ہے' اور ایک مسلمان انسان کی شخصیت میں اس چھوٹے سے عمل کی اہمیت کا اندازہ اور اس کی نمایاں ترین خواہش کی تعبیر کو بیان کر رہا ہے۔ مزید سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مسلمان مردوں اور عورتوں کی زندگی میں اس کی شدید ترین خواہش کا بھی پتا چل رہا ہے۔ لہٰذا اس ضمن میں نہ تو تساہل پسندی ہونی چاہیے اور نہ ہی کسی طرح کی چشم پوشی ہی دکھانی چاہیے۔

اب میں چاہتا ہوں کہ گفتگو کا رخ ان مسلمانوں خواتین بیگمات کی طرف کروں جنہوں نے مغربی دستر خوانی نظام اپنا لیا ہے، جو کانٹے کو بائیں ہاتھ میں اور چھری کو دائیں ہاتھ میں رکھنے کا فیصلہ دیتا ہے۔ تاکہ کھانے والا اپنے دائیں ہاتھ سے کاٹے اور لقمے کو بائیں ہاتھ سے تناول کرے، تو انہوں نے بھی بلا تغیر و تبدل اس نظام کی پیروی اختیار کر رکھی ہے، تو وہ بھی اپنے دین کی ہدایات کی مخالفت کرتے ہوئے اپنے بائیں ہاتھوں سے کھانا کھاتی ہیں' انہوں نے اپنی جانوں کو اتنی بھی تکلیف نہیں دی کہ وہ کانٹے کو دائیں ہاتھ میں اور چھری کو بائیں ہاتھ ہی میں پکڑ لیں، تاکہ وہ اپنے دائیں ہاتھوں ہی سے کھانا کھا سکیں صرف اس خدشے سے کہیں مغربی تہذیب کی نوک پلک ہی مخدوش نہ ہو جائے۔ تو یہ اس نفسیاتی شکست کی ایک ادنیٰ سی مثال ہے، جس میں ہماری امت مبتلا ہو چکی ہے' ان تمام نئی درآمدی چیزوں کے سامنے جو ہماری طرف آ رہی ہیں' ہم انہیں بلا کسی تبدیلی یا کیفیت میں تغیر لائے بغیر اپنے اوپر لاگو کرنے پر مرے جاتے ہیں جو تبدیلی ہماری شخصیت' ہمارے دین اور ہماری عمدہ ترین اقدار سے مطابقت رکھے۔ سمجھدار مسلمان خاتون ایسی طوطا نما اندھی گھٹیا بے ہودہ تقلید سے دور رہتی ہے۔

سمجھدار صاحب بصیرت اپنے دین کی ہدایت سے اور اس کے ارفع و اعلیٰ آداب سے سر

بلند ہونے والی مسلمان خاتون ہمیشہ داہنے ہاتھ سے کھانے کو اختیار کرتی ہے اور دوسری خواتین کو بھی اس امر کی دعوت دیتی ہے۔ اور ان محافل ومجالس میں جو مغربی تہذیب کی حرف بحرف نقالی کرنے والی ہوں اس حقیقت کو واشگاف الفاظ میں کہنے میں شرم بھی محسوس نہیں کرتی، تاکہ غافل مرد وزن اور بے پرواہی برتنے والے مرد وعورت متنبہ ہو جائیں اور پھر سب کے سب اپنے دین کی ہدایت کی طرف رجوع کر لیں اور اپنے خورد ونوش میں سنت مطہرہ نبویہ کی رہنمائی اور اتباع میں دائیں ہاتھوں کو استعمال کرنے والے بن جائیں۔

رہا تیسرا مسئلہ' وہ ہے اپنے سامنے سے کھانے کا' تو اس میں بھی وہ اسلامی آداب پر عمل پیرا رہتے ہوئے کھانا کھاتی ہے' دائیں ہاتھ سے کھانا تناول کرنے اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کھانا شروع کرنے میں بھی بے شمار احادیث مبارکہ بالکل واضح اور صریح ہیں۔ ان میں سے ایک وہ ہے جسے سیدنا عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے' کہتے ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر کفالت تھا۔ اور میرا ہاتھ پلیٹ میں ادھر اُدھر گھومتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: ''اے لڑکے! اللہ کا نام لے' اور اپنے دائیں ہاتھ سے کھا اور اپنے آگے سے کھا۔''[1]

سمجھدار مہذب مسلمان خاتون کے یہی لائق ہے کہ جب وہ اپنے کھانے کو ہاتھ لگائے تو انتہائی نرمی' سہولت اور آہستگی سے ہاتھ لگائے' جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے' کیونکہ آپ اپنے کھانے کو صرف تین انگلیاں لگایا کرتے تھے اور کھانے میں پورا ہاتھ نہ ڈبوتے تھے اس طرح کہ نگاہیں اس سے کراہت کریں اور نفوس نفرت کریں' اور یہی وہ بات ہے جو سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کی ہے کہتے ہیں:

《 رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَأْكُلُ بِثَلَاثِ أَصَابِعَ' فَإِذَا فَرَغَ لَعِقَهَا 》[2]

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین انگلیوں سے کھانا کھاتے دیکھا' تو جس وقت آپ فارغ ہو جاتے تو انہیں چاٹا کرتے۔''

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انگلیوں کو چاٹنے اور پلیٹ کو صاف کرنے کا حکم دیا کرتے تھے اور یہ

1. صحیح بخاری، کتاب الأطعمة، باب التسمية على الطعام، حديث: ٥٣٧٦۔ صحیح مسلم۔ کتاب الاشربة، باب آداب الطعام والشراب، حديث: ٢٠٢٢۔
2. صحیح مسلم کتاب الاشربة، باب استحباب لعق الا صابع۔ حديث: ٢٠٣٢۔

بات اس حدیث مبارکہ میں موجود ہے جو سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے انگلیوں اور پلیٹ کو چاٹنے کا حکم دیا ہے۔ اور فرمایا:

« إِنَّكُمْ لَا تَدْرُونَ فِي أَيِّ طَعَامِكُمُ الْبَرَكَةُ »[1]

''بلاشبہ تم نہیں جانتے کہ تمہارے کس کھانے میں برکت ہے۔''

اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کھانا کھا لیتے تو اپنی تینوں انگلیوں کو چاٹا کرتے تھے' اور یوں بھی فرمایا:

''جب تم میں سے کسی کا کوئی لقمہ نیچے گر جائے تو اسے چاہیے کہ وہ پکڑ لے اور اس سے گردوغبار دور کرلے اور چاہیے کہ اسے کھا جائے' اور اسے شیطان کے لیے نہ چھوڑے۔''

اور آپ ﷺ نے ہمیں پلیٹ صاف کرنے کا بھی حکم دیا ہے۔ اور ساتھ یہ فرمایا ہے کہ تم نہیں جانتے کہ تمہارے کس کھانے میں برکت ہے۔''[2]

نبی کریم ﷺ کی اس رہنمائی میں برکت کی جستجو کرنے کے علاوہ ہاتھوں اور برتنوں کو صاف کرنے کی ترغیب بھی موجود ہے۔ کھانے کے باقی ماندہ اجزاء کو صاف کرنا مہذب اور صاف ستھرے انسان کی طبیعت کے زیادہ لائق ہے جو اس کی نظافت پسندی، سلیقہ مندی اور اس کے اعلیٰ ذوق کی غمازی کرتا ہے۔ اہل مغرب آج بہترین وخوبصورت عادت کو اپنانے پر آچکے ہیں جس کو نبی کریم ﷺ نے پندرہ صدیاں قبل مقرر فرمایا تھا۔ اہل یورپ آج برتنوں کو صاف کرتے ہیں اور ان میں کچھ بھی باقی نہیں چھوڑتے۔ قدرتی بات ہے کہ مہذب' ذکی الحس اسلامی آداب سے آراستہ مسلمان خاتون اپنے کھانے میں چٹخارہ اور ڈکار لیتی ہے اور نہ ہی اپنے کھانے کے دوران میں پھونکیں ہی مارتی ہے، تاکہ عجیب وغریب رنگا رنگ آوازیں پیدا کرے اور نہ ہی وہ اتنا بڑا لقمہ لیتی ہے جس سے اس کا منہ بدنما لگے اور جو اس کے نسوانی جمال' ملائمت اور خوبصورتی میں مخل ثابت ہو۔

---

1. صحیح مسلم ایضاً۔ حدیث: ۲۰۳۳
2. ایضاً۔

حتیٰ کہ جب وہ کھانے سے فارغ ہو جاتی ہے تو اس کی زبان اللہ عزوجل کی حمد و ثنا میں دلکش و شیریں لفظوں کے ساتھ جو اسے رسول اکرم ﷺ نے تعلیم فرمائے ہیں مصروف نظر آتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی شکر گزاری کرتی ہے اور اس سے حمد کرنے والوں کا اجر اور شکر گزاروں کا ثواب تلاش کرتی ہے۔

سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے سے جب دسترخوان اٹھایا جاتا تو یہ فرماتے:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ غَيْرَ مَكْفِيٍّ وَّلَا مُوَدَّعٍ وَّلَا مُسْتَغْنًى عَنْهُ رَبَّنَا)) [1]

"اللہ تعالیٰ کی لا تعداد پاکیزہ اور بابرکت تعریفیں ہیں، اے ہمارے پروردگار! اس کھانے سے بے نیازی نہیں ہو سکتی ہے اور نہ ہی اسے الوداع کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس سے بے پروائی ہو سکتی ہے۔"

اور سیدنا معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو کھانے سے فارغ ہو کر یوں کہے:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ أَطْعَمَنِیْ هٰذَا وَرَزَقَنِيْهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَلَا قُوَّةٍ))

"تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا اور جس نے مجھے یہ میری ہمت اور قوت کے بغیر عطا فرمایا۔"

تو اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ [2]

اور اسلامی آداب کو اختیار رکھنے والی مسلمان خاتون کھانا جیسا بھی ہو اس میں عیب نہیں نکالتی، اس سلسلے میں جب بھی اس کے پاس کھانا آتا ہے تو وہ ہدایت نبوی پر کاربند رہتی ہے اور فعل رسول اکرم ﷺ کو اپناتی ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی کھانے میں عیب نہیں نکالا، اگر خواہش ہوتی تو اسے کھا

---

1. صحیح بخاری کتاب الاطعمة: باب ما یقول اذا فرغ من طعامه۔ حدیث: ٥٤٥٨۔
2. سنن أبی داؤد کتاب اللباس باب (١) حدیث: ٤٠٢٣ و سنن الترمذی کتاب الدعوات: باب (٥٦) حدیث: ٣٤٥٨ وقال حدیث حسن۔

لیتے اور اگر اسے ناپسند کرتے تو اسے چھوڑ دیتے۔''①

اور رہے وہ آداب جن کا تعلق پینے کے ساتھ ہے تو وہ بھی ان اسلامی آداب سے ماخوذ ہیں جنہوں نے انسان کو مہذب بنا دیا ہے۔ اور زندگی کے تمام شعبوں میں اس کی بہترین تربیت و رہنمائی فرمائی ہے۔

وہ ''بسم اللہ'' کہنے کے بعد دو یا تین سانسوں میں پیتی ہے' اور برتن میں سانس نہیں لیتی' اور حتیٰ الامکان مشکیزے کو منہ لگا کر بھی نہیں پیتی اور نہ اپنے مشروب میں پھونکیں مارتی ہے اور اگر استطاعت پائے تو بیٹھ کر پیتی ہے۔ رہا معاملہ دو یا تین سانسوں میں پینے کا' تو رسول اکرم ﷺ کا یہی معمول تھا' جس طرح کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے یہ فرما کر خبر دی ہے:

''رسول اللہ ﷺ پینے میں تین سانس لیتے تھے۔''②

(یعنی سانس برتن سے باہر لیتے تھے)۔

اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے فرمان ذیل میں یکبارگی سارا مشروب پینے سے منع فرمایا ہے:

((لَا تَشْرَبُوْا وَاحِدًا كَشُرْبِ الْبَعِيْرِ وَلٰكِنِ اشْرَبُوْا مَثْنٰى وَثُلَاثَ، وَسَمُّوْا إِذَا أَنْتُمْ شَرِبْتُمْ، وَاحْمَدُوْا إِذَا أَنْتُمْ رَفَعْتُمْ))③

''تم اونٹ کی طرح یکبارگی نہ پیؤ بلکہ دو یا تین بار پیا کرو' اور جب تم پینے لگو تو اللہ کا نام لو اور جب تم (برتن) اٹھاؤ تو اللہ کی حمد و ستائش بیان کرو۔''

اور آپ نے پینے میں پھونک مارنے سے روکا ہے اور یہ بات سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مشروب میں پھونک مارنے سے منع فرمایا'' تو ایک آدمی بولا: میں اس میں تنکا دیکھتا ہوں' نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اسے نیچے بہا دو'' وہ بولا: میں ایک سانس سے سیر نہیں ہوتا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پیالے کو منہ سے الگ کر لے

---

① صحیح بخاری۔ کتاب المناقب۔ باب صفة النبی صلی الله علیه وسلم، حدیث: ۳۵٦۳۔ صحیح مسلم۔ کتاب الاشربة باب لا یعیب الطعام، حدیث: ۲۰٦٤

② صحیح بخاری۔ کتاب الاشربة۔ باب الشرب بنفسین اوثلاثة حدیث: ۵٦۳۱۔ صحیح مسلم کتاب الاشربة باب کراهة التنفس فی الاناء، حدیث: ۲۰۲۸

③ ترمذی کتاب الاشربة، باب ما جاء فی التنفس فی الاناء، ح: ۱۸۸۵ وقال: حسن۔

پھر سانس لے لے۔"[1]

آدابِ نوش میں احادیث مبارکہ کا مطالعہ کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ احسن انداز اور بہترین طریقہ یہ ہے کہ خاتون حتیٰ المقدور مشکیزے کے منہ سے پانی نہ پیے۔ اس طرح حتیٰ الامکان بیٹھ کر پانی پیئے' یہی انداز بہترین' کامل تر اور افضل ہے جس طرح کہ اس موضوع میں وارد احادیث مبارکہ اس بات پر رہنمائی کر رہی ہیں' اگرچہ مشکیزے کے منہ سے اور کھڑے ہونے کی حالت میں پانی پینا دونوں حالتوں میں جائز ہے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ان تمام حالتوں میں پانی نوش فرمایا ہے۔

السلام علیکم کا التزام واہتمام کرتی ہے:

جن آداب سے مسلمان خاتون ممتاز ونمایاں ہوتی ہے ان میں ایک ''السلام علیکم'' کہنا بھی ہے' ہر مسلمان مرد وعورت کو جسے وہ ملتی ہے اسے سلام عرض کرتی ہے۔ ان اسلامی اصول وضوابط کو پیش نگاہ رکھتے ہوئے جنہیں اسلام نے منظم فرمایا ہے' کیونکہ سلام کو عام کرنے کا حکم قرآن مجید اور سنت رسول مقبول ﷺ کی بے شمار نصوص میں موجود ہے۔

اسلام میں ''السلام علیکم'' کو عام کرنا ایک عمدہ منظم اور باقاعدہ اسلامی ادب ہے جس کا اللہ رب العزت نے اپنی کتاب محکم میں حکم دیا ہے اور پھر اس کے رسول امین ﷺ نے اپنی بے شمار احادیث مقدسہ میں اس کے اصول وقواعد کو منظم ومقرر فرمایا ہے' جنہیں محدثین عظام نے مستقل کتابوں اور ابواب میں ''کتاب السلام'' یا ''باب السلام'' کے ناموں سے الگ ذکر کیا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایماندار بندوں کو اپنی کتاب محکم میں سلام کہنے کا بایں الفاظ حکم دیا ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِينَ امَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا ﴾ (النور: ٢٤/٢٧)

''اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا اور گھروں میں نہ جاؤ جب تک اجازت نہ لے لو اور وہاں کے رہنے والوں کو سلام کرلو۔''

اور پھر اس سلام کا اس سے بہتر یا اس کی مثل جواب لوٹانے کا حکم دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ

---

[1] سنن الترمذی کتاب الاشربة: حدیث: ١٨٨٧ وقال: حدیث حسن صحیح۔

سلام سننے والے ہر شخص پر واجب ہے کہ وہ اس کا جواب دے اس ضمن میں تجاہل عارفانہ سے کام لے اور نہ ہی سستی کا مظاہرہ کرے۔

﴿ وَ اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ﴾

(سورہ النساء: ٤/ ٨٦)

''اور جب تمہیں سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا انہی الفاظ کو لوٹا دو۔''

بے شمار اور لا تعداد مرتبہ ہدایت نبوی ﷺ وارد ہے' جو سلام کو عام کرنے پر اور اسے دوسروں کو خواہ انہیں ہم جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں سلام سنانے پر رغبت دے رہی ہیں۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک آدمی نے نبی اکرم ﷺ سے استفسار کیا' کون سا اسلام بہتر ہے؟ تو آپ ﷺ نے جواباً فرمایا:

''تو کھانا کھلائے اور ہر اس شخص کو سلام کہے جسے تو جانتا ہے اور جسے نہیں جانتا۔''[1]

بلکہ ''السلام علیکم'' کہنا تو ان سات حکموں میں سے ایک ہے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو اختیار کرنے کا حکم دیا تھا' تاکہ وہ اپنی اجتماعی زندگی میں ان کا التزام واہتمام کریں تاکہ پھر ان کے بعد امت اسلامیہ ان امور کو لازم پکڑے' اور وہ سات چیزیں مندرجہ ذیل ہیں فرمایا:

''رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سات باتوں کا حکم دیا: مریض کی تیمارداری کرنے کا' جنازوں کے پیچھے چلنے کا' چھینک مارنے والے کو جواب دینے کا' کمزور کی مدد کرنے کا' مظلوم کی مدد کرنے کا' سلام کو عام کرنے کا اور قسم دینے والے کی قسم کو پورا کرنے کا۔''[2]

بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے سلام کے معاملے کو اپنی عنایت واہتمام کا خاص حصہ عطا فرمایا ہے' اسے معاشرے میں پھیلانے کی رغبت دی ہے' اس کو پسندیدہ قرار دیا ہے۔ اور یہ بات اپنی بے شمار احادیث مبارکہ میں بیان فرمائی ہے' کیونکہ آپ اس عمل کا نفوس میں محبت کے سرچشمے جاری کرنے میں بڑا عمل دخل دیکھتے اور جانتے تھے۔ اور دلوں کے تعلقات مضبوط بنانے' محبت

---

1. صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب الطعام، حدیث : ١٢۔ صحیح مسلم۔ کتاب الایمان۔ باب بیان تفاضل الاسلام، حدیث: ٣٩۔
2. صحیح بخاری، کتاب الجنائز باب الامر باتباع الجنائز۔ حدیث: ١٢٣٩۔ صحیح مسلم، کتاب اللباس۔ باب تحریم استعمال اناء الذهب والفضة حدیث: ٢٠٦٦۔

کے رشتوں کو مستحکم کرنے اور افراد اور سماج کے درمیان باہمی قربت اور دلی صفائی پیدا کرنے میں آپ اس جیسا کوئی عمل نہ دیکھتے تھے حتیٰ کہ آپ ﷺ نے اسے محبت کا ایسا ذریعہ اور سبب قرار دیا ہے جو ایمان تک لے جانے والا اور جو ایمان جنت میں پہچانے والا ہے اور یہ بات اس فرمان گرامی میں موجود ہے:

''مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم جنت میں داخل نہیں ہو سکتے حتیٰ کہ ایمان لے آؤ' اور تم ایمان دار نہیں بن سکتے حتیٰ کہ تم باہم محبت کرو' کیا میں تمہیں ایک ایسے کام کی رہنمائی نہ کردوں کہ جب تم وہ کام کرنے لگو تو تم باہم محبت کرنے لگو؟ آپس میں ''السلام علیکم'' کو عام کرو۔''[1]

اور پھر آپ ﷺ نے اس آدمی کو جو لوگوں کو سلام کہنے میں پہل کرتا ہے سب لوگوں میں سے اللہ تعالیٰ کے قریب' اس کی رضا مندی' اس کی نعمتوں اور عنایتوں کا زیادہ حقدار ٹھہرایا ہے' فرمایا:

((إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِاللَّهِ مَنْ بَدَأَ هُمْ بِالسَّلَامِ))

''بے شک سب لوگوں میں سے اللہ تعالیٰ کے قریب وہ شخص ہے جو انہیں سلام کہنے میں پہل کرتا ہے۔''[2]

اس لیے تو سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بازار تشریف لے جایا کرتے اور کسی بھی آدمی کے پاس سے نہیں گزرتے تھے مگر اسے سلام کہتے تھے' ایک دن آپ سے پوچھا گیا: آپ بازار میں کیا کرتے ہیں جبکہ آپ کسی خریدنے والی چیز پر بھی نہیں رکتے' اور نہ ہی بھاؤ کی بابت سوال کرتے ہیں' اور نہ قیمت طے کرتے ہیں اور نہ ہی کسی بازار کی مجلس میں بیٹھتے ہیں؟ تو فرمایا: ''ہم تو صرف ان لوگوں کو سلام کرنے کے لیے جاتے ہیں جن سے ہماری ملاقات ہوتی ہے۔''[3]

اسلام میں سلام کہنا کوئی معاشرتی رواج نہیں ہے جس کے وضع کرنے اور منظم کرنے پر انسانوں نے اپنے اپنے زمانوں اور مختلف ماحولوں میں باہم لین دین کیا ہو کہ وہ اپنے معاشرتی ماحول یا اس زمانے کے باعث جس میں وہ وضع کیا گیا تغیر وتبدل کا مزاج رکھتا ہو بلکہ یہ تو خاص الفاظ'

---

1. صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان انه لا ید خل الجنة الا المومنون۔ حدیث: ٥٤۔
2. سنن ابی داؤد کتاب الادب: باب فی فضل من بدا السلام۔ حدیث: ٥١٩٧
3. اخرجه البخاری فی الادب المفرد ٢/ ٦٥ باب من خرج یسلم و یسلم علیه۔

قواعد اور اصول کے تحت ایک اسلامی ادب ہے جیسا کہ اس پر قبل ازیں بات ہو چکی ہے' اس کا فقط ایک ہی صیغہ ہے جسے اپنے دین کے آداب کو یاد رکھنے والے اور اس کی نمایاں عمدہ ہدایت کو زندگی میں تطبیق دینے کے خواہش مند مسلمان مرد اور عورتیں لازم سمجھتے آئے ہیں اور وہ ہے "السلام علیکم و رحمة الله و بر کاته" سلام کی ابتداء کرنے والا یا کرنے والی جمع کی ضمیر کو بولتا ہے۔ اگرچہ جسے سلام کہا جارہا ہے وہ اکیلا مرد یا خاتون ہو اور جواب دینے والا یا والی یوں جواب دیتا ہے "وعلیکم السلام و رحمة الله و بر کاته"

اور اپنی اسلامی شخصیت کو ممتاز رکھنے والی مسلمان خاتون اس مبارک تحفے کے الفاظ کو لازم پکڑتی ہے جو کہ اسلام کا عمدہ ترین تحفہ ہے وہ اس کا کوئی نعم البدل تلاش نہیں کرتی۔

اس بہترین عمدہ ترین شرعی صیغے کی جگہ پر کوئی دوسرے الفاظ کفایت نہیں کریں گے خواہ زمانہ قدیم کے الفاظ "عِمْ صَبَاحًا" ہوں یا نئے الفاظ ہوں جیسے "صَبَاحَ الْخَیْر" جو کہ انگریزی کے الفاظ "Good Morning" یا فرانسیسی الفاظ "Bonjour" کا لفظ بلفظ ترجمہ ہے یا ان کے علاوہ آداب، تسلیمات وغیرہ الفاظ جو اپنے دین قیم کی ہدایت سے پیچھے رہنے والے مسلمان معاشروں میں عام ہو چکے ہیں۔ بلاشبہ اسلام کا تحفہ یہ وہی تحفہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے جب سے سیدنا آدم علیہ السلام کو اپنی خلقت کے لیے پسند کیا ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہی الفاظ سکھائے تھے۔ اور پھر آپ کو یہی حکم دیا تھا کہ فرشتوں کو انہیں الفاظ کے ساتھ سلام کہیں اور پھر آپ کی اولاد کے لیے زمانے گزرنے کے باوجود اور مختلف ملکوں میں بسنے کے باوجود انہی الفاظ کو اختیار کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا ہے' کیونکہ ان الفاظ میں ''سلامتی'' کا معنی موجود ہے جو ہر زمان و مکان میں ہر انسان کا محبوب ترین لفظ ہے۔ اب اس ربانی تحفے پر ملت اسلامیہ کے سوا کوئی بھی باقی نہیں رہا بس یہی ایک ملت ہے جو اس کشادہ ملت حنیفیت پر قائم و دائم ہے جس میں کوئی تبدیلی ہوئی ہے اور نہ ہی کوئی تغیر آیا ہے اور نہ ہی یہ اپنی ہدایت سے منحرف ہوئی ہے اور نہ کسی دوسری طرف مائل ہی ہوئی ہے۔ اس سلسلے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو فرمایا: جاؤ اور ان لوگوں کو سلام کہو...... جہاں فرشتوں کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی...... اور اس جواب کو غور سے سنو جو وہ تجھے جواب میں کہیں۔''

((فَإِنَّهَا تَحِيَّتُكَ وَ تَحِيَّةُ ذُرِّيَّتِكَ))

"بلاشبہ وہ تیرے لیے اور تیری اولاد کے لیے تحفہ ہوگا۔"

تو اس نے کہا: "السلام علیکم" پھر انہوں نے جواب میں کہا:

((اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ))

"انہوں نے "ورحمة الله" کا اضافہ کیا تھا۔"[1]

لہٰذا یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے کہ یہی صیغہ پاکیزہ بابرکت تحفہ رہے' کیونکہ یہ ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کے پاس سے آیا ہے اور اسی نے ہمیں یہ تحفہ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے' لہٰذا ہمیں اس کے علاوہ کوئی دوسرا لفظ بدلے میں اختیار نہ کرنا چاہیے۔

﴿ فَإِذَا دَخَلْتُم بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً ﴾ (سورہ النور: ٦١/٢٤)

"پس جب تم گھروں کو جانے لگو تو اپنے گھر والوں کو سلام کیا کرو' یہ دعائے خیر ہے جو بابرکت اور پاکیزہ ہے۔"

یہی وجہ ہے کہ سیدنا جبرائیل علیہ السلام نے بھی جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو سلام عرض کیا تھا اس صیغے کو استعمال کیا تھا' اور اسی طرح سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی اسی صیغے سے جواب دیا تھا' جس طرح کہ متفق علیہ حدیث مبارکہ میں آیا ہے:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا:

"یہ جبریل ہے جو آپ کو سلام کہتا ہے۔"

کہتی ہیں: میں نے کہا: "وعليه السلام ورحمة الله وبركاته۔"[2]

اسلام میں سلام کہنے کے قواعد وضوابط بھی ہیں۔ اپنے دین کی ہدایت کا التزام رکھنے والی مسلمان خاتون ان قواعد وضوابط کو اپنی اجتماعی ومعاشرتی زندگی میں انتہائی دقت ومحنت کے ساتھ

---

[1] صحيح بخارى۔ كتاب الاستئذان۔ باب بدء السلام۔ حديث ٦٢٢٧۔ صحيح مسلم۔ كتاب الجنة باب يدخل الجنة اقوام افئدتهم، حديث: ٢٨٤١

[2] صحيح بخارى۔ كتاب بدء الخلق باب ذكر الملائكة ، حديث: ٣٢١٧ ۔ صحيح مسلم۔ كتاب فضائل الصحابة باب فى فضل عائشة رضى الله عنها، حديث: ٢٤٤٧

منطبق و لاگو رکھتی ہے۔ ان قواعد وضوابط کا خلاصہ جو حدیث مبارکہ میں وارد ہیں کچھ اس طرح ہے جو امام البخاری رحمہ اللہ وغیرہ نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی' وہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

« يُسَلِّمُ الرَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِيْ ، وَالْمَاشِيْ عَلَى الْقَاعِدِ، وَالْقَلِيْلُ عَلَى الْكَثِيْرِ » ①

''سوار پیدل کو سلام کرے' اور پیدل بیٹھے ہوئے کو اور تھوڑے زیادہ کو سلام کریں۔''

اور صحیح البخاری کی ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے:

« وَالصَّغِيْرُ عَلَى الْكَبِيْرِ » ②

''اور چھوٹا بڑے کو؟''

اور سلام مردوں اور عورتوں دونوں کو ہی ہوسکتا ہے اس امر کی شہادت سیدہ اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ملتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ مسجد میں سے گزرے تو عورتوں کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی تو آپ نے سلام کرتے ہوئے اپنے ہاتھ کا اشارہ بھی کیا۔ ③

اس طرح بچوں کو بھی سلام ہوگا۔ انہیں اسلامی آداب اور سلام کا تحفہ پیش کرنے کا عادی بنانے کے لیے سیدنا انس رضی اللہ عنہ بچوں کے پاس سے گزرے تو انہیں سلام کہا اور فرمایا:

« كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَفْعَلُهُ » ④

''رسول اللہ ﷺ ایسے ہی کیا کرتے تھے۔''

اسلام میں سلام کے قواعد وضوابط میں یہ بات بھی ہے کہ رات کو نرمی' دھیمی آواز اور پرسکون

---

❶ صحيح بخاري، كتاب الاستئذان باب تسليم القليل على الكثير، حديث: ٦٢٣١، ٦٢٣٢۔ صحيح مسلم، كتاب السلام باب تسليم الراكب على الماشي حديث ٢١٦٠۔

❷ بخاري، كتاب الاستئذان باب تسليم القليل على الكثير، حديث: ٦٢٣١، ٦٢٣٢۔

❸ سنن الترمذي في كتاب الاستئذان باب ماجاء في التسليم على النساء حديث: ٢٦٩٧ وقال: حديث حسن۔

❹ صحيح بخاري، كتاب الاستئذان، باب التسليم على الصبيان، حديث: ٦٢٤٧، صحيح مسلم، كتاب السلام، باب استحباب السلام على الصبيان، حديث: ٢١٦٨۔

لہجے میں سلام کہا جائے تاکہ بیدار لوگ سن سکیں اور سونے والوں کو جگایا نہ جائے' رسول اللہ ﷺ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے جس طرح کہ سیدنا مقداد رضی اللہ عنہ ایک لمبی حدیث میں اس امر کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''ہم نبی اکرم ﷺ کے لیے آپ کا دودھ کا حصہ رکھ دیا کرتے تھے آپ رات کو تشریف لاتے تو اس طرح سلام کہا کرتے تھے کہ سونے والے کو بیدار نہ کرتے اور صرف جاگنے والے کو سنایا کرتے تھے' تو نبی اکرم ﷺ تشریف لائے تو آپ نے ویسے ہی سلام کہا جیسے کہا کرتے تھے۔''[1]

مجلس میں داخل ہوتے وقت اور اس سے کھڑے ہوتے وقت بھی سلام کہنا ہے اس سلسلے میں فرمان رسول اکرم ﷺ اس طرح ہے:

((اِذَا انْتَهٰى اَحَدُكُمْ إِلَى الْمَجْلِسِ فَلْيُسَلِّمْ فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَّقُوْمَ فَلْيُسَلِّمْ فَلَيْسَتِ الْأُوْلٰى بِأَحَقَّ مِنَ الْآخِرَةِ))[2]

''جب تم میں سے کوئی مجلس میں آئے تو اسے چاہیے کہ سلام کہے' پھر جب اٹھ کر جانا چاہے تو اسے چاہیے کہ سلام کہے' کیونکہ پہلی مرتبہ کا سلام دوسری مرتبہ کے سلام سے زیادہ حق دار نہیں ہے۔''

سمجھدار اپنے اسلامی عمدۃ ترین اخلاق سے متصف مسلمان خاتون سلام کے سلسلے میں بلند ترین نبوی ہدایات اور اس کے آداب کو مکمل طور پر اختیار کرتی ہے اور پھر اسے اپنی خاص و عام زندگی میں پوری ذمہ داری سے ادا کرتی ہے بلکہ دوسروں کو بھی اسے اپنے اپنے کردار میں منطبق کرنے اور اس کے قواعد وضوابط کا التزام واہتمام کرنے کی ترغیب دیتی رہتی ہے۔

وہ کسی دوسرے کے گھر میں بلا اجازت داخل نہیں ہوتی:

بے شک وہ مسلمان خاتون جس نے اسلام کے صاف شفاف جاری چشمے سے سیرابی کی

---

1. صحیح مسلم کتاب الاشربة: باب اکرام الضیف: حدیث: ۲۰۵۵۔
2. سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی السلام حدیث: ۵۲۰۸ و سنن الترمذی کتاب الا ستئذان، باب (۱۵) حدیث: ۲۷۰۶ وقال: حدیث حسن۔

ہے وہ اپنے گھر کے علاوہ کسی دوسرے کے گھر میں بلا اجازت داخل نہیں ہوتی اور داخل ہونے سے پہلے اہل خانہ کو سلام کہتی ہے اور یہ اجازت طلبی امر ربانی کی بنا پر ہے جس میں سستی، غفلت یا چشم پوشی کی صورت بھی روا نہیں ہے:

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰۤی اَهْلِهَا ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِیْهَاۤ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰی یُؤْذَنَ لَكُمْ وَ اِنْ قِیْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰی لَكُمْ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ﴾ (سورہ النور: ۲۴/ ۲۷، ۲۸)

''اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا اور گھروں میں نہ جاؤ جب تک کہ اجازت نہ لے لو اور وہاں کے رہنے والوں کو سلام کرو یہی تمہارے لیے سراسر بہتر ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو، اگر وہاں تمہیں کوئی بھی نہ مل سکے تو پھر اجازت ملے بغیر اندر نہ جاؤ۔ اور اگر تم سے لوٹ جانے کو کہا جائے تو تم لوٹ ہی جاؤ یہی بات تمہارے لیے ستھرائی والی ہے جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔''

اور یہ فرمان ربانی:

﴿ وَ اِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْیَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ (سورہ النور: ۲۴/ ۵۹)

''تم میں کے بچے بھی جب بلوغت کو پہنچ جائیں تو جس طرح ان سے پہلے کے بڑے لوگ اجازت مانگتے ہیں انہیں بھی اجازت مانگ کر آنا چاہیے۔''

مسلمان خاتون کے دل میں یہ خیال نہیں گھومتا کہ وہ کسی ایسے گھر میں داخل ہونے کی اجازت مانگے جس میں اس کا داخل ہونا جائز نہیں ہے جس طرح کہ وہ گھر ہے جس میں صرف اجنبی مرد رہتے ہیں، کیونکہ وہاں تو اسے جانا ہی نہیں، اس کی اجازت تو صرف عورتوں کے پاس جانے کے لیے ہوگی یا ایسے مردوں کے پاس جانے کے لیے ہوگی جن کو دیکھنا اس کے لیے جائز ہے، وہ اس اجازت کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کے حکم کو نافذ و جاری کرتے ہوئے ضرور اختیار کرے گی۔

اجازت طلبی کے بھی کچھ آداب ہیں جنہیں اسلام نے مسلمان مردوں اور عورتوں کے سامنے نمایاں کرنے کی پوری پوری کوشش کی ہے اور انہیں حکم دیا ہے کہ جب بھی کسی دوسرے انسان کی زیارت کے لیے ان کے قدم اٹھیں تو ان آداب کو ملحوظ خاطر رکھیں۔

پہلا ادب: اجازت طلب کرنے والی دروازے کے عین سامنے کھڑی نہ ہو بلکہ دائیں یا بائیں جانب کو منتخب کرے' اور یہی وہ انداز تھا جسے رسول اللہ ﷺ نے معمول بنایا تھا' سیدنا عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھی سے مروی ہے :

''بلاشبہ نبی اکرم ﷺ جب کسی دروازے پر اجازت طلبی کے لیے آتے تو اس کے بالمقابل کھڑے نہ ہوتے تھے بلکہ دائیں یا بائیں رہتے' اگر آپ کو اجازت مل جاتی تو ٹھیک وگرنہ لوٹ جاتے۔''[1]

کیونکہ اجازت طلبی تو صرف نگاہ کی وجہ سے مقرر کی گئی ہے جس طرح کہ سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

((إِنَّمَا جُعِلَ الْإِسْتِئْذَانُ مِنْ أَجْلِ الْبَصَرِ))

''اجازت طلبی صرف نگاہ کی وجہ سے رکھی گئی ہے۔''[2]

یہی وجہ ہے کہ اجازت طلب کرنے والے کے لیے جائز نہیں ہے' مرد ہو یا عورت' کہ وہ دروازے کے بالمقابل اس طرح کھڑا ہو کہ دروازہ کھلتے ہی نگاہ اندر چلی جائے۔

دوسرا ادب: پہلے سلام ہو پھر اجازت طلبی ہو' سلام سے قبل اجازت صحیح نہیں ہے اس ضمن میں ربعی بن حراش کی حدیث میں نبوی ہدایت اس طرح وارد ہے کہ بنی عامر کے ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے اس وقت اجازت طلب کی جب آپ گھر میں تشریف رکھتے تھے۔ وہ بولا: کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے خادم سے فرمایا: اس کے پاس جاؤ اور اسے اجازت مانگنے کا طریقہ سکھاؤ اسے بتاؤ: یوں کہے: السلام علیکم کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟ تو اس

---

1. اخرجه البخاري في الادب المفرد ۲/۵۱۳ باب كيف يقوم عندالباب۔ سنن ابی داؤد۔ كتاب الادب باب كم مرة يسلم الرجل في الاستئذان، حديث: ۵۱۸۶۔
2. صحيح بخاری، كتاب الاستئذان باب الاستئذان من اجل البصر، حديث : ۲۴۱۔ صحيح مسلم، كتاب الاستئذان۔ باب تحريم النظر في بيت غيره، حديث : ۲۱۵۶۔

شخص نے یہ باتیں سن لیں تو فوراً بولا: السلام علیکم کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟ تب نبی اکرم ﷺ نے اسے اجازت عطا فرمائی اور وہ اندر آ یا۔ ①

تیسرا ادب: وہ اپنا معروف نام یا کنیت بتائے' جب اس سے پوچھا جائے: تو کون ہے؟ ایسا کوئی لفظ نہ بولے جو پوشیدہ اور غیر واضح ہو جیسے میں وغیرہ، کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے دستک دینے والے کو اس طرح کے الفاظ سے جواب دینے کو ناپسند کیا ہے جو آنے والے اور اس کی شخصیت کی مکمل نمائندگی نہ کرتے ہوں بلکہ اسے پوچھنے پر صریح نام بتانا چاہیے۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوا، چنانچہ میں نے دروازے پر دستک دی تو آپ نے پوچھا: کون؟ میں نے عرض کی: میں، آپ ﷺ نے فرمایا: میں میں کیا ہوا!؟ گویا کہ آپ ﷺ نے اس لفظ کو ناپسند فرمایا۔ ②

نبی مکرم ﷺ نے ہمیں یہ سکھایا ہے کہ اجازت طلبی کے آداب میں سے ایک ادب یہ بھی ہے کہ نام کو صراحتاً ذکر کیا جائے' یہی طرز عمل تھا جس پر آپ خود اور آپ کے مرد و خواتین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کاربند تھے۔

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک رات باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ تن تنہا چل رہے ہیں تو میں نے چاند کے سائے میں چلنا شروع کر دیا' آپ نے پلٹ کر مجھے دیکھ لیا' اور فرمایا: کون ہے؟ میں نے عرض کیا: ''ابوذر''۔ ③

سیدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہتی ہیں: میں نبی اکرم ﷺ کے ہاں حاضر ہوئی جبکہ آپ غسل فرما رہے تھے اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کو پردہ کیے ہوئے تھیں۔ آپ نے پوچھا: یہ کون ہے؟ میں نے جواب دیا: ''میں ام ہانی ہوں۔'' ④

---

❶ اخرجه البخاري في الأدب المفرد: ٢/٥١٨، باب اذا قال: ادخل؟ ولم يسلم۔ سنن أبي داوٗد، كتاب الأدب، باب كيفية الاستئذان، حديث: ٥١٧٧۔

❷ صحيح بخاري، كتاب الاستئذان، باب اذا قال من ذا فقال انا۔ حديث: ٦٢٥٠۔ صحيح مسلم۔ كتاب الاستئذان۔ باب كراهة قول المستأذن انا......' حديث: ٢١٥٥۔

❸ صحيح بخاري۔ كتاب الرقاق۔ باب المكثرون هم المقلون، حديث: ٦٤٤٣۔ صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب الترغيب في الصدقة، حديث: ٩٤ بعد ح ٩٩١۔

❹ صحيح بخاري و صحيح مسلم، كتاب الطهارة باب تشر المغتسل بثوب و نحوه، حديث: ٣٣٦ بعد ح ٧١٩۔

چوتھا ادب: اگر اسے کہا جائے کہ واپس جا تو واپس لوٹ جائے دل میں کسی طرح کی کوئی خلش نہ پائے، کیونکہ یہ حکم اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں خود دیا ہے:

﴿ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴾ (سورہ النور: ۲۴/۲۸)

''اور اگر تم سے لوٹ جانے کو کہا جائے تو تم لوٹ ہی جاؤ یہی بات تمہارے لیے ستھرائی والی ہے، جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔''

بالکل اسی طرح اس امر کی وضاحت کرتے ہوئے نبوی ہدایت بھی آئی ہے کہ اجازت طلبی تین مرتبہ ہے۔ اگر اجازت طلب کرنے والے کو اجازت مل جائے تو اندر داخل ہو جائے وگرنہ لوٹ جائے۔ اور یہ بات سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں موجود ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اجازت طلبی تین مرتبہ ہے، اگر تجھے اجازت مل جائے (تو درست) وگرنہ واپس لوٹ جا۔''[1]

ایک مرتبہ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے اجازت طلب کی تو انہیں اجازت نہ ملی، بالآخر وہ پلٹ گئے، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف کوئی آدمی بھیجا، تب ان دونوں کے درمیان اجازت طلب کرنے اور واپس پلٹنے کے موضوع پر گفتگو ہوئی۔ مناسب بات تو یہی لگتی ہے کہ اس پورے واقعے کو انہیں کے الفاظ میں بیان کیا جائے تاکہ قاری کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام گوشوں میں حریص ہونے اور اس کی پیروی کرنے اور اس کی متابعت میں زندگی گزارنے پر اطلاع ہو سکے، سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے اجازت طلب کی تو مجھے...... تینوں مرتبہ ہی...... اجازت نہ ملی چنانچہ میں پلٹ گیا، انہوں نے مجھے پیغام بھیجا اور دریافت کیا: اے عبداللہ! کیا میرے دروازے پر تھوڑی دیر کھڑے رہنا بھی تیرے لیے گراں تھا؟ اور یہ بات بھی جان لے بالکل اسی طرح

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب الاستئذان: باب التسلیم والاستئذان ثلاثا حدیث: ۶۲۴۵۔ صحیح مسلم۔ کتاب الاستئذان۔ باب الاستئذان۔ حدیث: ۲۱۵۳

لوگوں پر بھی گراں ہوتا ہے کہ وہ تیرے دروازے پر کھڑے رہیں میں نے عرض کی: بلکہ میں نے تو تین بار اجازت مانگی تھی لیکن مجھے اجازت نہ ملی تو میں واپس پلٹ گیا اور ہمیں اسی بات کا حکم دیا جاتا تھا۔ تب آپ نے پوچھا: تو نے یہ بات کس سے سنی ہے؟ میں نے عرض کیا: میں نے بذات خود نبی اکرم ﷺ سے سنی ہے' تو کہنے لگے: کیا تو نے نبی اکرم ﷺ سے وہ بات سنی ہے جو ہم نے نہیں سنی؟ اگر تو اس بات پر کوئی دلیل نہ پیش کر سکا تو میں تجھے سزا دوں گا' تو میں وہاں سے چلا آیا تو مسجد میں بیٹھے ہوئے چند انصاری صحابہ کے پاس آیا' میں نے ان سے سوال کیا' تو انہوں نے کہا: کیا اس میں بھی کسی کو شک ہے؟ تو میں نے انہیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا کہنا عرض کیا' وہ بولے: آپ کے ہمراہ نہیں اٹھے گا مگر ہمارا سب سے کم عمر بچہ ہی' چنانچہ سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ یا ابومسعود رضی اللہ عنہ ...... اٹھے اور میرے ہمراہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ اور کہنے لگے: ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ گئے تھے اس وقت آپ ﷺ سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاں جانے کا ارادہ رکھتے تھے' آپ اس کے ہاں تشریف لائے' سلام کیا' لیکن آپ کو اجازت نہ ملی' پھر آپ ﷺ نے دوسری مرتبہ سلام کیا: پھر تیسری مرتبہ لیکن آپ کو اجازت نہ ملی' تب آپ ﷺ نے فرمایا:

((قَضَيْنَا مَا عَلَيْنَا))

''ہم نے تو اپنا حق ادا کر دیا۔''

پھر آپ لوٹ آئے' تو سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے آپ کو پیچھے سے آ لیا' اور عرض پرداز ہوئے: یا رسول اللہ! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے آپ نے جتنی بار بھی سلام کہا ہے میں اسے سنتا رہا اور آپ کو جواب دیتا رہا ہوں' لیکن میں تو یہ چاہتا تھا کہ آپ مجھ پر اور میرے اہل خانہ پر کثرت سے سلام کہیں۔

تب سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث پر امانت دار ہوں۔ تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جی ہاں اور لیکن میں تو چاہتا تھا کہ آپ وثوق اور ثبوت حاصل کر لیں۔ [1]

مسلم کی روایت میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حدیث کے ثابت ہونے پر اپنے آپ سے کہا تھا:

[1] صحیح بخاری، کتاب الاستئذان: باب التسلیم والاستئذان' حدیث: ٦٢٤٥ وصحیح مسلم، کتاب الآداب: باب الاستئذان حدیث: ٢١٥٣۔ الادب المفرد الحدیث: ١٠٧٣۔

''مجھ پر رسول اللہ ﷺ کا یہ حکم مخفی ہی رہا ہے' مجھے اس سے بازاروں میں سودا سلف میں مصروف رہنے نے غافل رکھا۔''[1]

یعنی بازاروں میں تجارت کے لیے جانے نے غفلت میں رکھا۔

یہ ہیں اسلام میں اجازت طلبی کے آداب وقواعد' اور اس میں کچھ شک وشبہ نہیں ہے کہ سمجھدار اور اسلامی آداب کو اختیار کرنے کی حریص مسلمان خاتون ان سے آراستہ ہوتی ہے اور جب کبھی وہ کسی دروازے پر دستک دیتی ہے تو واقعی انہی آداب کو ملحوظ رکھتی ہے' گھر والوں سے داخل ہونے کے لیے اذن طلب کرتی ہے' بلکہ یہ آداب اپنے بچوں اور بچیوں کو بھی سکھاتی ہے۔

مجلس میں جہاں جگہ مل جائے، بیٹھ جاتی ہے:

وہ مسلمان خاتون جس نے ہدایت اسلام سے روشنی حاصل کی ہے اس کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ وہ مجلس میں جہاں جگہ ملے بیٹھ جاتی ہے' جب بھی وہ کسی مجلس میں پہنچتی ہے اور دوسری خواتین اس سے قبل آکر بیٹھ چکی ہوتی ہیں بلاشبہ یہ ایک بلند پایہ معاشرتی ادب ہے جو رسول اکرم ﷺ کی قولی اور فعلی سیرت سے حاصل کیا گیا ہے۔ یہ ادب ہر آراستہ ہونے والے شخص کو ایک امتیازی مقام بخشتا ہے کہ وہ واقعی اعلیٰ ذوق' معاشرتی بلندی اور نرم مزاج اور اخلاق میں ایک مقام رکھتا ہے۔

بلاشبہ اس بلند پایہ اخلاق والی مہذب مسلمان خاتون بیٹھنے والیوں کے اوپر سے نہیں پھلانگتی اور نہ ہی ان کی مجلسوں کے درمیان گھستی ہے تاکہ وہ اس کے لیے کشادگی پیدا کریں' وہ تو اس سلسلے میں اس مضبوط ترین معاشرتی طریقے کی پیروی کرتی ہے جو رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کو سکھایا تھا جب وہ مجالس میں پہنچا کرتے تھے۔

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں:

''جب ہم نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا کرتے تھے تو ہم میں سے ایک وہاں ہی بیٹھ جاتا تھا جہاں مجلس ختم ہوتی تھی۔''[2]

---

1. صحیح مسلم کتاب الآداب، باب الاستئذان۔ حدیث: ۲۱۵۳
2. سنن أبی داوٗد، کتاب الادب، حدیث: ۴۸۲۵۔ سنن الترمذی کتاب الاستئذان: حدیث: ۲۷۲۶ وقال: حدیث حسن صحیح غریب۔

اور ہوش مند مسلمان خاتون اپنے آپ کو دو عورتوں کے درمیان زبردستی داخل کرنے سے بچائے رکھتی ہے' ان دونوں کے درمیان جدائی وتفریق نہیں ڈالتی الا کہ ایسا کرنے کی کوئی خاص ضرورت ہو' اور وہ بھی ان کی اجازت کے ساتھ' یہ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کی اجازت کے بغیر ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے۔

''کسی آدمی کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ دو شخصوں کے درمیان جدائی ڈالے مگر ان کی اجازت سے۔''[1]

خاتون کا دو خواتین کے درمیان اپنے آپ کو داخل کرنا' خواہ یہ کسی مجلس کے درمیان ہو یا غیر مجلس میں' ان ناپسندیدہ اور ناشائستہ امور میں سے ہے جن کی قباحت کو اسلام نے بڑی شدت کے ساتھ بیان کیا ہے اور جن سے اجتناب کرنے پر مکمل خبردار کیا ہے۔ اس سلسلے میں احادیث و آثار بکثرت موجود ہیں اور طبعاً سمجھانے کے انداز میں یہ باتیں وارد ہیں' تاکہ آدمی ان آداب پر توجہ مبذول کریں جنہیں رسول اللہ ﷺ نے متعین فرمایا ہے' حالانکہ آپ ان کے ساتھ ہوتے تھے اور یہ سب آداب و امور عورتوں کے لیے بھی ہیں کیونکہ آپ ﷺ کی شریعت سب کی سب مسلمانوں کے لیے ہے' مرد ہوں یا خواتین' جس طرح کہ معروف و مشہور ہے' اور تمام مرد و خواتین آپ ﷺ کے امر و حکم کو نافذ کرنے اور آپ کی سیرت طیبہ کو اپنانے میں مکلّف ہیں۔

ان احادیث مبارکہ میں سے ایک وہ ہے جسے سیدنا سعید مقبری رحمہ اللہ یوں روایت کرتے ہیں:

''میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا اور ان کے ساتھ ایک آدمی محو گفتگو تھا' میں ان دونوں کے پاس کھڑا ہو گیا' تو انہوں نے میرے سینے پر تھپڑ رسید کیا' اور یوں فرمایا: جب تو دو افراد کو باہم گفتگو کرتے ہوئے پائے تو ان کے پاس کھڑا نہ ہو' اور نہ ہی ان کے پاس بیٹھ' حتیٰ کہ تو ان دونوں سے اجازت لے لے' میں نے کہا: اے ابو عبدالرحمٰن! اللہ تعالیٰ آپ کی خیر فرمائے مجھے یہی امید تھی کہ میں آپ دونوں سے کوئی نیکی کی بات ہی سنوں گا۔''[2]

اور بعض اوقات کسی آنے والے کے لیے بیٹھنے والیوں میں سے کوئی کھڑی ہو جاتی ہے تاکہ

---

[1] سنن أبي داوٗد، کتاب الادب: باب في الرجل یجلس بین الرجلین حدیث: ٤٨٤٥ و سنن الترمذی کتاب الادب : ١١ وقال: حدیث حسن صحیح۔

[2] اخرجه البخاری فی الادب المفرد ٢ / ٥٨٠ باب اذا رای قوما یتناجون فلا یدخل معهم

وہ اس کی جگہ پر بیٹھے، تو بہتر، افضل اور لائق ستائش یہی امر ہے کہ آنے والی اس جگہ پر بیٹھنے میں اس سے موافقت نہ کرے اور یہ طرز عمل اس طرز عمل سے بالکل مشابہت رکھتا ہے جس پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

((لَا یُقِیمَنَّ أَحَدُکُمْ رَجُلًا مِنْ مَجْلِسِهِ ثُمَّ یَجْلِسُ فِیهِ، وَلٰکِنْ تَوَسَّعُوا وَتَفَسَّحُوا)) ①

''تم میں سے کوئی آدمی کسی شخص کو اس کی نشست سے کھڑا نہ کرے کہ پھر اسی نشست پر بیٹھ جائے لیکن تم وسعت پیدا کرو اور فراخی بناؤ۔''

اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے لیے جب کوئی شخص اپنی جگہ سے اٹھتا تھا تو وہ اس جگہ پر بیٹھا نہ کرتے تھے۔ ②

مسلمان خاتون ایسے موقعوں اور مناسبات میں اسلام کی یک رخ ہدایت کو تلاش کرتی ہے اور اس راستے کو ڈھونڈتی ہے جس پر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین چلے تھے، تو اس طرح وہ اس بلند ترین معاشرتی ادب کو جو لوگوں کا پسندیدہ ہے اختیار کر کے اور اس کے رسول امین صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی اختیار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کی حقدار بنتی ہے۔

دوسری عورت سے سرگوشی نہیں کرتی جب وہ تین ہوں:

اسلامی تعلیمات اس لیے آئی ہیں تاکہ وہ ترقی پسند، ذکی الحس، باریک بین اور دوسروں کے شعور کا اندازہ لگانے والے انسان کی مزید نوک پلک سنواریں۔ حکیم شارع نے اخلاقی ضابطوں اور معاشرتی اسلوب کو حاصل کرنے کے لیے قانون سازی کی ہے، اور انہیں دین کے مستحکم اور مضبوط اصولوں میں داخل رکھا ہے پھر انہیں اختیار کرنے اور اپنی حقیقی زندگی میں نافذ کرنے کا حکم دیا ہے۔

انہی ضابطوں اور قاعدوں میں سے جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضع فرمایا ہے ایک یہ بھی

---

① صحیح بخاری، کتاب الاستئذان باب لا یقیم الرجل الرجل من مجلسه، حدیث: ٦٢٦٩۔
صحیح مسلم، کتاب السلام، باب تحریم اقامة الانسان من موضعه حدیث: ٢١٧٧۔

② صحیح مسلم کتاب السلام: باب تحریم اقامة الانسان من موضعه۔ حدیث: ٢١٧٧۔

ہے کہ دو افراد باہم سرگوشی نہ کریں جبکہ ان کے ساتھ کوئی تیسرا بھی ہو:

''جب تم تین ہو تو دو افراد تیسرے کو چھوڑ کر باہم سرگوشی نہ کریں' حتیٰ کہ تم لوگوں میں گھل مل نہ جاؤ' اس وجہ سے کہ یہ فعل اس (تیسرے) کو غمگین کرے گا۔''[1]

اسی وجہ سے وہ مسلمان خاتون جس کے شعور و احساس کو اسلام نے ذکی بنا دیا ہے اور اس کے معاشرتی بلند ذوق کی تربیت کر دی ہے' وہ کسی ایک کی طرف نہیں بڑھتی کہ صرف اسی سے گفتگو کرے جب کہ ان کے ساتھ کوئی تیسری بھی ہو' کہ وہ اکیلی حیران و پریشان اور گھٹی گھٹی کھڑی رہے' بلکہ یہ اس تیسری بہن کے شعور کا بھی خیال رکھتی ہے اور اسے بھی اس کے حساب سے رکھتی ہے' خواہ حالات جیسے بھی ہوں۔ اگر کوئی خاص ضرورت ہو کہ بات دونوں کے درمیان ہی ہونی چاہیے تب تیسری سے اجازت لیتی ہے اور پھر بات کو اختصار سے کرتی ہے اور پھر اس سے معذرت بھی کرتی ہے۔

یہ ہوتا ہے اس مسلمان خاتون کا اخلاق جس نے اسلام کی ہدایت خالص سے سیرابی پائی ہے جس کے باعث اس کی دانشمندی' عقلمندی اور دانائی مزید بڑھ جاتی ہے اور یہ ہوتا ہے اس کا ترقی یافتہ معاشرتی اسلوب دیگر مستورات کے ساتھ معاملات طے کرنے میں' جو اس نے اپنے دین حنیف کی ہدایت سے اور صحابہ کرام کے حالات و واقعات سے سیکھا ہے جن کے رگ و ریشے میں اسلام سرایت کر چکا تھا اور جن کے اخلاق و آداب ان کے خون میں رچ بس چکے تھے' جو لوگوں کے ساتھ معاملات طے کرنے میں ایسے حساس امور میں کبھی غفلت نہ برتتے تھے جس پر بے شمار آثار و واقعات بطور شہادت موجود ہیں جو ان کے ترقی یافتہ معاشرتی کردار کو بیان کر رہے ہیں اور ان کے انسانی احساسات کا خیال رکھنے کی غمازی کر رہے ہیں۔ ان میں سے ایک وہ واقعہ ہے جسے امام مالک رحمہ اللہ نے اپنی موطا میں سیدنا عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے' کہتے ہیں:

''میں اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما خالد بن عقبہ کے اس مکان کے پاس کھڑے تھے جو

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب الاستئذان۔ باب لا یتناجی اثنان دون الثالث۔ حدیث: ٦٢٨٨۔
صحیح مسلم۔ کتاب السلام باب تحریم مناجاۃ الاثنین دون الثالث حدیث: ٢١٨٣۔

بازار سے متصل تھا تو ایک آدمی آیا جو آپ سے سرگوشی کرنا چاہتا تھا اس وقت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس میرے علاوہ کوئی نہ تھا تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک اور آدمی کو بلایا حتیٰ کہ ہم چار ہو گئے تب آپ رضی اللہ عنہما نے مجھے اور اس تیسرے آدمی سے کہا جس کو آپ نے بلایا تھا: تھوڑا سا ادھر ہو جاؤ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا آپ فرما رہے تھے:

((لَا يَتَنَاجَ اثْنَانِ دُوْنَ وَاحِدٍ)) [1]

''ایک کو چھوڑ کر دو شخص باہم سرگوشی نہ کریں۔''

اپنے دین کی ہدایت پر گامزن اور خیر القرون میں اس کی ترقی یافتہ تطبیقات کی پیروکار مسلمان خاتون یقیناً سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے عمل کی ہی پیروی کرتی نظر آئے گی' جو اس بات پر راضی نہ ہوئے تھے کہ اس آدمی کی بات کو فوراً ایک طرف ہو کر سن لیتے جو آپ سے سرگوشی کرنے آیا تھا کیونکہ آپ یہ دیکھ رہے تھے کہ اس سے تیسرے کو اذیت پہنچے گی آپ اپنے سائل کی بات کو سننے کی طرف اس وقت تک متوجہ نہیں ہوئے حتیٰ کہ آپ نے چوتھے شخص کو بلایا اور ساتھ ساتھ سبھی کو سمجھایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ ہے اور ان کے کانوں تک حدیث مبارکہ کے الفاظ بھی پہنچائے' اور سامعین کو اس امر کی تاکید کرتے ہوئے ایسا کیا تاکہ وہ بھی جان لیں کہ ایسی صورت حال میں انہیں بھی ایسا کرنا ہو گا' لوگوں کے احساسات کا خیال رکھتے ہوئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مطہرہ کی اتباع کرتے ہوئے آپ نے یہ سارا کچھ کیا تھا۔

یہ معاشرتی ادب کتنا بلند پایہ ہے جس پر اسلام نے رغبت دلائی ہے! اور اسلام نے انسان کی کس درجہ تکریم و تعظیم کی ہے اور اس کے احساسات و خیالات کا کس مرتبہ تک احترام و اکرام کیا ہے!

عمر میں بڑی اور صاحب فضل کی تعظیم کرتی ہے:

یقیناً اسلامی تعلیمات جو اخلاقی بلندیوں پر فائز کرنے والی ہیں بہت بڑی تعداد میں وارد ہوئی ہیں جو انسان کی شخصیت میں مروت' شرافت' ادب اور تہذیب کو بوتی ہیں۔ ان ہی اخلاقی قواعد وضوابط میں سے یہ بات بھی ہے کہ عمر میں بڑے کی تعظیم و توقیر کی جائے اور صاحب فضل کے اکرام و احترام کا حق ادا کیا جائے۔

[1] الموطا ۲/ ۹۸۸ کتاب الکلام

سمجھدار اور ہمیشہ اپنے دین کی ہدایت سے فیض یاب ہونے والی مسلمان خاتون اس امر سے محروم نہیں رہتی کہ وہ ان اسلامی عمدہ ترین اصول وضوابط اور قوانین کو اختیار کرے جو مسلمان خاتون کو اسلامی معاشرے میں اس کی حقیقی جان پہچان کرواتی ہیں اور جو ان قوانین وقواعد سے محروم رہتی ہے تو گویا وہ اس معاشرے کی رکنیت سے ہی دست بردار ہو جاتی ہے اور امت مسلمہ کے ساتھ شرف انتساب سے ہی تہی دامن ہو جاتی ہے' جس طرح کہ رسول اکرم ﷺ نے اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا ہے:

«لَيْسَ مِنْ أُمَّتِي مَنْ لَّمْ يُجِلَّ كَبِيرَنَا وَيَرْحَمْ صَغِيرَنَا' وَيَعْرِفْ لِعَالِمِنَا حَقَّهُ» [1]

''وہ شخص میری امت میں سے نہیں ہے جس نے ہمارے بڑے کا احترام نہ کیا اور ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کھایا اور ہمارے عالم کا حق نہ پہچانا۔''

کیونکہ عمر رسیدہ یا بلند مرتبہ بڑی خواتین کا احترام ملحوظ رکھنا اور انہیں چھوٹی عمر والیوں پر مقدم رکھنا معاشرے کی ترقی کی اور اس کے افراد کی اسلام کی اخلاقی تعلیمات کو اپنانے کی اور اس کے معاشرتی آداب کے مطابق عمل پیرا ہونے کی دلیل ہے' اسی طرح اس معاشرے کے ارکان و افراد کے نفوس کی برتری اور تہذیب کی علامت ہے' خواہ وہ مرد ہوں یا خواتین۔

اسی لیے تو رسول اکرم ﷺ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے دلوں میں اس معنی کو گہرا و پائیدار کرنے کی انتہائی حرص رکھتے تھے کیونکہ اس نے تو اسلامی معاشرے کی بنیادوں کو اوپر اٹھانا ہے اور اس میں اخلاق کے ستونوں کو مضبوطی سے گاڑنا ہے۔

اس معنی کے حریص ہونے کے شواہد میں سے یہ بات بھی ہے کہ آپ ﷺ نے سیدنا عبدالرحمن بن سہل سے یوں فرمایا تھا جب آپ نے دیکھا تھا کہ وہ گفتگو کرنا چاہتے ہیں' حالانکہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے آنے والے وفد میں بلحاظ عمر سب سے چھوٹے تھے: كَبِّرْ كَبِّرْ بڑے کو موقع دو' بڑے کو بات کرنے دو' تب عبدالرحمن خاموش ہو گئے تھے اور ان سے بڑی عمر والے نے بات چیت کی تھی۔ [2]

---

[1] مسند احمد(٥/٣٢٣) والطبراني باسناد حسن۔ مجمع الزوائد: ٨/١٤۔

[2] صحيح بخاري، كتاب الديات باب القسامة، حديث: ٦٨٩٨۔ صحيح مسلم كتاب القسامة باب القسامة۔ حديث: ١٦٦٩۔

دور حاضر کی مسلمان خاتون جب وہ عمر میں بڑی خاتون کی تعظیم بجالاتی ہے یا کسی صاحب فضل کی تکریم کا خیال رکھتی ہے تو وہ ایک نہایت عمدہ اخلاقی عمل بجالاتی ہے اور اس عمل سے وہ عبادت بھی بجالا رہی ہوتی ہے کیونکہ عمر رسیدہ کی یا صاحب فضل کی تکریم و تعظیم کرنا تو اللہ تعالیٰ کی تعظیم بجالانے کا حصہ ہے، جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ مِنْ إِجْلَالِ اللّٰهِ تَعَالَى إِكْرَامَ ذِي الشَّيْبَةِ الْمُسْلِمِ وَحَامِلِ الْقُرْآنِ غَيْرِ الْغَالِي فِيهِ وَالْجَافِي عَنْهُ وَإِكْرَامِ ذِي السُّلْطَانِ الْمُقْسِطِ)) (1)

''بلاشبہ سفید بالوں والے مسلمان کا اکرام کرنا، حامل قرآن کا، جو اس میں مبالغہ آمیزی نہ کرنے والا ہو اور اس سے دوری رکھنے والا نہ ہو، اکرام کرنا اور انصاف کرنے والے بادشاہ کا اکرام کرنا، اللہ تعالیٰ کے اکرام کرنے میں سے ہے۔''

بلاشبہ وہ اپنے اس معاشرتی عمل کے ساتھ لوگوں کو اسلامی معاشرے میں ان کے منازل و مراتب پر رکھتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے فرمان کو نافذ رکھتی ہے، امام مسلم رحمہ اللہ نے یہی بات اپنی صحیح کے آغاز میں یوں ذکر فرمائی ہے:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ذکر کیا گیا ہے، فرمایا:

((أَمَرَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ نُنَزِّلَ النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ)) (2)

''رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا تھا کہ ہم لوگوں کو ان کے مراتب میں اتاریں۔''

ہوشمند مسلمان خاتون کی ذہانت و عقل مندی سے یہ بات اوجھل نہیں ہوتی کہ لوگوں کو ان کے مراتب میں اتارنا یعنی ان کی قدر و منزلت کی پہچان رکھنا انتہائی ضروری ہے، عمر رسیدہ حضرات، علما کرام، قرآن کے حفاظ و قراء، راسخ عقلوں والے اور اہل فضل حضرات کو مقدم رکھنا، خواہ وہ مرد ہوں یا خواتین، اسلام کا حکم ہے۔

کسی دوسرے کے گھر میں جھانکتی نہیں ہے:

پختہ عقل والی اور مہذب مسلمان خاتون کی عمدہ ترین صفات میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ

---

(1) سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی تنزیل الناس منازلھم، حدیث: ٤٨٤٣۔

(2) صحیح مسلم: ١/ ٥٥ فی المقدمۃ، سنن ابی داؤد، حوالہ سابق، حدیث: ٤٨٤٢۔

کسی دوسرے کے گھر میں جھانکتی نہیں ہے کہ وہ اس گھر میں موجود اشیاء و اشخاص کو تلاش کرتی پھرے یا انہیں دیکھتی پھرے کیونکہ ایسا کرنا ایک مودب' سمجھدار' نرم اخلاق اور قابل ستائش مسلمان کے عمدہ اخلاق میں سے نہیں ہے' بلکہ یہ تو قابل نفرت' غیر پسندیدہ اور مذموم کردار میں سے ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے مجالس میں آنکھوں کو گھمانے والے اور ان کی مخفی باتوں کی ٹوہ لگانے والے افراد کو دھمکی دی ہے بلکہ ان کی آنکھیں پھوڑ دینے کو بھی حلال ٹھیرایا ہے جیسے کہ فرمایا ہے:

((مَنِ اطَّلَعَ فِي بَيْتِ قَوْمٍ بِغَيْرِ إِذْنِهِمْ فَقَدْ حَلَّ لَهُمْ أَنْ يَفْقَؤُوا عَيْنَهُ))[1]

''جس کسی نے کسی قوم کے گھر میں بلا اجازت جھانکا' تو ان کے لیے حلال اور جائز ہو گیا کہ وہ اس کی آنکھ کو پھوڑ دیں۔''

حتیٰ المقدور مجلس میں جمائی لینے سے اجتناب کرتی ہے:

سمجھدار مسلمان خاتون کی سمجھداری اور آدابِ مجلس کو جاننے میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ وہ حتیٰ المقدور مجلس میں جمائی نہیں لیتی' جب کبھی اسے جمائی پیش آتی ہے یا اس کے حالات پر غالب آجاتی ہے تو وہ اسے حتیٰ الامکان روکنے کی کوشش کرتی ہے جس کی طرف رسول اللہ ﷺ نے اپنے درج ذیل فرمان گرامی میں رہنمائی فرمائی ہے:

((إِذَا تَثَاءَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَكْظِمْ مَا اسْتَطَاعَ))[2]

''جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو اسے چاہیے کہ حسب استطاعت اسے روکے۔''

اگر جمائی روکنے یا ہٹانے سے شدید تر ہو تو پھر اسے اپنے منہ پر ہاتھ رکھنا چاہیے' رسول کریم ﷺ نے اپنے اس فرمان گرامی میں یہی حکم دیا ہے:

''جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو اسے چاہیے کہ اپنے منہ پر ہاتھ رکھے کیونکہ شیطان (منہ میں) داخل ہو جاتا ہے۔''[3]

---

1. صحيح مسلم كتاب الآداب: باب تحريم النظر في بيت غيره: حديث : ٢١٥٨۔
2. صحيح بخاري كتاب الادب باب اذا تثاءب فليضع يده على فيه' حديث: ٦٢٢٦ وصحيح مسلم كتاب الزهد: باب كراهة التثاؤب۔ حديث: ٢٩٩٥۔
3. صحيح مسلم ١٨/١٢٢ كتاب الزهد : باب كراهة التثاؤب ۔ حديث: ٢٩٩٥۔

بلاشبہ جمائی ایک برا اور نفرت دلانے والا عمل ہے' جو کسی مہذب انسان کے لائق نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جمائی لینے والے کو اپنے کھلے منہ کو ہاتھ سے ڈھانپنے یا اسے ہٹانے کی کوشش کرنے کا حکم ہے اور اپنے ہم نشینوں سے اپنے منہ کے منظر کو چھپانے کی تعلیم ہے۔ اس لیے تو نبوی ہدایت مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو تعلیم دینے کے لیے صادر ہو رہی ہے کہ وہ اس شاندار معاشرتی عمل کو اختیار کریں جو بیٹھنے والوں اور والیوں کو نفرت نہ دلائے گا اور نہ ہی انہیں جمائی لینے والے شخص کی اکتاہٹ کا شعور ہی دلوائے گا یا ان کی مجلس سے بے رغبتی یا ان کی اس سے بے توجہی کو ہی ظاہر ہونے دے گا۔ اور اسلامی آداب سے آراستہ ایک مہذب مسلمان خاتون کا یہی شیوہ ہوتا ہے۔

بوقت چھینک اسلامی آداب کو ملحوظ رکھتی ہے:

اپنے دینی احکامات کی اطلاع رکھنے والی مسلمان خاتون پر یہ امر مخفی نہیں ہے کہ جس اسلام نے مجالس میں جمائی لینے کا ادب مقرر کیا ہے اس نے چھینک لینے کے لیے بھی ادب متعین فرمایا ہے' چنانچہ اس نے مسلمان مردوں اور عورتوں کو سکھایا ہے کہ جب انہیں چھینک آئے تو وہ کیا کہیں اور کیا کریں' پھر دعائیہ انداز میں انہیں کیا کہا جائے جسے عربی زبان میں ''تشمیت'' یعنی چھینک کا جواب دینا کہتے ہیں۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بے شک اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند کرتا ہے اور جمائی کو ناپسند کرتا ہے تو جب تمہارا کوئی چھینک لے اور ''الحمد للہ'' کہہ لے تو ہر اس مسلمان پر حق بن جاتا ہے جس نے اسے سن لیا ہے کہ وہ اسے ''یرحمک اللہ'' کہے اور رہا معاملہ جمائی لینے کا تو یہ شیطان کی طرف سے ہے' تو جب تمہارا کوئی جمائی لے تو اسے چاہیے کہ حتیٰ المقدور اسے واپس کرے کیونکہ جب کوئی تمہارا جمائی لیتا ہے تو اس سے شیطان ہنستا ہے۔''[1]

بلاشبہ یہ معمولی سا اثر انداز ہونے والا معاملہ کسی مسلمان انسان کی زندگی میں نہیں گزرتا مگر اس کے لیے قواعد' ضوابط اور آداب موجود ہیں جو مسلمان مردوں اور عورتوں کو دل کی گہرائیوں

[1] صحیح بخاری، کتاب الادب، باب اذا تثاءب فلیضع یدہ فی فیہ۔ حدیث: ٦٢٢٦۔

سے یہ سوچنے پر مجبور کرتے ہیں کہ یہ دین ان کے ہمہ گیر اور ہمہ جہت امور کی اصلاح کے لیے آیا ہے، جس نے کسی چھوٹے اور بڑے معاملے کو بغیر منظم کیے چھوڑا ہی نہیں ہے، بلکہ اس کے لیے خاص الفاظ تعلیم فرمائے ہیں، جن کی وجہ سے ایک مسلمان انسان ہمیشہ اپنے رب العالمین سے رابطہ قائم کیے رکھتا ہے۔

تو جب بھی کوئی مسلمان خاتون چھینک لے تو اس کے ذمے لازم ہے کہ وہ یوں کہے: الحمدللہ اور جو اس کو سن لے وہ اس طرح کہے: یَرْحَمُكِ اللّٰہ پھر اس مسلمان خاتون کو اس طرح دعا دینی چاہیے یَھْدِیْكُمُ اللّٰہُ وَیُصْلِحُ بَالَكُمْ (اللہ تمہیں ہدایت دے اور تمہارے حالات کو درست فرمائے) اور یہی وہ باتیں ہیں جن کی طرف رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں رہنمائی فرمائی ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے:

> ''جب تم میں سے کوئی چھینک لے تو اسے چاہیے کہ کہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ (سب تعریف اللہ کے لیے ہے) اور اس کے بھائی یا اس کے ساتھی کو اس کے لیے یہ کہنا چاہیے: یَرْحَمُكَ اللّٰہُ (اللہ تجھ پر رحمت کرے) تو جب وہ اسے ''یَرْحَمُكَ اللّٰہُ'' کہہ لے تو اسے کہنا چاہیے یَھْدِیْكُمُ اللّٰہُ وَیُصْلِحُ بَالَكُمْ (اللہ تمہیں ہدایت عطا فرمائے اور تمہارے حالات کو درست فرمائے)[1]

''یرحمك اللہ'' کے دعائیہ الفاظ کہنے کو ''تشمیت'' چھینک کا جواب دینا کہتے ہیں تو جب چھینک لینے والا ''الحمدللہ'' کہتا ہے تو اسے یہ کلمات کہنے مستحب ہیں لیکن اگر وہ اللہ تعالیٰ کی حمد بیان نہیں کرتا تو اسے چھینک کا جواب بھی نہیں دیا جائے گا، اور یہ بات نبی اکرم ﷺ کی درج ذیل حدیث میں ہے:

> ''جب تم میں سے کوئی چھینک مارنے کے بعد الحمدللہ کہے تو اسے چھینک کا جواب دو اور اگر وہ الحمدللہ نہ کہے تو اسے چھینک کا جواب بھی نہ دو۔''[2]

اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس دو آدمیوں نے چھینک

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب اذا عطس کیف یشمت۔ حدیث: ٦٢٢٤۔

❷ صحیح مسلم، کتاب الزھد، باب تشمیت العاطس ۔ حدیث: ٢٩٩٢۔

لی تو آپ نے ان میں سے ایک کو چھینک کا جواب دیا اور دوسرے کو جواب نہ دیا' تو جس کو آپ نے چھینک کا جواب نہ دیا تھا وہ بولا: فلاں نے چھینک ماری تھی تو آپ نے اس کو تو جواب دیا تھا اور میں نے چھینک ماری تو آپ نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((هٰذَا حَمِدَ اللّٰهَ وَاِنَّكَ لَمْ تَحْمَدِ اللّٰهَ)) ①

''اس نے اللہ کی حمد بیان کی تھی اور تو نے اللہ کی حمد بیان نہیں کی۔''

چھینک لینے کے موقع پر ان الفاظ کو بولنے سے جنہیں نبی اکرم ﷺ نے کہنے پر رغبت دلائی ہے ان میں بہت زیادہ فوائد پنہاں ہیں' ان میں سے چند ایک یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو جاتا ہے' اس کی حمد وثناء بیان ہو جاتی ہے مسلمان مردوں اور عورتوں کے درمیان اخوت' محبت اور باہمی رواداری کے جذبات کو فروغ ملتا ہے اور باہمی تعلقات مستحکم ہوتے ہیں اور چھینک مارنے والا انسان اپنے سر میں گردش کرنے والے اشتعالات' ردعمل اور جوش وولولے میں تازگی پانے اور سر کے ہلکا پھلکا ہو جانے پر اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتا ہے اور سننے والا اس کے لیے رحمت کی دعا کرتا ہے جونہی وہ اس کی زبان سے حمد باری تعالیٰ کے الفاظ سنتا ہے..... اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کرنے والا ہمیشہ رحمتِ ایزدی کا حقدار ٹھہرتا ہے..... تو اس کے جواب میں چھینک مارنے والا جواب دینے والے کو اس سے بھی لمبی اور جامع دعائیں دیتا ہے تو اس طرح ان میں خیر' محبت' یگانگت اور باہمی الفت کے جذبات فروغ پاتے ہیں۔

اسلام اسی طرح مسلمانوں کی زندگی میں رونما ہونے والے روز مرہ کے واقعات پر انہیں متوجہ کرتا ہے تاکہ وہ ان موقعوں کی مناسبت سے اپنے پروردگار کو یاد کرتے رہیں اور ان کی زبانیں اس کی حمد وستائش میں رطب اللسان رہیں اور پھر ان کے دلوں میں اخوت' مودت اور باہمی رحم وکرم کے رشتوں کو استحکام نصیب ہو۔

چھینک مارنے کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے منہ پر ہاتھ رکھے اور حسب طاقت آواز کو پست رکھے اور رسول کریم ﷺ چھینک لیتے ہوئے ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

---

① صحیح بخاری۔ کتاب الادب: باب لا یشمت العاطس اذا لم یحمد۔ حدیث: ٦٢٢٥۔ صحیح مسلم۔ کتاب الزھد۔ باب تشمیت العاطس، حدیث: ٢٩٩١۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب چھینک لیتے تو اپنا ہاتھ یا اپنا کپڑا اپنے منہ پر رکھا کرتے' اور اپنی آواز کو بھی پست رکھا کرتے تھے۔[1]

سمجھدار اور اسلامی آداب سے آراستہ مسلمان خاتون ایسے اچانک پیش آنے والے حالات میں انہی طور اطوار کو اختیار کرتی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے متعین فرمائے ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول الفاظ ہی کو یاد کرنے کی کوشش کرتی ہے تاکہ جب کبھی اسے چھینک آئے یا کسی دوسرے کو چھینک آئے تو وہی الفاظ کہے یا اپنی بہن کو وہی الفاظ جواب میں کہے جو اس نے یاد کر رکھے ہوں صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ہدایات کی مطابقت اختیار کرتے ہوئے جو چھینک کے ضمن میں اسلامی آداب کے نام سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے ہیں۔

کسی کی طلاق کی آرزو نہیں کرتی تاکہ خود اس کی جگہ لے:

صاحب ہوش پرہیزگار مسلمان خاتون یہ شعور رکھتی ہے کہ وہ ایسے مسلمان معاشرے میں زندگی بسر کر رہی ہے جس کے افراد اس کے بھائی یا بہنیں ہیں اور اس ربانی معاشرے میں فریب اور چکر بازی وغیرہ کمینے اخلاق قطعی حرام ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے دور رہنے والے انسانی معاشروں میں بڑی حد تک پائے جاتے ہیں۔

انہی گھناؤنے اطوار میں سے ایک یہ بھی ہے کہ عورت کسی شادی شدہ مرد سے توقع اور آرزو لگائے تاکہ اس کی بیوی کو طلاق دلوانے کے بعد خود اسے اچک لے، پھر وہ خاوند اس اچک لینے والی کے لیے فارغ ہو جائے اور اس خاوند کی تمام تر عنایتیں اور نوازشیں فقط اس اکیلی کے لیے ہو جائیں اور متقی مسلمان خاتون اس گھٹیا عادت سے مکمل طور پر دور رہتی ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بہت سی گھٹیا اور قبیح عادات کے ضمن میں منع فرمایا ہے جو اسی طرح کی ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

«لَا تَنَاجَشُوا وَلَا يَبِعِ الْمَرْءُ عَلٰى بَيْعِ أَخِيْهِ وَلَا يَبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ وَلَا

[1] سنن ابی داوٗد، کتاب الادب: باب فی العطاس، حدیث: ۵۰۲۹ و سنن الترمذی کتاب الاستئذان، باب ما جاء فی خفض الصوت حدیث: ۲۷۴۵ وقال: حدیث حسن صحیح۔

يَخْطُبِ الْمَرْءُ عَلٰى خِطْبَةِ أَخِيهِ وَلَا تَسْأَلِ الْمَرْأَةُ طَلَاقَ الْأُخْرٰى لِتَكْتَفِيَ مَا فِي إِنَائِهَا))

''دھوکا دینے کیلئے قیمت نہ بڑھاؤ[1] کوئی آدمی اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے[2] کوئی شہری کسی دیہاتی کا سامان فروخت نہ کرے[3] کوئی آدمی اپنے بھائی کی منگنی پر پیغام نکاح نہ دے اور نہ کوئی عورت دوسری عورت کی طلاق کا مطالبہ کرے تاکہ جو اس کے برتن میں ہے اسے انڈیل دے۔''[4]،[5]

بخاری کی روایت میں ہے جو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تَسْأَلُ طَلَاقَ أُخْتِهَا لِتَسْتَفْرِغَ صَحْفَتَهَا فَإِنَّمَا لَهَا مَا قُدِّرَ لَهَا))[6]

''کسی عورت کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ اپنی کسی (مسلمان) بہن کی طلاق کا سوال کرے تاکہ اس کے برتن کو الٹا کر خالی کر دے' کیونکہ اس کے لیے وہی کچھ ہے جو اس کے لیے مقدر کر دیا گیا ہے۔''

اور یہ اس لیے ہے کہ ایک مسلمان خاتون دوسری مسلمان کی بہن ہے اور وہ اس بات پر ایمان رکھتی ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اس کے مقدر میں لکھا ہے وہ لا محالہ طور پر اسے مل کر رہے گا اور وہ پکی سچی ایماندار بن بھی نہیں سکتی جب تک وہ اپنی مسلمان بہن کے لیے وہی چیز پسند نہ

---

1. التناجش کا معنی ہے کہ آدمی خریدنے کی نیت کے بغیر کسی سامان کا بھاؤ بڑھانے کے لیے اور دوسرے کو یہ باور کرانے کے لیے کہ یہ بھی خریدار ہے بولی میں شامل ہو۔
2. اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی خریدار سے یوں نہ کہے کہ اس چیز کو واپس کر دو اور مجھ سے سستے داموں یہی چیز خرید لو۔
3. یعنی اس کا دلال نہ بنے کہ جس سے اسے نقصان پہنچے بلکہ اسے خود ہی بھاؤ کرنے دے۔
4. یعنی کسی خاوند سے یہ مطالبہ نہ کرے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے کر اس سے شادی رچائے تاکہ اس کے اخراجات اس کے احسانات اور اس کی معاشرت اس کو حاصل ہو جائے جو طلاق والی کو میسر ہے۔
5. بخاری کتاب البیوع، باب لا یبیع علی بیع اخیہ' حدیث: ۲۱۴۰ و صحیح مسلم کتاب النکاح: باب تحریم خطبة الرجل علی خطبة اخیہ' حدیث: ۱۴۱۳/۵۲ واللفظ لمسلم۔
6. صحیح بخاری کتاب النکاح باب الشروط التی لا تحل فی النکاح۔ حدیث: ۵۱۵۲۔

کرے جو اپنے نفس کے لیے پسند کرتی ہے جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے اپنے فرمان گرامی میں بایں الفاظ بیان کیا ہے:

«لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ» [1]

''تم میں سے کوئی اس وقت تک ایماندار نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہ چیز پسند نہ کرے جو اپنے نفس کے لیے کرتا ہے۔''

اسی وجہ سے اس کا شعور اور اس کا ایمان اس قابل ہوتا ہے جو اسے اس گناہ میں شریک ہونے اور اس غلطی کی دلدل میں آلودہ ہونے سے بچاتا ہے اور وہ اس گھناؤنے اور خطرناک میدان میں قدم رکھنے سے اپنے نفس کو بچائے رکھنے میں کامیاب رہتی ہے۔ وہ یہ کام صرف اور صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت گزاری کرتے ہوئے اور ان دونوں کے احکام پر عمل پیرا رہتے ہوئے کرتی ہے۔ وہ ان بلند ترین انسانی قدروں کے پاس اترتے ہوئے یہ امور سرانجام دیتی ہے جن کے ساتھ اسلام نے اس کی شخصیت کو آراستہ کردیا ہے۔ یہ کام وہ اس معاشرتی بدنامی اور رسوائی سے بچنے کے لیے نہیں چھوڑ رکھتی جو اس گھناؤنی حرکت کے ارتکاب کرنے والی عورت کو لاحق ہوتی ہے کیونکہ بعض اوقات وہ عورت اس کام اور اس سازش کو چھپانے پر بھی قدرت رکھتی ہے اور وہ معاشرتی گرفت سے بچی رہتی ہے لیکن وہ اس رب العزت کے سامنے ہونے والی ذلت و رسوائی سے تو کسی طرح بچ نہیں سکتی جو پوشیدہ اور مخفی تر باتوں کو بھی جانتا ہے جو نگاہوں کی خیانت اور سینوں کے مخفی بھیدوں کو بھی جانتا ہے۔

وہ اپنی نسوانیت کے موافق عمل اختیار کرتی ہے:

بلاشبہ اسلام نے مسلمان خاتون کے کندھوں سے کوئی پیشہ اختیار کرنے کی مشقت کو اٹھا رکھا ہے تاکہ وہ اپنی ذات پر خرچ کرے بلکہ اس کے باپ یا اس کے بھائی یا اس کے شوہر یا اس کے کسی قریبی عزیز کو اس پر خرچ کرنے کا ذمہ دار ٹھیرایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سمجھدار مسلمان خاتون اپنے گھر سے باہر کسی پیشے کو اختیار کرنے کو نہیں جھانکتی الا کہ کمانے کی کوئی خاص علت ہو جب اس کا کوئی کفیل موجود نہ ہو جو اس کے لیے عزت کی روزی کا ضامن ہو یا اس کے معاشرے کو

[1] صحیح بخاری کتاب الایمان۔ باب الدلیل علی ان من خصال الایمان۔ حدیث: ۴۵۔

اس کی ضرورت ہو کہ وہ ایسا پیشہ اختیار کرے جو صرف اس کے ساتھ ہی مخصوص ہو اور جو اس کی نسوانیت سے مطابقت رکھتا ہو' اس کی عزت و کرامت کی حفاظت کرتا ہو اور اس کے دین و اخلاق کو بچائے رکھتا ہو۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام نے مرد کو خاندان پر خرچ کرنے کا ذمہ دار بنایا ہے گزران اور اس کے اخراجات کی مسئولیت اس کے کندھوں پر ڈالی ہے' تاکہ ازدواجی زندگی اور بچوں کی نگہداشت کرنے کے لیے فارغ رہے اور خاتون گھر کی خوشبو' انس' جمال' عطر اور رونق بن کر رہے تاکہ وہ امور خانہ داری کے لیے منظّم سلیقہ' اس کے گوشوں کے لیے چلتی پھرتی محبت اور گھر کے جگر گوشوں کے لیے مہربان روح بن کر رہے۔

یہ ہے خاتون اور خاندان کے لیے اسلام کا نظریہ!! اور یہ ہے ازدواجی زندگی اور خاندانی نظام کے لیے اس کا فلسفہ!!

اس کے بالمقابل عورت کے بارے میں اور گھر' خاندان اور اولاد کے بارے میں مغربی فلسفہ کھڑا ہے جب بیٹی ایک خاص عمر کو پہنچ جاتی ہے جو غالباً سترہ برس کی عمر ہے تو اس کے باپ یا اس کے بھائی یا اس کے کسی قریبی عزیز پر اسکا خرچہ لازم نہیں رکھا جاتا۔ بلکہ اس کا اپنا دردِ سر ہے کہ وہ اپنی ذات پر خرچ کرنے کے لیے خود کوئی پیشہ اختیار کرے اور پھر اس آمدنی میں سے اپنے منتظر خاوند کے لیے بھی پیشگی ذخیرہ کرے جسے ''دوطہ'' کہتے ہیں یعنی وہ مال جو دلہن دلہا کو دیتی ہے پھر جب اس کی شادی ہو جاتی ہے تو اس کے ذمے لازم ہوتا ہے کہ وہ گھریلو اخراجات اور اولاد کے نفقات چلانے کے لیے اس سے شراکت کرے۔ اور جب بوڑھی ہو جاتی ہے پھر بھی وہ مسلسل کماتی رہتی ہے۔ تب بھی اسے اپنی کمائی کو اپنی غذائیت پوری کرنے کے لیے جاری رکھنا پڑتا ہے اگرچہ اس کی اولاد مالدار ہی کیوں نہ ہو۔

اس امر میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ ہدایت یافتہ مسلمان خاتون اس عظیم فرق اور واضح اختلاف کو سمجھ جاتی ہے جو ایک مسلمان خاتون کی حالت اور مغربی خاتون کی حالت کے درمیان ہوتا ہے۔ پہلی حالت میں خاتون کی تکریم ہے اس کی حفاظت ہے اور اس کی عزت مند اور باوقار گزران کی ضمانت ہے اور دوسری میں عورت کی محنت' مشقت اور تکلیف مالا یطاق کا بوجھ ہے

بالخصوص جب وہ بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جاتی ہے۔

مغربی مفکرین کے شکوے پچھلی صدی کے اواخر سے متواتر چلے آ رہے ہیں جو مغربی عورت کی بیچارگی اور بوجھ کے رونے رو رہے ہیں اور وہ اپنی اپنی قوم کو مغربی تہذیب سے محتاط رہنے میں راحت پانے کا سبق سکھا رہے ہیں' جب سے عورت کے گھر سے باہر نکلنے سے طرح طرح کی برائیاں جنم لے رہی ہیں' خاندان منتشر ہو رہے ہیں اور بچے آوارہ ہو رہے ہیں۔

بہت بڑے مبلغ اور داعی ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "المراة بين الفقه والقانون" میں اس موضوع پر بہت سے مغربی مفکرین کے اقوال جمع کیے ہیں' جو اس شدید اور گہرے رنج والم کی عکاسی کر رہے ہیں جو انہوں نے مغربی خاتون کی حالت زار سے محسوس کر کے قلمبند کیے ہیں' تو لیجیے میں آپ کے سامنے ان میں سے چند اقوال پیش کر رہا ہوں جو مغربی معاشرے میں مغربی عورت کی تصویر کو عیاں کر رہے ہیں۔

فرانسیسی ماہر اقتصادیات اور فلسفی (جول سیمون) کہتا ہے: مستورات پارچہ بافی اور برتن سازی میں ملازم تو بن چکی ہیں..... الخ حکومت نے اپنے کارخانوں میں انہیں ملازمت دے دی ہے جہاں انھوں نے چند درہم تو کما لیے ہیں' لیکن اسکے عوض وہ اپنے خاندانی نظام اور اپنی عائلی عمارت کو منہدم کر چکی ہیں۔ جی ہاں! شوہر نے اپنی بیوی کی کمائی سے کچھ فائدہ بھی پا لیا ہے لیکن روزگار میں عورتوں کی مزاحمت اور رکاوٹ کی وجہ سے مردوں کی کمائی میں کمی واقع ہوئی ہے۔

مزید کہتا ہے: ان کے علاوہ کچھ ایسی خواتین ہیں جو ان سے قدرے ترقی یافتہ ہیں جو فائلیں تھامنے میں مصروف رہتی ہیں' تجارتی مراکز میں کام کرتی ہیں اور سرکاری تعلیمی خدمات سرانجام دینے میں مصروف نظر آتی ہیں' اور ان میں سے بہت سی ایسی ہیں جو فرانس کے ٹیلی گراف دفاتر' ڈاک خانوں' ریلوے اسٹیشنوں اور بنکوں میں مصروف کار ہیں۔ لیکن ان ڈیوٹیوں نے انھیں ان کے خاندانوں سے مکمل طور پر الگ تھلگ کر ڈالا ہے۔"[1]

مزید یہ کہتا ہے: ضروری ہے کہ عورت بحیثیت عورت ہی باقی رہے کیونکہ اس صفت کے ساتھ وہ اپنی سعادت اور خوش بختی پانے کی اور اسے دوسروں کو مسرت سے ہمکنار کرنے کی استطاعت

---

❶ المراة بين الفقه و القانون: ١٧٦۔

پا سکتی ہے، ہمیں چاہیے کہ عورتوں کی حالت کی اصلاح کریں ہمیں اس کی نسوانیت کو بدلنا نہیں چاہیے، ہمیں انہیں مرد بنانے سے بچنا چاہیے، کیونکہ وہ اس طرح سے بہت زیادہ بھلائی سے محروم ہو رہی ہیں اور ہم تو ہر طرح کے خیر اور اچھے انجام سے محروم ہو رہے ہیں، کیونکہ قدرت [1] نے اپنی ہر چیز کو نہایت پائیدار بنایا ہے، لہٰذا ہمیں اس کی بہتری کے لیے مطالعہ کرنا چاہیے اور کوشش بھی کرنی چاہیے اور ہمیں ان تمام قوانین و امثال سے ڈرنا چاہیے جو اسے دور لیے جا رہے ہیں۔ [2]

مشہور انگریزی رائٹر (انی رورڈ) کہتی ہے: ہماری بیٹیاں گھروں میں رہ کر نوکرانیاں بن کر یا نوکرانیوں کی طرح کاموں میں مشغول رہیں تو یہ ان کے لیے فیکٹریوں کارخانوں میں مشغول رہنے سے کئی درجہ بہتر اور کم مشقت و کلفت والا عمل ہے، وہاں تو ہماری بیٹی مختلف طرح کی آلودگیوں سے آلودہ ہو رہی ہے جو تاحیات اس کی زندگی کی رونق کو ختم کر رہی ہیں، کاش! ہمارے شہر بھی مسلمانوں کے شہروں کی مانند بن جائیں جن میں عزت و تکریم، پاکدامنی اور طہارت کی چادریں ہیں، جن میں نوکرانی اور غلام بہترین زندگانی کی نعمتوں سے مالا مال ہیں، جن سے اپنی اولاد کی طرح برتاؤ کیا جاتا ہے، جن کی عزتوں کو برائی چھوتی تک نہیں ہے۔ جی ہاں! یہ انگلینڈ کے شہروں کے لیے بدنامی اور عار ہے کہ وہ اپنی بیٹیوں کو مردوں کے ساتھ بکثرت اختلاط جیسی رذالتوں کے لیے پیش کرتے ہیں۔ ہمیں کونسی رکاوٹ ہے کہ ہم اپنی بیٹیوں کو گھروں میں کام کاج کروانے کے لیے نہ روک رکھیں، جو کام ان کی فطرت وطبیعت کے موافق بھی ہیں اور مردوں کے کام مردوں کے لیے ہی چھوڑ دیں جن میں عورتوں کی بھی عزت اور سلامتی ہے۔ [3]

بیشک مغربی خاتون مسلمان خاتون کو رشک کی نگاہوں سے دیکھتی ہے اور تمنا کرتی ہے کہ اسے بھی حقوق، عزت، تعظیم، نگہداشت، تحفظ اور قرار قلب کا کچھ حصہ نصیب ہو جائے جو مسلمان خاتون کو مل رہا ہے۔ اس پر بے شمار شواہد موجود ہیں جن میں سے کچھ اس کتاب کے سابقہ صفحات پر گزر چکے ہیں ان میں سے ایک شہادت وہ ہے جو ایک اطالوی طالبہ نے آکسفورڈ یونیورسٹی میں ''حقوق'' کی سٹڈی کرتے ہوئے کہی ہے جب اس نے یہ بات سنی تھی کہ اسلام میں عورت کے

---

1. یہ ملحد مغرب کی تعبیر ہے کہ قدرت کے لفظ کو اس نے اللہ تعالیٰ کی جگہ استعمال کیا ہے، مغرب نے دین سے بے رخی اور روگردانی کرنے کے باوجود یہ لفظ استعمال کیا ہے۔
2. ایضاً ۱۷۸۔
3. ایضاً ۱۷۹

بہت زیادہ حقوق ہیں اور کس طرح اسلام نے اسے ظاہری اکرام و احترام کا حظِ وافر نصیب فرمایا ہے اور اسے کمائی کرنے کی مشقت سے بھی سبکدوش رکھا ہے اور اسے ازدواجی اور خاندانی فرائض کی ادائیگی کے لیے فارغ البال رکھا ہے' وہ کہتی ہے: ''مجھے مسلمان خاتون پر رشک آتا ہے اور میں یہ تمنا کرتی ہوں کاش! میں بھی تمہارے ملک میں پیدا ہوتی۔''[1]

یہ حقیقت عربی ممالک میں نسوانی تحریکوں کی قائدات کے ذہنوں میں بھی راسخ ہو چکی ہے بالخصوص ان میں سے جو انصاف پسند ہیں' دیکھیے یہ محترمہ سلمہ حفار کزبری ہیں جنھوں نے بارہا یورپ اور امریکا کے مطالعاتی دورے کیے ہوئے ہیں۔ وہ ۳ ستمبر ۱۹۶۲ء کو دمشق کے روزنامہ ''الایام'' میں پروفیسر شفیق جبری کی کتاب ''ارض السحر'' (طلسماتی سرزمین) میں امریکی خاتون کی بدبختی پر تعلیقات لکھتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:

''ایک سفر کرنے والا ادیب ملاحظہ کرتا ہے کہ امریکی اپنے بچوں کو بچپن ہی سے ان کے کھیل کود میں مشینی آلات اور بہادری و شہسواری سے محبت کی طرف متوجہ کر دیتے ہیں اسی طرح وہ یہ بھی ملاحظہ کرتا ہے کہ گاڑیوں کی ورکشاپوں اور سڑکیں صاف کرنے میں عورتیں مردوں کے سے اعمال کرنے میں جتی رہتی ہیں' وہ عورت کی بدبختی و شقاوت کو دیکھ دیکھ کر گہرے دکھ کا اظہار کرتا ہے کہ وہ ایسے کاموں میں اپنی جوانی اور اپنی عمر کو گزار رہی ہے جو نسوانیت' طبیعت اور مزاج کے ہی مخالف ہیں۔ مجھے پروفیسر جبری کی بات نے خوشی و مسرت سے ہمکنار کر دیا ہے جب میں آج سے کوئی پانچ برس قبل امریکہ کی سیاحت سے واپس آئی تھی' میں تو اس عورت کی حالت زار پر اظہار دکھ کرتی ہوں جسے اندھی مساوات کا ریلا بہا کر لے گیا ہے' وہ گزران کے لیے کمائی کرنے کی جدوجہد میں بدبخت بن چکی ہے اور اسی راستے میں وہ اپنی آزادی اور حریت کو بھی کھو بیٹھی ہے یہی مطلق آزادی جسے پانے کے لیے اس نے لمبی لمبی کوششیں کی ہیں وہ بھی مشینی آلات اور اوقات کی اسیر بن چکی ہے۔ انجام کار معاملہ انتہائی مشکل بن گیا ہے اور واقعی یہ امر افسوس ناک ہے کہ عورت اس انتہائی باعزت اور اعلیٰ ترین مقام کو بھی کھو چکی ہے جو اسے قدرت نے عطا فرمایا تھا' اس سے میری مراد اس کی نسوانیت ہے پھر اس کی سعادت و خوش بختی ہے

[1] دیکھیے، ص: ۸۸۔

کیونکہ تھکا دینے والا مسلسل عمل اسے ان چھوٹی چھوٹی جنتوں سے بھی محروم کر چکا ہے جو مرد و عورت کے لیے یکساں طور پر قدرتی پناہ گاہیں تھیں جن کے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ عورت۔ گھر کی مالکہ۔ کے بغیر ان کی کلیاں مہک سکیں یا ان کی عطر بیز ہوائیں فضا کو معطر کر سکیں' گھروں میں اور خاندان کی گودوں ہی میں معاشرے اور افراد کی خوش بختی مضمر ہے اور یہی خوش کن خیالات کا مرکز اور خیر و ایجاد کے سرچشمے ہیں۔''

بلاشبہ عورت کا عمل کی بھٹی میں اور زندگی کے میدان کارزار کے وسط میں مردوں کے ازدہام میں اس لیے کودنا تاکہ وہ ان کی جگہوں پر قابض ہو جائے یا ان میں ان سے مشارکت کرے اور وہ بھی کسی عمومی مصلحت کے بغیر' تو یہ سراسر ضلالت اور سرتاپا وہی حماقت اور آوارگی ہے جس میں پستی' فتنے' آوارگی اور گمراہی کے ادوار میں قومیں اور قبائل مبتلا ہو چکے ہیں۔ اپنے پروردگار کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کی ہدایت سے روشنی لینے والی مسلمان خاتون اس بات پر راضی نہیں ہوتی کہ وہ اس دہکتے تنور اور بھڑکتی بھٹی میں کود ے' وہ تو اس امر سے نفرت کرتی ہے کہ وہ ایسا معمولی اور سستا سودا بن جائے کہ سرمایہ دار لالچی و حریص لوگ اس کو پانے کے لیے ایک دوسرے پر گرے جا رہے ہوں' یا وہ ایسی بے وقوف حسینہ بن جائے کہ اس قماش کے بے حیا لوگ اس کی صحبت سے تسلی پائیں' وہ تو پوری شدت اور پوری خودداری سے اس بے فیض، جعلی اور بناوٹی ترقی کا انکار کرتی ہے جو اس امر کی داعی ہے کہ عورت ننگے منہ' کپڑے پہننے کے باوجود عریاں' میک اپ ظاہر کیے ہوئے گھر سے باہر نکلے اور سرکاری و غیر سرکاری دفاتر میں مرد کے پہلو میں کام کرے۔ پھر وہ اپنے پختہ روشن حکیمانہ سمجھدار موقف پر کار بند رہتے ہوئے اپنے ملک' اپنے معاشرے اور اپنی قوم کے لیے بہت بڑی خدمت سرانجام دیتی ہے' اور اس دعوے کو ثابت کرتی ہے کہ مردوں کے کاموں میں عورت کی شمولیت سے بے ہودگی اور آوارگی جنم لیتی ہے' جس بے ہودگی اور آوارگی کے پیچھے اخلاق کی تباہی' خاندان کی بربادی اور مال کی تباہی اس فائدے سے کہیں بڑی ہے جو عورت کام میں شریک ہو کر قوم کو دیتی ہے' اس حقیقت پر شمالی کوریا کے گورنر کا وہ اعتراف بطور دلیل کافی ہے جو اس نے اپنے ملک میں ۱۹۷۱ء میں خواتین کی ایک مشترکہ کانفرنس میں دوران تبصرہ کیا تھا:

''ہم خواتین کو معاشرے میں داخل ہونے کا موقع دیتے ہیں اس کی قطعاً یہ وجہ نہیں ہے کہ مزدوروں اور کارندوں کی کمی ہوگئی ہے اور جب ہم پوری وضاحت سے یہ بات کہیں گے تو ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ معاشرے میں عورتوں کے عمل دخل کے بعد حکومت کو عورتوں کے معاملے میں جس قدر مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے وہ عورتوں کی شراکت سے کام میں حاصل ہونے والے فوائد و منافع سے کہیں بڑھ کر ہیں۔''

اس نے مزید کہا:

''پھر ہمیں سوچنا چاہیے کہ ہم معاشرے میں عورتوں کو شتر بے مہار کی طرح آزاد کیوں چھوڑتے ہیں؟ کیونکہ عورتوں کا آزادانہ گھومنا بڑی حد تک عورتوں کے فتنے کا سبب بنتا ہے۔ اور معاشرتی زندگی کے دوران میں انہیں مزدور طبقے کی طرز پر لانا قرار پاتا ہے' انہیں معاشرے میں آزاد بے مہار چھوڑنا کہ مزدوروں کے طبقے میں آتی رہیں یہ ہمارے مردوں کے گروہ کو بھڑکانے کا باعث ہے جس سے سرکار کے مصائب میں خاطر خواہ اضافہ ہو چکا ہے۔''

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ ہدایت یافتہ سمجھدار مسلمان خاتون اپنے طریقے سے واقف ہو چکی ہے اور اپنے قدموں کو رکھنے کی جگہ سے بھی آشنا ہو چکی ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور جاہلیت کے حکم کے درمیان واضح اور بڑے فرق کو دیکھ چکی ہے وہ بلا عیب اور بلا اکراہ حکم الٰہی کو اختیار کرے گی اور اِدھر اُدھر سے وقتاً فوقتاً اٹھنے والے خوشنما بھڑکانے والے جاہلی نعروں کی طرف دھیان نہیں دے گی:

﴿ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴾ (المائدہ ۵/ ۵۰)

''کیا یہ لوگ پھر سے جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟ یقین رکھنے والے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے بہتر فیصلے اور حکم کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟''

وہ مردوں سے مشابہت اختیار نہیں کرتی:

بلاشبہ اپنی مسلمان شخصیت کے ساتھ سر بلند رہنے والی خاتون کسی صورت بھی مردوں سے

مشابہت اختیار نہیں کرتی' کیونکہ وہ جانتی ہے کہ عورت کا مردوں سے مشابہت اختیار کرنا اور مردوں کا عورتوں سے مشابہت اختیار کرنا شریعت اسلام میں قطعی حرام ہے۔

یہ اس لیے کہ دنیا میں' زندگی میں اور انسان میں اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کی متواتر سنت نے یہ فیصلہ دیا ہوا ہے کہ مرد کی شخصیت عورت سے ممتاز اور نمایاں ہے اور اسی طرح عورت کی شخصیت مرد سے ممتاز اور نمایاں ہے اور یہ امتیازی وصف دونوں جنسوں کے لیے الگ الگ انتہائی ضروری ہے' کیونکہ دونوں میں سے ہر کسی کا دوسرے سے الگ تھلگ کردار اور کام ہے اور یہی امتیازی وصف جنس کی بنیادی ذمہ داری اور زندگی میں اس کی اہم ترین کارکردگی کو جنس کی امتیازی شخصیت کے ساتھ مکمل طور پر مربوط رکھتی ہے یعنی مرد کی شخصیت کو عورت سے مکمل جدا رکھتی ہے اور عورت کی شخصیت کو مکمل طور پر مرد سے الگ تھلگ رکھتی ہے۔

بلاشبہ اسلام نے جب مرد وزن کی زندگی کے اہم ترین امور کے الگ الگ ضابطوں کو مقرر کیا ہے تو ان کی امتیازی طبیعت اور مزاج کا مکمل خیال رکھا ہے اور اسے ان امور کی مکمل آسانی مہیا فرمائی ہے جن کے لیے انہیں تخلیق کیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ ان ربانی مقرر کردہ ضابطوں اور قاعدوں سے کسی طرح باہر نکلنا فطرت کے قوانین سے باہر نکلنا ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے' انسانی طبیعت کو جھوٹ میں مبتلا کرنا ہے اور اسے مستحکم و مضبوط اصل خلقت سے دور لے جانا ہے' اور اس چیز کو دونوں جنسیں ہی ناپسند کرتی اور اس سے نفرت کرتی ہیں۔اس پر بڑی دلیل اور کونسی ہوسکتی ہے کہ عورت اس مخنث مرد کو ناپسند کرتی ہے جو عورتوں سے مشابہت اختیار کرتا ہے اور مرد اس بے فیض روکھی طبیعت والی مردوں سے مشابہت اختیار کرنے والی عورت سے نفرت کرتے ہیں' دنیا کی آبادی اور انسانیت کی سعادت مندی پوری طرح مکمل نہیں ہوسکتی جب تک دونوں جنسیں ایک دوسرے سے ممتاز نہ رہیں اور دونوں میں سے ہر کوئی دوسری جنس کے امتیازی اوصاف سے لطف اندوز نہ ہو اور دونوں دنیا کی آبادکاری اور بشریت کی سعادت مندی کے لیے ایک دوسرے سے باہم تعاون نہ کریں۔

مذکورہ صورت حال کے پیش نظر اسلام کی قطعی اور شدید نصوص وارد ہیں جو عورتوں سے مشابہت اختیار کرنے والے مردوں کو اور مردوں سے مشابہت اختیار کرنے والی خواتین کو وعیدیں

سنا رہی ہیں۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہتے ہیں:

《 لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم الْمُتَشَبِّهِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَآءِ وَالْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَآءِ بِالرِّجَالِ 》[1]

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے ساتھ مشابہت کرنے والے مردوں پر اور مردوں کے ساتھ مشابہت کرنے والی عورتوں پر لعنت کی ہے۔''

اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے کہتے ہیں:

《 لَعَنَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم الْمُخَنَّثِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالْمُتَرَجِّلَاتِ مِنَ النِّسَآءِ 》

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں میں سے مخنث بننے والوں پر اور عورتوں میں سے مرد بننے والیوں پر لعنت فرمائی ہے۔''

اور پھر فرمایا: 《 أَخْرِجُوْهُمْ مِنْ بُيُوْتِكُمْ 》

''انہیں (مخنثوں کو) اپنے گھروں سے نکال دو۔''

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں کو نکالا اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فلاں کو نکالا۔''[2]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں:

《 لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم الرَّجُلَ يَلْبَسُ لِبْسَةَ الْمَرْأَةِ وَالْمَرْأَةَ تَلْبَسُ لِبْسَةَ الرَّجُلِ 》[3]

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کی طرح لباس پہننے والے مرد پر اور مرد کی مثل لباس پہننے والی عورت پر لعنت کی ہے۔''

جس دن مسلمان عافیت میں تھے' اللہ کی شریعت ان میں فیصلے کرتی تھی' ان کے معاشرے اسلام کے نور سے روشنی لیتے تھے تو مردوں سے مشابہت اختیار کرنے والی عورتوں کی اور عورتوں

---

❶ بخاری۔ کتاب اللباس: باب المتشبهين بالنساء والمتشبهات بالرجال۔ حدیث: ٥٨٨٥۔

❷ بخاری کتاب اللباس: باب اخراج المتشبهين بالنساء من البيوت۔ حدیث: ٥٨٨٦۔

❸ سنن ابی داؤد۔ کتاب اللباس۔ باب فی لباس النساء، حدیث: ٤٠٩٨۔

سے مشابہت اختیار کرنے والے مردوں کی آفت کا کوئی خاص اثر نہیں تھا۔ آج جبکہ مسلمانوں سے اسلام کا سایہ سمٹ چکا ہے اور ان کے معاشروں میں اسلام کی روشنی مدھم ہو چکی ہے تو ہم ان معاشروں میں ایسی کثیر تعداد خواتین کو پا رہے ہیں جو تنگ اور چست پتلونیں پہن رہی ہیں اور مردوں اور عورتوں کے درمیان ایک جیسی قمیصیں پہنی جا رہی ہیں' جنھوں نے اپنے سر کھلے رکھے ہوئے ہیں اور اپنے بازوؤں کو کھلا رکھا ہوتا ہے اور یوں باہر نکلتی ہیں جیسے نوجوان لڑکے نکلتے ہیں اس طرح بہت سے نوجوانوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ مصنوعی مخنث بنے ہوتے ہیں' جنھوں نے گردن میں سونے کی زنجیر آویزاں کی ہوتی ہے جو ان کے سینوں پر لٹک رہی ہوتی ہے' جنھوں نے لمبے لمبے بالوں کو کنگھی کر رکھی ہوتی ہے' جن کے سر یوں ہوتے ہیں جیسے لڑکیوں کے سر ہیں' حتیٰ کہ ان کے درمیان امتیاز کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔

بلاشبہ یہ تکلیف دہ مناظر جو بعض اسلامی ملکوں میں دیکھے جا رہے ہیں یہ دشمن کی فکری یلغار کا مقصود ہے اور ہمارے نوجوانوں کی کثیر تعداد روحانی شکست سے دوچار ہو چکی ہے بلاشبہ یہ امت اسلامیہ' اس کے معاشروں' اس کی اقدار' اس کی اسلامی روایات اور اسلامی امتیازات پر بیرونی حملے ہیں جو مغربی بدکار اور مشرقی کافر دونوں کی مشترکہ یلغار ہے ان کی ہیبت ناک' تباہ کن اور نیست و نابود کرنے والی موجیں پھیلتی جا رہی ہیں' اس کے علاوہ مزید ضلالات بھی ہیں جن کے باعث انسانیت کج روی اختیار کر رہی ہے اور بدبختی کی جہنم کی طرف بڑھتی جا رہی ہے' اور انسانیت کو اس کی فطرت سلیمہ سے ہولناکیوں اور تباہ کاریوں کی طرف لیے جا رہی ہے' جن کے ان علاقوں پر ہولناک نتائج' خطرناک امراض اور تباہ کن اثرات نظر آ رہے ہیں۔

بلاشبہ ہمیں بھی مذکورہ فکری یلغار کو دھواں اور غبار لاحق ہو چکا ہے' بعض اسلامی ممالک میں اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے دور رہنے والے مردوں اور عورتوں کی زندگی منتشر ہو رہی ہے جبکہ اسلامی خلافت کا خاتمہ بھی ہو چکا ہے' امت کی وحدت پارہ پارہ ہوتی جا رہی ہے' بعض اسلامی معاشروں میں اس کی بے شمار اقدار و روایات بھی نابود ہو رہی ہیں' تو یہ آوارہ مرد و خواتین امت اسلامیہ کے وجود سے بالکل ہی الگ تھلگ نظر آتے ہیں' جو اس کے اصلی منہج' اس کی ثابت شدہ اقدار اور اس کی نمایاں ترین شخصیت سے نکلتے جا رہے ہیں۔

وہ حق کی طرف دعوت دیتی ہے:

اپنے دین کی ہدایت کو یاد رکھنے والی اور سمجھدار مسلمان خاتون اس حقیقت کا ادراک کر لیتی ہے کہ انسان دنیا میں بلا مقصد اور بے کار ہی پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ یہ ایک مقصد کو پورا کرنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے' امانت کو اٹھانے کے لیے اور فریضے کی بجا آوری کے لیے تخلیق کیا گیا ہے اور وہ ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴾ (الذاريات ٥١/ ٥٦)

''میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے ہی پیدا کیا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ کی عبادت انسان کی ہر مثبت اور تعمیری حرکت میں موجود ہوتی ہے تا کہ دنیا آباد رہے' زمین میں اللہ تعالیٰ کا کلمہ مضبوط رہے اور زندگی میں اس کا منہج دکھائی دے اور یہ سبھی وہی حق ہے جو تمام مسلمان مردوں اور عورتوں پر واجب اور لازم ہے کہ لوگوں کو اس کی طرف دعوت دیں۔

یہی وجہ ہے کہ راست باز مسلمان خاتون اس دعوت کے سلسلے میں اپنے واجبی کام کو محسوس کر لیتی ہے کہ جس حق پر وہ ایمان لائی ہے اس نے حتی المقدور اپنے گرد و نواح میں عورتوں کو دعوت بھی دینی ہے اور اس ضمن میں اس عظیم ثواب کو پانے کی امید رکھتی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی طرف دعوت دینے والوں کو وعدہ دیا ہے جس طرح کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آتا ہے:

((فَوَ اللّٰهِ لَأَنْ يَهْدِيَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلًا وَاحِدًا خَيْرٌ مِنْ اَنْ يَكُوْنَ لَكَ حُمْرُ النَّعَمِ)) [1]

''اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ تیری وجہ سے کسی ایک آدمی کو ہدایت دے دے تو یہ تیرے لیے سرخ اونٹوں کے ملنے سے بہتر ہے۔''

بلاشبہ ایک غافل معاشرے میں یا ہدایت الٰہی سے دور رہنے والی عورت کے کان میں مسلمان خاتون کا ایک پاکیزہ بول جسے وہ دلوں میں ڈالتی ہے وہ دعوت دینے والی بہن کے لیے

---

[1] صحيح بخاری، كتاب المغازی باب غزوة خيبر' حديث: ٤٢١٠۔ صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة۔ باب من فضائل علی بن ابی طالب رضی اللہ عنه، حديث: ٢٤٠٦۔

اجر عظیم اور ثواب کریم لے کر پلٹتا ہے جو سرخ اونٹوں سے بھی بڑھ کر قیمتی ہوتا ہے جو اس وقت عرب معاشرے میں نفیس ترین مال و دولت شمار ہوتے تھے۔ پھر اس کے علاوہ ان خواتین کا اجر و ثواب بھی اس کے حصے میں آتا ہے جنہیں اس کے ہاتھوں ہدایت ملتی ہے' جس طرح کہ رسول کریم ﷺ نے یہ خبر دی ہے:

« مَنْ دَعَا اِلٰی هُدًی كَانَ لَهُ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلُ اُجُوْرِ مَنْ تَبِعَهُ لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ أُجُوْرِهِمْ شَيْئًا » ①

''جس نے ہدایت کی طرف بلایا اس کے لیے ان تمام لوگوں کے برابر اجر ہوگا جو اس کی پیروی کریں گے اور یہ ان کے اجر و ثواب سے کچھ کم بھی نہ کرے گا۔''

اور دعوت دینے والی مسلمان خاتون جب وہ اللہ تعالیٰ کی طرف دوسری خواتین کو دعوت دیتی ہے تو اپنی کم علمی کو آڑے نہیں آنے دیتی۔ اس کے کانوں تک جو ہدایت اور نصیحت کی بات آ گئی ہے' خواہ وہ کتاب اللہ کی ایک آیت ہی کیوں نہ ہو' اسی کی تبلیغ کرتی ہے اور یہی وہ بات ہے جس کی نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کو وصیت فرمائی تھی:

« بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰيَةً...... » ②

''میری طرف سے (لوگوں تک) پہنچا دو اگرچہ ایک آیت ہی ہو۔''

بعض اوقات یہی ایک آیت یا دعوتی کلمات میں سے ایک کلمہ ہی اس کے لیے ایمان کی پناہ گاہوں میں سے ایک پناہ گاہ ثابت ہوتا ہے اور سننے والی کے دل میں ہدایت کی شمع فروزاں ہو جاتی ہے' وہ حق کی طرف بڑھتی ہے اور اس کی پوری زندگی روشن و منور ہو جاتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ دعوت پیش کرنے والی مسلمان خاتون مستورات کو دعوت حق پیش کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتی' اور پھر دور حاضر میں اس دعوت کی انہیں ضرورت بھی زیادہ ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی امید رکھتی ہے' ایسی عورتوں کی صفوں میں سمجھداری اور عقل مندی کو عام کرنے کی کوشش کرتی ہے جن کے لیے سمجھ داری' عقل' سلیقہ' تہذیب اور ہدایت لکھی نہیں گئی'

---

① صحيح مسلم كتاب العلم، باب من سن سنة حسنة، حديث: ٢٦٧٤۔

② صحيح بخاري كتاب احاديث الانبياء: باب ما ذكر عن بني اسرائيل، حديث: ٣٤٦١۔

وہ اپنے پیش نظر یہ دلیل بھی رکھتی ہے کہ وہ ایماندار تبھی بن سکتی ہے جب وہ اپنی بہن کے لیے بھی وہی چیز پسند کرے گی جو اپنی ذات کے لیے پسند کرتی ہے' یہ ہیں اخلاق دعوت دینے والی خاتون کے جو حد سے تجاوز کرنے والی مستورات سے ممتاز رہتی ہے بلاشبہ یہ بلند پایہ اور اعلیٰ ترین اخلاق ہیں' جنہیں رسول اللہ ﷺ نے سراہا ہے' ان کی تعریف کی ہے اور پھر ان کے حامل افراد کے لیے مندرجہ ذیل الفاظ میں دعائے خیر فرمائی ہے:

((نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا شَيْئًا فَبَلَّغَهُ كَمَا سَمِعَهُ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعٰى مِنْ سَامِعٍ))[1]

''اللہ تعالیٰ اس آدمی کو خوش وخرم رکھے جس نے ہم سے کوئی بات سنی پھر اسے آگے پہنچایا جس طرح اسے سنا تھا' کئی بات پہنچائے گئے افراد ایسے ہوتے ہیں جو سننے والے سے بھی زیادہ بات کو یاد رکھنے والے ہوتے ہیں۔''

بلاشبہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی ہدایت سے روشنی پانے والی مسلمان خاتون تو روشن چراغ کی مانند ہے جو سیاہ تاریک رات میں چلنے والیوں کے لیے روشنی فراہم کرتا ہے' اس کے لیے ممکن ہی نہیں ہوتا کہ سیاہ رات کی تاریکی میں بھٹکنے والی بہنوں سے اس کی روشنی کو چھپا سکے جب کہ وہ دیکھ چکی ہے کہ مخلص ہو کر دل کی ستھرائی سے اللہ کی طرف دعوت دینے والیوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے ثواب عظیم بھی تیار کر رکھا ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی کرتی ہے:

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام صرف مرد پر ہی واجب نہیں ہے بلکہ یہ مرد اور عورت دونوں پر یکساں طور پر ضروری ہے' جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے:

﴿ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ يُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴾ (التوبہ: ۹/۷۱)

[1] سنن الترمذی فی کتاب العلم، باب ماجاء فی الحث علی تبلیغ السماع، حدیث: ۲۶۵۷۔ وقال: حدیث حسن صحیح

''مومن مرد وعورت آپس میں ایک دوسرے کے مدد و معاون اور دوست ہیں' وہ بھلائیوں کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں' نمازوں کو پابندی سے بجا لاتے ہیں' زکوۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ کی اور اس کے رسول کی بات مانتے ہیں یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ بہت جلد رحم فرمائے گا۔ بیشک اللہ غلبے والا اور حکمت و درست کاری والا ہے۔''

بلاشبہ اسلام نے عورت کو معاشرے میں ایسا بلند ترین مقام عطا فرمایا ہے جب اسے اس عظیم معاشرتی فریضے یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کا مکلّف اور ذمہ دار ٹھہرایا ہے کیونکہ اس نے تاریخ میں سب سے پہلی بار حکم دینے والی بنایا ہے جبکہ وہ اس سے قبل دنیائے اسلام کے علاوہ صرف مامور ہی معروف ومشہور تھی۔

اس ذمہ داری کے مقابلے میں جو دراصل اس کی عزت وتکریم ہی ہے مسلمان خاتون ایسی حدود اور ایسے میدانوں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دینے کے لیے کمر بستہ ہوگی جو اس کی نسوانیت سے مناسبت رکھتے ہوں گے' جو اس کے دائرہ کار اور مخصوص حلقے میں داخل ہوں گے وہ برائی کو روکے گی اور یہ برائی عورتوں کی دنیا میں کچھ کم بھی نہیں ہے' اگر وہ اسے دیکھے تو پوری عقل مندی' سوچ بچار' حکمت اور نرم مزاجی سے روکے گی' اگر طاقت پائے تو اسے اپنے قوت بازو سے روکے گی جس کے ختم کرنے پر کسی فتنے کا اندیشہ نہ ہو' اگر وہ ایسی طاقت نہ پائے کہ اس برائی کو اپنے ہاتھ سے روک سکے تو وہ حق کے چہرے کو اپنی زبان اور اپنے بیان سے عیاں کرے گی' اگر وہ اس کی بھی طاقت نہ پائے' تو پھر باطل کو اپنے دل ہی سے برا جانے گی' اور اس برائی کو ختم کرنے کے ذرائع و وسائل پر سوچ بچار کرتی رہے گی تاکہ وقت ملنے پر اسے جڑوں سے اکھیڑ پھینکے' کسی برائی کو ختم کرنے کے لیے یہی اسلوب ہے جس کا رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس فرمان گرامی میں حکم دیا ہے:

« مَنْ رَّأَىٰ مِنكُمْ مُنكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ »[1]

---

[1] صحیح مسلم' کتاب الایمان: باب بیان کون النھی عن المنکر من الایمان۔ حدیث: ۴۹۔

''تم میں سے کوئی کسی برائی کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ اسے اپنے قوت بازو سے تبدیل کرے (یعنی روکے) اور اگر وہ اس کی طاقت نہ رکھے تو اپنی زبان سے روکے، پھر اگر اتنی بھی طاقت نہ پائے تو اپنے دل سے اسے برا جانے اور یہ کمزور ترین ایمان ہے۔''

ہوش مند مسلمان خاتون جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتی ہے تو وہ اپنی غافل مسلمان بہنوں یا اسلام دین حنیف کی ہدایت کی پیروی کرنے میں کوتاہی کرنے والی بہنوں کی خیر خواہی کرتی ہے، اور دین تو خیر خواہی کا ہی نام ہے، جس طرح کہ رسول اکرم ﷺ نے انتہائی اختصار اور پوری بلاغت سے اس کو بیان فرمایا ہے جس وقت آپ ﷺ نے ایک ہی لفظ ''نصیحت'' کے ساتھ پورے دین کی تعبیر فرمائی ہے تو جب دین نصیحت اور خیر خواہی کا نام ہے پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے واجب اور فریضہ کا ادا کرنا گویا اس خیر خواہی کو ادا کرنا ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے ذکر کیا ہے اور اس کے ساتھ ہی دین کی مضبوطی ہے۔

((اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ : قُلْنَا : لِمَنْ؟ قَالَ: لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُوْلِهِ وَلِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَعَامَّتِهِمْ)) [1]

''دین خیر خواہی ہے'' ہم نے دریافت کیا: کس کے لیے؟ فرمایا: اللہ کے لیے، اس کی کتاب کے لیے، اس کے رسول کے لیے، مسلمانوں کے سربراہوں کے لیے اور ان کی رعایا کے لیے۔''

بے شک ہدایت یافتہ سمجھدار مسلمان خاتون کا خواتین کی مجالس و محافل میں خیر خواہی کرنا اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنا بہت سے امور کو درست کرنے بلکہ بعض عورتوں کے مروجہ اعمال و حالات کو سنوارنے میں انتہائی اہم کردار ہے، جو خواتین اسلامی ہدایت اور اس کے حکموں کی مخالفت پر قائم رہتے ہوئے تقلید، عادات اور رسومات کو جاری رکھتی ہیں، ان کے لیے انتہائی ضروری ہے، اور غافل، شریعت سے دور عورتوں کے ماحول میں مذکورہ چیزیں کس درجہ کثرت سے پائی جاتی ہیں اور جس وقت مسلمان خاتون ایسی عادات و رسومات کو درست کرنے کی ٹھان لیتی ہے اور ان میں اسلامی موقف کو واضح کرتی ہے تو بلاشبہ وہ اپنے معاشرے اور اپنی

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الایمان: باب بیان ان الدین النصیحة، حدیث: ٥٥۔

امت کے سامنے عمل خیر کا عطیہ پیش کرتی ہے اور بہترین لوگوں میں سے بنتی ہے۔

ایک آدمی نبی اکرم ﷺ کے سامنے اس وقت کھڑا ہوا جبکہ آپ منبر پر تشریف فرما تھے' وہ بولا: یارسول اللہ! لوگوں میں سے کون بہتر ہے؟ فرمایا:

((خَيْرُ النَّاسِ اَقْرَؤُهُمْ وَاَتْقَاهُمْ وَاٰمَرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاَوْصَلُهُمْ لِلرَّحِمِ))[1]

''لوگوں میں سے بہترین وہ ہے جو ان میں سب سے زیادہ تلاوت کرنے والا ہو' ان میں سے سب سے زیادہ صاحبِ تقویٰ ہو' معروف کا سب سے بڑھ کر حکم کرنے والا ہو اور برائی سے سب سے زیادہ روکنے والا ہو اور ان میں سے سب سے بڑھ کر صلہ رحمی کرنے والا ہو۔''

بیدار مغز مسلمان خاتون ایسی ہی صاحبِ فیصلہ ہوتی ہے وہ باطل پر خاموش نہیں رہتی' حق کو کھول کر بیان کرنے سے ہچکچاتی نہیں ہے اور نہ ہی راہِ کج اختیار کرتی ہے' وہ تو ہمیشہ اسلامی معاشرے میں اپنی بہنوں کے نفع اور فائدہ کے لیے ہی عمل کرتی ہے اور ان میں موجود کوتاہی' سستی' جہالت اور انحراف کو نکالنے میں جلدی کا مظاہرہ کرتی ہے' وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کو صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکموں کو مانتے ہوئے ادا کرتی ہے' اور اللہ تعالیٰ کے اس عذاب کو ٹالے رکھنے کے لیے یہ کام سرانجام دیتی ہے جو ایسے معاشروں پر عمومی شکل میں نازل ہوتا ہے جس میں نیکی کا حکم کرنے والی اور برائی سے روکنے والی آوازیں بلند نہیں ہوتیں۔

جس وقت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے' آپ منبر پر براجمان ہوئے اللہ تعالیٰ کی حمد و ستائش بیان فرمائی' پھر یوں کہا: اے لوگو! تم یہ آیت کریمہ پڑھتے ہو:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ﴾

(المائدہ ٥/١٠٥)

''اے ایمان والو! اپنی فکر کرو جب تم راہِ راست پر چل رہے ہو تو جو شخص گمراہ رہے

---

[1] مسند احمد (٤٣٣/٦) والطبرانی ورجالهما ثقات۔ مجمع الزوائد ٢٦٣/٧ باب اهل المعروف واهل المنكر۔

اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں۔''

اور تم اسے اس کی جگہوں کے علاوہ دوسرے معانی کے لیے رکھتے ہو میں نے تو رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا:

((إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوُا الْمُنْكَرَ وَلَا يُغَيِّرُونَهُ أَوْشَكَ أَنْ يَعُمَّهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابٍ)) [1]

''بلاشبہ لوگ جب برائی کو دیکھیں گے اور اسے تبدیل نہ کریں گے تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر عمومی عذاب نازل کر دے۔''

بلاشبہ اپنے اسلام میں سچی مسلمان جس کا ایمان متحرک ہو' جس کی عقل ہدایتِ ربانی کے نور سے روشن ہو' وہ ہمیشہ نیکی کی راہ میں کوشاں رہتی ہے' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بجا لاتی ہے' خیر خواہی کے عطیات پیش کرتی ہے' فاسد احوال کی اصلاح کرتی ہے' اپنی ذات کے لیے منفی پہلو جموذ' بے پروائی اور تلون مزاجی کو پسند نہیں کرتی' بلکہ وہ تو کسی بھی معاملے میں جو دین اور اس کے شعائر سے متعلقہ ہو یا اس کی ہدایت اور اس کی روح سے مناسبت رکھتا ہو' وہ سستی وغفلت کا مظاہرہ نہیں کرتی' کیونکہ دین اور عقیدے سے متعلقہ تمام امور حقیقت ہیں جن میں کوئی مذاق کی گنجائش ہی نہیں ہے' ان میں کسی کجی اور غلطی پر خاموشی جائز ہی نہیں ہے' وگرنہ ہم بھی اسی گرفت میں آ جائیں گے جس میں یہودی آئے تھے' جب اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا غضب نازل کیا جس وقت ان میں دینی امور میں کوتاہی' بے پروائی اور جمود کو دیکھا تھا:

''بے شک جو لوگ بنی اسرائیل والے تم سے پہلے ہوئے ہیں جب ان میں کوئی کام کرنے والا گناہ کا کام کرتا تو کوئی روکنے والا اسے عذر پیش کرنے کے لیے روکتا' (یعنی میں نے تمھیں سمجھا دیا کیونکہ یہ میری دینی ذمہ داری تھی) تو پھر جب اگلا روز آ جاتا تو اس کے ساتھ بیٹھتا' اس کے ساتھ چلتا پھرتا اور اس کے ساتھ کھاتا پیتا' جیسے کہ گزشتہ کل اس نے اسے گناہ کا کام کرتے ہوئے دیکھا ہی نہیں تھا۔''

تو جب اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ صورت حال دیکھی تب اللہ تعالیٰ نے سیدنا داؤد اور سیدنا عیسیٰ

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم۔ باب الامر والنهي، حديث: ٤٣٣٨۔

ابن مریم علیہ السلام کی زبان پر ان کے ایک کے دل کو دوسرے کے دل پر مار دیا یعنی ان کو ایک دوسرے کے موافق بنا دیا' اس وجہ سے جو انہوں نے نافرمانی کی اور جو وہ حد سے تجاوز کر جاتے تھے:

《 وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ، وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَلَتَأْخُذُنَّ عَلٰی اَیْدِی الْمُسِیْءِ وَلَتَاْطُرُنَّهٗ عَلَی الْحَقِّ اَطْرًا اَوْ لَیَضْرِبَنَّ اللّٰهُ بِقُلُوْبِ بَعْضِكُمْ عَلٰی بَعْضٍ، وَیَلْعَنُكُمْ كَمَا لَعَنَهُمْ 》[1]

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم ضرور نیکی کا حکم کرتے رہنا اور تم بالضرور برائی سے روکتے رہنا اور تم لازماً برائی کرنے والے کے ہاتھوں کو پکڑتے رہنا اور تم ضرور اسے حق کی جانب موڑتے رہنا' یا پھر اللہ تعالیٰ تمہارے بعض کے دلوں کو بعض پر مار دے گا' انہیں ایک جیسا بنا ڈالے گا اور تمہارے اوپر بھی ویسی ہی لعنت کرے گا جیسی ان پر کی ہے۔''

اپنی دعوت میں عقلمندی اور حکمت کا مظاہرہ کرتی ہے:

دعوت دینے والی مسلمان خاتون اپنی دعوت میں ماہر' خوش طبع اور ذہانت وفطانت والی ہوتی ہے' اپنی مخاطب بہنوں سے خطاب کرنے میں انتہائی سمجھداری اور سنجیدگی سے بات کرتی ہے' ان کی فکری اور معاشی سطح کا لحاظ رکھتی ہے' پوری حکمت اور بہترین نصیحت کرنے کے ساتھ ان کے قلوب وعقول تک رسائی پاتی ہے' جس طرح کہ قرآن کریم نے حکم دیا ہے:

﴿ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ﴾

(النحل: ١٦/١٢٥)

''اپنے رب کی راہ کی طرف لوگوں کو اللہ کی وحی اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلایئے۔''

دعوت دینے والی بہن طوالت دینے' اکتاہٹ پیدا کرنے اور سننے والیوں پر بوجھل بننے سے بچتی ہے' اپنی گفتگو میں طوالت پیدا نہیں کرتی اور نہ ہی اس میں دشوار اور ناقابل فہم مسائل کو شامل کرتی ہے بلکہ جس فکر اور سوچ کو ان کے سامنے پیش کرنا چاہتی ہے اسے انتہائی اختصار کے ساتھ اور واضح اور دوٹوک لفظوں میں بیان کرتی ہے اور وہ بھی پُر لذت روشن دماغی کے اسلوب

[1] رواه الطبراني ورجاله رجال الصحيح مجمع الزوائد: ١٠/١٤٦۔

سے اکتاہٹ پیدا کیے بغیر بیان کرتی ہے۔ پھر وہ بھی وقفے وقفے سے' تاکہ پیش شدہ معاملے اور فکر کو دعوت دی جانے والی بہن مکمل طور پر سمجھ سکے پھر آسانی' رضامندی اور شوق سے اسے عملاً اپنا بھی سکے۔ یہ تھا وہ طریقہ جو وعظ و نصیحت کے دوران رسول اللہ ﷺ اختیار فرمایا کرتے تھے جیسے کہ عبداللہ بن مسعود صحابی جلیل رضی اللہ عنہ ہمیں خبر دیتے ہیں اور خود سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی لوگوں کو جمعرات کے روز ہی نصیحت فرمایا کرتے تھے۔ ایک آدمی نے عرض کی: اے ابوعبدالرحمٰن! میری خواہش ہے کہ آپ ہمیں بلاناغہ ہی وعظ و نصیحت فرمایا کریں۔ تو جواب میں ارشاد فرمایا: مجھے صرف یہی امر مانع ہے کہ میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ تمہیں اکتاہٹ میں ڈال دوں' اس لیے تمہیں ناغے کے ساتھ نصیحت کرتا ہوں جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ اس سلسلے میں ناغے سے ہی وعظ فرمایا کرتے تھے آپ ہماری اکتاہٹ کا اندیشہ پاتے تھے۔ [1]

ماہر فطین سمجھدار دعوت دینے والی کے لازمی امور میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ جنہیں دعوت دے رہی ہے ان سے نرمی رکھے' ان میں سے بعض کے قصور فہم پر اور ان کے امور دین سے بکثرت لاعلم ہونے پر صبر سے کام لے' اسی طرح ان کے بار بار غلطیاں کرنے پر' اکتا دینے والے بے شمار سوالات پر تحمل سے کام کرے' اس سلسلے میں صرف دعوت دینے والوں اور والیوں کے سردار سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی مکمل طور پر پیروی کرنے کی کوشش کرے جو کہ صبر' بردباری' حوصلے' نرمی اور کشادہ قلبی کے پیکر تھے' جو سوال کرنے والوں پر ایک مرشد محبّ اور غم خوار اور ایک معلم مصلح رہنما کی توجہ دینے کی طرح توجہ کرتے تھے' ان میں سے کسی کی کم فہمی سے آپ کے دل میں تنگی نہ آتی تھی اور نہ ہی آپ ان کے سوالات کی بھرمار سے اکتاتے ہی تھے اور نہ ہی اس کا بار بار جواب دینے سے تھکتے تھے حتیٰ کہ وہ بات کو سمجھ جاتے اور راضی خوشی سمجھنے والے خوش حال بن کر جاتے۔

مذکورہ صورت حال پر بطور شہادت وہ واقعہ کافی ہے جسے صحابی رسول سیدنا معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

''بات یوں ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ قوم میں سے کسی شخص

---

[1] صحیح بخاری، کتاب العلم، باب من جعل لاھل العلم ایاما معلومة حدیث : ٧٠۔ صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب الاقتصاد فی الموعظة حدیث : ٢٨٢١۔

نے چھینک ماری تو میں نے کہہ دیا: ''یَرْحَمُكَ اللّٰهُ'' تو لوگوں نے مجھے آنکھیں اٹھا اٹھا کر دیکھنا شروع کر دیا' میں نے کہا: میری ماں مجھے گم پائے تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ مجھے ہی دیکھے جا رہے ہو؟ تو انہوں نے اپنے ہاتھوں کو اپنی رانوں پر مارنا شروع کر دیا' تو جب میں نے دیکھا کہ وہ مجھے خاموش کروا رہے ہیں تو آخر میں خاموش ہو ہی گیا۔ تو جب رسول اللہ ﷺ نے نماز مکمل فرمائی۔ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں' میں نے اس سے پہلے اور بعد میں آپ سے بڑھ کر حسن تعلیم والا معلم کوئی نہیں دیکھا' اللہ کی قسم! آپ نے مجھے ڈانٹا' نہ مارا' اور نہ ہی برا بھلا کہا بلکہ یوں فرمایا:

((اِنَّ هٰذِهِ الصَّلَاةَ لَا يَصْلُحُ فِيهَا شَيْءٌ مِّنْ كَلَامِ النَّاسِ' اِنَّمَا هِيَ التَّسْبِيحُ وَالتَّكْبِيرُ وَقِرَاءَةُ الْقُرْآنِ))

''بلاشبہ یہ نماز ایسا عمل ہے جس میں لوگوں کی باتوں میں سے کوئی چیز درست نہیں ہے یہ تو صرف تسبیح' تکبیر اور تلاوت قرآن کا عمل ہے۔''

یا پھر رسول اللہ ﷺ نے جس طرح بھی فرمایا ہو' میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! میرا عہدِ جاہلیت سے نیا نیا ہی تعلق ختم ہوا ہے' اللہ تعالیٰ اسلام کو لایا ہے' ہم میں سے کچھ لوگ کاہنوں کے پاس [1] جاتے ہیں۔ فرمایا: تو ان کے پاس نہ جایا کر۔ میں نے عرض کی: ہم میں سے کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو بدفالی لیتے ہیں' فرمایا: وہ ایسی چیز ہے جسے وہ اپنے سینوں میں پاتے ہیں مگر اسے انہیں ہرگز ہرگز روکنا نہیں چاہیے۔ [2]

کامیابی پانے والی' سمجھدار' دعوت دینے والی کے اخلاق میں سے اور اس کے انتہائی مؤثر اور دلکش اسلوب میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ برائی کرنے والیوں کا جواب برائی سے نہیں دیتی اور نہ ہی کوتاہی کرنے والیوں کو کوتاہی کرنے سے جواب دیتی ہے' بلکہ وہ ان کے ساتھ انتہائی مہربانی و شفقت سے اور ان سے انتہائی احسن انداز میں گفتگو کرنے سے معاملات کو نمٹاتی ہے' ان کی برائیوں اور کوتاہیوں کو تفصیل سے بیان کرنے کے بجائے اشارے کنائے میں بیان کرتی

---

1. کاہن ایسے شخص کو کہتے ہیں جو دل کی باتوں کی معرفت رکھنے کا دعویٰ کرتا ہے اور مستقبل کی خبریں دیتا ہے۔ یعنی انہیں اس عمل سے باز نہیں آنا چاہیے۔ کیونکہ بدفال نفع و نقصان میں بالکل مؤثر نہیں ہوتی۔
2. صحيح مسلم كتاب المساجد: باب تحريم الكلام في الصلاة۔ حديث: ٥٣٧۔

ہے' ان سے یہ امید رکھتے ہوئے کہ وہ اپنی اس برائی اور کوتاہی سے باز آ جائیں مکمل مہارت اور حکمت سے بات کو ان کے سامنے پیش کرتی ہے' ان کے احساسات و خیالات کا لحاظ رکھتے ہوئے کہ کہیں مخدوش نہ ہو جائیں' ان کے نفوس و قلوب کا لحاظ رکھتے ہوئے کہ کہیں وہ دعوت سے متنفر نہ ہو جائیں۔ یہ ماہرانہ حکیمانہ اسلوب دلوں میں گھر کر جانے والا اور نفوس میں جاگزیں ہونے والا ہوتا ہے بلکہ نفسیاتی' اخلاقی اور معاشرتی امراض و علل کا علاج کرنے میں انتہائی کامیاب طریقہ ہے اور یہی وہ طریقہ تھا جو رسول اللہ ﷺ اپنے وعظ میں اختیار فرمایا کرتے تھے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی اکرم ﷺ کو جب کسی شخص کے متعلق کوئی بات پہنچتی تو آپ اس طرح نہ کہتے تھے کہ فلاں شخص کا کیا حال ہے وہ اس طرح کہتا ہے بلکہ اس طرح فرمایا کرتے تھے: لوگوں کا کیا حال ہے کہ وہ ایسے ایسے کہتے ہیں۔ [1]

اسی طرح دعوت دینے والی کی اہم ترین صفات میں سے جو دعوت کے کام میں اس کی کامیابی کی کفیل اور ضامن ہیں ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ مکمل وضاحت' تفصیل اور تکرار سے کام لے جو اکتاہٹ بھی پیدا نہ کرتی ہو حتیٰ کہ اس کو غالب گمان ہو جائے کہ سننے والیوں نے جو سنا ہے اسے ازبر کر لیا ہے اور یہ بات ان کے دلوں میں پیوست و سرایت کر گئی ہے' اور رسول اللہ ﷺ بھی ایسے ہی کیا کرتے تھے جس طرح کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ جب بھی کسی کلمہ اور بات کو دہراتے تو اسے تین بار دہرایا کرتے تھے حتیٰ کہ وہ بات آپ سے سمجھ لی جاتی' اور جب آپ کسی قوم کے ہاں تشریف لاتے تو ان پر سلام کرتے تو بھی انہیں تین بار سلام کہتے۔'' [2]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کا کلام بالکل واضح ہوتا تھا' جو بھی اسے سنتا سمجھ لیتا تھا۔'' [3]

صالح خواتین سے میل جول رکھتی ہے:

مسلمان خاتون عورتوں سے تعلقات رکھنے میں صرف نیک اور صالح خواتین کو ہی چنتی ہے

---

1. سنن ابی داؤد۔ کتاب الادب۔ باب فی حسن العشرۃ حدیث: ٤٧٨٨۔
2. صحیح بخاری کتاب العلم: باب من اعاد الحدیث ثلاثا لیفھم عنہ۔ حدیث: ٩٥۔
3. سنن ابی داؤد۔ کتاب الادب۔ باب الھدی فی الکلام، حدیث: ٤٨٣٩۔

تاکہ وہ اس کی بہنیں اور سہیلیاں بن جائیں انہی کی دوستی سے مانوس رہتی ہے' نیکی' تقویٰ اور عمل صالح پر ان کے ساتھ تعاون کرتی ہے' جن خواتین کی اسلامی سمجھ میں کچھ نقص و کوتاہی ہو ان کی دینی راہنمائی کرتی ہے' ان کی ذہنی بیداری کو اجاگر کرتی ہے' کیونکہ نیک اور صالح خواتین کے ساتھ میل جول رکھنے سے ہمیشہ خیر' نفع اور عام ثواب ہی ملتا ہے مستورات کو ان کے معاشرے میں رائے کی پختگی' دین کا تفقہ اور حق کی طرف پیش رفت کرنے میں مزید حوصلہ نصیب ہوتا ہے' اسی لیے تو عظیم قرآنی ہدایت میں اسی نیک صحبت کو اختیار کرنے کے لیے یہ آیا ہے:

﴿ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَن ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا ﴾ (الکهف: ١٨/٢٨)

''اور اپنے آپ کو انہی کے ساتھ رکھا کر جو اپنے پروردگار کو صبح وشام پکارتے ہیں اور اسی کے چہرے کا ارادے رکھتے ہیں خبردار! تیری نگاہیں ان سے نہ ہٹنے پائیں کہ دنیوی زندگی کے ٹھاٹھ کے ارادے میں لگ جا' دیکھ اس کا کہنا نہ ماننا جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے اور جو اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہوا ہے' اور جس کا کام حد سے گزر چکا ہے۔''

راست باز مسلمان خاتون صرف نیک' متقی' فاضلہ اور کریمہ خواتین کیساتھ ہی الفت رکھتی ہے۔

بِعِشْرَتِكَ الْكِرَامَ تُعَدُّ مِنْهُمْ فَلَا تُرَيَنْ لِغَيْرِهِمْ أَلُوفًا

''کریم اور عمدہ لوگوں سے میل جول رکھنے سے تیرا شمار انہی لوگوں میں ہوگا لہٰذا تجھے ان کے علاوہ لوگوں کے ساتھ الفت رکھنے والا نہ دیکھا جائے۔''

سمجھدار دین کی روشنی رکھنے والی مسلمان خاتون نیک اور صالح خواتین سے میل جول رکھنے میں کوئی عیب اور ذلت نہیں پاتی اگرچہ ان کی ظاہری معاشرتی یا مادی سطح کم درجہ ہی ہو' کیونکہ شخصیت کے جوہر کا اعتبار ہوتا ہے اس کی ظاہری شکل وصورت اور مالداری کا اعتبار نہیں ہوتا' اللہ کے نبی سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے بھی ایک عبد صالح سے علم حاصل کرنے کے لیے اس کے پیچھے چلنا قبول کیا تھا' پورے ادب اور مکمل تواضع کے ساتھ یوں عرض کرتے ہیں:

﴿ هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴾ (الكهف ۱۸/ ۶۶)

''کیا میں آپ کی تابعداری کروں کہ آپ مجھے اس نیک علم کو سکھا دیں جو آپ کو سکھایا گیا ہے۔''

اور اس نیک بندے نے بایں الفاظ جواب دیا تھا:

﴿ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴾ (الكهف: ۱۸/ ۶۷)

''آپ میرے ساتھ ہرگز ہرگز صبر نہیں کر سکتے۔''

تب سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے انہیں انتہائی محبت اور کمال ادب کے ساتھ یہ عرض کی تھی:

﴿ قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّ لَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ﴾

(الكهف: ۱۸/ ۶۸)

''کہ ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور کسی بات میں میں آپ کی نافرمانی نہ کروں گا۔''

سمجھدار مسلمان خاتون کے دل سے یہ امر مخفی نہیں ہوتا کہ وہ صرف صالح خواتین کو ہی بطور سہیلیاں منتخب کرے گی کیونکہ لوگ بھی معادن اور کانیں ہیں' ان میں سے کچھ نفیس ہوتی ہیں اور کچھ کم قیمت' بالکل اسی طرح لوگ بھی ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اصناف اور ان معادن کی توضیح میں یوں ارشاد فرمایا ہے:

((اَلنَّاسُ مَعَادِنُ كَمَعَادِنِ الْفِضَّةِ وَالذَّهَبِ خِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقُهُوْا وَالْأَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُجَنَّدَةٌ فَمَا تَعَارَفَ مِنْهَا ائْتَلَفَ وَمَا تَنَاكَرَ مِنْهَا اخْتَلَفَ))[1]

''لوگ بھی کانیں ہیں جیسے چاندی اور سونے کی کانیں ہوتی ہیں' ان میں سے جو جاہلیت میں بہتر تھے جب وہ سمجھ حاصل کر لیں تو اسلام میں بھی بہتر ہیں' اور روحیں تو جمع کردہ لشکر ہیں جس قدر (عالم ارواح میں) ان میں تعارف ہوا تھا اس کے بقدر ان میں الفت ہوتی ہے اور جس قدر ان میں دوری تھی اسی کے بقدر ان میں اختلاف ہوتا ہے۔''

---

[1] صحیح مسلم كتاب البر والصلة: باب الارواح جنود مجندة ـ حديث: ۲۶۳۸

وہ اپنے دین کی ہدایت سے یہ بات جانتی ہے کہ ہم نشینوں کی دو قسمیں ہوتی ہیں نیک ہم نشین اور برا ہم نشین' نیک ہم نشین تو کستوری اٹھانے والی کی مانند ہے جو اپنی ہم نشین کو خوشبو' عطر اور عبیر وغیرہ ہبہ کرتی ہے' جبکہ بری ہم نشین بھٹی دھونکنے والی کی مثل ہے جو اپنی ہم نشین کو دھواں' انگارے' شعلے' بدبو اور برے منظر کے سوا کچھ بھی نہیں دے سکتی اور رسول اللہ ﷺ نے اس حقیقت کو عیاں کرنے کے لیے کتنی شاندار مثال بیان فرمائی ہے:

((إِنَّمَا مَثَلُ الْجَلِيسِ الصَّالِحِ وَجَلِيسِ السُّوءِ: كَحَامِلِ الْمِسْكِ وَنَافِخِ الْكِيرِ فَحَامِلُ الْمِسْكِ: إِمَّا أَنْ يُحْذِيَكَ وَإِمَّا أَنْ تَبْتَاعَ مِنْهُ، وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحًا طَيِّبَةً، وَنَافِخُ الْكِيرِ: إِمَّا أَنْ تُحْرِقَ ثِيَابَكَ وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحًا مُنْتِنَةً)) [1]

"نیک ہم نشین اور برے ہم نشین کی مثال کستوری بیچنے والے اور بھٹی دھونکنے والے کی طرح ہے: کستوری بیچنے والا یا تو تجھے خود ہی ہدیہ کر دے گا' یا خود تو ہی اس سے خرید لے گا یا اس سے تو خوشبو تو پاتا ہی رہے گا' اور بھٹی دھونکنے والا یا تیرے کپڑے جلائے گا اور یا پھر تو اس سے بدبو ہی پائے گا۔"

یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صالح مردوں اور صالح عورتوں یعنی اہل خیر کی ملاقات کی حرص رکھتے تھے جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت کی یاد تازہ کر دیتے تھے' جو دلوں کو نرم بنا دیتے تھے' جو آنکھوں سے خشیت' عبرت اور نصیحت کے آنسو رلا دیا کرتے تھے۔ اس ضمن میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ مندرجہ ذیل سچا واقعہ بیان کرتے ہیں:

"سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: آؤ ہم ام ایمن [2] کی زیارت کو چلیں جس طرح رسول اللہ ﷺ اس کی زیارت و ملاقات کو جایا کرتے تھے۔

1. صحیح بخاری کتاب الذبائح۔ باب المسك، حدیث: ٥٥٣٤۔ صحیح مسلم۔ کتاب البر والصلة باب استحباب مجالسة الصالحين، حدیث: ٢٦٢٨

2. یہ رسول اللہ ﷺ کی آیا اور بچپن کی خادمہ ہیں' نبی اکرم ﷺ نے بڑے ہو کر انہیں آزاد فرما دیا تھا' اور سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ان کی شادی کر دی تھی۔ آپ ﷺ ان کا اکرام فرمایا کرتے تھے ان سے نیک سلوک کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے" ام ایمن تو میری ماں ہے۔"

جب وہ دونوں ان کے پاس پہنچے تو وہ رونے لگیں، دونوں نے دریافت کیا: تجھے کس چیز نے رلا دیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ کے لیے اللہ تعالیٰ کے پاس خیر ہی خیر ہے۔ وہ بولیں: میرے رونے کی وجہ یہ نہیں کہ میں جانتی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس جو ہے وہ رسول اللہ ﷺ کے لیے بہتر ہے لیکن میں تو اس لیے رو رہی ہوں کہ آسمان سے وحی منقطع ہو گئی ہے تو اس بات پر انہوں نے دونوں کو رونے پر ابھار دیا، پھر وہ دونوں بھی اس کے ساتھ مل کر رونے لگے۔''[1]

بلاشبہ صالح خواتین کی مجالس ایسی ہی ہوتی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی یاد تازہ ہو جائے، جن میں مفید اور نفع مند باتوں کا دور چلے، جنہیں ملائکہ اپنے گھیرے میں لے لیں، جن پر اللہ تعالیٰ مولیٰ کریم اپنی رحمت کے سائے ڈال دے، ایسی ہی مجالس نفوس کو پاکیزہ بناتی ہیں، جن سے عقلیں جلا پاتی ہیں، روحیں صیقل ہوتی ہیں، ایماندار اور صالح خواتین کو ایسی مجالس و محافل کا بکثرت اہتمام کرنا چاہیے اور ان کے پکے ہوئے تازہ پھلوں کی خوشہ چینی کرنی چاہیے تاکہ انہیں دنیا میں نفع و فائدہ حاصل ہو اور آخرت میں پسندیدہ مقام نصیب ہو۔

مسلمان خواتین کے مابین صلح کروانے کی کوشش کرتی ہے:

اسلامی معاشرہ اس اعتبار سے ممتاز ہوتا ہے کہ اخوت اس کی سیادت و قیادت سنبھالتی ہے، مودت اسے آباد رکھتی ہے اور باہمی میل ملاپ، باہمی افہام و تفہیم، درگزر کرنے کی صفات اور قلبی صفائی کی فضائیں اس میں پھیلی ہوتی ہیں۔

یہ معاشرہ اپنے فضل و مقام اور امتیازی اوصاف کے باوجود بھی انسانی معاشرہ ہی ہوتا ہے جس میں بعض اوقات باہمی اختلافات اور تنازعات بھی ہو سکتے ہیں جو اس کے افراد کے مابین سرایت کرتے ہوئے باہمی جھگڑے، قطع تعلقات اور ایک دوسرے سے دوری کا سبب بن سکتے ہیں۔

یہ بھی یاد رہے کہ باہمی اختلافات و تنازعات تھوڑی دیر کے بعد ختم ہو جاتے ہیں کیونکہ اس معاشرے کے افراد آسمانی محکم ترین ہدایت کو سینے سے لگا لیتے ہیں، جو باہمی بھائی چارے، مودت اور باہمی قربت کو مستحکم کرتی اور دشمنی، ناراضی ناپسندیدگی اور قطع تعلقی کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکتی ہے، علاوہ ازیں نیکی کے متلاشی اور اعمال خیر کے لیے کوشاں حضرات، مسلمان مردوں اور عورتوں

[1] صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ باب فضائل ام ایمن ۔ حدیث: ٢٤٥٤۔

کے درمیان صلح کی فضا پیدا کرنے کے لیے بھی' جس کے لیے اسلام نے اپنے بیٹوں کو رغبت دلائی ہے'' بے تاب نظر آتے ہیں' جب کبھی دوستوں کے درمیان فتنے کے سینگ اگتے ہیں یا شیطان بھائیوں کے درمیان پھوٹ ڈالتا ہے اور ان کے درمیان جھگڑا یا قطع تعلقی پیدا ہو جاتی ہے' ہم قبل ازیں یہ بات پڑھ چکے ہیں کہ اسلام نے دو جھگڑے ہوئے مسلمانوں کے لیے تین دنوں سے زیادہ قطع تعلقی کو حرام قرار دیا ہے:

((لَا یَحِلُّ لِرَجُلٍ أَنْ یَّھْجُرَ مُؤْمِنًا فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَیَّامٍ، فَإِذَا مَرَّتْ ثَلَاثَةُ أَیَّامٍ فَلْیَلْقَهُ فَلْیُسَلِّمْ عَلَیْهِ، فَإِنْ رَدَّ عَلَیْهِ السَّلَامَ فَقَدِ اشْتَرَکَا فِی الْأَجْرِ وَإِنْ لَمْ یَرُدَّ عَلَیْهِ فَقَدْ بَرِئَ الْمُسَلِّمُ مِنَ الْهِجْرَةِ)) [1]

''کسی شخص کے لیے جائز و حلال نہیں ہے کہ وہ کسی مومن کو تین دنوں سے زیادہ چھوڑے رکھے' جب تین دن گزر جائیں تو اسے چاہیے کہ اس سے ملے' اسے سلام کہے' اگر تو وہ سلام کا جواب دے دے تو اجر و ثواب میں دونوں شریک ہو جائیں گے اور اگر وہ اس کو سلام کا جواب نہ دے تو سلام کہنے والا ترکِ تعلق کے گناہ سے بری ہو جائے گا۔''

اور مسلمان مردوں اور عورتوں کو یہ حکم بھی دیا ہے کہ وہ دو باہم ناراض اور جھگڑے ہوئے گروہوں کے درمیان صلح کروائیں:

﴿ وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِینَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَیْنَھُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاھُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِی تَبْغِی حَتَّى تَفِیءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَیْنَھُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِینَ ﴾ (الحجرات: ٤٩/٩)

''اور اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں میل ملاپ کروا دیا کرو۔ پھر اگر ان دونوں میں سے ایک' دوسری جماعت پر زیادتی کرے تو تم سب اس گروہ سے جو زیادتی کرتا ہے لڑو' یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے' اگر لوٹ آئے تو پھر انصاف کے ساتھ صلح کرا دو اور عدل کرو۔ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''

[1] اخرجه البخاری فی الادب المفرد ١/٥٠٥ باب ان السلام یجزی من الصرم ۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب۔ باب فی هجرة الرجل اخاه، حدیث: ٤٩١٢۔

اور اسلامی معاشرے کے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو چاہیے کہ عدل و محبت اور باہمی اتفاق و اتحاد کی سیادت و قیادت کو قائم رکھیں تا کہ اخوت کی عطر بیز بارش اس کو شاداب رکھے:

﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴾ (الحجرات: ۴۹/ ۱۰)

''یاد رکھو سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں پس اپنے دو بھائیوں میں صلح کرا دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔''

مذکورہ ہدایات کی روشنی میں خاتون سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ لڑی ہوئی اور جھگڑی ہوئی بہنوں کے درمیان صلح کروائے اور میل ملاپ کروانے کی کوشش کرے صرف اور صرف دین اسلام اور دین حنیف کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے اور یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ اسلام نے جھگڑنے والے اور ایک دوسرے سے نفرت کرنے والے نفوس کو جھکانے اور مائل کرنے کے لیے اپنے اقوال میں اپنے پاس سے زائد باتیں شامل کرنے کی بھی رخصت دی ہے تا کہ سخت اور پتھر دل نرم کیے جاسکیں۔ اور یہ رخصت اس حرام جھوٹ میں شامل بھی نہیں ہوگی جس کا مرتکب گناہگار ٹھیرتا ہے۔ ہم یہ بات ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط رضی اللہ عنہا کی حدیث میں پاتے ہیں' فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

((لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِي يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ فَيَنْمِي خَيْرًا أَوْ يَقُولُ خَيْرًا))[1]

''وہ شخص جھوٹا نہیں ہے جو لوگوں کے درمیان صلح کرواتا ہے جو خیر کی خبر کو پھیلاتا ہے یا خیر کی بات کہتا ہے۔''

مسلم کی روایت میں انہوں نے یہ الفاظ زائد بیان کیے ہیں:

''میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں کی باتوں میں ماسوائے تین چیزوں کے کسی اور چیز میں (جھوٹ بولنے کی) رخصت نہیں سنی یعنی لڑائی' لوگوں کے درمیان صلح کروانا اور آدمی کا اپنی بیوی سے بات کرنا اور بیوی کا اپنے شوہر سے بات کرنا۔''[2]

---

1. صحیح بخاری، کتاب العلم، باب لیس الکذاب الذی...... حدیث: ۲۶۹۲۔ صحیح مسلم، کتاب البر و الصلة باب تحریم الکذب، حدیث: ۲۶۰۵۔
2. مسلم کتاب البر و الصلة: باب تحریم الکذب و بیان ما یباح منه۔ حدیث: ۲۶۰۵۔

عورتوں سے میل جول رکھتی ہے اور ان کی اذیتوں پر صبر کرتی ہے:

سچی عمل کرنے والی مسلمان خاتون تو صاحب فیصلہ پیغام ایزدی کی حامل اور دعوت کی قائد ہے کہ جو بڑی بڑی ذمہ داریوں کو نبھانے کے لیے کمر بستہ ہو چکی ہو اس کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے نفس کو صبر کرنے، ثابت قدم رہنے اور ان راستوں میں قربانی پیش کرنے کے لیے آمادہ کرے۔

عمل کرنے والی مسلمان خاتون کے لیے ضروری ہے کہ وہ بعض خواتین کے غلط موقف پر صبر کرے، ان کے لمبے چوڑے افعال کی خرابیوں پر، اپنے اعلیٰ ترین مشن کی بے قدری کرنے پر، اسلامی آداب واحکام کو سینے سے لگائے رکھنے کے ساتھ میدانِ دعوت میں بعض کے مذاق کرنے پر، ان کی لغو و بے ہودہ آراء پر، ان کی فکر و سوچ کی سطحیت پر، حق کی دعوت کو قبول کرنے میں سستی دکھانے پر، صرف اپنی ذات اور اپنے مفادات کے گرد گھومتے رہنے پر، ان کے کمزور اور ناسمجھی والے امور کو سرانجام دینے پر، دنیا و مافیہا کے لہو و لعب کی طرف میلان طبع رکھنے پر، اور وہ بھی آخرت کے حساب کتاب سے بے فکر رہتے ہوئے، دینی امور واحکام پر توجہ مرکوز نہ کرتے ہوئے یا ان کے علاوہ جو گھٹیا امور و ناپسندیدہ افعال اور نازیبا حرکات انسانوں سے سرزد ہوتی رہتی ہیں ان تمام پر صبر کرے۔ جن کو دیکھ کر دعوت دینے والیوں کے سینے تنگی پاتے ہیں تو ان کے اپنے نفس ہی ایسے تنگی، اکتاہٹ، تھکاوٹ اور آزردہ پن والے لمحات میں دعوت سے الگ ہونے، سمٹ جانے اور فی سبیل اللہ جدوجہد کو خیرباد کہنے کی باتیں کرتے ہیں۔ یقین جانیے ہر زمان و مکان میں دعوت پیش کرنے والے مردوں عورتوں کو ایسے ہی حالات و مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے انہی امور کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ عملاً دعوت دینے والوں کے عزائم اور حوصلوں کو مستحکم فرماتے ہیں، ان کی ڈھارس بندھاتے ہیں انھیں قدموں کو ثابت رکھنے کی تلقین کرتے ہیں اور ببانگ دہل اعلان فرماتے ہیں کہ دعوت کے پرخار اور طویل ترین راستے میں صبر کرنے والے اور صبر کرنے والیاں ان لوگوں سے جو صبر کا دامن چھوڑ بیٹھتے ہیں سے میزانِ تقویٰ اور عملِ صالح کے ترازو میں بدرجہا بہتر ہیں:

« اَلْمُؤْمِنُ الَّذِيْ يُخَالِطُ النَّاسَ وَيَصْبِرُ عَلٰى أَذَاهُمْ خَيْرٌ مِّنَ الَّذِيْ لَا يُخَالِطُ النَّاسَ وَلَا يَصْبِرُ عَلٰى أَذَاهُمْ »[1]

---

[1] بخاري في الأدب المفرد: ۱/۴۷۸ باب الذي يصبر على أذى الناس۔ ابن ماجة: ۴۰۳۲۔

''وہ مومن جو لوگوں سے میل جول رکھتا اور ان کی اذیتوں اور تکلیفوں پر صبر کرتا ہے اس سے بہتر ہے جو لوگوں سے میل جول نہیں رکھتا اور ان کی اذیتوں پر صبر نہیں کرتا۔''

رسول اللہ ﷺ اور آپ سے قبل سب انبیائے کرام علیہم السلام لوگوں کی ناسمجھیوں' ان کی الزام تراشیوں' تہمتوں اور گھٹیا باتوں پر صبر کے معاملے میں ایک مینارۂ نور ہیں' تو دعوت دینے والے مردوں اور عورتوں کو اس کی کس قدر زیادہ ضرورت و حاجت ہے' جب کبھی ان کا صبر ختم ہونے لگے' یا ان کے سینوں میں گھٹن داخل ہونے لگے بسبب ان نالائقیوں' اذیتوں اور انکاریوں کے جو وہ لوگوں کی طرف سے دیکھیں تو انھیں انبیاء کی سیرت کو مدنگاہ رکھنا چاہیے۔

اس عظیم و کبیر صبر کی مثالوں میں سے ایک مثال ملاحظہ فرمائیں جسے شیخین نے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ کچھ مال تقسیم کیا جسے آپ تقسیم فرمایا کرتے تھے' تو ایک شخص نے کہا: اللہ کی قسم! بلاشبہ یہ ایک ایسی تقسیم ہے جس سے اللہ عزوجل کی رضا مطلوب نہیں ہے۔ یہ ظلم پر مبنی بات رسول کریم ﷺ کے مبارک کانوں تک پہنچی تو آپ پر گراں گزری' آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا' خفا ہوئے اور فرمایا:

«قَدْ أُوذِيَ مُوسٰى بِأَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَصَبَرَ» [1]

''موسیٰ علیہ السلام کو اس سے بھی زیادہ اذیت دی گئی لیکن انہوں نے صبر ہی کیا۔''

ان مختصر سے الفاظ کے ساتھ رسول کریم ﷺ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور غضب کافور ہو گیا اور آپ کا کریم درگزر کرنے والا اور سخی نفس خاموش ہو گیا۔

بلاشبہ ہر زمان و مکان میں انبیا کرام اور سچے دعوت دینے والوں کا یہی شیوہ رہا ہے یعنی وہ لوگوں کی اذیتوں' تہمتوں اور لغو باتوں پر صبر کا دامن تھام کر رکھتے رہے ہیں' ویسے بھی اس کے بغیر دعوت کا سلسلہ جاری نہیں رہ سکتا' اور داعی حضرات قائم نہیں رہ سکتے۔

دعوت دینے والی ہوشمند مسلمان خاتون کی لیاقت و فطانت کم نہیں ہوتی اور وہ اپنے سامنے

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الادب، باب الصبر فی الاذی، حدیث: ٦١٠٠۔ صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب اعطاء المؤلفة قلوبهم، حدیث: ١٠٦٢۔

خطاب سننے والیوں کی نفسیات' ان کی فکری اور معاشرتی ذہنی سطح' ان کی عملی استعداد کا اندازہ لگانے میں بھی ذہانت و ذکاوت سے محروم نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنی ہر مخاطبہ کی معاشرتی سطح اور ذہنی صلاحیت کے مطابق اسلوب اختیار کرتی ہے جس سے جاذبیت اور تاثیر میں بہتر نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

احسان کی قدر کرتی اور اس پر شکریہ ادا کرتی ہے:

سچی مسلمان خاتون کی صفات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ وفادار ہوتی ہے احسان اور نیکی کی قدر کرتی ہے اور احسان کرنے والی کی خدمت میں شکرگزاری کے جذبات پیش کرتی ہے' اور پھر اس کو بھی یہی تلقین کرتی ہے وہ یہ عمل رسول کریم ﷺ کے فرمان گرامی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے کرتی ہے:

((مَنْ صُنِعَ اِلَيْهِ مَعْرُوْفٌ فَقَالَ لِفَاعِلِهٖ جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا فَقَدْ اَبْلَغَ فِي الثَّنَاءِ)) ①

"جس کے ساتھ نیکی کی جائے پھر اس نے نیکی کرنے والے سے "جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا" کہا تو اس نے تعریف وستائش میں حد کر دی۔"

اور آپ ﷺ کا یہ فرمان بھی ہے:

((مَنِ اسْتَعَاذَ بِاللّٰهِ فَأَعِيْذُوْهُ...... وَمَنْ صَنَعَ اِلَيْكُمْ مَعْرُوْفًا فَكَافِئُوْهُ)) ②

"جو اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے اسے پناہ دو اور جو تمہارے ساتھ نیکی کرے اسے بدلہ دو۔"

بلاشبہ نیکی پر شکریہ ادا کرنا سمجھدار مسلمان خاتون کے تصور وخیال میں دین کا جز ہے جس پر نبی کریم ﷺ کی سیرت وہدایت نے رغبت دلائی ہے' یہ کوئی مرضی والی معاشرتی عادت نہیں ہے کہ مختلف مزاج' خواہشات اور فائدے ومصلحتیں وغیرہ بذات خود ہی اس کے متعلق فیصلہ کر لیں۔

نیکی کرنے والی عورت' مسلمان خاتون کے عقیدے کے مطابق شکریہ کی مستحق ہے اگرچہ اس نیکی سے فوائد اور منافع بھی حاصل نہ ہوں' اس کے لیے کیا یہ کم ہے کہ اس نے خیر' بھلائی'

---

① حدیث حسن جید غریب' سنن الترمذی کتاب البر والصلة: باب (۸۷) ماجاء في الثناء بالمعروف، حدیث: ۲۰۳۵۔

② سنن ابی داوٗد کتاب الزکاۃ، باب عطیة من سأل باللّٰه عزوجل، حدیث: ۱۶۷۲ واحمد ۶۸/۲ واسناده صحیح۔

شرافت اور مروت کا سلوک کیا ہے' نیکی کے کام کو بڑھ کر سرانجام دیا ہے اس پر ہی وہ دلی شکریے کی حق دار بن رہی ہے اور اسلام مسلمان مردوں اور عورتوں سے یہی تقاضا کر رہا ہے کہ وہ عمدہ توجہ کرنے پر' مروت کو اختیار کرنے پر' نیک عمل بجالانے پر شکریہ ادا کرتے رہیں قطع نظر اس بات سے کہ اس سے کس قدر نتائج برآمد ہوئے ہیں اور اس سے کتنے منافع و مصالح حاصل ہوئے ہیں۔

اسلام کی خواہش یہ ہے کہ مسلمان کے دل میں نیکی کی قدر کرنے اور اس پر شکریہ ادا کرنے کی جڑوں کو مضبوط سے مضبوط تر بنا دے اور اس ضمن میں یہاں تک تعلیم دی ہے کہ جب تک لوگوں کی نیکیوں پر ان کے احسانات پر شکریہ ادا نہیں کرو گے تم کامل طور پر اللہ تعالیٰ کا بھی شکریہ ادا نہیں کر پاؤ گے' لہٰذا جو ذہنیت لوگوں کے احسانات اور اچھے افعال پر شکریہ ادا کرنے سے مانوس و مالوف نہیں ہے وہ تو ناشکری' ناسپاسی اور بے قدری کرنے والی ذہنیت ہے' وہ احسانات' فضائل اور اعمال خیر کی قدر نہیں جانتی اور نہ ان کا شکریہ ہی ادا کرتی ہے' تو ایسی ذہنیت اللہ تعالیٰ کی شکر گزار بھی نہیں ہوسکتی جو کہ نعمتیں فضیلتیں اور بھلائیاں عطا کرنے والی ذات ہے اور اس معنی و مفہوم میں رسول اللہ ﷺ یہ فرما رہے ہیں: «لَا يَشْكُرُ اللّٰهَ مَنْ لَّا يَشْكُرُ النَّاسَ»[1]

"جو لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا بھی شکریہ ادا نہیں کرتا۔"

بیدار ذہن مسلمان خاتون کے دل سے یہ امر مخفی نہیں رہتا کہ نیکی کرنے والے کا شکریہ ادا کرنے میں فعل خیر کی اشاعت ہے' اس کی حوصلہ افزائی ہے اور اسے مزید ترغیب بھی ہے' علاوہ ازیں اس میں انسان کو اپنے ہاتھ کی حفاظت رکھنے کی عادت سکھانا بھی ہے اور نیکی کی حوصلہ افزائی اور قدر شناسی بھی ہے۔ یہ سب باتیں ترقی یافتہ مسلمان خاتون کی عمدہ شخصیت کی غمازی بھی کرتی ہیں جن باتوں کو اسلامی معاشرے میں عام کرنے اور پھر انہی کی روشنی میں اپنی شخصیت کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کی اسلام نے ترغیب بھی دی ہے۔

وہ بیماروں کی تیمار داری کرتی ہے:

بیماروں کی تیمار داری کرنا ان مستحسن اسلامی معاشرتی عادات میں سے ایک ہے جن کے

---

[1] اخرجه البخاري في الادب المفرد ۱/ ۳۱۰ باب من لم يشكر الناس۔ سنن أبي داوٗد، كتاب الادب، باب في شكر المعروف، حديث: ۴۸۱۱۔

قواعد کو رسول اللہ ﷺ نے مضبوط اور مستحکم فرمایا ہے اور اسے مسلمان مردوں اور عورتوں پر واجب و لازم قرار دیا ہے' یہ ہر مسلمان کا اپنے بھائی پر حق ہے' اگر وہ اس میں کوتاہی کرے یا اس سے غافل رہے' تو وہ اپنی جان پر ظلم کرنے والا اور گناہ کا مرتکب ہوگا' جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس فرمان میں اس کی وضاحت فرمائی ہے:

((حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ رَدُّ السَّلَامِ وَعِيَادَةُ الْمَرِيضِ وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ وَإِجَابَةُ الدَّعْوَةِ وَتَشْمِيتُ الْعَاطِسِ)) ①

''مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں: سلام کا جواب دینا' بیمار کی عیادت کرنا' جنازے کی پیروی کرنا' دعوت کو قبول کرنا اور چھینک مارنے والے کا جواب دینا۔''

ایک دوسری روایت میں رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہے:

((حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ: قِيلَ مَاهُنَّ يَارَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: إِذَا لَقِيتَهُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ' وَإِذَا دَعَاكَ فَأَجِبْهُ وَإِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْ لَهُ وَإِذَا عَطَسَ فَحَمِدَ اللّٰهَ فَشَمِّتْهُ وَإِذَا مَرِضَ فَعُدْهُ وَإِذَا مَاتَ فَاتَّبِعْهُ)) ②

''مسلمان کے مسلمان پر چھ حقوق ہیں' عرض کی گئی: یارسول اللہ! وہ کون سے ہیں؟ فرمایا: جب تو اس سے ملے تو اسے سلام کر' جب وہ تجھے دعوت دے تو اس کی دعوت قبول کر' جب تجھ سے نصیحت طلب کرے تو اس کو نصیحت کر' جب وہ چھینک لینے کے بعد الحمدللہ کہے تو اس کی چھینک کا جواب دے' جب وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کر اور جب وہ فوت ہو جائے تو اس کے جنازے کے پیچھے چل۔''

ہدایت یافتہ مسلمان خاتون جب کسی بیمار کی تیمارداری کرتی ہے تو اسے کوئی زائد عمل یا نفل کام یا حسن سلوک کا عمل ہی شمار نہیں کرتی بلکہ وہ اسے اسلامی فریضہ شمار کرتی ہے جس پر دین حنیف نے ترغیب دی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے یوں حکم دیا ہے:

---

❶ صحیح بخاری۔ کتاب الجنائز۔ باب الامر باتباع الجنائز، حدیث: ۱۲۴۰۔ صحیح مسلم کتاب السلام۔ باب من حق المسلم علی المسلم، حدیث: ۲۱۶۲

❷ صحیح مسلم کتاب السلام: باب من حق المسلم للمسلم رد السلام۔ حدیث: ۲۱۶۲۔

((أَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَعُودُوا الْمَرِيضَ وَفُكُّوا الْعَانِي)) [1]

''بھوکے کو کھانا کھلاؤ' مریض کی عیادت کرو اور قیدی کو رہائی دلاؤ۔''

اور سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ یوں فرما رہے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا مریض کی تیمار داری کرنے کا' جنازے کے پیچھے چلنے کا' چھینک مارنے والے کا جواب دینے کا' قسم دینے والے کی قسم کو پورا کرنے کا' مظلوم کی مدد کرنے کا' دعوت دینے والے کی دعوت قبول کرنے کا اور سلام کو پھیلانے کا۔'' [2]

اپنی دینی تعلیمات سے روشناس مسلمان خاتون جب بیمار کی بیمار پرسی کرتی ہے تو اپنی عیادت میں کوئی بوجھ یا اکتاہٹ یا پریشانی نہیں پاتی کیونکہ بیماروں کو مصیبت' غم' کرب' بے چینی اور بیماری کی فضائیں گھیرے ہوتی ہیں بلکہ وہ بیماروں کی زیارت و ملاقات میں ایک مفید روحانی چستی و کیف آوری اور بہت زیادہ نفسیاتی کیف و سرور محسوس کرتی ہے' ان دونوں نعمتوں کو صرف وہی شخص محسوس کر سکتا ہے جو اس دلکش اور شاندار حدیث مبارکہ کے معانی پر غور و فکر کرتا ہے جو تیمارداری کرنے کی جلالت و شان کا تصور پیش کر رہی ہے اور جو عظیم بھلائی' ثواب اور برکات کو سموئے ہوئے ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ روز قیامت ارشاد فرمائے گا: اے ابن آدم! میں بیمار ہوا تھا تو نے میری تیمار داری نہیں کی؟ وہ کہے گا: اے میرے پروردگار! میں تیری تیمار داری کیسے کرتا حالانکہ تو تو سب جہانوں کا پروردگار اور مالک ہے؟ وہ فرمائے گا: کیا تجھے معلوم نہیں ہوا تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا تھا اور تو نے اس کی تیمار داری نہیں کی؟ کیا تجھے معلوم نہیں تھا کہ اگر تو اس کی تیمار داری کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا؟

اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا تو تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا؟ وہ کہے گا: اے میرے پروردگار! میں تجھے کھانا کیسے کھلاتا جبکہ تو تو رب العالمین ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

---

1. صحيح بخاري، كتاب الاطعمة، باب (كلوا من طيبات ما رزقناكم) حديث: ٥٦٤٩

2. صحيح بخاري، كتاب الجنائز، باب الامر باتباع الجنائز، حديث: ١٢٣٩ـ صحيح مسلم۔ كتاب اللباس۔ باب تحريم استعمال اناء الذهب والفضة حديث: ٢٠٦٦۔

کیا تجھے علم نہیں ہے کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا طلب کیا تھا اور تو نے اسے کھانا نہیں کھلایا؟ کیا تجھے معلوم نہیں اگر تو اسے کھانا دیتا تو اسے میرے پاس پالیتا؟

اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی طلب کیا تھا لیکن تو نے مجھے پانی نہیں پلایا؟ وہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! میں تجھے پانی کیسے پلاتا حالانکہ تو تو رب العالمین ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا لیکن تو نے اسے پانی نہیں دیا۔ کیا تجھے معلوم نہیں ہے اگر تو اسے پانی پلا دیتا تو آج اسے میرے پاس پالیتا؟''[1]

واہ رے عیادت تیری کتنی شان ہے! ارے زیارت تیرا کتنا عظیم مقام ہے! یہ کتنا عظیم ترین عمل ہے جو ایک مسلمان خاتون اپنی کمزور مریض بہنوں کے سامنے ادا کرتی ہے' تو جب یہ اپنے رب العزت کے حضور کھڑی ہوگی تو اس کا یہ عظیم عمل شہادت دے گا اور پھر اسے اجر جزیل عطا فرمایا جائے گا۔ کیا اس سے بھی بڑھ کر' عظیم تر اور بابرکت کوئی دوسری زیارت اور ملاقات ہے جسے آسمانوں اور زمینوں کا مالک بابرکت فرما رہا ہے' اس کی شان وعظمت کو بیان فرما رہا ہے اور جس پر ترغیب دے رہا ہے؟

اور یہ کتنی بڑی بدبختی ہوگی جو اس عیادت سے تہی دامن رہنے والی خاتون کو گھیر لے گی!! یہ کس قدر بڑا خسارہ ہوگا جو اس عورت پر اترے گا!! وہ کتنا گھناؤنا مواخذہ ہوگا جس کا رب العزت تمام گواہوں کے روبرو اعلان فرمائیں گے!

> ''اے آدم کے صاحبزادے! میں بیمار ہوا تھا لیکن تو نے میری عیادت نہ کی! کیا تجھے معلوم نہیں ہوا تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا اور تو نے اس کی عیادت نہ کی؟ کیا تجھے معلوم نہیں تھا کہ اگر تو اس کی تیمارداری کرتا تو تو مجھے اس کے پاس پاتا؟

پھر وہ خیال کتنا بھیانک ہوگا جو اس ندامت' خسارے اور شرمندگی کا تصور دلا رہا ہے جو اپنی بیمار بہن کی عیادت سے پیچھے رہنے والی اور کوتاہی کی مرتکب ہونے والی کے دل میں چبھے گی' اور وہ وقت پچھتانے کا وقت نہیں ہوگا۔

اسلامی معاشرے میں یقیناً مریض شدت' سختی اور الم وکرب کے لمحات میں یہ محسوس کرتا ہے کہ

---

[1] صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب فضل عیادة المریض ـ حدیث: ٢٥٦٩

ہ تنہا نہیں ہے کیونکہ عیادت کرنے والوں کے نیک جذبات اس کے گرد رہتے ہیں اور ان کی عائیں اسے ڈھانپے رکھتی ہیں جو اس کی پریشانی اور مصیبت کو کسی حد تک ہلکا کیے رکھتی ہیں اور یہ نسانی ترقی کی بلندترین کوہان ہے اور انسانی جذبات کی بلندی کی چوٹی ہے' تاریخ انسانی میں کوئی مت اس محبت کی سیرابی سے آشنا نہیں ہوئی ہے بلکہ اس معاشرتی ہمدردی کو صرف امت اسلام ی نے متعارف کروایا ہے۔

مغرب میں مریض انسان بعض اوقات تو صرف اس ہسپتال کو پاتا ہے جس میں وہ داخل ہوتا ہے اور اس طبیب کو پاتا ہے جو اس کو طبی امداد اور ادویات دیتا ہے لیکن بہت ہی کم ایسا ہوتا ہے کہ وہ کوئی محبت و پیار کی تھپکی پائے' کوئی صحت مند بول سنے' دل کو خوش کرنے والی مسکراہٹ دیکھے' کوئی دل سے نکلنے والی دعا سن پائے' یا کوئی سچی روحانی مشارکت محسوس کر سکے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ مادی فلسفے نے اہل مغرب کی زندگی کو ڈھانپ رکھا ہے جس نے انسانی محبت کی نورانیت کو بجھا کر رکھ دیا ہے' اس نے بھائی چارے کے شفاف شعور کو چھپا ڈالا ہے اور انسان کو ماسوائے مادی احساسات کے عمل خیر اور بھلائی کے فعل سے اوجھل کر دیا ہے۔

بلاشبہ مغربی انسان مریض کی عیادت کرنے کے لیے کوئی احساس ہی نہیں رکھتا' بجز اس کے کہ اسے اس مریض سے جلد یا بدیر کوئی ذاتی اور مادی نفع ملنے کی امید ہو' جبکہ ہم مسلمان انسان کو مریض کی عیادت کرنے کے سلسلے میں بے چین دیکھتے ہیں کیونکہ وہ اس اجر وثواب کی امید میں کشاں کشاں چلا آتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر اس شخص کے لیے تیار کر رکھا ہے جو بھی اس راستے میں اپنے قدموں کو غبار آلود کر لیتا ہے۔ اس سلسلے میں نصوص و دلائل بہت زیادہ ہیں جو نفس و قلب میں بھائی چارے کے شعور و احساس کے سرچشمے جاری کر دیتے ہیں اور مسلمان انسان کو دل کی گہرائیوں سے مریض کی ملاقات کے لیے چلا دیتے ہیں' ان نصوص میں سے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان گرامی بھی ہے:

((اِنَّ الْمُسْلِمَ اِذَا عَادَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ لَمْ يَزَلْ فِيْ خُرْفَةِ الْجَنَّةِ حَتّٰى يَرْجِعَ))[1]

''بے شک مسلمان آدمی جب اپنے کسی مسلمان بھائی کی عیادت کرتا ہے تو وہ واپس

[1] صحیح مسلم کتاب البر والصلة، باب فضل عیادة المریض، حدیث : ٢٥٦٨۔

آنے تک جنت کے باغوں میں پھل چنتا ہے۔''

اور آپ ﷺ کا یہ فرمان اقدس بھی ہے:

((مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَعُودُ مُسْلِمًا غُدْوَةً إِلَّا صَلَّى عَلَيْهِ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ حَتَّى يُمْسِيَ وَإِنْ عَادَهُ عَشِيَّةً إِلَّا صَلَّى عَلَيْهِ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ حَتَّى يُصْبِحَ وَكَانَ لَهُ خَرِيفٌ فِي الْجَنَّةِ)) [1]

''کوئی بھی مسلمان کسی مسلمان کی صبح کے وقت عیادت نہیں کرتا مگر ستر ہزار فرشتے شام ہونے تک اس کے لیے دعائیں کرتے رہتے ہیں اور اگر وہ شام کے وقت عیادت کرتا ہے تو ستر ہزار فرشتے صبح ہونے تک اس کے لیے مغفرت کی دعائیں کرتے رہتے ہیں اور اس کے لیے جنت میں اس کے نام کا ایک باغ لگ جاتا ہے۔''

بے شک رسول اللہ ﷺ کی باخبر اور تیز بصیرت نفس انسانی کے متعلق یہ ادراک رکھتی تھی کہ مریض کی عیادت کرنے کا مریض کی نفسیات پر اور اس کے اہل خانہ پر کیا اثر مرتب ہوتا ہے' یہی وجہ تھی کہ آپ ﷺ بیماروں کی عیادت کرنے میں سستی و کوتاہی بھی نہ آنے دیتے تھے اسی طرح انہیں دعاؤں اور غمگساری پر مبنی رقت آمیز کلمات سنانے میں بھی کوئی کمی نہ کرتے تھے حتیٰ کہ آپ کا نفس مبارک اس قدر بلند تھا کہ وہ آپ کے قدموں کو اس یہودی بچے کی تیمارداری کرنے کی طرف بھی چلاتا تھا جو آپ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ اس ضمن میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ یہ فرماتے ہیں:

''یہودی بچہ جو نبی اکرم ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا بیمار ہو گیا تو نبی اکرم ﷺ اس کی تیمارداری کرنے کے لیے تشریف لائے اس کے سر کے پاس بیٹھے اور اسے فرمایا: مسلمان ہو جا' اس بچے نے اپنے باپ کی طرف دیکھا جو اس موقع پر اس کے پاس ہی کھڑا تھا' وہ بولا: ابوالقاسم کی بات مان لے' چنانچہ وہ اسلام لے آیا' تو نبی اکرم ﷺ یہ فرماتے ہوئے گھر سے باہر نکلے:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَنْقَذَهُ مِنَ النَّارِ)) [2]

''اس اللہ کا شکر ہے جس نے اسے آگ سے بچا دیا ہے۔''

---

1. سنن ترمذی، کتاب الجنائز، باب ماجاء في عيادة المريض، حديث ٩٦٩۔
2. صحیح بخاری، کتاب الجنائز باب هل يعرض على الصبي الاسلام؟ حديث: ١٣٥٦۔

نبی اکرم ﷺ نے اس موقع کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دیا جب کہ آپ اس بیمار یہودی کے بچے کی عیادت فرما رہے تھے کہ آپ نے اسے دعوت اسلام پیش فرمائی' کیونکہ آپ اس حقیقت کا ادراک فرما رہے تھے کہ آپ کی تشریف آوری سے بچے کے دل اور اس کے باپ کے دل میں نہایت ہی گہرا اثر ہو رہا ہے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے اپنے کرم' فضل' مہربانی اور حسن کردار سے ڈھانپ لیا تھا' پھر وہ دونوں ہی رسول اللہ ﷺ کی بات کو مان لیتے ہیں اور یہ عیادت ہدایت کا پھل پیش کر رہی ہے اور رسول اللہ ﷺ اس ہدایت کے ساتھ ہی گھر سے باہر تشریف لے جاتے ہیں اور آپ کی زبان مبارک اللہ تعالیٰ کی تعریفوں میں مصروف نظر آتی ہے جس کی تشریف آوری نے ایک جان کو آگ سے بچا دیا ہے' رسول مکرم ﷺ کتنے عظیم انسان ہیں! اور آپ کس قدر ماہر حکیم دعوت دینے والے ہادی ہیں! رسول مکرم ﷺ نے عیادتِ مریض کی عزت افزائی اور اہتمام فرمانے کے حوالے سے چند اصول اور سنتیں بھی متعین فرمائی ہیں' جنہیں صحابہ کرام نے آپ سے یاد کیا ہے اور سنت مطہرہ نے انہیں قلمبند کیا ہے۔

ان میں سے ایک یہ ہے کہ مریض کے سر کی جانب بیٹھا جائے جیسے کہ ہم نے یہودی بچے کی عیادت کے حوالے سے دیکھ لیا ہے اور جس طرح کہ اسی بات کی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنے اس بیان سے ہمیں خبر دے رہے ہیں:

''نبی اکرم ﷺ جب کسی مریض کی عیادت کو تشریف لے جاتے تو اس کے سر کی جانب بیٹھتے پھر سات مرتبہ یہ پڑھتے:

«اَسْأَلُ اللّٰهَ الْعَظِيمَ' رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ' أَنْ يَّشْفِيَكَ» [1]

''میں اللہ عظیم و برتر سے سوال کرتا ہوں' میں عرش عظیم کے مالک سے سوال کرتا ہوں کہ وہ تجھے شفا عطا فرمائے۔''

ان میں سے ایک اصول یہ ہے کہ اپنے دائیں ہاتھ کو مریض کے جسم پر پھیرا جائے اور مریض کو دعائیں دی جائیں جیسے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

---

[1] اخرجه البخاري في الادب المفرد ١/ ٦٣٣ باب این یقعد العائد ۔ سنن ابی داؤد۔ کتاب الجنائز۔ باب الدعاء للمریض عند العیادة ، حدیث: ٣١٠٦۔

''نبی اکرم ﷺ اپنے کسی گھر والے کی عیادت فرماتے تو اپنے دائیں ہاتھ کو اس پر پھیرتے اور یہ پڑھتے:

((اَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّاسِ، أَذْهِبِ الْبَأْسَ اِشْفِ اَنْتَ الشَّافِي لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُكَ شِفَاءً لَّا يُغَادِرُ سَقَمًا)) [1]

''اے لوگوں کے پروردگار! اس بیماری کو دور کر دے اور شفا عطا فرما' تو ہی شفا دینے والا ہے' تیری شفا کے علاوہ کوئی شفا ہی نہیں ہے' ایسی شفا عطا فرما جو کسی بیماری کو باقی نہ چھوڑے۔''

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک اعرابی کی عیادت کرنے کیلئے اس کے پاس گئے تو آپ ﷺ جب کسی کی عیادت کیلئے اندر تشریف لے جاتے تو یہ فرماتے:

((لَا بَأْسَ طَهُوْرٌ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ)) [2]

''گھبراؤ نہیں' ان شاء اللہ یہ بیماری تیرے گناہوں کو پاک کرنے والی ہے۔''

بلاشبہ وہ مسلمان خاتون جس کے خیالات و جذبات کو اسلام نے جلا بخشی ہے اور جس کے دل میں عمدہ ترین انسانیت کے چشمے جاری کیے ہیں' جب بھی کسی مریض کے متعلق سنتی ہے تو اس کی عیادت کرنے میں جلدی کرتی ہے نہ تاخیر کرتی ہے' نہ بوجھ محسوس کرتی ہے اور نہ کوئی بہانہ ہی تراشتی ہے' اس لیے کہ وہ اس عیادت کے عظیم ترین معانی اور مفاہیم کو اپنے دل و دماغ کی گہرائیوں میں محسوس کرتی ہے جن کا حدیث رسول ﷺ کی صحیح نصوص نے اس کو تصور دیا ہے اور اسلام کے ابتدائی سنہرے دور میں اعلیٰ و برتر خواتین نے جن پر عمل کر کے دکھایا ہے' ایسا عمل جو قابل ستائش اور عمدہ ترین تھا' انہوں نے صرف مستورات کی عیادت پر ہی اکتفا نہیں کیا تھا بلکہ مردوں کی عیادت بھی کیا کرتی تھیں جو کہ پردہ داری' عزت و حشمت اور فتنے سے امن کے دائرے میں ہوتی تھی۔

---

1. صحیح بخاری، کتاب الطب، باب رقیة النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث: ۵۷۴۳۔ صحیح مسلم۔ کتاب السلام۔ باب استحباب رقیة المریض۔ حدیث: ۲۱۹۱۔
2. صحیح بخاری کتاب المرضی: باب عیادة الاعراب۔ حدیث ۵۶۵۶۔

صحیح بخاری میں ہے کہ سیدہ ام درداء رضی اللہ عنہا نے اہل مسجد میں سے ایک انصاری آدمی کی تیمارداری کی۔

اس میں یہ بھی ہے: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی' مالک سے' ہشام بن عروہ سے' وہ اپنے باپ سے اور وہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے' انہوں نے فرمایا: ''جس وقت رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو سیدنا ابوبکر اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو بخار ہو گیا' کہتی ہیں: میں ان کے پاس گئی' میں نے عرض کی: ابا جان! آپ کی طبیعت کیسی ہے؟ اے بلال! تم اپنے آپ کو کیسا پا رہے ہو؟''[1]

بلاشبہ صدرِ اسلام میں مسلمان خاتون نے مریض کی عیادت کرنے کا مفہوم سمجھ لیا تھا اور جو سکے در پردہ باہمی صلہ رحمی' باہمی محبت' پیار اور میل ملاپ کے جذبے تھے ان کا بھی ادراک کر لیا تھا' اسی لیے تو وہ اس عمدہ اور اعلیٰ فریضے کی طرف جلدی کرتی تھی' دوبارہ ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑتی تھی' غمگین ومحزون شخص کے آنسو پونچھتی تھی' کرب و پریشانی کی تہوں کو ہٹاتی تھی' اخوت کے رشتوں کو مضبوط بناتی تھی' محبت ومودت کے سرچشموں کو جاری کرتی تھی اور پریشان حال آدمی کے نفس کو تسلی دیتی تھی۔ دورِ حاضر کی مسلمان خاتون کی بھی یہی عادت ہونی چاہیے کہ وہ بھی اس قابل ستائش انسانی اسلامی سنت کو زندہ کرنے کے لیے انہی جذبات سے معمور ہو جائے۔

میت پر نوحہ خوانی نہیں کرتی:

اپنے دینی احکام کو یاد رکھنے والی' اس کی حکیمانہ ہدایات سے فیض یاب ہونے والی مسلمان خاتون صاحب بصیرت' متوازن اور اعتدال پسند ہوتی ہے' جب کبھی اسے کسی پیارے کی موت کا رنج لاحق ہوتا ہے تو رنج وغم اس کی راہ راست کو چھینتا نہیں ہے اور نہ اس کا اپنے نفس پر کنٹرول ہی ختم ہوتا ہے' جس طرح کہ جاہل جزع وفزع کرنے والی اور کم عقل مستورات کا حال ہوتا ہے بلکہ وہ صبر کا دامن تھام کر رکھتی اور ثواب کی امید رکھتی ہے' بلکہ وہ ان مشکل ترین لمحات میں بھی اور اپنے دیگر حالات میں بھی اسلامی ہدایات کو اختیار کیے رکھتی ہے۔

وہ میت پر بالکل نوحہ خوانی نہیں کرتی' کیونکہ نوحہ خوانی مسلمانوں کے اعمال میں سے نہیں ہے بلکہ یہ تو صرف کفار کے اعمال اور زمانہ جاہلیت کی عادات میں سے ہے۔ نوحہ خوانی کی

[1] صحیح بخاری کتاب المرضی: باب عیادۃ النساء الرجال ، حدیث: ٥٦٥٤

حرمت کی شدت کو بیان کرنے میں نصوص کتاب و سنت میں سخت الفاظ استعمال ہوئے ہیں حتیٰ کہ ان میں کفر تک کے الفاظ بھی وارد ہیں:

((اِثْنَتَانِ فِي النَّاسِ هُمَا بِهِمْ كُفْرٌ: اَلطَّعْنُ فِي النَّسَبِ وَالنِّيَاحَةُ عَلَى الْمَيِّتِ)) ①

''لوگوں میں دو کام ایسے ہیں جو کفریہ کام ہیں: نسب میں طعنہ زنی کرنا' اور میت پر نوحہ خوانی کرنا۔''

بلکہ رسول اللہ ﷺ نے نوحہ کرنے والے مردوں اور عورتوں کو اور مردے کے محاسن بیان کرکے رونے والے مردوں اور عورتوں کو اپنے اس فرمان گرامی سے مسلمانوں کے گروہ سے ہی نکال دیا ہے:

((لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ اَوْ شَقَّ الْجُيُوْبَ اَوْ دَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ)) ②

''وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جس نے رخساروں کو پیٹا' یا گریبان کو چاک کیا یا جاہلیت کے بول بولے۔''

اپنے دینی احکامات کی بصیرت رکھنے والی مسلمان خاتون اس امر پر یقین و ایمان رکھتی ہے کہ موت برحق ہے اور جو کوئی بھی اس زمین پر موجود ہے اسے فنا ہونا ہے اور یہ زندگی تو آخرت کے لیے ایک گزرگاہ ہے جہاں پر رب العالمین کے حضور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہنا ہے' یہی وجہ ہے کہ اس حماقت پر مبنی جزع وفزع کرنے کا کوئی معنی نہیں ہے جس میں انسان اپنا توازن کھو بیٹھتا ہے' اپنے حواس گم کر بیٹھتا ہے کہ وہ اپنے منہ پر طمانچے مارتا ہے' اپنے کپڑے پھاڑتا ہے' ہائے وائے پکارتا ہے اور مردے کے محاسن بیان کرکر کے واویلا مچاتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس حکم شرعی کو سمجھ چکے تھے' حالانکہ وہ دور جاہلیت سے نئے نئے باہر نکلے

---

① مسلم، كتاب الايمان' باب اطلاق الكفر على الطعن في النسب والنياحة، حديث: ٦٧۔

② صحيح بخاری، كتاب الجنائز۔ باب ليس منا من شق الجيوب، حديث: ١٢٩٤۔
صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب تحريم ضرب الخدود، حديث: ١٠٣۔

تھے وہ اپنی خواتین کو مردے کے محاسن بیان کرکے رونے سے' نوحہ کرنے سے' واویلا مچانے سے اور کپڑے پھاڑنے سے روکا کرتے تھے' جیسا کہ زمانہ جاہلیت کی عورتیں کیا کرتی تھیں اس امر کی وضاحت کیا کرتے تھے کہ اسلام جاہلیت کے اعمال کو قبول نہیں کرتا' اور اس بات پر کبھی راضی نہیں ہوتا کہ وقتاً فوقتاً اس دور کے افعال تازہ کیے جائیں بلکہ وہ تو ان اعمال و افعال سے اس طرح اظہار براءت کیا کرتے تھے جس طرح رسول اللہ ﷺ اظہار براءت کیا کرتے تھے۔

سیدنا ابو بردہ بن ابوموسیٰ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو درد ہوا تو آپ پر غشی طاری ہوگئی' اس وقت آپ کا سر اہل خانہ میں سے کسی خاتون کی گود میں تھا' اہل خانہ میں سے ایک خاتون چلانے لگی تو آپ کو اس وقت اسے جواب دینے کی کوئی ہمت نہ تھی جب افاقہ ہوا تو فرمایا:

((أَنَا بَرِيءٌ مِمَّا بَرِئَ مِنْهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَإِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ بَرِئَ مِنَ الصَّالِقَةِ وَالْحَالِقَةِ وَالشَّاقَّةِ))[1]

''میں بھی اس سے اظہار براءت کرتا ہوں جس سے رسول اللہ ﷺ بیزار تھے' بلاشبہ رسول اللہ ﷺ مصیبت کے وقت واویلا کرنے والی سے' مصیبت کے وقت اپنے بال منڈوانے والی سے اور مصیبت کے وقت اپنے کپڑے پھاڑنے والی سے بیزار تھے۔''

جہاں پر اسلام نے جاہلیت کے احمقانہ افعال مثلاً رخساروں پر طمانچے مارنا' کپڑے پھاڑنا' نوحہ خوانی کرنا اور مردے کے محاسن و محامد کو بآواز بلند بیان کرتے ہوئے رونا وغیرہ کو حرام قرار دیا ہے وہاں دل سے اٹھنے والے غم و حزن کا اور سفر آخرت پر روانہ ہونے والے محبوب کی جدائی پر آنکھوں سے جاری ہونے والے آنسوؤں کا اقرار بھی کیا ہے' کیونکہ یہ سب امور ان انسانی شرعی جذبات محبت میں سے ہیں جو دلوں میں مستور و موجود ہوتے ہیں اور اس صاف شفاف ربانی رحمت میں سے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے دلوں میں بو دیا ہے۔ ان امور کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول و فعل سے اس طرح تعبیر فرمایا ہے:

سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں: ہم نبی اکرم ﷺ کے پاس موجود تھے کہ

[1] صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب تحریم ضرب الخدود و شق الجیوب، ح: ۱۰۴۔

آپ کی ایک صاحبزادی نے آپ کو پیغام بھیجا جو آپ کو بلا رہی تھی اور آپ کو اطلاع کر رہی تھی کہ اس کا برخوردار موت کی کشمکش میں ہے' تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس کے پاس جا اور اسے بتا:

« إِنَّ لِلَّهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطَى وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى »

''بے شک اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو اس نے لے لیا اور اسی کے لیے ہے جو اس نے دیا اور ہر چیز اس کے پاس وقت مقررہ کے ساتھ ہے۔''

اسے حکم کرو:

« فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ »

''کہ وہ صبر سے کام لے اور ثواب کی امید رکھے۔''

قاصد دوبارہ آیا اور کہنے لگا: کہ اس نے قسم ڈالی ہے کہ آپ اس کے پاس ضرور تشریف لائیں۔ راوی کہتا ہے: تب رسول اللہ ﷺ اٹھے اور آپ کے ساتھ سیدنا سعد بن عبادہ اور سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما بھی اٹھے اور میں بھی ان کے ساتھ چل دیا' بچے کو نبی اکرم ﷺ کی طرف اٹھایا گیا اس وقت اس سے ایسی آواز نکل رہی تھی جیسے خالی مشکیزے میں پانی ڈالنے کی آواز آتی ہے تو آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تو سعد رضی اللہ عنہ بول پڑے: یا رسول اللہ! یہ کیا ہے؟ فرمایا:

« هٰذِهِ رَحْمَةٌ جَعَلَهَا اللّٰهُ فِي قُلُوبِ عِبَادِهِ وَإِنَّمَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَاءَ »[1]

''یہ وہ رحمت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ اپنے رحم کرنے والے بندوں پر ہی رحم کرتا ہے۔''

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے' تو رسول اللہ ﷺ ان کی عیادت کے لیے چلے' عبدالرحمٰن بن عوف' سعد بن ابی وقاص اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم بھی ہمراہ چلے۔ جب ان کے ہاں پہنچے تو انہیں غشی میں پایا' آپ ﷺ نے پوچھا: کیا فوت ہو چکا ہے؟

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب الجنائز۔ حدیث: ۱۲۷٤۔ صحیح مسلم کتاب الجنائز: باب البکاء علی المیت۔ حدیث: ۹۲۳۔

وہ بولے: نہیں یارسول اللہ! تب رسول اللہ ﷺ رونے لگے جب لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کا رونا دیکھا تو وہ بھی رونے لگے تب فرمایا: ''کیا تم سن نہیں رہے؟ بے شک اللہ تعالیٰ آنکھ کے آنسوؤں اور دل کی غمی پر عذاب نہیں کرتا لیکن وہ تو اس کے ساتھ عذاب کرتا ہے..... اور ساتھ ہی اپنی زبان کی طرف اشارہ کیا...... یا رحم کرتا ہے۔''

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے جگر گوشے سیدنا ابراہیم کے پاس آئے اس وقت وہ جان کنی کے عالم میں تھے' رسول اللہ ﷺ کی دونوں آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تو عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے آپ سے عرض کی: یارسول اللہ آپ بھی!!؟ تو فرمایا: ''اے عوف کے بیٹے! بلاشبہ یہ تو رحمت ہے'' پھر اس کے پیچھے اور آنسو بہائے اور فرمایا:

((إِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ يَحْزَنُ وَلَا نَقُولُ إِلَّا مَا يُرْضِي رَبَّنَا وَإِنَّا لِفِرَاقِكَ يَا إِبْرَاهِيمُ لَمَحْزُونُونَ))[1]

''بلاشبہ آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل غمی کا اظہار کرتا ہے اور ہم نہیں کہتے مگر وہی الفاظ جو ہمارے رب کو خوش کر دیں' اور بلاشبہ ہم اے ابراہیم! تیری جدائی پر غمگین ہیں۔''

بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے آنکھوں کے آنسوؤں کو بہانے کے ذریعے غمی کے اظہار کا راستہ برقرار رکھا ہے' کیونکہ کوئی بھی انسان مصیبت کے وقت کو برداشت کرنے اور اس کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں پاتا' اس کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ نے غمی کی آگ کو بھڑکانے والے ہر فعل سے منع فرما دیا ہے اور یہ بات یاد رہے کہ مہربانی اور تعلق داری کے آنسو اور اعتدال کا رونا غمی کے انگاروں کو ٹھنڈا کرنے بلکہ بجھانے پر مدد کرتا ہے' رنج و الم کی حرارت کی شدت کو ہلکا کرنے میں معاون ثابت ہوتا ہے' مصیبت کے واقع ہونے پر اسے معمولی و کم درجہ بنانے میں کام دیتا ہے' جبکہ مردے کے محاسن و محامد کو بیان کرتے ہوئے رونا' نوحہ خوانی کرنا' واویلا کرنا' چیخنا چلانا اور اسی طرح کے دیگر جاہلی اعمال غموں کی شعلہ زنی کو مزید بھڑکاتے ہیں' رنج و الم کی آگ کو تیز کرتے ہیں' نفوس میں بے قراری' بے صبری اور کمزوری کو بڑھاتے ہیں یہ تو وہ اعمال تھے جو لوگ

---

[1] صحيح بخاری، كتاب الجنائز، باب قول النبی ﷺ "انابك لمحزونون" حديث: ١٣٠٣۔
صحيح مسلم، كتاب الفضائل۔ باب رحمته ﷺ وسلم الصبيان والعيال، حديث: ٢٣١٥۔

زمانہ جاہلیت میں کیا کرتے تھے' بلکہ وہ ان اعمال کو سرانجام دینے کی وصیت کر جایا کرتے تھے' تو پسماندگان میت پر نوحہ خوانی کیا کرتے' میت کے شمائل اور محاسن شمار کر کر کے روتے اور مصیبت و پریشانی کو ہولناک اور دہشت ناک بنا دیتے تھے' اس ضمن میں طرفہ بن العبد کے یہ اشعار ہیں[1]:

فَإِنْ مُتُّ فَانْعَيْنِي بِمَا أَنَا أَهْلُهُ
وَشُقِّي عَلَيَّ الْجَيْبَ يَابْنَةَ مَعْبَدِ

''اگر میں مر جاؤں تو میری خوب تشہیر کرنا جس کا میں اہل ہوں اور اے معبد کی بیٹی! میرے غم میں اپنا گریبان بھی چاک کر ڈالنا۔''

وَلَا تَجْعَلِينِي كَامْرِئٍ لَيْسَ هَمُّهُ
كَهَمِّي وَلَا يُغْنِي غَنَائِي وَمَشْهَدِي

''اور مجھے اس آدمی کی طرح نہ بنا دینا جس کا غم میرے غم کی طرح نہیں ہے اور زندگی میں میری دولت مندی اور اجتماع گاہوں میں میری حاضری میرے کام نہیں آئے گی۔''

یہ سب چیزیں ایسی ہیں جنہیں اسلام نے حرام قرار دیا ہے بلکہ ان کی حرمت میں سخت الفاظ استعمال کیے ہیں' کیونکہ ان میں انسانی قوت و طاقت کی تباہی' اللہ رحمٰن کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے بجائے مخالفت اور شیطانی فتنے اور گمراہی کے دروازے کھولنے کی غلط کاریاں عیاں ہیں' اور رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں واضح اشارہ فرمایا ہے جسے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے' کہتی ہیں:

''جس وقت ابوسلمہ فوت ہو گئے تو میں نے کہا: وطن سے دور مسافر' اجنبی سرزمین میں' میں اس پر یقیناً ایسا روؤں گی کہ اس کا چرچا کیا جائے گا' چنانچہ میں نے اس پر رونے کی زبردست تیاری کر لی' مدینہ کی بالائی آبادی سے ایک عورت آئی' جو نوحہ خوانی میں میری مدد کرنا چاہتی تھی کہ راستے میں اسے رسول اللہ ﷺ ملے، آپ نے فرمایا:

''کیا اس گھر میں شیطان کو پھر داخل کرنا چاہتی ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اسے

[1] معلقہ طرفہ: ۹۳' ۹۴ وانظر كتاب طرفة بن العبد: حياته وشعره لمولف هذه الكتاب ص ۱۲۶۔

دوبارہ نکال دیا[1] ہے۔"[2]

چنانچہ یہ سن کر میں بھی رونے سے باز آ گئی' پھر میں نہ روئی۔"

رسول اللہ ﷺ خواتین کے حوالے سے بالخصوص نوحہ خوانی کی حرمت کو بیان کیا کرتے تھے حتیٰ کہ جس وقت آپ عورتوں سے بیعتِ اسلام لیتے تھے تو ان سے یہ عہد بھی لیتے تھے کہ نوحہ خوانی کو حرام سمجھنا ہے اور اس سے دور رہنا ہے' اور یہ بات اس حدیث مبارکہ میں وارد ہے جسے شیخین نے ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے:

((اَخَذَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَعَ الْبَيْعَةِ اَلَّا نَنُوْحَ))[3]

"رسول اللہ ﷺ نے بیعت کیساتھ ہم سے یہ عہد بھی لیا کہ ہم نوحہ خوانی نہیں کریں گی۔"

اور صحیح مسلم کی سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی دوسری روایت میں یہ بھی ہے' فرماتی ہیں جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

﴿ يُبَايِعْنَكَ عَلٰى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا، وَّلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ ﴾

(الممتحنة: ٦٠/١٢)

"وہ عورتیں آپ سے بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی...... اور کسی امر شرعی میں تیری بے حکمی نہ کریں گی۔"

---

[1] دوبار نکالنے میں پہلی مرتبہ وہ ہے جس وقت سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی روح پرواز کر جانے پر اس کے اہل خانہ زور زور سے چلا اٹھے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا تھا:

لَا تَدْعُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ اِلَّا بِخَيْرٍ فَاِنَّ الْمَلَائِكَةَ يُؤَمِّنُوْنَ عَلٰى مَا تَقُوْلُوْنَ

"تم اپنے نفسوں پر بجز خیر کے کوئی لفظ نہ بولو' کیونکہ ملائکہ ان باتوں پر آمین کہتے ہیں جو تم کہتے ہو۔"

پھر آپ نے خود بھی سیدنا ابوسلمہ کے لیے دعائے خیر فرمائی تھی۔

اور دوسری مرتبہ وہ ہے جس وقت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند پر زبردست رونے کا پروگرام بنا لیا تھا پھر اس سے باز آ گئی تھی۔

[2] صحيح مسلم كتاب الجنائز، باب ما يقال عند المريض، حديث : ٩١٩۔

[3] صحيح بخاری، كتاب الجنائز، باب ما ينهى من النوح و البكاء حديث: ١٣٠٦ و صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب تحريم النياحة، حديث : ٩٣٦۔

فرماتی ہیں: نوحہ خوانی بھی اسی میں شامل تھی۔ ①

اور نبی اکرم ﷺ نے نوحہ کرنے والی کو اگر وہ توبہ کیے بغیر ہی مر جائے اس بات کی وعید بھی سنائی ہے کہ وہ روز قیامت ڈراونی' بدشکل اور ذلت آمیز صورت میں اٹھائی جائے گی کہ اس نے گندھک کی سیاہ شلوار اور خارش کی قمیص پہنی ہوگی۔

« اَلنَّائِحَةُ إِذَا لَمْ تَتُبْ قَبْلَ مَوْتِهَا تُقَامُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَعَلَيْهَا سِرْبَالٌ مِّنْ قَطِرَانٍ وَدِرْعٌ مِّنْ جَرَبٍ » ②

''نوحہ کناں خاتون اگر وہ اپنی موت سے قبل توبہ نہ کرسکی تو وہ قیامت کے دن اس حال میں کھڑی کی جائے گی کہ اس پر گندھک کی شلوار اور خارش کی قمیص ہوگی۔''

اور رسول اللہ ﷺ نے اسے رحمت کے فرشتوں سے دور ہونے اور ان کی دعاؤں کی محرومی سے بھی ڈرایا ہے جب تک وہ نوحہ خوانی پر اور غموں کو برانگیختہ کرنے پر مصر رہے گی اور یہ بات اس روایت میں موجود ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے:

« لَا تُصَلِّي الْمَلَائِكَةُ عَلَى نَائِحَةٍ وَلَا مُرِنَّةٍ » ③

''نوحہ کرنے والی اور زور زور سے رونے والی کیلئے فرشتے خیر و برکت کی دعا نہیں کرتے۔''

نوحہ خوانی کرنے' واویلا کرنے' مردے کے محاسن کو بیان کرتے ہوئے رونے اور گریبان چاک کرنے کی اور ان جیسے دیگر جاہلی اعمال کرنے کی قطعی حرمت کو بیان کرنے والی واضح اور صریح ہدایت کے ہوتے ہوئے مسلمان پرہیزگار خاتون کو اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں رہتا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کے حکموں کے سامنے سر تسلیم خم کردے اور پیکر تسلیم و رضا بن جائے اور اپنے اسلام کے حسن کو اور اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر پر اپنے ایمان رکھنے کی صفائی ستھرائی کو مخدوش کرنے والے ہر کام سے دور رہے۔ بس اسی پر اکتفا کرنا ہی اسے کافی نہیں بلکہ اسے چاہیے کہ لاعلم اور جاہل مستورات کو بھی اللہ تعالیٰ کی شریعت اور نوحہ خوانی سے دور رہنے

---

❶ صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب تحريم النياحة، حديث: ٩٣٧۔

❷ صحيح مسلم كتاب الجنائز: باب تحريم النياحة۔ حديث: ٩٣٤۔

❸ مسند الامام احمد ٢/ ٣٦٢ ورجاله ثقات۔

والے حکم الٰہی کو لازم پکڑنے کی دعوت دے اور اس ضمن میں ان کے سامنے اللہ اور رسول مکرم ﷺ کے احکامات کو کھول کھول کر بیان بھی کرے۔

وہ جنازے کے پیچھے نہیں چلتی:

اپنے دین کی ہدایت سے روشناس رہنے والی مسلمان خاتون جنازے کے پیچھے نہیں چلتی' رسول اللہ ﷺ کے حکم کی پیروی کرتے ہوئے جس طرح کہ سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے اپنے اس فرمان میں خبر دی ہے:

''ہمیں (خواتین کو) جنازوں کے پیچھے چلنے سے روکا گیا ہے لیکن ہم پر سختی نہیں کی گئی۔''[1]

اس مسئلے میں عورت بالکل مرد کے حکم کے برعکس ہے' کیونکہ اسلام نے مرد ہی کو جنازے میں حاضر ہونے اور اسے دفن کرنے تک ساتھ جانے کی رغبت دی ہے' جبکہ یہ امور عورت کے لیے ناپسند کیے ہیں' کیونکہ عورت کے جنازے میں حاضر ہونے میں اور میت کے ساتھ چلنے میں بعض اوقات نامناسب حالات پیش آ سکتے ہیں جو موت کی عظمت کے حوالے سے غیر مناسب ہیں' اگرچہ میت کے ساتھ چلنے میں ساتھ چلنے والوں کے لیے حتیٰ کہ دفن کرنے تک بے شمار عبرتیں اور نصیحتیں ہوتی ہیں اور میت کے لیے استغفار ہوتا ہے' اسی طرح موت کو ذہن میں مستحضر بھی رکھنا ہوتا ہے جو ہر زندہ شخص کو لازماً پیش آنے والی ہے:

﴿ اَیْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَ لَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ﴾ (نساء: ٤/ ٧٨)

''تم جہاں کہیں بھی ہو موت تمہیں آ پکڑے گی گو تم مضبوط برجوں میں ہو۔''

تو جب رسول اللہ ﷺ نے خواتین کو جنازوں کے ساتھ چلنے سے روک دیا تو یہ ''نہی کراہت'' ہے ان پر لازمی حرام قرار نہیں دیا گیا لیکن صاحب عقل ہوشمند خاتون کے لیے رسول اللہ ﷺ کا منع کر دینا ہی کافی ہے۔ تاکہ وہ اس نہی کو قبول کرے اسے عملاً اختیار کرے اور پھر اس کے مطابق کاربند رہے' یہی اس کے حسن اسلام کی دلیل ہوگی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی سچی اطاعت کی پہچان ہوگی اور اس کے لیے احکامات اور مقامات کے حوالے سے حکم اور موقف کو تسلیم کرنا ہی زیادہ بہتر ہے۔

---

[1] صحيح بخاري، كتاب الجنائز، باب اتباع النساء الجنائز، حديث: ١٢٧٨۔

خاتمہ وتبصرہ

آخر ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ......

میں نے سابقہ صفحات میں مسلمان خاتون کی شخصیت کی اس طرح تصویر پیش کی ہے جس طرح اسلام نے اسے بنانا چاہا ہے' زندگی کے مختلف پہلوؤں میں اسلام کی اس کے لیے پیش کردہ ہدایات وتوجیہات کو مدنظر رکھتے ہوئے اور اس کی عقل و روح' اخلاق و کردار اور نفسیات کو اجاگر کرنے میں اسلامی حکیمانہ ہدایت سے مطابقت پیدا کرتے ہوئے اس کی شخصیت کی منظر کشی کی ہے۔ اس ضمن میں' میں نے تمام گوشوں کو اجاگر کرنے کے لیے قرآن مجید کی آیات بینات اور رسول کریم ﷺ کی صحیح یا حسن احادیث مبارکہ کو برمحل پیش کیا ہے جو اس کی شخصیت میں محکم اور دقیق توازن کو اس طرح ثابت کر رہی ہیں کہ اس کا کوئی گوشہ حیات دوسرے گوشے پر بڑھا ہوا نہیں ہے' اور جو والدین' اقربا' خاوند' اولاد' ہمسائیوں' بہنوں اور سہیلیوں وغیرہ کے علاوہ جن جن کے ساتھ بھی معاشرے میں ملاقات کرتی ہے ان سے باہمی میل جول میں اعلیٰ و ارفع کردار کو پختہ وراسخ کر رہی ہیں۔

سابقہ ابواب وفصول سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو چکی ہے کہ مسلمان خاتون صرف گھر میں بیٹھنے والی' بچوں کی پرورش کرنے والی اور گھریلو امور کی تدبیر کرنے والی ہی نہیں ہے بلکہ وہ ان امور کے علاوہ نسلوں کی تربیت کرنے والی' قوم کے سپوتوں کو پروان چڑھانے والی' میدان دعوت میں قائدانہ صلاحیت رکھنے والی' سمجھداری' انقلاب اور زندگی کے مختلف مراحل میں تعمیری سرگرمیاں انجام دینے والی' زندگی اور دنیا کی آبادکاری میں مرد کے شانہ بشانہ کردار ادا کرنے والی' زندگی کی خوشحالی' وجود کی خوش بختی اور زندگی کی خشکی میں تراوٹ و حلاوت پیدا کرنے والی بھی ہے۔

اور یہ بات بھی کھل کر سامنے آ چکی ہے اور اس میں ذرا بھر بھی دھوکا دہی کی آمیزش نہیں ہے کہ وہ مسلمان خاتون جس نے اپنے دین کی ہدایت سے کسبِ فیض کیا ہے وہی ترقی یافتہ'

مہذب' سمجھدار' بیدار مغز' نتیجہ خیز' معمار' پاک طینت اور بلند کردار خاتون ہے جو پوری سمجھ' عقل اور بصیرت سے اپنے واجبات کا ادراک کرتی ہے' اپنے رب کے حوالے سے' اپنے نفس کے حوالے سے' اپنے والدین کے حوالے سے' اپنے خاوند اور اپنی اولاد کے حوالے سے' اپنے رشتہ داروں اور اپنے میکے کے حوالے سے' اپنے ہمسائیوں کے حوالے سے' اپنی بہنوں اور سہیلیوں کے حوالے سے اور اپنے سارے معاشرے کے حوالے سے' پھر ان میں لوگوں' واقعات اور معاملات کے ہر پہلو کے اعتبار سے جس میں اضطراب اور بے چینی کی کیفیت طاری ہوسکتی ہے۔

وہ اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والی ہے' بیدار ذہن ہے' دنیاوی اور شیطان کی حیلہ بازیوں سے آگاہ رہنے والی ہے' اپنے پروردگار کی عبادت کرنے والی ہے' اس کے حکم کی اطاعت کرنے والی ہے' اس کی ناراضی سے بچنے والی ہے' اس کی قضاء وقدر پر راضی رہنے والی ہے اور اپنے رب کی حمایت کی طرف رجوع کرنے والی ہے' اگر کسی وقت اس کے قدم لڑکھڑا جائیں تو اسی سے معافی مانگنے والی ہے' یا کبھی کوئی غفلت' تراخی اور کمی کوتاہی کا ارتکاب ہو جائے تو اسی سے عاجزی کرنے والی ہے' اپنے خاندان کے افراد کے بارے میں اپنے رب کے حضور اپنی مسئولیت اور ذمہ داری کا احساس رکھتی ہے' اپنے ہر عمل میں جو بھی وہ انجام دیتی ہے اللہ عزوجل کی رضا مندی کی حریص ومتلاشی رہتی ہے' اللہ تعالیٰ کے لیے عبودیت کے معنی اور اس کے دین برحق کی نصرت وحمایت کے معنی کی پیکر نظر آتی ہے' اپنی استطاعت اور اپنی امکانی حدود کے مطابق نیکی کا حکم کرتی اور برائی سے منع کرتی ہے۔ وہ اپنے نفس کی بابت واجبات وفرائض کو سمجھتی ہے' وہ اس حقیقت کا ادراک رکھتی ہے کہ وہ جسم' عقل اور روح سے مرکب انسان ہے' جسم کے اپنے تقاضے اور لوازمات ہیں' بالکل اسی طرح عقل اور روح کے بھی اپنے اپنے تقاضے اور لوازمات ہیں' اسی لیے وہ اپنے جسم' اپنی عقل اور اپنی روح کے درمیان توازن کو برقرار رکھنے کی حریص وخواہشمند رہتی ہے' ان میں سے کسی ایک پہلو پر زیادہ توجہ نہیں دیتی بلکہ اپنی متوازن انسانی شخصیت کو برقرار رکھنے کے لیے تمام پہلوؤں کو مطلوبہ توجہ دینے کا اہتمام قائم رکھتی ہے' اس سلسلے میں وہ اپنے دین حکیم کی ہدایت سے کسب فیض کرتی ہے یعنی کتاب اللہ سے اور رسول معظم ﷺ کی تعلیمات سے' اور سلف صالحین کی سیرت سے جو احسان کے ساتھ رسول کریم ﷺ

کے نقش قدم کی پیروی میں چلتے رہے ہیں۔

وہ اپنی ظاہری شکل وصورت کا بھی خیال رکھتی ہے لیکن اسراف' مبالغہ' تکبر وغرور اور جھکاؤ و فراوانی سے دامن بچائے رکھتی ہے' اپنے باطن کے متعلق ایسی توجہ کا اہتمام کرتی رہتی ہے جو اس انسان کے لائق ہے جسے اللہ تعالیٰ نے عزت وسر بلندی عطا کی ہے' جسے اپنے فرشتوں سے سجدہ کروایا ہے' جس کے لیے اپنے آسمانوں اور زمین کو مطیع وفرمانبردار بنا دیا ہے' وہ اس طرح جس سے اس کی شخصیت متوازن معتدل محبوب اور پسندیدہ بنی رہتی ہے' اپنی شکل وصورت میں' اپنی عقل وسوچ میں' اپنے معمولات وتصرفات میں' اپنے کردار اور ردعمل میں راہِ اعتدال سے باہر نہیں نکلتی۔

اسے اپنے جسم اور اپنی عقل پر توجہ دینا اپنی روحانیت سے متعلقہ اعمال بجا لانے سے دور نہیں کرتا بلکہ وہ اپنی جسمانی اور عقلی تربیت پر توجہ دینے کی طرح اپنی روحانیت پر بھی مکمل توجہ دیتی ہے' وہ اپنی روح کو عبادتِ الٰہی' ذکرِ ایزدی اور تلاوتِ قرآن حکیم کے ذریعے پالش وصیقل کرتی رہتی ہے' ان تمام معاملات میں اس کا مدار اور اصلی جوہر اپنی شخصیت کے تمام پہلوؤں میں دقیق' محکم اور پختہ توازن پر ہوتا ہے۔

وہ اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرنے والی ہے' ان کی قدر ومنزلت اور ان کے حوالے سے باقی واجبات کو پہچاننے والی ہے' ان کی نافرمانی کے بارے میں ڈرتی رہتی اور بڑی حساس رہتی ہے' ان کے ساتھ نیکی کرنے اور حسن سلوک سے پیش آنے میں اعلیٰ وارفع اسلوب اور بہترین انداز کو اپنانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتی بلکہ ان کی تکریم' عظمت' نگہداشت اور خدمت کرنے میں تمام ممکنہ وسائل کو بروئے کار لاتی ہے۔

وہ اپنے شوہر کے ساتھ عقل مند' ذہین' سمجھدار' نیکوکار' فرماں بردار' متواضع' محبت کرنے والی اور منکسر المزاج بیوی کی طرح رہتی ہے' اس کی رضا مندی کی متلاشی رہتی ہے' اس کے خاندان والوں کا احترام واکرام کرتی ہے' اس کے راز کو چھپاتی اور نیکی' تقویٰ اور عمل صالح کے سلسلے میں اس سے تعاون کرتی ہے' اس کے نفس وقلب کو خوشی سے معمور کر دیتی ہے' اسے خوش بختی' سکون اور اطمینان کی دولت کا مکمل احساس وشعور فراہم کرتی ہے۔

وہ اپنے بچوں کے ساتھ ایک ہمدرد' غمگسار اور بہت زیادہ محبت و پیار کرنے والی ماں کی مثل

ہوتی ہے جو انتہائی سمجھدار' حکمت سے مالا مال اور ان کی تربیت کی بھاری ذمہ داری کا ادراک کرنے والی ہوتی ہے' ممتا کی ذمہ داری اور مسئولیت کو ذہن میں رکھنے والی ہوتی ہے' وہ انہیں اپنی مہربانی' شفقت' پیار اور محبت کا احساس دلاتی ہے' ان کی راہ راست اور درست سمت کی طرف رہنمائی کرنے میں کوئی بخیلی نہیں کرتی' اگر انہیں سیدھی سمت چلانے کی ضرورت ہو تو اس سلسلے میں غفلت نہیں دکھاتی' تاکہ وہ اس بہترین مثالی اسلامی تربیت میں پروان چڑھ سکیں جو دلوں میں مکارم اخلاق کے بیج بوتی اور امور و معاملات میں بلندیوں سے محبت کی جڑیں گہری کرتی ہے۔

وہ اپنی نندوں اور اپنے سسرالی رشتہ داروں کے ساتھ نیکوکار' عدل کرنے والی' خیر خواہی کرنے والی اور حکیمانہ صلاحیتوں سے معمور رہتے ہوئے زندگی گزارتی ہے' ان کے نجی معاملات میں دخل انداز نہیں ہوتی' ان سے اچھی گزر بسر رکھتی ہے' محبت کے رشتوں کو مضبوط رکھنے کے لیے کوشاں رہتی ہے اور لڑائی اور جھگڑے کے اسباب کو دور رکھتی ہے۔

وہ اپنے اقارب' رشتہ داروں اور اپنے میکے کے عزیزوں کے ساتھ محبت کی لڑی میں منسلک رہتی ہے' ان سے صلہ رحمی کرنے میں اور ان کے ساتھ احسان کرنے سے کبھی غافل نہیں ہوتی اگر وہ قطع رحمی بھی کریں تب بھی یہ ان سے صلہ رحمی ہی کرتی ہے' اس ضمن میں دین اسلام اور دین حنیف کی تعلیمات و ہدایات پر عمل پیرا رہتے ہوئے قرابت کے رشتہ کو مضبوط و مستحکم رکھتی ہے اور محبت والفت کے سرچشموں کو جاری رکھتے ہوئے تاحیات ان سے میل جول رکھتی ہے۔

وہ اپنی ہمسائیوں کے ساتھ نیک سلوک روا رکھتی ہے' ان کے معاملات کو اہمیت دیتی ہے' ان کے اس بڑے حق کو سمجھتی ہے جسے جبریل روح الامین علیہ السلام نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے انتہائی اہمیت سے بیان کیا تھا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ گمان ہی کر لیا تھا کہ وہ انہیں مالِ وراثت میں حق دار ہی بنا دیں گے' وہ ان کیلئے وہی چیز پسند کرتی ہے جو اپنے لیے پسند کرتی ہے' ان کے ساتھ حسن معاملہ رکھتی ہے' انکے احساسات و جذبات کا خیال رکھتی ہے' ان کے ساتھ شریکِ غم ہوتی ہے' ان کی لغزشوں اور کوتاہیوں سے چشم پوشی کرتی ہے' ان کے ساتھ برائی کرنے سے احتراز کرتی ہے' انکے ساتھ حسن معاملہ اور احسان کرنے میں کسی طرح کی تقصیر و کوتاہی کا ارتکاب نہیں کرتی۔

وہ اپنی بہنوں اور سہیلیوں کے ساتھ دوسری عورتوں سے ممتاز رہتے ہوئے ان کے ساتھ

تعلقات استوار رکھنے میں اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت رکھنے میں ممتاز رہتی ہے' کیونکہ حیات انسانی میں سب سے پاکیزہ' اعلیٰ اور بلند ترین یہی محبت ہے' اس لیے کہ یہ محبت ہر طرح کے فائدے اور منفعت سے خالی' ہر طرح کی دنیاوی غرض سے بالا اور ہر طرح کے شائبہ سے پاک صاف ہوتی ہے' وہ اس محبت کی صفائی' ستھرائی اور پاکی کے سلسلے میں ہدایتِ نبوت اور وحی کے پرمنور چراغدان سے مستفید ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان خاتون اپنی محبت اور اپنی بہنوں سے سلسلۂ مواخات میں سچی' مخلص' درگزر کرنے والی اور وسعتِ قلبی کا مظاہرہ کرنے والی ہوتی ہے' اپنے اور ان کے درمیان اخوت ومحبت کے رشتے کو باقی رکھنے کی خواہش مند رہتی ہے' ان سے قطع تعلق نہیں ہوتی بوجہ ناراضی انہیں چھوڑتی نہیں ہے' ان کی غیبت نہیں کرتی' جھگڑنے' لڑنے اور دل میں رنجش رکھنے سے ان کے جذبات کو مجروح نہیں کرتی' ان کے خلاف کینہ وبغض نہیں رکھتی' ان کو عطیہ وتحفہ پیش کرنے میں اپنے ہاتھ کو روکے نہیں رکھتی' بلکہ ہمیشہ ان سے خندہ پیشانی اور ہنستے دمکتے چہرے کے ساتھ ملتی ہے۔

وہ اپنے معاشرتی تعلقات اور رابطوں میں ایک ترقی پسند معاشرتی خاتون کی طرح دورِ اول کے انداز پر زندگی گزارتی ہے' اس وجہ سے کہ اس نے اپنے دین کی تعلیمات کو حاصل کر لیا ہے' اس کے کشادہ اور شفاف احکامات کو ان کی گہرائی وگیرائی سے سمجھ لیا ہے' تاکہ باہمی معاملات میں' رفعتِ اخلاق میں اور تعلقات وروابط کی استواری میں ان پر عمل پیرا رہے' اس عظیم وکبیر ہمیشہ سے رواں دواں رہنے والے سرچشمے سے مسلمان خاتون سیراب ہو کر اپنے معاملات' اطوار' کردار' عادات اور اپنی ترجیحات کو متعین کرتی ہے' پھر اسی صاف چشمے اور میٹھے گھاٹ سے وہ اعلیٰ اقدار اور عمدہ اخلاق کا پانی سیر ہو کر پیتی ہے جو اس کے نفس کا تزکیہ کرتے اور اس کی معاشرتی ممتاز شخصیت کو مزید نکھارتے ہیں۔

بلاشبہ وہ حسن خلق والی اور تمام لوگوں کے ساتھ سچی اور سیدھی رہتی ہے' نہ دھوکا دیتی ہے' نہ ملاوٹ کرتی ہے' نہ چالبازی کھیلتی ہے' نہ منافقت کرتی ہے' نہ جھوٹ کی محفلوں میں جاتی ہے' بلکہ وہ تو خیر خواہی کرتی ہے' وعدے کو پورا کرتی ہے' حیاداری اور عفتِ نفس سے متصف ہوتی ہے' بے مقصد اور لایعنی کاموں میں دخل نہیں دیتی' لوگوں کی عزتوں پر حملہ آور ہونے اور پوشیدہ مقامات

کی ٹوہ لگانے سے دور رہتی ہے' ریا کاری سے انتہائی بعید رہتی ہے' اپنے فیصلے میں عدل کرتی ہے' ظلم نہیں کرتی اگر کسی سے محبت نہ بھی ہو تب بھی انصاف کرتی ہے' کسی کو گالی گلوچ نہیں کرتی' بدگمانی سے اجتناب کرتی ہے' غیبت اور چغلی کھانے سے اپنی زبان کو قابو میں رکھتی ہے' کسی کی برائی دیکھ کر خوش نہیں ہوتی' کسی سے ردی اور گھٹیا گفتگو کرنے سے پرہیز کرتی ہے' کسی سے مذاق نہیں کرتی' لوگوں سے نرمی کرتی اور رحم والا معاملہ روا رکھتی ہے' لوگوں کی نفع رسانی اور ان سے نقصان و تکلیف کو دور ہٹانے کے لیے کوشاں رہتی ہے' تنگ دست خاتون کو آسائش فراہم کرتی ہے' سخی اور کھلے دل والی ہوتی ہے' انھیں دینے کے بعد احسان نہیں جتلاتی' بردبار ہوتی ہے' درگزر کرنے والی ہوتی ہے' کشادہ دل ہوتی ہے' نہ کینہ و بغض رکھتی ہے نہ حسد ہی کرتی ہے' آسانی پیدا کرنے والی ہوتی ہے تنگی پیدا نہیں کرتی' فخر و غرور کرنے اور ظاہر پسندی سے دور رہتی ہے' مبالغہ آمیزی اور تکلف برتنے سے اجتناب کرتی ہے' اس کی شخصیت لوگوں کی پسندیدہ و محبوب ہوتی ہے' الفت کرنے والی اور الفت پانے والی ہوتی ہے راز کی حفاظت رکھتی ہے' کشادہ رو ہوتی ہے' ہنس مکھ رہتی ہے' کسی کے ہاں جائے تو تھوڑی دیر کے لیے قیام کرتی ہے' دلوں میں خوشیوں کو بھرتی ہے' کسی کے جائز کام میں رکاوٹ نہیں ڈالتی' تکبر نہیں کرتی' بلکہ متواضع' منکسر المزاج' اپنے لباس اور شکل وصورت میں معتدل رہتی ہے' عالی ہمت اور بلند امور کا اہتمام کرتی ہے' مسلمانوں کے امور میں دلچسپی لیتی ہے' مہمان کا اکرام کرتی ہے' اپنے نفس پر دوسروں کو ترجیح دیتی ہے' اسلامی اصولوں اور ضابطوں کے سامنے اپنی عادات کو زیر کر لیتی ہے' السلام علیکم کو اختیار کیے رکھتی ہے' کسی دوسرے کے گھر میں بلا اجازت داخل نہیں ہوتی' مجلس کے آخر میں ہی جہاں جگہ ملے بیٹھ جاتی ہے' جب صرف تین خواتین ہوں تو دوسری سے سرگوشی نہیں کرتی' عمر رسیدہ اور صاحب فضل خاتون کا اکرام و احترام ملحوظ رکھتی ہے' کسی دوسرے کے گھر میں جھانکتی نہیں ہے اپنی نسوانیت کے مناسب عمل کو اختیار کرتی ہے' مردوں سے مشابہت اختیار نہیں کرتی' دعوت حق پیش کرتی ہے' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو بجا لاتی ہے' انتہائی حکیمانہ انداز میں مکمل سمجھداری سے دعوت کے میدان میں چلتی رہتی ہے' نیک اور صالح خواتین سے میل جول رکھتی ہے' مسلمان خواتین کے درمیان صلح جوئی کے لیے کوشاں رہتی ہے' عورتوں کے ساتھ میل ملاپ رکھتے ہوئے

ان کی اذیتوں پر صبر کا دامن تھام کر رکھتی ہے' کسی کے احسان کی قدر کرتی اور اس پر شکریہ ادا کرتی ہے' بیماروں کی عیادت کرتی ہے اور جنازوں کے پیچھے نہیں چلتی ہے۔

یہ ہے وہ مسلمان خاتون کی شخصیت جسے اسلام نے اپنی بہترین حکیمانہ ہدایت کی روشنی میں آراستہ و پیراستہ کیا ہے۔ اس کے دل کو اور اس کی بصیرت کو اپنی روشن و منور تعلیمات کے ساتھ چمکا دیا ہے۔

اللہ کی قسم! یہ وہ بلند ترین اور ارفع و اعلیٰ کردار ہیں جن سے انسانی معاشروں کی کوئی خاتون شناسا بنی ہے' جب اس میں مذکورہ تمام مکارم اخلاق جمع ہو جاتے ہیں تو وہ عقل کی پختگی' نفس کی صفائی' روح کی بلندی' دنیا' زندگی اور انسان کے حوالے سے تصور کی سلامتی اور زندگی میں اپنے اہم ترین فریضے کی ادائیگی کے لیے اپنی سمجھداری اور عقل مندی کا مظاہرہ کرنے والی بن جاتی ہے۔

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں رہتا کہ کسی خاتون کا اخلاقی' روحانی' نفسیاتی اور فکری اعتبار سے اس بلند سطح تک رسائی پا لینا واقعی ایک عظیم انسانی نعمت ہے' دنیا جہاں کی بے شمار بڑی بڑی نعمتیں اس کے مقابلے میں ہیچ ہیں' جن کے خوشگوار سایوں میں انسانیت زندگی بسر کر رہی ہے اور یہ ان کامیابیوں میں سے عظیم ترین تہذیبی کامیابی ہے جس کو انسانیت نے اپنی طویل ترین عمر میں پایا ہے' وہ یہ ہے کہ عورت دنیا کے اس بلند ترین مقام اور اعلیٰ سطح پر پہنچ چکی ہے یعنی اپنی انسانیت کی برتری' شخصیت کی پختگی اور اپنی زندگی میں اہم ترین فریضے کی ادائیگی کے لیے اپنی کامل اہلیت کو پا چکی ہے۔

آج عالم اسلام کے بہت سے علاقوں میں ہم جو مسلمان خاتون کی اس ارفع و اعلیٰ مقام سے پسماندگی اور تنزلی دیکھ رہے ہیں جو اسلام نے اس کے لیے پسند فرمائی ہے تو اس کی وجہ مسلمانوں کا بالعموم اپنے صاف شفاف دینی چشموں سے دور ہونا ہے اور جاہلی ڈھلائی خانوں میں سرگرداں رہنا یا غیروں کی فکری اور نفسیاتی پیروی کرتے رہنا ہے' حالانکہ ان میں سے کوئی چیز بھی مسلمانوں کی زندگی میں بالعموم اور عورت کی زندگی میں بالخصوص بالکل نہیں ہونی چاہیے' اگر اب بھی مسلمانوں کو ان کے فکری اور روحانی سرچشموں سے فیض یابی اور سیرابی کی توفیق مل جائے اور سب مرد اور خواتین ان سے جی بھر کر پانی پینے کی طرف آ جائیں اور ان کے صاف ستھرے جام نوش جان کرنے کی ٹھان لیں تو پھر ان کی امتیازی' اصلی اور حقیقی پہچان پلٹ سکتی ہے۔

جب عالم اسلام پر یلغار ہوئی تھی تو انہوں نے مسلمان کی شخصیت کو بالعموم خواہ وہ مرد تھا یا عورت' ہدف بنایا تھا' اسے اس کی اصل سے دور کر دینے کے لیے پوری توانائی استعمال کی تھی' اس کے فکری سرچشموں کو آلودہ کرنے کی پوری کوشش کی تھی' تو اس امر میں اب کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہا کہ خصوصاً عورت کی شخصیت کو ہدف بنا کر بے شمار یلغاریں کی جا چکی ہیں' اسے فضیلت کے لباس سے محروم کرنے کے لیے پوری توانائی صرف کر دی گئی ہے' جو اسے ایک طویل ترین تاریخ گزرنے کے بعد میسر آئی اس کے معاً بعد اس کو تنگ جعلی مستعار کپڑے پہنائے گئے جس سے عورت کی شکل وصورت ہی اجنبی اور بیگانی لگتی ہے' اس کی شکل وصورت' اس کی سوچیں اور اس کا سلوک وکردار بھی اس تبدیلی کے ساتھ بدل چکا ہے۔

اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے خطیر وکثیر رقمیں خرچ کی گئیں اور زبردست کوششیں کی گئیں' اس دعوے کو بنیاد بنا کر کہ مسلمان خاتون کو مغربی ممالک میں لے جانا ہے جہاں پر تحریکیں ہیں' انجمنیں ہیں اور مختلف سوسائٹیاں ہیں' لیکن الحمدللہ! اپنے دین کے احکام کو یاد رکھنے والی سلیقہ مند مسلمان خاتون کی بیداری کے سامنے سب مات کھا گئے' اب بے شمار مرد وخواتین کی جانب سے جو اہل مغرب کے حامی ومعاون ہیں' ان کی تصریحات الٹا رخ اختیار کر چکی ہیں اور وہ اس امر کا اعتراف کر رہے ہیں کہ واقعی مسلمان خاتون کا عقیدہ انتہائی گہرا ہے' اس کی فکر' اس کی نفسیات اور اس کے خیالات میں اسلامی جڑیں انتہائی مستحکم ہیں۔

اپنے بلند ترین مقام اور اپنی ارفع واعلیٰ حیثیت کو برقرار رکھنے کے لیے مسلمان خاتون سے بے شمار بڑی بڑی امیدیں وابستہ ہیں اور اپنی شخصیت میں مزید نکھار پیدا کرنے کے لیے اس سے چند اور بھی توقعات وابستہ ہیں' وہ خواہ کسی بھی جگہ میں ہو' جیسے بھی حالات میں زندگی بسر کر رہی ہو' اس کی اپنی اسلامی اور مسلمان شخصیت کو برقرار رکھنے ہی میں اس کی سمجھداری' اس کی بلندی' اسلام سے اس کے دائمی تعلق کی سچی نسبت اور اس کی انسانی متمدن تہذیب سے فریفتگی ہی اس کی روشن وبین دلیل ہے اور اس میں اس امر کی بھی واضح دلیل ہے کہ پھر اس کی امت ہی دنیا میں غالب آئے گی جس کے ساتھ وہ نسبت رکھتی ہے اور اس کا وطن ہی ترقی کرے گا جس میں وہ رہائش پذیر ہے۔

مثالی مسلمان مرد

- ایک مرد ایک مثالی مسلمان مرد کیسے بن سکتا ہے؟ کہ ہر جگہ اس کی راہوں میں آنکھیں بچھائی جائیں، اس کی بات مان کر خوشی محسوس کی جائے۔
- ایک مثالی مرد اپنے رب کو کیسے مناتا ہے؟ کہ ہر دکھ و تکلیف سے اپنے پروردگار کی مدد پا کر نجات پا جائے۔
- مثالی مسلمان مرد اپنی ذات کو دوسروں کے سامنے کس طرح پیش کرتا ہے؟ کہ اس کے عزت ووقار میں اضافہ ہی اضافہ ہو۔
- مثالی مرد اپنے والدین سے کس طرح کا سلوک کرتا ہے؟ کہ لوگ عش عش کر اٹھیں۔
- مثالی مرد کا تعلق اپنی بیوی کے ساتھ کیسا ہوتا ہے؟ جو اس کی دنیا اور آخرت کی کامیابی کا ضامن ٹھہرے۔
- مثالی مرد اپنی اولاد کے ساتھ کس طرح کا برتاؤ کرتا ہے؟ کہ جو بڑھاپے میں اس کے لیے سکون کا جھونکا ثابت ہو۔
- مثالی مرد کا تعلق اپنی بیٹی اور داماد کے ساتھ کیسا ہوتا ہے؟ کہ جس سے گھر رشک چمن بن کر مہک اٹھے۔
- مثالی مرد کا تعلق اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ کیسا ہوتا ہے؟ جو خاندان بھر میں اس کو سربلند کردے۔
- مثالی مرد کا تعلق اپنے قرب وجوار میں محلے داروں اور پڑوسیوں کے ساتھ کیسا ہوتا ہے؟ کہ جو پڑوس سے ہی اس کے مددگار و غمگسار پیدا کرنے کا باعث بنے۔
- مثالی مرد کا تعلق اپنے دوستوں اور بھائیوں کے ساتھ کیسا ہوتا ہے؟ کہ جو اس کے متعلق ہر سو نیک نامی کی خوشبو بانٹتے پھریں۔
- مثالی مرد کا تعلق و رابطہ اپنے معاشرے کے ساتھ کیسا ہوتا ہے؟ کہ جس کی بنا پر وہ اس کا آئیڈیل و رہنما اور قابل تعظیم ہستی بن جائے۔
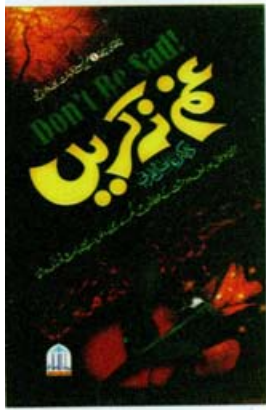
آئیڈیل مسلمان عورت

آج کل کے میڈیا وار کے گلوبل چیلنج کے دور میں ہر مسلمان عورت یہودی میڈیا کے زہریلے حملوں کی زد میں آ کر روحانی طور پر جاں بلب ہے۔ وہ اپنی زندگی کو کسی کامیاب شاہراہ پر چلانے کے لیے کسی آئیڈیل کی تلاش میں ہے، کہ جس کے نقش قدم پر چل کر وہ ممتاز، معزز، محترم، ہر دلعزیز، باوقار شخصیت بن جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے وہ مغرب کی گندی، بدکارہ، فاحشہ عورتوں کو بطور آئیڈیل اپناتی ہے اور اپنی زندگی کے خرمن میں خود ہی آگ لگا کر اسے خاکستر کر چھوڑتی ہے۔

دنیا کے نجات دہندہ آخری مذہب اسلام نے عورت کو ایسا بھرپور پر کشش اور کامیاب لائحہ عمل فراہم کیا ہے جو بتاتا ہے کہ تجھے کسی کو آئیڈیل بنانے کی کیا ضرورت ہے! تو خود کیوں نہیں دوسروں کی آئیڈیل بن جاتی؟...... تو خود کیوں نہیں ایسی مثالی کامیاب عورت بن جاتی کہ لوگ تجھے دیکھ کر اپنی زندگی کی سمت درست کریں...... تیرے رستے میں آنکھیں بچھائیں، دل میں بٹھائیں...... تجھ سے گفتگو کر کے خوشی محسوس کریں...... اپنی بیٹیوں کو تیرے پاس تیری مجلس میں شریک ہونے اور کچھ سیکھنے کے لیے بھیجیں...... اور آخرت میں تو حوروں کی سردار بن کر جنت کی بادشاہت کی ملکہ بن جائے...... یہ سب کیسے ممکن ہے...... اس کے لیے کیا کرنا پڑے گا!!؟ یہی سب تعلیمات اور کامیاب لائحہ عمل اس کتاب میں کھول کر بیان کیا گیا ہے۔

اگر آپ بھی دونوں جہانوں میں آئیڈیل بننے کی خواہش رکھتی ہیں تو پہلی فرصت میں اس انمول کتاب کا مطالعہ کر کے عمل کریں اور دنیا کو ہی جنت بنتا دیکھیں اور پھر مرنے کے بعد ابدی گنگناتی، بل کھاتی آبشاروں، دودھ، شہد کی نہروں اور حور و غلماں سے معمور جنتوں کی مالک بن جائیں۔ ان شاء اللہ

محمد طاہر نقاش